

مقالاتِ حافظ محمود شیرانی

جلد ہفتم

تنقید پر ترقی راجع

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

مجلس ترقی ادب

کب روڈ ○ لاہور

مقالاٹ حافظ محمود شیرانی

جلد ہفتم

تنقید پر تھی راج راس

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

مجلس ترقی ادب

کلب روڈ ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : فروری ۱۹۷۶ء

تعداد : ۱۱۰۰

لاشر : احمد ایدیم قاسمی

ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ - ریلوے روڈ ، لاہور

طابع : محمد زرین خان

قیمت : ۳۲ روپے

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۱	عرض سرائب
۳	دیباچہ -

الف - مطالب

۱۳	۱- فہرست مضامین
۲۰	۲- میواتی 'مگل کتھا'
۲۰	۳- حسین کتھا
۲۵	۴- آکھیشک چوک برتن
۲۶	۵- مگل جدہ (جنگ مغل)
۲۶	۶- مادھو بھاٹ کتھا
۲۷	۷- ہندوؤں سے
۲۹	۸- دھن کتھا (اقسامہ گنج)
۳۷	۹- دیوانہ سمیو
۳۹	۱۰- اٹک ہال سے
۴۲	۱۱- کھگھر کی لڑائی
۴۴	۱۲- پپا پدہ
۴۴	۱۳- جیت راؤ پدہ
۴۵	۱۴- ہنسوانی دواہ
۴۷	۱۵- ہال رائے سے
۴۸	۱۶- کھاس جدہ

صفحہ	عنوان
۴۹	۱۷- ہانسی پور برلہم جلد - - - - -
۵۰	۱۸- دواپہ ہانسی جلد - - - - -
۵۱	۱۹- پھون مہویا نام پرستاو - - - - -
۵۲	۲۰- پھون ہانساہ جلد - - - - -
۵۳	۲۱- دوکا کیدار سمیو - - - - -
۵۵	۲۲- دھیر ہنڈیر پرستاو - - - - -
۶۷	۲۳- بڑی لڑائی رو پرستاو - - - - -
۷۵	۲۴- بان بیدہ پرستاو - - - - -

ب — تالیف

۸۱	۱- سلطان معزالدین محمد بن سام - - - - -
۸۷	۲- سلطان کے امرا کے نام - - - - -
۱۰۱	۳- سلطان شمس الدین - - - - -
۱۰۹	۴- سلطان علاء و محکوم القوام - - - - -
۱۱۳	گکھڑ - - - - -
۱۱۶	بلوچ - - - - -
۱۱۷	مغل اور چغتائے - - - - -
۱۱۸	نرنگی اور روسی - - - - -
۱۲۰	اوچیک (اوزیک) - - - - -
۱۲۰	کندلواس یا کندلواس (تولپاش) - - - - -
۱۲۰	کھوڈکار (خوڈکار) - - - - -
۱۲۱	۵- حساب فیروزہ - - - - -
۱۲۱	۶- رولر مکندہ - - - - -

صفحہ	عنوان
۱۲۲	۷۔ سنی کی صدائے بازگشت
۱۲۳	۸۔ بعض اصلاحات و امہا۔
۱۲۳	بخشی
۱۲۴	شاگرد پیشہ
۱۲۴	عرضداشت
۱۲۴	ڈاک چوری
۱۲۵	اردو
۱۲۶	سمیر
۱۲۷	بتھار
۱۲۷	کران پا کمند
۱۲۸	طیب
۱۲۹	لاڈلوں اور کھٹو
۱۳۱	پداوت
۱۳۲	سوالک
۱۳۵	دربار و محل سرا
۱۳۵	ہست
۱۳۶	ہست انجھمی
۱۳۶	جے چند کا دربار
۱۳۹	پیشی کاری
۱۳۹	جانبم اور دلچید
۱۴۰	سلام و تسلیم
۱۴۱	دعا گوئی
۱۴۳	اجمیر پر

صفحہ	عنوان
۱۴۷	خواجہ سرا
۱۴۸	داسپان (کنیزان)
۱۴۸	ناری بھیس نو (اردا بیگنی)
۱۵۰	۹- شکار
۱۵۲	۱۰- بالغ
۱۵۳	زعفران
۱۵۳	گلاب ، نارنگی ، انشاس
۱۵۶	۱۱- کھانے
۱۵۷	۱۲- کایستہ اور کھتری
۱۵۸	۱۳- بھاش
۱۶۱	۱۴- مسالائی الفاظ
۱۶۵	۱۵- 'راسا' اور ابو الفضل
۱۷۳	۱۶- 'راسا' اور میران سید حسین
۱۷۳	'راسا' سے اقتباس
۱۷۶	قنبر روشن علی
۱۷۷	رسالہ "کلم"
۱۷۹	حالاتِ شاہ میران جی
۱۸۳	نقید رسالہ
۱۸۵	خریدتہ الاصفیا
۱۸۶	تاریخِ مرشدہ
۱۸۶	سیر العارنین
۱۸۷	جواہرِ فریدی
۱۸۸	سوانح الارواح

صفحہ	عنوان
۱۸۸	سیر الانتساب - - - - -
۱۹۰	الذکرۃ الابرار والاشرار - - - - -
۱۹۲	رسالہ "امرائیہ" - - - - -
۱۹۲	میران صاحب کی درگاہ - - - - -
۱۹۳	دیگر مقالات پر درگاہیں - - - - -
۱۹۳	گیت میران سینہ حسین - - - - -
۲۰۲	۱- برتھی راج ، برتھا ہائی اور راول سمری کے فرائین و اسناد -
۲۰۹	۱۸- آتشیں اسلحہ - - - - -
۲۰۹	ایلیٹ کا بیان - - - - -
۲۱۰	"اسا" میں قوب اور ہندوؤں کا ذکر - - - - -
۲۱۳	مغریوں کا بیان - - - - -
۲۱۶	فردوسی کی روایت - - - - -
۲۲۰	مسلمان عہد - - - - -
۲۲۰	منجلیق - - - - -
۲۲۱	ہامبرہ مکتہ - - - - -
۲۲۱	منجلیق عروس - - - - -
۲۲۱	منجلیق ارماتوس - - - - -
۲۲۲	چینی منجلیق - - - - -
۲۲۲	ملک طالب منجلیق - - - - -
۲۲۳	ملک کسل کا منجلیق - - - - -
۲۲۴	موصل کے منجلیق - - - - -
۲۲۴	حصاروی منجلیق - - - - -
۲۲۵	فتح عکتہ - - - - -

صفحہ	عنوان	صفحہ
۲۲۷	منجنیق گردان -	۸۸۱
۲۲۷	منجنیقوں کی شکل -	۸۸۲
۲۲۸	النکیر لاہوری -	۸۸۳
۲۲۹	قلقشندی -	۸۸۴
۲۲۹	شاہد صادق -	۸۸۵
۲۳۰	محمد بن اسلام -	۸۸۶
۲۳۰	منجنیق کی السام -	۸۸۷
۲۳۱	مغری ذرائع -	۸۸۸
۲۳۶	دبابة -	۸۸۹
۲۳۷	گیش -	۸۹۰
۲۳۷	عترادہ -	۸۹۱
۲۳۷	چرخ -	۸۹۲
۲۴۱	دیگ -	۸۹۳
۲۴۳	کشکنجیر -	۸۹۴
۲۴۵	لقک -	۸۹۵
۲۴۸	لاوک -	۸۹۶
۲۴۹	اسباب فلعہ گیری و لقب زنی -	۸۹۷
۲۴۹	شاہنامے کا بیان -	۸۹۸
۲۵۱	چنگیزی انواع -	۸۹۹
۲۵۲	فلعہ چند -	۹۰۰
۲۵۲	فتح بخارا -	۹۰۱
۲۵۳	غورلوزم -	۹۰۲
۲۵۳	پشا پور -	۹۰۳

صفحہ

عنوان

۲۵۴	-	-	-	-	-	قلعہ الموت اور کبان گاؤ
۲۵۴	-	-	-	-	-	لرا پھرا
۲۵۵	-	-	-	-	-	قلعہ ترشیز
۲۵۵	-	-	-	-	-	قلعہ ازبیر
۲۵۶	-	-	-	-	-	قلعہ نکریٹ
۲۵۷	-	-	-	-	-	قلعہ حلب
۲۵۸	-	-	-	-	-	ملجور
۲۵۹	-	-	-	-	-	قلعہ دمشق
۲۶۱	-	-	-	-	-	آتش بار آلات اور قیور
۲۶۳	-	-	-	-	-	رعد و کبان رعد
۲۶۵	-	-	-	-	-	مجموعہ الصنائع کا بیان
۲۶۶	-	-	-	-	-	روغن اسکندری
۲۶۷	-	-	-	-	-	مفری مصطفیٰ کا بیان
۲۶۸	-	-	-	-	-	قادی اور ریشاد
۲۶۸	-	-	-	-	-	رسالہ حسن الترمج
۲۷۰	-	-	-	-	-	۱۹۔ ہندوستان
۲۷۰	-	-	-	-	-	قلعہ ہالسی
۲۷۰	-	-	-	-	-	حصار برتر
۲۷۱	-	-	-	-	-	حصار آکرہ
۲۷۱	-	-	-	-	-	ملتان
۲۷۲	-	-	-	-	-	لاہور
۲۷۲	-	-	-	-	-	۲۔ کتاب آداب الحرب و الشجاعت
۲۷۳	-	-	-	-	-	سوار

صفحه	عنوان
۲۷۳	چکتر
۲۷۳	قبر
۲۷۵	کبان
۲۷۶	تلوار
۲۷۸	قلاچوری
۲۷۸	لاپخ
۲۷۸	دشنه
۲۷۸	کشاره
۲۷۹	شل (میل)
۲۷۹	یل کش
۲۷۹	نیزه
۲۸۰	قلعه کشائی
۲۸۳	جلال الدین خلجی
۲۸۵	علاء الدین خلجی و حصار رنهنجور
۲۸۵	حصار لنگ
۲۸۶	الخ شان و حصار ارنگل
۲۸۷	محمد بن تغلق
۲۸۸	حصار پیر
۲۸۹	کلیبرگه
۲۹۰	فیروز شاه
۲۹۰	حسن بهمنی
۲۹۰	شرح حکمرانان

صفحہ	عنوان
۲۹۱ -	۲- آتش بازی
۲۹۱ -	اسیر خسرو
۲۹۲ -	شمس سراج عقیف
۲۹۲ -	تبر آتشی
۲۹۳ -	رعد الداز و تفک انکن
۲۹۵ -	غوطہ خوار
۲۹۶ -	کارخانہ آتش بازی دکن میں
۲۹۷ -	کشیر میں 'جب' آتش باز
۲۹۷ -	گہرات
۲۹۸ -	لودھیوں کا زمانہ
۲۹۹ -	بابر کا توپ خانہ
۳۰۰ -	شیر شاہ کی ہلاکت
۳۰۱ -	اکبر کا توپ خانہ
۳۰۱ -	بندوق کی تباہی کا طریقہ
۳۰۳ -	بہاء الدین برقاوی اور بندوق سے شکار

ج - راما پر تبصرہ

۳۰۷ -	۱- جیمز ٹاڈ
۳۱۵ -	۲- اے - کے - فوربز
۳۱۷ -	۳- جون بیجز
۳۲۱ -	۴- اے - ایف - آر - ہرنلی
۳۲۹ -	۵- ایف - ایس - گروز
۳۳۰ -	۶- سر جارج گرہمن

صفحہ	عنوان
۳۳۱ - - - -	۷۔ کوی راج میاں داس جی -
۳۳۹ - - - -	۸۔ پنڈت موہن لال وشنو لال پنڈیا
۳۴۷ - - - -	۹۔ ڈاکٹر بیولر - - - -
۳۴۹ - - - -	۱۰۔ مسٹر شہام حنڈر داس -
۳۵۳ - - - -	۱۱۔ ونسنٹ اے۔ اسٹو -
۳۵۹ - - - -	۱۲۔ مسٹر آر۔ آر۔ ہلدر -
۳۶۲ - - - -	۱۳۔ گوری شنکر پیرا چند لوجھا -
۳۷۴ - - - -	افانہ - - - -



عرض مرتب

مقالات حافظ محمود شبرانی کی زیر نظر جلد ایک مکمل اکائی کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ یہ مختلف مقالات کے بجائے چند برداش کی مشہور کتاب ”برتھی راج راسا“ کی تنقید پر مشتمل ہے۔ فاضل لقاد نے یہ تنقید ایک سلسلہ مضامین کی صورت میں سپرد قلم کی تھی، جو گیارہ قسطوں میں ”اورینٹل کالج میگزین“ کے مختلف شماروں میں (مئی سنہ ۱۹۳۳ء سے اگست سنہ ۱۹۳۸ء تک) شائع ہوئی۔ بعد ازاں اسے ایک کتاب کی شکل میں ”برتھی راج راسا“ کے نام سے انجمن ترقی اردو (ہند) نے، سنہ ۱۹۳۳ء میں، دہلی سے شائع کیا۔ اس اشاعت کا دیباچہ خود حافظ محمود شبرانی مرحوم نے تحریر فرمایا تھا۔ انہوں نے سہولت کی غرض سے کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ دیباچے میں لکھتے ہیں:

”پہلے حصے میں ’راسا‘ کے مطالب کا بیان اور بعض داستانوں کا مختصر خاکہ دیا جاتا ہے، جس سے ہمارے قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کس قسم کے مضامین کی حامل ہے۔ دوسرے حصے میں ’راسا‘ پر تنقید ہے اور تیسرے حصے میں ’راسا‘ کے عام مطالعے پر ایک تفصیلی تبصرہ ہے، جو مغربی اہل قلم اور ہندو فضلاء کی آرا کا خلاصہ ہے۔“

ظاہر ہے کہ ان میں سب سے اہم حصہ ’راسا پر تنقید‘ ہے۔ اس حصے میں فاضل مصنف نے داخلی تنقید اور تنقیدِ متن کا جو بلند معیار پیش کیا ہے، اس کی داد کچھ اہل علم ہی دے سکتے ہیں۔ اس ضمن میں مسلمانوں کے آلات جنگ اور خصوصاً آتشیں اسلحے سے متعلق مہیا کی ہوئی معلومات نہایت قابلِ قدر ہیں۔ علاوہ ازاں متعدد امراء اور اصطلاحات کی بابت بھی قیمتی اطلاعات فراہم کی گئی ہیں۔ اپنا لفظ ”نظار تسلیم کرانے کے لیے“ لائقِ سزا سزا ایک ماہر قانون دان کا ہے، جو اپنے مقدمے کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتا اور فریقِ ثانی کے بیان کا کوئی کمزور حصہ اس کی ژرف نگاہی سے نہیں بچ سکتا۔ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ عالمانہ تنقید ”برتھی راج راسا“ کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی ہے۔

دیباچہ

'راما' ان خوش قسمت مگر چلی کتابوں میں سے ہے جو اپنے ہم نوا گویوں مفروضہ اوصاف کی بنا پر دنیا سے ایک عرصے تک خراج تحسین وصول کرتی رہی ہے اور زمانہ تصنیف سے لے کر اب تک عوام الناس کے دلوں پر اپنے اقتدار کا سکہ جمانے ہوئے ہے۔ اس کے پرستار اس کو ایک صحیفہ آسانی سے کم درجہ نہیں دیتے۔ کوئی اس کی قدامت پر مفتوں ہے، کوئی اس کی شاعری پر اور کوئی اس کے تاریخی مواد پر۔ ہوں تو ہر قوم اور زبان میں معمول کتابوں کا کچھ نہ کچھ سرمایہ پایا جاتا ہے مگر ان کا عام اثر نہایت خفیف اور غیر محسوس ہوا کرتا ہے۔ 'راما' ان میں ایک واحد استثنا پیش کرتی ہے، جس نے ایک طرف لسانی کو، دوسری طرف مؤرخین کو اور تیسری طرف ماہرانِ لسانیات کو عرصے تک اپنی قریب کاری کا شکار بنائے رکھا۔ عوام درکنار، خواص اور محققین ہر بھی اس کا جادو چلا۔ ہندو، جن کے ہاں اس نے جنم لیا، سدا سے اس کے پرستار رہے۔ گزشتہ صدی سے اہل مغرب بھی اس کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دست و قلم سے اس کی شہرت کو بالِ پرواز دیے۔ لیکن تعجب ہے کہ مسلمان، جن کی بے تحیر اور بزدلی کی افسانہ خوانی 'راما' کا ایک اہم موضوع ہے، اس کے مطالب سے نا آشنا کے باوجود، اس کے خائبانہ معتقدین میں شامل ہیں۔

'راما' کے لیے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ چند پردائی کی تصنیف ہے، جو برتھی راج کے عہد کا کوئی تھا۔ اسی بنا پر دیس زبانوں میں اس کو سب سے قدیم کتاب کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے راجپوتانے کے اکثر راجپوت خاندانوں کے زمانے اور نسب کے سلسلے میں وہ ایک نہایت قدیم ملحد تسلیم کی جاتی ہے، بلکہ والیانِ اودے پور، جودھپور و جے پور، بولادی و سروہی اس کے اعتبار پر اپنے اسلاف کا زمانہ حیات و ممات متعین کرتے ہیں۔ 'راما' کا

موضوع خاص اگرچہ برتھی راج والہراجیہ و دہلی کے سوانح حیات و جنگی کارناموں کا تذکرہ بیان کرتا ہے لیکن شہاب الدین کے ساتھ برتھی راج کی جنگوں میں ان والیانہ ریاست کے اسلاف بھی برتھی راج کے معاون اور شریک کار بنائے گئے ہیں۔ مثلاً راول سر سنگھ والہ میواڑ بڑی لڑائی میں، جو برتھی راج اور شہاب الدین کی آخری جنگ کا نام ہے، مارا جاتا ہے۔ پیش راؤ والیانہ آنیہ و جے پور کا ویرت اعلیٰ بھی برتھی راج کی جنگوں میں حصہ لیتا ہے۔ اس لیے جے پور کے مورخین نے اپنی تاریخیں ’راسا‘ کے ہیانات کی روشنی میں تیار کی ہیں۔ یہی حالت جودھپور، بوندی، سرہبی اور جیسلمیر کی تاریخوں کی ہے، جن کی بنیاد اسی کتاب کے ہیانات پر ڈالی گئی ہے۔ قصہ مختصر ”برتھی راج راسا“ اس طرح راجپوتانے کے والیان ملک کی تاریخ کا عام ماخذ اور سرچشمہ بن جاتا ہے۔

مغربی مصنفین میں اس کتاب کو بے اندازہ وقعت حاصل رہی ہے۔ گزشتہ صدی کے اکثر مورخین، ہندوؤں خصوصاً راجپوتوں کی تاریخ کے سلسلے میں، اسی کے حرمین سے خوشہ چینی کرتے رہے۔ ٹاڈ نے اس کے مواد پر اپنی تلخ راجستھان کی بنیاد ڈالی۔ کروڑ، ییز اور برٹلے لسالیات کے سلسلے میں اس کو نہایت اہم ماخذ سمجھتے رہے۔ ورنیکر ادبیات میں گریسن اس کے شاعرانہ غزلن کا ٹٹاخواں ہے۔ اس کی گونا گوں اہمیت کا اندازہ کر کے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اس کی طباعت شروع کر دی اور ایک تہائی حصہ اپنی سرپرستی میں شائع بھی کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے ساتھ بہت کم اعتنا کی لیکن مولانا محمد حسین آزاد نے ”قصہ ہند“ اور دیگر تعلیمی کتب میں اس کے بعض مطالب کی اشاعت کی ہے اور اردو زبان کی تاریخ میں سب سے قدیم دستاویز کی حیثیت سے جگہ دی ہے۔

۱۸۸۶ء تک یہ کتاب نہایت مقبول رہی اور اس کی داستانوں کے تراجم کثرت کے ساتھ اہل مغرب کے قلم سے علمی رسالوں میں شائع ہوتے رہے، حتیٰ کہ ییز نے اس کے قواعد صرف و نحو بھی شائع کر دیے۔ لیکن اس سال کولیراج شیاہل داس جی نے ایک بحثانہ اور عالمانہ مضمون لکھ کر، جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالے میں طبع ہوا ہے، ’راسا‘ کے مطالعے کی تاریخ میں ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ’راسا‘ ایک جعلی تصنیف ہے جو سترھویں صدی کے وسط میں کسی وقت لکھی گئی۔ اس انقلابی مضمون نے ’راسا‘ کے معتقدین کی صف میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی۔ اس کا جواب موہن لال وشنو لال پنڈیا

نے ایک علیحدہ رسالے میں یہ ڈیٹا بندی دیا جو ۱۸۸۷ء میں میلنگ ہال پریس بنارس سے شائع ہوا۔ اسی رسالے کے ضروری مطالب ہندیا جی نے اپنے مرتبہ ”ہر تھی راج راسا“ کے ابتدائی حصے میں، جو ناگری ہرجاؤں گولتھ مالا کے سلسلے میں شائع ہوا ہے، شامل کر دیے۔ ۱۸۹۳ء میں ڈاکٹر نیولر نے ایشیائیک سوسائٹی بنگال کے سیکریٹری کے نام ایک خط لکھا، جس میں انہوں نے کشمیر سے ایک تازہ دریافت شدہ سنسکرت تالیف ”ہر تھی راج وجے“ نامی کے مطالب کی بنا پر ’راسا‘ کی اصالت سے صریح انکار کر دیا، بلکہ مشورہ دیا کہ سوسائٹی کو اس کتاب کی اشاعت بند کر دینی چاہیے۔ ادھر مسٹر شہام سندھ داس سیکریٹری ناگری ہرجاؤں سبھا نے ”تلاش ہندی خطوطات“ کی سالانہ رپورٹ میں (بابت ۱۹۰۰ء) ایک بظاہر مدلل اور ’ہر او‘ معلومات بصرہ ’راسا‘ کی حایت میں لکھا جس سے ’راسا‘ کے مغربی معتقدین میں حوصلے کے آثار پیدا ہونے لگے۔ چنانچہ اس مضمون کی مدلیے بازگشت والی ایشیائیک سوسائٹی کے رسالے میں (بابت ۱۹۰۶ء) نیز ونسٹن اسمتھ کی تاریخ ہندوستان میں نظر آئی ہے۔ ۱۹۲۸ء کے رسالہ ’والی ایشیائیک سوسائٹی‘، شاخ بمبئی، جلد سوم، میں آر۔ آر۔ ہندو نائب کیوبٹر راج پونانہ میوزیم، اجیر نے اپنے مضمون میں ’راسا‘ کی تاریخوں کی عالمانہ انداز میں تغلیط ثابت کی۔ اسی سال ناگری ہرجاؤں ہترکا، جلد نہم میں ہندت رام چندر نے ایک اور مضمون ’راسا‘ کی مخالفت میں سپرد قلم کیا جو زیادہ تر اس کے لسانی پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں اسی رسالے میں ایک اور سیر حامل مضمون رائے جہاندر ہندت گوری شنکر اوجھا کے قلم سے لکلا جس میں ہر پہلو سے ’راسا‘ کی تغلیط و تردید کی گئی اور اس کی مصنوعی ہستی کے ثار و بود کو بکھیر کر دکھ دیا گیا۔

اب تک جس قدر کام ہوا، ہندو تاریخ و ادب کی رو سے ہوا، کیونکہ مضمون نگار زیادہ تر سنسکرت داں طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور اسی لیے اس تمام بحث و مباحثہ میں اسلامی تاریخ سے بہت کم اعتنا کی گئی۔ گوبراج جی نے البتہ اسلامی تاریخ سے مدد لی بلکہ اسی کی روشنی میں انہوں نے ’راسا‘ کی تاریخوں کو غلط ثابت کیا۔ باتوں نے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھا بلکہ ’راسا‘ کے مرتبین نے تو ’راسا‘ کے بیانات کے اعتبار پر مسلمان مؤرخین کو مطمئن کیا کہ انہوں نے سلطان شہاب الدین کی زندگی کے ایسے تاریک پہلوؤں کو، جو اس کے خلاف جاتے تھے، قلم انداز کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہمیں بھی رائے ذی

کا حق ہے کیونکہ برتھی راج کے بعد اس کا حریف سلطان شہاب الدین ہی وہ شخص ہے جس کا مذکور 'راسا' میں بہ کثرت آتا ہے۔ دوسرے اردو زبان کی تاریخ کے سلسلے میں ہمارے اہل قلم ابھی تک 'راسا' کو سب سے قدیم دستاویز مان رہے ہیں۔ اس مفاد کے راج کرنا یہی نہایت ضروری ہے۔ دوسرے تنقید کے بعض ایسے چلو ہیں جو اب تک روشنی میں نہیں آئے ہیں اور ان کا منظر عام پر لایا جانا بھی مناسب ہے۔ مزید برآں اردو خوان طبقہ اب تک 'راسا' کے مطالب سے بالعموم ناواقف رہا ہے اس لیے مناسب ہے کہ ان کو بھی اس کے مضامین سے کسی قدر آشنا کیا جائے۔

یہ ادبی گفتگو جو ابتدا میں کسی معمولی علمیت کے بیٹھنے نے بعض ذاتی جالب منفعت کے خیال سے راجہوتانے کے کسی راجا کو اپنے دامِ کزوبر میں لانے کی امید میں کیا تھا اور انجام کار مغرب کے بڑے بڑے علما کو، جن کے نام تاریخ و لسانیات میں بڑے ادب سے لیے جاتے ہیں، کابل طویر گمراہ کرنے میں کامیاب ہوا، مضحکہ کا ایسا شاندار چلو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جس کی نظائر تاریخ میں مشکل سے نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تالیف کو بہ حیثیت کتاب تاریخ تسلیم کرنا ایک عظیم الشان غلطی تھی جو ہمیشہ قابلِ التماس رہے گی۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ اسیانے کی ایک شاخ وہ بھی ہے جس میں تاریخی اشخاص کے گرد فرضی اور خیالی واقعات کی عظیم الشان تعمیر کھڑی کر دی جاتی ہے۔ اس کی بہترین مثال ہمارے ہاں داستانِ امیر حمزہ ہے جس کا تاریخی حصہ اسی قدر ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہمارے پیشواے دین کے عمر نامدار تھے اور چنگِ آمد میں شہید ہوئے۔

۱۔ یہی کوئی تعجب نہ ہوگا اگر 'راسا' داستانِ امیر حمزہ کی تقلید میں لکھا گیا ہو۔ اتحادِ مشعون کے علاوہ ان کی داستانوں کی تعداد کا برابر ہونا واقعی حیرت انگیز ہے۔ میں نے بعض اصحاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ اکبر کے عہد میں جب ہندو رانیاں شاہی محل میں پہنچیں، 'اسما بھارت' کے جواب میں مسلمانوں نے 'داستانِ امیر حمزہ' تیار کی۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ داستانِ امیر حمزہ نہ ہندوستان کی تالیف ہے، نہ اکبر کے عہد سے تعلق رکھتی ہے، بلکہ ایک قدیم تصنیف ہے جو ایرانی روایت کے مطابق سلطان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تاریخی واقعات کی اس نازک اساس پر ”دولستانِ امیر حمزہ“ تعمیر ہاتی ہے ، جو ایک اوپر ستر داستانوں پر مشتمل ہے ۔ اس کے ساتھ بعد کی داستانیں ، جو اسی کی شاخیں ہیں اور لکھنؤ میں گزشتہ صدی میں وجود میں آئی ہیں ، شامل کر لی جائیں تو ان کی تعداد ایک سو چاندوں کے قریب پہنچ جاتی ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مسعود غزنوی کے واسطے لکھی گئی تھی ۔ ہم اس روایت کی تصدیق یا انکسب نہیں کر سکتے ۔ مگر اس میں شک نہیں کہ یہ داستان بیٹ قدیم ہے ۔ ابتداء ”امیر حمزہ“ کے نام سے موسوم تھی ۔ کسی نامعلوم عربی اصل سے ”الف لیلہ“ اور دیگر قدیم انسانوں کی طرح وقتاً فوقتاً ایران ، ترکی اور ہندوستان میں اس کی مختلف اشاعتیں تیار ہوئی ہیں ۔ ہندوستان میں اس کی ایک قدیم اشاعت ، جو میری نظر سے گزری ہے ، بنیاداً آٹھویں صدی ہجری کی تصنیف معلوم ہوتی ہے ۔ ”نہج السعادت“ (تالیف قرن ہشتم) میں اس نصیحت کی صحت سے انکار کیا گیا ہے اور ابوالمعالی کو اس کا مصنف بتایا گیا ہے ۔ ”تاریخ سارک شاہی“ اور ”واعظ باری“ میں ”داستان حمزہ“ کا نام لیا گیا ہے ۔ اکبر کے عہد میں اس کے بعض معذور اور پُر تکلف نسخے تیار ہوئے ہیں ۔ ان میں سے ایک کپڑے پر لکھا گیا تھا ۔ ”ابن اکبری“ میں اس کا ذکر آتا ہے ۔ اس کے دو تین ورق وکٹوریہ البرٹ میوزیم لندن میں میری نظر سے گزرے ہیں ۔

فان ہیمر کی ”تاریخ حشیشین“ ، صفحہ ۲۱۹ ، ترجمہ فرانسسی ، طبع ۱۸۳۲ء کی رو سے ”حمزہ نامہ“ ایک تقلیدی تالیف ٹھہرتی ہے جو شام کے ناطنیوں کے بطور اعظم حمزہ نامی والی قلعہ شیون کے شجاعانہ کارناموں کے نتیجے میں تیار ہوئی ہے ۔ قلعہ شیون کے ذکر میں مؤرخ موصوف لکھتا ہے : ”اس آخری زمانے میں قلعہ شیون ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا جو ایک چٹان پر واقع تھا اور الطائغیہ سے ایک روز کی مسافت پر تھا ۔ اس قلعے کی شہرت کی ایک اور وجہ اس کے قلعہ دار حمزہ کے کارناموں کی بنا پر تھی جو شام کے اسماعیلیوں کا ایک پیرو تھا ۔ اس حمزہ کو اس کے ہم نام حضرت حمزہ عثم رسولؐ کے ساتھ خبط نہ کرنا چاہیے ، نہ اس کے ساتھ جو دروڑی فرقے کا بانی تھا ۔ حشیشین کی بے شمار جنگیں اور معرکے اور ان کا شجاعانہ مقابلہ جو انھوں نے صلیبی مجاہدین اور سلطان بیرمن (۱۲۵۸ء و ۱۲۶۶ء) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اب اگر کوئی شخص ”داستانِ امیر حمزہ“ کو صحیح تاریخ سمجھے تو یہ اس کی اپنی مسجد کا تصور ہے۔ ٹھیک ہی کیفیت ”برتھی راج راسا“ کی ہے۔ برتھی راج اور سلطان معزالدين چن بن سام تاریخی شخصیتیں ہیں۔ ان میں آپس میں ترائیں ہر دو جنگیں ہوئیں۔ چلی میں معزالدين کو شکست اور دوسری میں فتح ہوئی اور برتھی راج مارا گیا۔ اس قلیل تاریخی سرمائے پر ”برتھی راج راسا“ کی ایک کم ستر داستانیں تعمیر باقی ہیں۔ ضرورۃً اس میں اور افرادِ قدیم و جدید

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے لشکر کا کیا، نیز دیگر واقعات جو قریباً افسانوی حیثیت رکھتے ہیں اور جن سے ان کی تاریخ بکثرت پُر ہے، راولیوں اور داستان گوئیوں کے واسطے ایک بڑا ماخذ بن گئے جس سے انھوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ اسی کے اثر میں ”حمزہ نامے“ مرتب ہوئے جو ایک قسم کی شجاعت کے افسانے ہیں اور حنتر اور ذوالہمت اور نبی ہلال کی داستانوں کے نمونے پر تیار ہوئے۔ جب آلِ عثمان نے ملک شام فتح کر لیا، حمزہ کے کارناموں کی روایت عرب راولیوں اور قبوہ خاندان کے داستان گوئیوں کی معرفت ترکوں میں رواج پا گئی اور متعدد افسانوں کا موضوع بن گئی، جس طرح اور زبانوں میں شیدی ہتال کی داستانیں رواج میں آئیں جو ایک عرب ہیرو تھا اور خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں قسطنطنیہ کے محاصرے میں رومیوں سے جنگ کرنا ہوا شہید ہوا تھا۔“ (ترجمہ از مرزا چن سعید آلی۔ ای۔ ایس۔)

ہم اس قدر افسانہ کرنا چاہتے ہیں کہ عربوں میں ایسے تاریخی اور غیر تاریخی افسانوں کا بکثرت رواج رہا ہے۔ حتیٰ کہ مذکور المدر سلطان پیرس بھی اسی قسم کی داستانوں کا موضوع بن گیا ہے۔ عثم رسول کی تاریخی عظمت اور ان کی دراندکیز شہادت پر نظر رکھتے ہوئے ان کا ایسے افسانوں کا ہیرو بن جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہمارے نزدیک ”امار حمزہ“ ایک اصلی کارنامہ ہے، نہ تقلیدی افسانہ۔ اس تالیف میں جس قدر تاریخی اشخاص مذکور ہوئے ہیں، سب کے سب عہدِ ابتدائے اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر باطنیوں کے حمزہ کے واقعات داستانِ امیر حمزہ میں مستقل کر دیے جائے تو صورتِ حالات بالکل مختلف ہوتی۔ (حاشیہ مصنف)

شامل کر لیے گئے ہیں جن میں بعض تاریخی ہیں ورنہ اکثر فرضی ہیں۔ چونکہ 'راما' کے مصنف کو برٹھی راج کے زمانے کا صحیح علم نہیں تھا اس لیے اس نے اپنے خیال کے مطابق برٹھی راج کو اصلی زمانے سے نوے سال اقدم فرض کر لیا۔ چنانچہ یہ قلمی غلطی ان تمام سنوں میں موجود ہے جو 'راما' میں دیے گئے ہیں۔ اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سہولت کی غرض سے اس کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: پہلے حصے میں 'راما' کے مطالب کا بیان اور بعض داستانوں کا مختصر خاکہ دیا جاتا ہے، جس سے ہمارے قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کس قسم کے مضامین کی حامل ہے؟ دوسرے حصے میں 'راما' پر تنقید ہے اور تیسرے حصے میں 'راما' کے عام مطالعے پر ایک تفصیلی تبصرہ ہے جو مغربی اہل قلم اور ہندو فضلاء کی آرا کا خلاصہ ہے۔



الف — مطالب

فہرست مضامین

- ۱۔ آدی پرو : چوہان قبیلے کا آغاز اور شہب نامہ اور ہرتھی راج کی پیدائش ۔
 - ۲۔ دسم^۲ سے : وشو کے دس اولاد ۔
 - ۳۔ دلی کلتی کتھا : دلی کی لوہے کی لالہ کا قصہ ۔
 - ۴۔ لویانو آجان ہامو سے : ہتیس ہالہ اونیے منارے سے لوہانے کا کودنا اور ہرتھی راج کا خوش ہو کر اسے جاگیر میں پانچ ہزار گاؤں دینا ۔
 - ۵۔ کنہ ہنی سے : کنہ چوہان ، ہرتاب سنگھ چالکھ کو عین دربار میں قتل کر دیتا ہے ، ہرتھی راج سزا میں اس کی آنکھ پر ہنی پاندھنے کا حکم دیتا ہے ۔
 - ۶۔ آکھینک^۳ یور بردان^۴ : ایک شکار کا عجیب قصہ جس میں چند ایک رشی سے ملتا ہے جو اسے ہاون بہادروں کے بلانے کا منتر سکھاتا ہے ۔
 - ۷۔ ناہر وانے کتھا : ناہر وانے نے ہرتھی راج کو اپنی دختر دینے کا وعدہ کیا تھا ۔ وعدہ خلافی پر ہرتھی راج اس سے جنگ کرتا ہے ۔
 - ۸۔ میوانی منگل (منگل) کتھا : میوانیوں سے جنگ ۔
 - ۹۔ حسین کتھا : حسین ، شہاب الدین کا ایک سردار ، ہرتھی راج کے ہاں پناہ گزیں ہوتا ہے ۔ شہاب الدین اس کی طلب میں ہرتھی راج سے جنگ کرتا ہے ۔
-
- ۱۔ منسکرت میں 'آد' کے معنی آغاز و ابتدا کے ہیں اور 'پرو' بمعنی عضو یا رکن ۔
'آدی پرو' گویا کتاب کا دیباچہ ہوا ۔ (مرتب)
 - ۲۔ دسم = دسواں ۔ (مرتب)
 - ۳۔ آکھینک = شکاری (آ کھینٹ = شکار) ۔ (مرتب)
 - ۴۔ 'دان' بمعنی عطا اور 'بر' بمعنی تحفہ ، انعام ، رعایت ۔ یعنی 'بردان' سے مراد ہے 'عطا سے نعمت' یا 'تفویض اختیار' ۔ (مرتب)

اور گرفتار ہوتا ہے ۔ حسین مہمانِ جنگ میں مارا جاتا ہے ۔ آخر میں شہاب الدین کی رہائی ۔

۱۔ آکھٹیک چوک ورن^۱ : پرتھی راج اپنے چند سرداروں کے ساتھ کھٹون میں مصروفِ شکار ہے ۔ شہاب الدین اس پر حملہ آور ہوتا ہے مگر شکست کھاتا ہے ۔

۱۱۔ چتر دیکھا سے : چتر دیکھا ، عرب خاں عرب اپنی (شاہ عرب) کے پاس تھی ۔ شہاب الدین جنگ کی دھمکی دے کر اس نازنین کو اس سے طلب کرتا ہے اور اس پر عاشق ہو جاتا ہے ۔ بالآخر حسین خاں مذکور الصدر اسے لے بھاگتا ہے ۔

۱۲۔ دیولا رائے سے : دیو دیو کا قاصد شہاب الدین کے دربار میں مارا جاتا ہے ۔ دیو دیو شاہ پر چڑھائی کرتا ہے ۔ پرتھی راج مداخلت کرتا ہے اور اپنی فوج کے دو حصے کر کے ایک حصہ شاہ کے خلاف اور دوسرا حصہ دیو کے خلاف برائے جنگ روانہ کرتا ہے ۔ کیاس اس حصے کا سپہ سالار تھا ۔ اس پر جادو کیا جاتا ہے اور ناگور پر دیو کا قبضہ ہو جاتا ہے ۔

۱۳۔ سلکھ جدہ سے : یہ گزشتہ داستان کا پایہ ہے ۔ شہاب الدین لاکھ لشکر کے ساتھ روانہ ہوتا ہے ۔ پرتھی راج مدالعت کے لیے آگے بڑھتا ہے ۔ گرو رام کے منتر سے منجھٹوں کو شکست ہوتی ہے اور سلکھ سلطان کو قید کر لیتا ہے ۔

۱۴۔ المہنی وہا (یہا) : المہنی سے پرتھی راج کی شادی ۔

۱۵۔ مُنگل (مغل) جدہ : مغلوں سے پرتھی راج کی جنگ ۔

۱۶۔ پٹویر داہمی وہا : داہمی دختر چند سین پنڈیر سے پرتھی راج کا لہو ۔

۱۷۔ پٹویر مُہن : پرتھی راج شکار میں شیر مار کر ایک درخت کے سائے میں ٹھہرتا ہے ۔ خواب میں دیوی آ کر اسے خبر دیتی ہے کہ کھٹون میں ایک بڑا خزانہ مدفون ہے ۔

۱۸۔ دلی دان ہرناو^۲ : الٹک پال تنور اپنے نواسے پرتھی راج کو دان میں

۱۔ ورن = بیان (منسکرت) ۔ (مرثب)

۲۔ ہرناو = وقت ، موقع ، بیان (منسکرت) ۔ (مرثب)

دلی عنایت کرتا ہے ۔

۱۹۔ مادھو بھاٹ کتھا : مادھو بھاٹ دلی سے رخصت ہو کر شہاب الدین کو دلی کے تازہ حالات سے باخبر کرتا ہے ۔ شاہ نئی فوج کشی کرتا ہے ۔ جنگ میں تثار خان مارا جاتا ہے اور شاہ کو شکست ہوتی ہے ۔ چاند رائے ، شہاب الدین کو اسیر کر لیتا ہے ۔

۲۰۔ ہمدانوی ویاہ : سمندر دشر گڈہ کے جادو ہنسی راؤ جے ہال کے کنور ہدم سین کی دختر ہمدانوی ایک طوطے سے برتھی راج کے حالات سن کر اس پر نادیدہ عاشق ہو جاتی ہے اور طوطے کے ذریعے سے برتھی راج کے ہاس ہام عبت بھیجتی ہے ۔ برتھی راج اس کو لانے کے لیے روانہ ہوتا ہے ۔ شہاب الدین سردار ہوتا ہے اور پکڑا جاتا ہے ۔ ہمدانوی سے برتھی راج کا ویاہ ہو جاتا ہے ۔

۲۱۔ برتھا ویاہ : برتھا ہمشیرہ برتھی راج کا واول سمر سنگھ والی چنڑ سے ویاہ ۔

۲۲۔ ہولی کتھا : ہولی کا بیان ۔

۲۳۔ دیپ مالا کتھا : دوالی کے تہوار کا بیان ۔

۲۴۔ دھن کتھا : کھٹو بن میں برتھی راج کو ایک دھننے کا پتا لگتا ہے ۔ جب راجا اسے نکالنا چاہتا ہے ، سلطان اس پر حماء کر دیتا ہے ۔ آخر میں شاہ گرفتار ہو کر روانہ ہوتا ہے ۔

۲۵۔ شفی ورتا : برتھی راج ، دیوگیری کے راجہ کمدھج کی کنیا کو بھکا لے جاتا ہے ۔ آخر میں کمدھج سے جنگ ہوتی ہے ۔

۲۶۔ دیوگیری سے : جے چند دیوگیری کا محاصرہ کرتا ہے ۔ برتھی راج کا ایک سردار چاند رائے اس کو شکست دیتا ہے ۔

۲۷۔ دیوانٹ سے : دیوا کے کنارے پر سلطان سے جنگ ۔

۲۸۔ النگ ہال سے : النگ ہال اہل دہلی کی شکایت پر برتھی راج سے دلی واپس مانگتا ہے ۔ جنگ ہوتی ہے ۔ شہاب الدین امداد کے لیے آتا ہے اور گرفتار ہو جاتا ہے ۔

۲۹۔ کھنگر کی لڑائی : دریائے کھنگر پر شاہ سے جنگ ۔

- ۳۰۔ کرنالی ودھ : برتھی راج دکن سے کرناٹا دیس جاتا ہے ۔
- ۳۱۔ پھیا جدھ : ہیپ پٹھیار جنگ میں سلطان کو قید کرتا ہے ۔
- ۳۲۔ کرچے ود جدھ : راول جی کی مدد کو برتھی راج چتوڑ جاتا ہے ۔ چالکیہ سے جنگ ۔
- ۳۳۔ اندراوتی ویاہ : اندراوتی سے ویاہ ۔ اس داستان کا دوسرا نام سمرسی راجہ ہے ۔
- ۳۴۔ جیت راؤ جدھ سے : کھٹون میں برتھی راج شکار کھیل رہا ہے ۔ سلطان اس پر اچانک حملہ کرتا ہے ۔ جیت راؤ اسے گرفتار کر لیتا ہے ۔
- ۳۵۔ کانکڑا جدھ : برتھی راج قلعہ کانکڑا پر قبضہ کرتا ہے ۔
- ۳۶۔ ہنساوتی ویاہ : ہنساوتی سے برتھی راج کی شادی اور سلطان کی شکست ۔
- ۳۷۔ چھاڑ رائے سے : برتھی راج اور شہاب الدین میں جنگ ۔ چھاڑ رائے سلطان کو قید کر لیتا ہے ۔
- ۳۸۔ بیرون^۱ کنھا : چاند گرہن کے وقت سومیشور اور اس کی اوج کا جینا کے کنارے جل بیرون کو دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا ۔
- ۳۹۔ سوم ودھ^۲ سے : گجرات کا راجہ بھولا بھیم برتھی راج کے باپ سومیشور کو قتل کر ڈالتا ہے ۔
- ۴۰۔ پھتون چھوٹکا نام ہرستاو : پھتون رائے سات کوس سے واپس آکر چالکیہ کی بوری فوج میں سے اپنا چابک اٹھا لے جاتا ہے ۔
- ۴۱۔ پھتون چالکیہ : مے چند کے ابھارنے سے بالک رائے سولنکھی اور شہاب الدین دلی پر حملہ کرتے ہیں ۔ پھتون رائے انہیں شکست دیتا ہے ۔
- ۴۲۔ چند دوارکا سے : چند جاترا کے واسطے دوارکا جاتا ہے ۔
- ۴۳۔ کھاس جدھ : برتھی راج کا وزیر کھاس سلطان کو کھٹو کے جنگل میں گرفتار کرتا ہے ۔
- ۴۴۔ بھیم ودھ سے : برتھی راج بھولا بھیم راجہ گجرات کو اپنے باپ کے قصاص میں قتل کر ڈالتا ہے ۔
- ۴۵۔ منجوگٹا پورو جنم : منجوگٹا کی پیدائش سے قبل کے حالات ۔

۴۶۔ ولہا سنگل : سنجوگنا دختر جسے چند والی قنوج کی ولادت کے حالات ۔

۴۷۔ ٹک ورنن : برتھی راج اور سنجوگنا ایک دوسرے کے حالات سن کر عاشق ہو جاتے ہیں ۔

۴۸۔ بالک رائے سے : برتھی راج بالک رائے کو قتل کر دیتا ہے ۔ اس کی بیوی جسے چند کے ہاں لربادی جاتی ہے ۔ جسے چند اپنی اور سلطان فوج برتھی راج کے خلاف بھیجتا ہے جو شکست کھاتی ہے ۔

۴۹۔ ہنگ جگہ^۱ ودھولس^۲ : جسے چند کا سنجوگنا کے لیے سویمبر کا ارادہ کرتا ۔

۵۰۔ سنجوگنا نام پرستاو : سنجوگنا کا برتھی راج سے بیاہ کا قول و قرار ۔

۵۱۔ ہالسی برلہم جدہ : ہالسی پر شاہی فوج کا چلا حملہ ۔

۵۲۔ ہالسی دوئیہ^۳ جدہ : شاہاب الدین بذاتِ خود ہالسی پر حملہ آور ہوتا ہے ۔

۵۳۔ پھون سہوہا پرستاو : شاہی فوج کے خلاف پھون ، سہوہا کی کامیاب مدافعت کرتا ہے ۔ سلطانوں کو شکست ملتی ہے ۔

۵۴۔ پھون ہالساہ جدہ پرستاو : پھون رائے جنگ میں شاہ کو گرفتار کرتا ہے ۔

۵۵۔ سامنت ہنگ جدہ : جسے چند کا لشکر ، دہلی کا محاصرہ کرتا ہے اور ناکام واپس جاتا ہے ۔

۵۶۔ صرہنگ جدہ : جسے چند چٹوڑ کا محاصرہ کرتا ہے اور راول سر سنگھ اسے ہزیمت دیتا ہے ۔

۵۷۔ کنہاس ودہ : کنہاس کا قتل ۔ کنہاس کی کورائی رانی سے محبت تھی ۔ ایک رات بھیس بدل کر محل میں گھس گیا اور برتھی راج سے اسے قتل کر دیا ۔

۵۸۔ دوگا کیدار سے : سلطان ایک مرہہ اور قید کیا جاتا ہے ۔

۵۹۔ دلی ورنن : نکبہودہ کے باغ کا ذکر ۔

۶۰۔ جنگم کنھا : سنجوگنا ، سویمبر کے وقت برتھی راج کی سونے کی مورت کو ہار چنا دیتی ہے اور جسے چند لاغوش ہو کر اسے گنگا کے کنارے نکال دیتا ہے ۔

۱۔ یگیہ = لربائی ۔ (مرتب) ۲۔ ودہ ولس = قباہی لربادی ۔ (مرتب)

۳۔ دوسرا ۔ (مرتب)

- ۶۱۔ کنوج سے : برہم راج کی راہ جسے چند سے جنگ ۔
- ۶۲۔ شکا چورو : رانی انجھنی طوطے کے ذریعے منجورگنا اور برہم راج کے حالات معلوم کرتی ہے ۔
- ۶۳۔ آکھٹ جکھ : سراب : برہم راج کو ایک وحشی کا سراب کہہ لہجے دشمن اندھا کرے ۔
- ۶۴۔ دھیر پندیر ہرستاو : دھیر پندیر پھر سلطان کو اسیر کرنے میں کامیاب ہوتا ہے ۔
- ۶۵۔ یواہ سے : برہم راج کی بیویوں کی فہرست ۔
- ۶۶۔ بڑی لڑائی رو ہرستاو : آخری جنگ جس میں شہاب الدین برہم راج کو گرفتار کرتا ہے ۔
- ۶۷۔ بان بیدہ : اندھا برہم راج سلطان کو آواز پر ڈیر سے ہلاک کر ڈالتا ہے ۔
- ۶۸۔ رین سی نام ہرستاو : نوائن سنگھ عرف رین سی خلف برہم راج گدی پر بیٹھتا ہے اور بہت جلد بعد مارا جاتا ہے اور دہلی لیے لی جاتی ہے ۔
- ۶۹۔ مہوہا سے : مرتبین اس داستان کو الحاق خیال کرتے ہیں اسی لیے انہوں نے اس کو شمار سے خارج کر دیا ہے ۔
- ۷۰۔ راسا کی اس فہرست سے ، جو اوپر درج ہے ، حسب ذیل داستانیں سلطان شہاب الدین اور مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہیں :
- (۱) میوانی مگل (مغل) کتھا : آٹھویں داستان ۔
 - (۲) حسین کتھا : نویں داستان ۔
 - (۳) آکھٹک چوک ورثن : دسویں داستان ۔
 - (۴) چتر ویکھا سے : گیارھویں داستان ۔
 - (۵) بھولا رائے سے : بارھویں داستان ۔
 - (۶) سنگھ جندہ سے : تیرھویں داستان ۔
 - (۷) مگل جندہ : پندرھویں داستان ۔
 - (۸) مادھو بھاٹ کتھا : اسیسویں داستان ۔

- (۹) ہداوتی ویاہ : بیسویں داستان ۔
- (۱۰) دھن کتھا : چوبیسویں داستان ۔
- (۱۱) ربواتھ سمے : ستالیسویں داستان ۔
- (۱۲) انک پال سمے : اٹھالیسویں داستان ۔
- (۱۳) گھگھر کی لڑائی : اٹیسویں داستان ۔
- (۱۴) پپا جدہ : اکتیسویں داستان ۔
- (۱۵) جیت راؤ جدہ سمے : چونتیسویں داستان ۔
- (۱۶) ہساوتی ویاہ : چھتیسویں داستان ۔
- (۱۷) پھاڑ رائے سمے : مینتیسویں داستان ۔
- (۱۸) پیڑن چالکھہ : اکتالیسویں داستان ۔
- (۱۹) کھاس جدہ : تینتالیسویں داستان ۔
- (۲۰) ہانسی پرلھم جدہ : اکانویں داستان ۔
- (۲۱) ہانسی دولہہ جدہ : باولویں داستان ۔
- (۲۲) پیڑن مہوہا پرستو : ترینویں داستان ۔
- (۲۳) پیڑن پانساہ جدہ : چڑویں داستان ۔
- (۲۴) درگاہ کیدار سمے : اٹھاونویں داستان ۔
- (۲۵) فٹوچ سمے : اکتھویں داستان ۔
- (۲۶) دھیر پنڈیر پرستو : چوٹھویں داستان ۔
- (۲۷) بڑی لڑائی رو پرستو : چھیٹھویں داستان ۔
- (۲۸) ہان بیدہ : مڑٹھویں داستان ۔
- (۲۹) رنسی نام پرستو : اڑٹھویں داستان ۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ 'راما' کی تمام داستانوں کا خلاصہ چان درج کروں بلکہ ان میں سے صرف ضروری ضروری داستانوں کی تلخیص ، جو سرشتیں 'راما' کے بیان پر مبنی ہے ، نہایت اختصار کے ساتھ دی جاتی ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ 'راما' ، جہاں لک کہ مسلمانوں کا تعلق ہے ، کسی قسم کے بوج و سہل انسانوں کا حامل ہے ۔ ساتھ ہی ناظرین سے میری یہ استدعا ہے کہ ان انسانوں میں جو آرا دی گئی ہیں ان کو میری ذاتی رائے نہ سمجھا جائے ۔ میرا مقصد ان انسانوں کے بیان کرنے سے 'راما' کی غیر تلخیصی حیثیت کو طشت از بام کرنا ہے ۔

میرانی مگل کتھا

(آٹھویں داستان)

راجہ سومیشور نے مگل (مغل) رائے کے پاس ایک قاصد بھیجا اور کہو (خراج) مانگی۔ چٹھی پڑھ کر مغل راجہ سخت ناراض ہوا اور قاصد کو واپس بھیج دیا۔ اس سلوک پر سومیشور کو طیش آیا اور لشکر کشی کا حکم دیا۔ گھر کی حفاظت کے لیے اپنے فرزند ہرتھی راج کو چھوڑ دیا اور خود نے سیوات پر چڑھائی کی۔ قاصد دوبارہ اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ یا تو جنگ کرو یا ڈنڈ دو۔ مغل نے دونوں باپ بیٹوں کے خلاف لڑائی مانگی۔ ہرتھی راج یہ خبر سن کر اپنے باپ کے لشکر میں شامل ہونے کی نیت سے روانہ ہوا۔ چان اکو اس نے اپنے باپ اور اس کی فوج کو خواب پر غفلت میں مست پایا۔ بہت برافروختہ ہوا اور اسی عالم میں دھن کی فرج پر ٹوٹ پڑا۔ کنباس، پنہان بازید کے مقابل ہوا۔ لیر، تیک اور تلواویں چلتے لگے۔ ہرتھی راج نے غنیم کی فوج میں گھس کر اسے شکست فاش دی۔ بازید پنہان اور خورسان خان مارے گئے اور ہرتھی راج فتح پایا ہوا۔

حسین کتھا

(نویں داستان)

ہرتھی راج اور غزنی کے بادشاہ شہاب الدین میں عداوت کی بنا یہ ہوئی کہ شہاب الدین کا ایک بھائی میر حسین، شہاب الدین کی ہاتر^۱، چتر ریکھا سے محبت

۱۔ رلائی، طوائف۔ (مرتب)

رکھنا تھا۔ شہاب الدین کو بھی اس سے محبت تھی مگر چتر دیکھا ، میر حسین کو چاہی نہیں ۔ جب شاہ کو اس عشق بازی کی اطلاع ہوئی ، طیش میں آیا اور ان کے تعلقات کو روکنے لگا مگر حسین نے شاہ کا حکم نہیں مانا ۔ آخر شہاب نے اس سے کہا کہ تم میری عمل داری سے نکل جاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے ۔ اس پر حسین ترک وطن کر کے برتھی راج کے ہاں پناہ لینے کی ہمت سے ناگور چلا آیا ۔ برتھی راج ان دنوں شکار میں تھا ۔ حسین نے (اپنے ملازم) مندر داس کو تو برتھی راج کی خدمت میں روانہ کیا اور آپ ایک ماہہ دار مقام دیکھ کر غیمہ زن ہو گیا ۔ حرم کا غیمہ پیچھے رکھا ۔ ادھر مندر داس برتھی راج کے پاس پہنچا ۔ راجہ نے میر حسین کی غیر وعایت پوچھی ۔ مندر داس نے تمام کیفیت بیان کی ۔ راجہ نے کہا اس وزیر اور چند پنڈت سے مشورہ کیا کہ اس حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟ ذراوں طرح غرائی ہے ! ادھر بادشاہ کا ڈر ہے ، ادھر ایک پناہ گزین کو پناہ نہ دینا دھرم کے خلاف ہے ۔ چند نے صلاح دی کہ آپ ضرور پناہ دیں ۔ برتھی راج نے مندر داس سے پوچھا کہ کیا شاہ سے حسین کا جھگڑا ہونے کی بات سچ ہے ۔ مندر داس نے عرض کی کہ ایک حور نژاد ہاتر شہاب الدین کے پاس تھی ۔ حسین اس کو اپنے ساتھ اڑا لایا ہے اور آپ کی پناہ میں آیا ہے ۔ چند نے برتھی راج کو بڑھاوے دے کر کہا کہ ارجن جس طرح برہمن بن کر مودوچ کے ہاں پناہ لینے گیا اور بھگوان نے شبر بن کر گوشت مانگا ، شون گنا نے دروہدی کا چیرا بڑھایا ۔ ویسے ہی تم نے ایک پناہ گزین کو اپنی پناہ دے کر چھتری دھرم کی حفاظت کی ہے ۔ تمہارے ماں باپ کو آفرین ہو ۔ حسین برتھی راج سے ملا ۔ راجہ اس کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آیا ۔ ناگور کے جنوب میں جاگیر دی ۔ اس کے علاوہ گھوڑے اور ہاتھی دیے اور دونوں میں محبت بڑھنے لگی ۔

شہاب الدین نے غیر لانے کے لیے چار جاسوس اجیرر روانہ کیے ۔ ادھر برتھی راج نے حسین سے خوش ہو کر کیتھل ، ہالسی اور حصار کے برگٹوں کا ہتھ اس کے نام لکھ دیا ۔ جاسوسوں نے یہ واقعہ سنا اور غزنی کو لوٹ کر اس کی اطلاع شہاب الدین کو دے دی ۔ شاہ سخت ناشویش ہوا ۔ اس نے عرب خان کو

سفیر بنا کر اس پیغام کے ساتھ برہمپور راج کے پاس بھیجا کہ اگر تم اپنی غیرت چاہتے ہو تو حسین کو فوراً اپنے ہاں سے نکال دو۔ اس نے عرب خاں کو یہ بھی ہدایت کر دی تھی کہ چلے حسین کے پاس جانا اور اس سے وہ ہاتھ طلب کرونا۔ اگر وہ ہاتھ دے دے گا تو ہم معاف کر دیں گے۔ بصورتِ انکار تم برہمپور راج کے پاس چلے جانا اور ہمارا پیغام اس کو دے دینا۔ عرب خاں کو تین سو سوار اور دتہ دے کر رخصت کیا۔

عرب خاں حسبِ الحکم سب سے چلے حسین کے پاس لاکھ پونجا اور اس کو خوب ہی فیرالشی کی، مگر جب حسین نے آکا سا جواب دے دیا، وہ سیدھا برہمپور راج کی خدمت میں حاضر ہوا۔ راجہ نے سلطان کی غیرت۔ مزاج پوچھی۔ عرب خاں نے عرض کی کہ سلطان نے آپ کے علاقے سے حسین کے اخراج کی خواہش کی ہے۔ یہ پیغام سن کر راجہ کا منہ شصے سے سرخ ہو گیا اور بھواں جڑھ لگیں۔ اس پر کہاس نے سفیر کو ڈانٹ کر کہا: ”کہا سلطان آیا قوم کے رسم و اوضاع سے ناواقف ہے جو ایسا ذلت آمیز پیغام بھیجتا ہے؟“ حسین ہمارے راجہ کے ہاں بنا کر گزری ہے اور چھتری کا یہ دھرم نہیں کہ ایک بناء میں آئے کو چھوڑ دے۔ برہمپور راج کے ساتوں کتہ چوہاں، سور سنگھ، گوہند راج اور چند پنڈتوں نے اس بیان کی تائید کی اور بولے کہ ہم سب سلطان سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ عرب خاں یہ رنک دیکھ کر چیٹا ہو گیا اور اپنی بے عزتی کے غم سے فوراً دربار سے رخصت ہو کر غزلیں کا راستہ لیا اور وہاں پہنچ کر ساری رام کہالی شہاب الدین کو سنا دی۔ اس پر شہاب الدین نے دربار عام کیا اور اپنے امرا لے لشکر تار (خان)، عرب خاں، میر جام، کام، خان خورسان، خان رین، سپن، خان رستم، حاجی خان، غازی خان، خان چمن، غزلیں خان، بھت خان، میر خان وغیرہ کو بلوا بھیجا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ تار خان نے برہمپور راج پر فوراً حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ خان خورسان نے کہا: ”اے خان تار! تم نے اس چوہاں کی طاقت کا بھی اندازہ کر لیا ہے۔ جلد ہاتھی نہ کرو۔“ شیخ عارب (عرب) نے کہا: ”اس کی طاقت بے اندازہ ہے، تم نے ابھی اسے آزمایا نہیں، اس لیے ایسا مشورہ دینے ہو۔“ اس پر شاہ نے برہمپور راج کی طاقت و شان و شوکت کا حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا مگر تار خان نے اس کی بات کو مذاق میں اڑا دیا۔ عرب نے کہا:

”چونکہ تم نے برتھی راج کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے اس لیے تم ٹیٹھول میں اڑا رہے ہو۔“ بادشاہ غضب ناک ہو کر خان تار کو جنگ کی تیاری کا حکم دیتا ہے۔ اب شاہ کو دن رات چوہان کی فکر رہنے لگی اور فراہم لشکر میں مصروف ہو گیا۔

روانگی کے وقت ہندگوئی دیکھنے میں آئی۔ عرب (خان) نے سلطان سے عرض کی کہ آج کے دن سفر کرنا مناسب نہیں۔ سلطان نے کہا ”اس کافر چوہان کو مار لینا کون سی بڑی بات ہے، تم ناحق تشویش کرتے ہو۔“ یہ کہہ کر کوچ کا حکم دیا۔ جاسوسوں نے یہ اطلاع ناگور میں پہنچا دی۔ برتھی راج نے اپنے سرداروں کو بلوا بیجا اور خیر دی کہ شہاب الدین آمادہ ہیکار ہو کر سندھ تک پہنچ گیا ہے۔ سرداروں نے جنگ کی آمادگی ظاہر کی اور تیاری میں لگ گئے۔ گرو رام لہمن نے آکر اشیرباد دی، دان دیا اور خیر و خیرات کی اور ولد منتر سے تلک کیا گیا۔ حسین اپنے لشکر کے ساتھ آکر برتھی راج کے شامل ہو گیا۔ متحدہ فوج نے کوچ کر کے دس کوس پر جا کر پڑاؤ کیا۔ یہ اطلاع جاسوسوں کے ذریعے سے سلطان کو پہنچ گئی۔ سلطان یہ سن کر بڑے زور شور سے چلا۔ شاہ کے لشکر کی کیفیت کے بیان میں یہ شعر یاد رکھنے کے قابل ہے :

نہیں لہاج (نماز) سائیں بے پنج ہفت
سیارے ہاتھیں دن رات
نہیں شیخ دھرم سرم (شرم)
کو میں رہ رہی قرآن کرم

سلطان نے اچل پور پہنچ کر ٹبرہ جانا۔ گھوڑی رات گئے برتھی راج کو یہ خبر کیاس نے پہنچائی۔ برتھی راج اسی وقت تیار ہوا اور سوار ہو گیا۔ سیدھا حسین کے خیمے میں آیا۔ حسین نے اپنے ساتھیوں سمیت راجہ کو سلام کیا۔ خبرداروں نے سلطان کو خیر دی کہ راجپوتوں کی فوج ایک بوجن (چار کوس) کے فاصلے پر آ گئی ہے۔ سلطان نے صف بندی کا حکم دیا۔ جنوب میں تار (خان) بائیں طرف خورسان (خان)، حاجی (خان)، راجی (خان)، غازی خان، مقدمے میں میر جام، خان کھام اور عیت عقب میں۔ الغرض ساروٹسے کے بائیں طرف سلطان صف بندی کر کے کھڑا ہو گیا۔ سلطان فوج کو دیکھ کر برتھی راج

نے حسین کی طرف دیکھا - حسین نے اپنی فوج کو اس طرح جاپا کہ روسی خان ،
 قاسم (بیک) حسین اور خان دلیل دکن کی طرف اور قاسم خان ، کریم خان ، خواجہ
 قاسم کلچ شدہ ان کی طرف رہے - حسین نے راجہ کو سلام کیا اور کہا کہ آپ
 نے میرے لیے بڑی زحمت گوارا فرمائی ہے - میں بھی اس کے عوض میں اپنا سر
 دینے کے لیے تیار ہوں " برہنہ راج نے کہا " کون سی بڑی بات ہے - میں بھی
 آج تم کو غزنی کا بادشاہ بنائے دیتا ہوں - " میر حسین سلام کر کے فوج کی
 بائیں طرف چلا گیا اور برہنہ راج نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ تم لوگ
 حسین کی امداد کرو -

رائے چامٹل ، چندرسین پنڈت ، گھوٹ لٹور رائے پنڈھار راجہ کے جنوب
 میں اور رائے گوہلہ ، دیو رائے ، کتہ چوہان ، کبھی رائے وغیرہ مقدسے میں
 تھے - بالآخر دونوں فوجیں مقابل ہوئیں اور نشان بھینے لگے - حسین کا تار کے
 ساتھ مقابلہ ہوا اور تار کی فوج کے پاؤں اٹھ گئے - خان غورسان آگے بڑھ کر
 لڑنے لگا - اس کی فوج بھاگ کر سلطان فوج میں جا ملی - اب بائیں طرف سے
 جہام ، داہنی طرف سے کپاس اور سامنے سے برہنہ راج نے حملہ کیا اور جنگ
 مغلوبہ شروع ہو گئی - برہنہ راج کی فوج آگے بڑھی - مثالیک مارا گیا -
 شہاب الدین کی فوج نے پاؤں چھوڑ دیے اور چوہانوں کی فوج نے تعاقب شروع
 کیا - مسلمان فوج ہندو سرداروں کے نرغے میں آ گئی اور شہاب الدین گرفتار ہو
 گیا - بیس ہزار مسلمان اور سات ہزار بائیں گھوڑے مارے گئے - تیس سو ہندو
 قتل ہوئے - تین کوس کے اندر لڑائی ہوئی - حسین مارا جا چکا تھا - برہنہ راج
 نے اس کی لاش لٹا کر کھڑا کر منکوائی ، جس کو دفنایا گیا اور پتھر دیکھا پاتر ،
 جینے جی اس کی لاش کے ساتھ قبر میں کڑ گئی - راجہ نے شہاب الدین کو پانچ
 روز تک عزت کے ساتھ رکھا - پھر اس سے تین بار سلام کروا کر میر حسین کے
 بیٹے غازی کو اس کے ساتھ کر دیا اور یہ وعدہ لے لیا کہ وہ آئندہ ہندوؤں پر
 کبھی حملہ نہیں کرے گا - شہاب الدین ، غازی کو اپنے ساتھ لے کر بنیریت بمقام
 پہنچ گیا - اس کے امرا نے اس کے جینے جاگئے لوٹ آنے پر بڑی دھوم کے ساتھ
 خوشیاں منائیں -

آکھٹک چوک برقی

(دوسری داستان)

پورا برس غم ہو گیا مگر شہاب الدین کے دل میں برتھی راج کی عداوت بدستور تازہ رہی۔ حسین (غازیؑ) ایک مہینے باج دن وہ کر غزنی سے واپس برتھی راج کے پاس چلا آیا تھا۔ برتھی راج نے کھٹو کے بن میں شکار کی ٹھانی۔ ٹھانڈا کھتری نے یہ غیر شہاب الدین کو چنوا دی۔ شاہ نے اپنا ایک جاسوس تحقیقات کے لیے روانہ کیا۔ اس نے جاں پہنچ کر ساری کیفیت تحریر کر دی۔ شہاب الدین نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ برتھی راج پر چڑھائی کے لیے خفیہ طور پر تہاری کی جائے۔ مسلمان سرداروں کا اس امر پر اتفاق تھا کہ بغیر غریب اور دھوکا دے چوہانوں پر فتح نہیں ہو سکتی۔ ادھر برتھی راج عین بے خبری کے عالم میں مصروف شکار ہے اور ادھر شہاب الدین آٹھ ہزار فوج ساتھ لے کر کھٹون میں آ چنوا۔ علی الصباح حملہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ چند گوی نے برتھی راج سے کہا کہ میرے پاس خبر آئی ہے کہ شہاب الدین آ گیا ہے۔ جب اس امر کی تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ یوں (مسلمان) فوجیں جنگل کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اس وقت راجہ کے ساتھ صرف باج سردار تھے۔ الہوں نے راجہ کو اپنے بیچ میں کر لیا۔ یوں (مسلمان) فوجیں چلے ہی سے انہیں محصور کیے ہوئے تھیں۔ اب جنگ شروع ہو گئی۔ راجہ نے کہاں سنبھال لی اور جن جن کر یوں سرداروں کو گرانے شروع کیا۔ اس کے بعد تلوار ہاتھ میں لی اور دشمنوں کو کاٹنے لگا۔ کچھ دیر میں سلطانی فوج کے سات سو پچھن آدمی کام آئے۔ راجہ کے ہمراہیوں میں سے چالکیہ ثابت بہادری سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ اس بہادری کی موت کا برتھی راج کو بہت صدمہ ہوا اور طیش میں آکر تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈالا اور دشمنوں کو کاٹ کاٹ کر گرانے لگا۔ دو گھڑی تک بڑی گھمسان کی جنگ رہی۔ آخر جب بڑے بڑے مسلمان سردار کاٹ چکے، مسلمانوں نے غزنی کا رخ کر لیا اور شہاب الدین ہارے جواری کی طرح اپنا سامنہ لے کر چل دیا۔

مگل جدہ (جنگِ مغل)

(ہندوستانی داستان)

جب الہہنی کو یہاں کر برتھی راج آ رہا تھا ، سیوات کا راجہ مگل رائے اپنے فرزند کے انتقام کے لیے برتھی راج کو مارنے کے واسطے چھپ کر جتنا کی ایک گھاٹی میں بیٹھ گیا ۔ برتھی راج صبح اُٹھ کر شکار کو نکلا ۔ مگل راج نے آ کر راستہ روک لیا ۔ برتھی راج نے اس موقع پر بڑی چال بازی کے ساتھ جنگ کی ۔ آخر مغل گرفتار ہوا اور برتھی راج اسے قید کر کے اور الہہنی کو ساتھ لے کر بہ خیریت تمام اپنے شہر پہنچ گیا ۔

مادھر بھاٹ کنہا

(اُپسوں داستان)

برتھی راج دلی آ کر رہنے لگا ۔ شہاب الدین کا بھاٹ مادھر ، جو اکثر علوم و فنون میں ہاکال تھا ، دلی آ گیا اور یہاں ایک مہینے تک رہا ۔ یہ شہر اس کو پسند آیا ۔ خبریں لینے کے لیے وہ برتھی راج کے دربار میں بھی جانے لگا ۔ اس نے اپنے کال سے اہل دربار پر خوب سکتہ جاپا ۔ دھرمائن کلیستہ نے اس کو سلطنت کے راز بتائے اور برتھی راج نے اتنا انعام دیا کہ اس نے عمر بھر نہیں دیکھا تھا ۔ الغرض شاہی راز سے آشنا اور انعام سے مالا مال مادھوبھاٹ اپنے آقا شہاب الدین کی خدمت میں عزیزی لوٹا اور بتایا کہ اب دلی برتھی راج کو مل گئی ہے اور انک ہال نے بن باس لے لیا ہے ۔ یہ خبر سن کر شہاب الدین کو بڑا حسد ہوا ۔ اس غصے میں فوج کشی کی سوچیں ۔ پھر تار خان وغیرہ سرداروں کو جمع کر کے ان سے برتھی راج کا زور توڑنے کی رائے پوچھی ۔ تار خان کی رائے یہی تھی کہ دلی پر لشکر کشی کی جائے ۔ اس رائے سے باقی سردار بھی متفق تھے ۔ رسم خان نے مشورہ دیا کہ فراہمید افواج کے وقت

لک ایک جاسوس دلی بھیجا جانے جو ہندوؤں کی خبر لے آئے ۔ چونکہ مادھو بھاٹ کی اطلاع پر شاہ کو بھروسا نہیں تھا ، خبر بھیج کر شاہ لشکر کی تیاری میں لگ گیا ۔ ادھر جاسوس دلی پہنچ گیا ۔ یہاں اس کو برہمنی راج کو تخت دیے جانے اور انگ ہال کے بن ہاس لینے کی خبر کی تصدیق ہو گئی ۔ دھرمائن کالیستھ نے نئے راجہ کے سرداروں کے حالات وغیرہ بیان کیے اور باقی ضروری امور عرضی میں لکھ کر جاسوس کے حوالے کر دیے ۔ جاسوس چھ مہینے میں لوٹا اور اپنے چشم دید حالات شاہ سے عرض کر دیے ۔ ۱۱۳۸ ہجری میں برہمنی راج کو دلی ملی ۔ اب شاہ نے اپنے اسرا سے بھر مشورت کی ۔ انہوں نے وہی جنگ کی صلاح دی ۔ الغرض شاہ مع اپنے لشکر کے بڑی دھوم دھام کے ساتھ چلا ۔ دو لاکھ فوج ساتھ تھی ۔ جب شاہ کے کوچ کی خبر برہمنی راج کو ملی ، اس نے اپنے سرداروں سے مشورہ لیا ۔ کہاس نے کہا کہ ہمیں چاہیے آگے بڑھ کر ہم شاہ کا استقبال کریں ۔ اس پر سب سرداروں نے اتفاق کیا ۔ علی الصبح برہمنی راج نے کوچ کیا ۔ جب میدان جنگ میں پہنچے ، لڑائی بڑے زور شور کے ساتھ شروع ہوئی اور جیت جلد شاہی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ لشکر کو بھاگنا دیکھ کر سلطان بہت ابرہم ہوا ۔ اس نے انہیں لعنت ملازت کی ۔ بھگوڑے توہم گئے اور لڑائی بھر جھی ۔ اس اثنا میں تثار خاں مارا گیا ۔ اب فوج لو کیا خود سلطان نے بھی ہمت ہار دی اور راجہ گریز اختیار کی ۔ برہمنی راج نے تعاقب کیا اور چامند رائے نے سلطان کو گرفتار کر لیا ۔ برہمنی راج نے ایک مہینے قید رکھ کر سلطان کو آزاد کر دیا ۔ اس داستان میں اسہاے ذیل ملتے ہیں ۔ خورسان خاں ، تثار خاں ، نصرت خاں ، مٹان خاں ، مہرہز خاں ، خان سبرن ، کاپلی ہلائی (صفحہ ۹۰۶) میر فتح جنگ ، میر جستن ، غزنی خاں ، محمود میر ، معروف خاں وغیرہ ۔

ہمدانوی مہمے

(ہیسوی داستان)

یورپ کی سمت میں سمندر ششر گڈھ کے جادو ہنسی راجا وجے ہال کی

حکومت ہے۔ اس کے کنور ہدم سین کے ہمساقی نام ایک نہایت حسین و منہ جبین لڑکی ہے۔ کھیل میں ایک دن ایک طوطے کو دیکھ کر اس پر لٹو ہو گئی اور اسے پکڑ کر پنجرے میں رکھ لیا۔ اس طوطے کی محبت میں وہ اپنے تمام کھیل اور تقریبات بھول گئی اور رات دن اس کو بڑھانے لگی۔ ہمساقی کا حسن گلو سوڑ دیکھ کر طوطے نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ہمساقی کو برتھی راج کا بر ملے تو بہت اچھا ہو۔ ہدمنی نے ایک دن طوطے سے اس کا وطن پوچھا۔ اس نے کہا کہ میں دلی کا رہنے والا ہوں، جہاں کا حاکم راجہ برتھی راج، راجہ انگر کا اوتار ہے۔ شہزادی برتھی راج کے حسن و کمال کا ذکر سن کر اس پر نادیدہ عاشق ہو گئی۔ جب ہدمنی سانی ہو گئی، ماں باپ کو اس کے بر کی فکر ہوئی۔ اس غرض سے راجہ نے پرویت کو دیس دیس بھیجا۔ پرویت پھرتا پھرتا کھاؤں کے راجہ کہو دمنی کے ہاں پہنچا اور اس کے ساتھ کنیا کے لگن چڑھا دیے۔ کہو دمنی بڑی دھوم کے ساتھ برات لے کر یہاںے نکلا۔ ہمساقی کو بہت صدمہ ہوا۔ اطلاع دینے کے لیے طوطے کو برتھی راج کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ رگھنی کی طرح میری سیل کرو۔ طوطے نے چٹھی برتھی راج کی خدمت میں پہنچا دی۔ راجہ، چاند رائے کو دلی میں چھوڑ کر اور سرداروں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ جس دن برات سمودر شہر گدھ پہنچی، برتھی راج بھی پہنچ گیا۔ اسی دن شہاب الدین کو بھی غزنی میں خبر مل گئی۔ ستنے بی شاہ اپنے امیروں کے ساتھ برتھی راج کا راستہ روکنے کے لیے نکلا۔ ادھر یہ خبر چند نے برتھی راج کو پہنچا دی۔ طوطے نے لوٹ کر سارا ماجرا ہمساقی کو سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ سنگھار کر کے سہیلیوں کے ساتھ شیوجی کی ہوجا کو گئی۔ وہاں سے برتھی راج نے اٹھا کر اسے گھوڑے پر اٹنے بھیجے بٹھا لیا اور لے نکلا۔ شہر میں یہ اطلاع راجہ کو پہنچی۔ اس نے تعاقب کیا اور بڑے گھمسان کا معرکہ ہڑا۔ برتھی راج دلی کی طرف بڑھا۔ شہاب الدین بھی آ پہنچا۔ اس دفعہ شاہ کو ہوا یقین تھا کہ برتھی راج کو انیسر کر لے گا۔ فوج بھی زبردست ساتھ لایا تھا۔ اس میں خراسانی، ملتانی، کھٹکھار، روہی، لڑکی، بلینی، بلوچ، منجاری، ہزاری وغیرہ تھے۔ نرنکی لال سفلات (سفلات) چنے تھے اور مروزی، رجبوری، عراقی، عربی، تازی، ترکی، سہابان، کٹبان وغیرہ گھوڑے تھے۔ برتھی راج تلوار سنبھال کر دشمنوں پر لوٹ پڑا۔

رات دن کہوسان کی جنگ رہی۔ آخر ہر تہی راج نے موقع پا کر کہاں ڈال کر شہاب الدین کو ہکڑ لیا اور گنگا پار کر کے دلی چلا آیا اور سادہ لکن باگڑ ہدستی کے ساتھ دھوم دھام سے بیاہ کیا۔

دھن کنہا (افسانہ گنج)

(چوبیسویں داستان)

ایک سرئیہ سرو ہوسی (مارواڑ) سے دلی آئے وقت ایسا اتفاق ہوا کہ راجہ ہر تہی راج کہتو کے جنگل میں غیمہ زن ہوا اور مجلسر خاص میں اپنے قاضی وزیر کیاس کی دانش مندی کی تعریف کرتے ہوئے اس سے دریافت کیا کہ اے وزیر اس جنگل میں صاف پانی کے ٹالاب کے کنارے ایک پتھری مورت ہے جس پر یہ کتبہ ہے : ”سرو کتے دھن منگر ہے سو مجھے دھن جائے“ (سرو کتے خزانہ ملے اور سو رہنے خزانہ جائے)۔ اس کا مطلب معلوم کرنے کے لیے بڑے بڑے دانش مند حیران ہیں اور اصل حقیقت کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکی۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تمہارے نزدیک اس نوشتہ کا مفہوم کیا ہے ؟ کیاس نے جواب میں کہا ”منا تو بیوں جاتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں ویر ہا بن نامی کوئی یا اقبال راجہ تھا جو بڑا ظالم اور جفاکار تھا۔ اس نے رعیت پر ظلم کر کر کے بڑا خزانہ جمع کیا۔ آخر رعایا نے بھی تنگ آ کر اس کے حق میں بددعا کی کہ وہ اوت^۱ اور بے نام و نشان جائے۔ خدا کی قدرت کہ رعایا کی دعا قبول ہوئی اور ولجہ لا ولد مرا۔ مہاراج ا ہم سب خزانہ اسی راجہ کا جمع کردہ ہے، جس کا لکنا

۱۔ کہاں ان داستانوں میں کئی موقعوں پر استعمال ہوئی ہے۔ کہاں سے گرفتار کرنے کا دستور کہیں نہیں منا کیا۔ غالباً مصنف کی مراد کھنڈ ہے۔ بالفاظ دیگر کہاں کو بھی کھنڈ سمجھا رہا ہے لیکن شعر ذیل ملاحظہ ہو :

مارا ہی است گوشہ ابروی انظاف

کہیں صید رام را بکھان می توان گرفت (پرنسپل شفیع)

۲۔ (ہندی) لا ولد۔ پنچابی میں بھی عام ہے۔ (مراتب)

یہی جائز ہے۔ اگر آپ اس خزانے کے نکالنے کے خواہش مند ہیں تو سب سے چلے
 چنٹوڑ کے داخلی مند راول سر سنگھ جی کو بلوا لیجیے اور پھر اس مہم میں ہاتھ
 ڈالیں، کیونکہ جے چند، شہاب الدین اور بیوم دیو آپ کے دائمی دشمن ہیں۔
 ہمیشہ آپ کی ٹاک میں لگے رہتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہر طرف سے اپنا
 پورا پورا بندوبست کر کے خزانہ نکالنے کی کوشش کی جائے۔ راجہ نے کیاس کا یہ
 اخلاصِ مددگار مشورہ سن کر اسے اپنے ہنس بلایا، عزت سے بلھایا اور سروبا عتاب
 کیا اور بولا کہ اے مشیرِ بالیدیر! میں تیرے اس مشورے سے جت خوش ہوں۔
 یہ کہہ کر اس نے چند پنڈیر کو بلوایا اور ایک خط دے کر اسے راول سر سنگھ
 کو بلانے کے لیے چنٹوڑ روانہ کیا۔ چند پنڈیر، راول جی کے نوازے کے واسطے
 برتھی راج کے دے ہوئے ہاتھی گھوڑے اور کپڑوں کے تھان وغیرہ لے کر
 چنٹوڑ پہنچا اور بڑے ادب کے ساتھ راول جی کی خدمت میں حاضر ہوا اور راجہ
 کا خط دے کر اس خزانے کا قصہ سنائے لگا۔ خط پڑھ کر اور باتیں سن کر
 بوگراج راول سر سنگھ جی نے ہنس کر جواب دیا کہ اے چند پنڈیر! اس دنیا کی
 راہ و رسم بڑی نرالی ہے۔ ایک گیدڑ گوشت کا لوتھڑا لے کر آنا ہے، دوسرا گیدڑ
 وہ لوتھڑا اس سے چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس جھینا چھینتی میں کوئی اور
 ہی اسے لے بھاگتا ہے۔ راول جی کا یہ قول سن کر چند پنڈیر نے عرض کی کہ
 آپ کا فرمانا بالکل درست ہے، تاہم برتھی راج کو سراسر آپ ہی کا بھروسہ ہے۔
 وہ صرف آپ ہی کے بھروسے پر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بھی کچھ مال نہیں
 سمجھتا۔ اس لیے میری گزارش اس امر پر ہے کہ آپ برتھی راج کی محنت کو
 برباد نہ کریں، دلی تشریف لے چلیں اور خزانہ نکالنے میں اس کی مدد کریں۔

چند پنڈیر کا سروصہ سن کر راول جی ایک بڑی فوج لے کر لاگور کی طرف
 چل کھڑے ہوئے۔ منزل بہ منزل قطع مسافت کر کے راول جی لاگور پہنچے۔
 دھرمائن کابستہ نے ساری اطلاع شہاب الدین کو لکھ بھیجی۔ جب دہلی سے دس
 کوس پر راول جی آ گئے، برتھی راج مع اپنے امیروں، درباریوں اور فوج کے
 شہر سے نصف کوس باہر آ گیا اور استقبال کر کے راول جی کو شہر میں لے گیا۔
 انگ پال جی کے بھون میں ان کے قیام کا انتظام کیا گیا اور ہر طریق سے ان کی
 خدمت گزاری کی گئی۔ دو دن آرام کیا۔ تیسرے دن برتھی راج نے ایک مجلس
 منعقد کی جس میں راول جی اور اسے دربار حاضر ہوئے۔ خزانہ نکالنے کی

تدبیر پر غور و غوض کی گئی۔ دانائے روزگار کشاس کی یہ رائے منظور ہوئی کہ شہاب الدین کا مقابلہ برتھی راج جی کریں اور بھیم دلو کا راستہ راول جی روکیں، تب غزالہ نکالنے کی صورت کی جائے۔ چنانچہ اس رائے پر کاربند ہونے کے لیے برتھی راج اور راول سرسنگھ جی اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ناگور کی طرف چل دیے اور وہاں پہنچ کر ہر ایک نے اپنے اپنے حریف کی روک تھام کے لیے ٹھہرے ڈال دیے۔ جب یہ اطلاع شہاب الدین کو پہنچی کہ دلی کا راجہ دہندہ نکالنے کی غرض سے ناگور پہنچ گیا ہے، وہ بھی چیدہ چیدہ مسلمانوں کی زبردست فوج لے کر ناگور کی سمت روانہ ہو گیا اور فوج کا دل بڑھاتا رہا کہ اب کی دفعہ برتھی راج ضرور گرفتار کر لیا جائے گا۔ ایسے ہی منصوبے باتدہتا وہ ناگور کے قریب آ دھسکا۔ شاہ کی آمد کی خبر پا کر راول جی نے نشیب و فراز سمجھا کر کشاس وزیر کو دہندے کی حفاظت کے واسطے تعین کیا اور خود شاہ پر چڑھائی کے لیے تیار ہونے۔ صبح ہونے ہی راول جی، شاہ کی طرف بڑھے۔ ان کی فوج کا غبار دیکھ کر شہاب الدین سمجھ گیا اور آمادۂ جنگ ہو کر راول جی کی طرف بڑھا۔ ادھر سے چادر واجپوت اور ادھر سے جنگجو مسلمان بھوکے شیروں کی طرح ایک دوسرے پر چھڑے۔ بالٹی بالٹی سے، گھوڑا گھوڑے سے اور پیادہ پیادے سے بھڑکیا۔ سرداروں نے سرداروں کو ٹوکا۔ پرول پریار نے رستم خاں کے بھائی سورخاں کو ہلاک کر ڈالا۔ ادھر رستم خاں نے ابراہار رائے پر بھرپور ہاتھ چھوڑا۔ الفرض کثرتِ کشت و خون سے خون کا دریا بہنے لگا۔ دن بھر لوہا پرستا رہا۔ ہندو اور مسلمان دل کھول کر لڑے۔ آدمی کھڑی دن باقی تھا جب سورما واجپوتوں نے میر پرزادوں کو پسپا کر دیا۔ جون ہی سوچ کی روشنی ماند پڑی اور مغرب میں ڈوبنے لگا، یزدلوں نے ہست ہار دی۔ کمودنی چاند کی طرف منہ کر کے چہکنے لگی اور ہرندے نرم نرم ہتھوں کے کواڑ بند کر کے اپنے اپنے گھوڑوں میں چبک چبک کر چپ ہو گئے۔ دونوں فوجیں جنگ سے دست کش ہو کر اپنے اپنے بڑاڑ کی طرف لوٹیں اور سب سپاہی اور جمعدار وغیرہ اپنے اپنے مقام پر دنیا کے جنگالوں کو غیر ہاد کبھ کر لیند کے آغوش میں پاؤں پھیلا کر بے خبری کے خواب میں مست ہو گئے۔ چاند رائے، نڈھو رائے، اتانائی، جیت واؤ، رین پرماو اور کتہ کا بھتیجا، برتھی راج کی چوکی پر تھے۔ اور غنیم کے لشکر میں رستم خاں، تکار خاں، لوری خاں، حجاب خاں، جڈ اساکلی

(عیسیٰ قلی؟) اور کھوکھر خان، شہاب الدین کے پرے پر تھے۔ رات غیریت کے سالہ گزرتی۔ دوسرے دن جب سیدہ محری مشرق سے نمودار ہوا، نبرد آزما میدانِ جنگ میں آدھمکے۔ گھڑی دن چڑھے برتھی راج چھتہوں ہائے اور زور ہتھک پہنے، ست ہاتھی پر سوار، اپنی فوج کے قلب میں جلوہ افروز ہوا اور غنیم پر حملے کا حکم دیا۔ حکم ہائے ہی سورما راجپوت دشمن پر اس طرح جھپٹے جس طرح بھڑا بھڑوں کے گلے پر دوڑنا ہے۔ دہانی جانب سے برتھی راج اور ہائیں جانب سے سر سنگھ جی نے پورس کی۔ تب مسلمان فوج بھی اللہ بسم اللہ کرتی ہوئی جنگ میں مصروف ہوئی۔ اس وقت لشالوں کے لہرائے، تقاروں کی کڑکڑاہٹ، تیروں کی بوچھاڑ اور گولے گولیوں کی سنسنیہٹ سن کر چاندیوں کا کلیجہ خوشی کے مارے ہاتھیوں اچھلتا تھا مگر نامرد حواس باختہ ہو رہے تھے۔

شاہ کی طرف سے عرب خان سپہ سالار تھا اور عمر خان اس کا مددگار اور فوج کا نایک تھا۔ اس نے اپنی ہوشیاری سے گیارہ دن برابر راجپوت لشکر کا مقابلہ کیا۔ آخر کار بارہویں دن پانچ گھڑی دن چڑھے مسلمان لشکر کے ہاڑوں اُکھڑ گئے۔ یہ خبر پا کر علی فوج کے نایک عثمان خان نے بہت زور مارا اور فوج کا دل بڑھایا، جس سے اس کے ہاڑوں لہم گئے اور ہوی (مسلمان) بھر جی توڑ کر لڑنے لگے۔ جب دوپہر ہو گئی اور دو ہزار گنکھڑ کام آچکے، تب مسلمانوں نے راجپوتوں پر ایک زور شور کا حملہ کیا۔ الفرض اس طرح چوٹیں ہونے ہونے آدھی گھڑی دن باقی رہ گیا۔ تب نصرت خاں، یعقوب خاں اور تثار خاں نے تین طرف سے زبردست حملہ کیا اور ایسی ہوشیاری اور بہادری سے کام لیا کہ اس مرتبہ راجپوتوں کے ہاڑوں ڈگمگانے لگے۔ یہ دیکھ کر راول سرسنگھ جی اور برتھی راج ہاتھیوں سے الگ کر گھوڑوں پر سوار ہونے اور اپنی جانیں پتلی پر لیے کر غنیم کی فوج میں گھس بڑے اور اس کے بڑے بڑے سوراڑوں کو کانٹے چھانٹنے لگے۔ ان کے بیچھے بہادر راجپوت ہو لیے اور غنیم کی فوج کو کٹائی کی طرح سے بھاڑ دیا۔ ادھر مسلمان ہاڑوں بیچھے رکھنا جہنم میں جانے کے برابر سمجھتے تھے۔ اس لیے دونوں فوجوں میں خوب زد و خورد ہوئی رہی۔ بالآخر مسلمان، راول جی کی تیز تلواریں دھار کے مقابلے میں ٹھہرنے سے عاجز آ گئے۔ اس طرف برتھی راج نے اپنے ہاتھی کو شہاب الدین کی طرف بڑھایا۔ شاہ اس پر

لیروں کا سینہ برساتا اپنی فوج سے یوں مخاطب ہوا :

”اے بھادرو! کھانے اور سونے میں تو مارے انسان برابر ہیں مگر سچا بہادر وہی ہے جو دشمن کے سامنے سینہ کھول کر جا ڈٹے۔ اگرچہ مجھ کو یقین ہے کہ آپ لوگ اپنے نام اور میرے کام پر اپنی جان و مال کو کچھ بھی نہیں سمجھتے مگر پھر بھی کہتا ہوں کہ جس کا جر چاہے بے شک یہاں سے چلا جائے اور جا کر اپنے ہال بچوں سے ملے۔ میرا تو عزم جزم یہی ہے کہ یا تو میدان جنگ میں مارا جاؤں یا جس لہت سے میں غزنی سے چلا ہوں اُسے پورا کر کے چھوڑوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بغیر مطلب کوئی لشکا تک بھی نہیں ہلاتا۔ کیا دیو، کیا جنتات، کیا انسان سب گلوں کے بار ہیں۔ انسان دولت اور آرام چاہتا ہے۔ شہید، دیو اور جن پرستش کے خواہش مند ہیں مگر سچا لوکر وہی جو مشکل کے وقت اپنے آقا کے کام آئے، سچا دوست وہی ہے جو اپنے دوست کے دل کی بات جانتا ہو، ہمیشہ اس کو خوش و غم کرنے کی تدبیر کرے اور کوئی بات اس سے نہ چھپائے۔ جو شخص سچے دل سے محبت کرتا ہے، وہی دوست ہے۔“

سلطان کی یہ تقریر سن کر تمام مسلمان سردار اپنے بادشاہ کی خوش تدبیری کی تعریف کرتے ہوئے جان پر کھیل کر لڑنے لگے۔ ادھر کنہ نے غورخان خان کے بھائی کا مقابلہ کیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس سے مسلمان فوج گھبرا گئی۔ ادھر پرتھی راج نے تلوار لہام سے کھینچ لی اور شہاب الدین پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی چاند رائے، بلہندر، ہیم پٹھار اور نندو رائے شاہ کے چاروں طرف ہو گئے۔ لیکن شاہ کے ہاتھ سرداروں نے، جو خواہی میں تھیں تھے، اپنے آقا کی حفاظت کے لیے بڑی ہامردی دکھائی۔ ان کے مارے جانے پر شہاب الدین گرفتار ہوا۔ اس وقت لشکر اسلام نا امید ہو کر بھاگ نکلا اور تمام شاہی سامان وخت بخت وغیرہ جہاں کا تھاں پڑا رہ گیا اور ہندو فوج نے لوٹ لیا۔ فتح کے بعد گرو رام نے پرتھی راج سے کہا کہ سہراج! اب دلی کو چلے اور وہاں فتح کی خوشیاں منا کر اور غزانہ کھودنے کے لیے ”مجھ محبوب معلوم کو کے آئیے۔ گورو جی کی بات سن کر راجہ نے کاکا کنہ اور داہم رائے کیاس کی طرف دیکھا۔ انہوں نے بھی گرو جی کی رائے کی تائید کی۔ تب پرتھی راج،

راول سر سنگھ جی ، گھاس اور پانی لشکر کو کھٹو بن میں چھوڑ کر جام دیو ، چتون رائے ، بلہدر ، جیت پرمار ، کاکا کنہ رائے اور اری سنگھ چھ سرداروں اور تھوڑی سی لوج کو ساتھ لے کر بھاگن سدی ۱۲ ، کو دلی کی طرف روانہ ہوا اور دس روز میں رستہ طے کر کے دلی جا پہنچا ۔ دشمن پر فتح کی خبر سن کر راج کمار تمام لشکر اور شہر والوں کو ساتھ لے کر دلی سے آدھ کوس کے فاصلے پر راج کے درشن کے لیے ہا ہبادہ آئے ۔ برتھی راج ان سے بڑی محبت سے ملا اور گھوڑے پر بیٹھنے کا حکم دیا ۔ جیت ہدی ے ، کو برتھی راج شہر میں داخل ہوا ۔ سب سے ملاقات کی ۔ استراحت کے بعد شہاب الدین کو اپنے سامنے بلوا کر ملازموں کو ہدایت کی کہ اسے نہایت آرام سے رکھیں ۔

جب شاہ کی گرفتاری کی خبر غزنی میں پہنچی ، اس کے وزیر تار خان نے ایک نہایت پوشیدہ کھتری کو سب کچھ سمجھا کر اور ایک خط دے کر دلی کو روانہ کیا ۔ یہ کھتری ، جس کا نام لورک رائے تھا ، ہاں سو سواروں کے ساتھ بارہ بارہ کوس کی منزلیں مارنا شہر دہلی کے دروازے پر آ پہنچا ۔ دن بھر آرام کیا ۔ دو گھڑی دن رے سے شہر میں داخل ہوا اور ڈھوڑی پر پہنچ کر اطلاع کرائی کہ غزلی سے تار خان کا ایلی حضور والا کے سلام کے لیے درگاہ پر حاضر ہے ۔ یہ خبر ہا کر راجہ نے اسے اپنے سامنے بلوایا ۔ لورک رائے نے حاضر ہو کر ادب کے ساتھ سری حضور کو سلام کیا اور حکم ہا کر ایک طرف مؤدب بیٹھ گیا ۔ کچھ دیر میں سری حضور کی منشا ہا کر وہ زبرک ایلی بھر اٹھا اور تین بار جھک کر کورنش پجا لایا ۔ تار خان کا خط راجہ کے پیشکار سندھو شاہ کے سامنے ادب سے پیش کیا ۔ سندھو شاہ نے شہاب الدین کے استخلاص کی عرضی جو تار خان کی فرستادہ تھی ، پڑھ کر سنائی ۔ راجہ اسے سن کر ہنس پڑا ۔ زبرک سندھو شاہ ، راجہ کے ہنسنے سے اس کے دل ارادے کو ناؤ گیا ۔ اس نے اسی وقت لورک رائے کو دربار سے رخصت کر دیا ۔ دوسرے روز لورک رائے بھر دربار میں حاضر ہوا اور برتھی راج کی طاقت و شوکت اور حلم و بردباری کی تعریف کر کے شاہ کی رہائی کی بات چھوڑی ۔ برتھی راج نے اس کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا ۔ لیکن اس سے دریافت کیا کہ آخر شہاب الدین کا نام گوری (غوری) کیوں مشہور ہوا ؟ لورک رائے نے عرض کی :

”حضور والا ! غزنی میں ایک ظالم بادشاہ حکومت کرتا تھا ۔ اس کا نام

جلال الدین تھا ۔ وہ اس قدر حشاش تھا کہ اس کے محل میں ہاتھ دس
 حرمیں تھیں ۔ جب اسے کسی حرم کے حاملہ ہونے کی خبر ملتی ، وہ
 اس کا سر اپنے ہاتھ سے کاٹ ڈالتا ۔ اس خیال سے کہ مہادا لرزلہ لرزہ پیدا
 ہو اور بڑا ہو کر اسے قتل کر کے سلطنت کرنے لگے ۔ اس تساوتِ قلب
 کے باوجود وہ ایک درویش نظام شاہ کی بہت خدمت کیا کرتا تھا ۔ اس
 کی خدمت گزاری سے خوش ہو کر ایک دن درویش نے اسے بشارت
 دی کہ تمہارے ایک بلند اقبال لرزلہ پیدا ہوگا ۔ درویش کی یہ بشارت
 بادشاہ پر گراں گزری اور تشویش و حراسہ کی حالت میں قصر شاہی
 کی طرف لوٹا ۔ جہاں پہنچ کر سب سے پہلی خبر ، جو اس نے سنی ، یہ
 تھی کہ بادشاہ کی ایک بیگم حاملہ ہے ۔ مگر قیل اس کے کہ شاہ اس
 کے قتل کا انتظام کرنا ، بیگم شاہی محل سے نکل کر فرار ہو گئی ۔ اس
 واقعے کے باوجود سال بعد شاہ جلال الدین کا انتقال ہو گیا ۔ اس وقت
 شیراز سلطنت کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ وارث ملک کے بغیر ملک کا
 انتظام کیونکر ہو سکے گا ۔ اس دوسان میں ایک شیخ نے آکر ان سے
 کہا کہ ایک بڑے کثروفر اور شان و شوکت والا چھ شہر کے باہر والے
 قبرستان کی ایک گور میں رہتا ہے ۔ تم اس کو اپنا بادشاہ بنا لو ۔ میرے
 ساتھ آؤ ، میں تمہیں وہ چھ بتا دوں ۔ سب درباری اس کے ساتھ ہو گئے ۔
 قبرستان میں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک باغ سال کا ذی شکوہ
 چھ بیٹھا ہوا طفلانہ کھیل میں مصروف ہے ۔ سب لوگ اس کی زیرک
 صورت اور ہونہار قیامہ دیکھ کر بہت خوش ہونے اور عزت کے ساتھ
 شاہی محل میں لے آئے ۔ لہجہ میں نے اس کا طالع دیکھ کر بیان دیا کہ
 وہ بڑا جلیل القدر بادشاہ ہوگا اور ہندوستان میں مسلمان سلطنت کی بنیاد
 ڈالے گا اور جو شخص ہر بار اسے قید و اسیر کرے گا ، آخر میں یہ اسے
 بھی برہاد کر کے دے گا۔“

لورک رائے جب اس طرح شہاب الدین کی طفولیت کی کہانی سنا چکا ،
 برتھی راج یولا : ”شاہ کے پاس ’سنگار پار‘ نامی ایک خوب صورت ہاتھی ہے ۔
 شاہ وہ ہمیں دے دے ۔ اس کے علاوہ تین ہزار گھوڑے چرانے میں داخل
 کرے ، آپ ہم تمہارے بادشاہ کو رہا کریں گے۔“ لورک رائے نے عرض کی

”سرمغان! جیسی مرضی ہوگی ویسے ہی عمل میں لایا جائے گا، مگر فدوی کی التجا تو یہ ہے کہ بادشاہ کو پہلے چھوڑ دیا جائے۔“ ادھر اورک رائے نے غزنین خط لکھ کر وہ ہاتھی اور گھوڑے منکوا کر برتھی راج کی خدمت میں پیش کیے۔ اس وقت شاہ کو رہا کیا گیا۔ شہاب الدین قید سے چھوٹنے ہی غزنین جا پہنچا۔ وہاں اس کے امیروں نے خوب جشن منائے اور ہروردگار کی جذاب میں شکرانہ ادا کیا۔

’منگار بار‘ برتھی راج کو نہایت عزیز تھا۔ وہ کبھی اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا۔ یہ ہاتھی سات ہاتھ اونٹن، لو ہاتھ لہبا اور دس ہاتھ موٹا تھا۔ جس وقت برتھی راج اس عظیم الجثہ ہاتھی پر سونے چاندی کا ساڑ سجوا کر سوار ہوتا، وہ نظارہ بھی قابلِ سیر ہوتا۔ ایک روز برتھی راج اس ہاتھی پر سوار ہو کر شکار کو گئے۔ کتنے بھی ساتھ ہو لیے۔ دونوں پہاڑ گھسنے جنگل میں شکار کی تلاش میں بھر رہے تھے۔ اتنے میں ایک بیڑبان^۱ خبر لایا کہ جاں سے تریب ہی ایک بڑا زبردست سؤر ہے۔ راجا نے اس سے گھیرنے کا حکم دیا اور خود بھی اسی طرف بڑھا۔ جب سؤر نے دیکھا کہ چاروں طرف سے گھر گیا ہے، ہٹکارتا ہوا ایک طرف کو بڑھا۔ اتنے میں راجہ نے تیر سے اسے گرا لیا۔ اسی وقت ایک شیر کی خبر آئی۔ برتھی راج نے کہا کہ میں تو اب شیر کو مارے بغیر جاں سے نہیں ٹلوں گا۔ یہ کہہ کر شیر کی جانب چلا۔ دیکھا کہ ایک ندی کے کنارے ایک خوشوار شیر ہیل کا گوشت کھا رہا ہے۔ راجہ نے ہاتھ کا حکم دیا۔ مسامتہ نے ’منگار بار‘ کو اسی کی جانب چلايا۔ شور غل کی آواز سن کر شیر نہایت بھرتی سے راجا کی طرف جھپٹا۔ راجا نے تیر چلايا لیکن خطا گیا۔ خواصی میں کورلیہ رائے تھا۔ اس نے تلوار سے شیر کے دو ٹکڑے کر کے مار ڈالا۔ کورلیہ رائے کی اس بہادری کی تمام فوج نیز راجا نے بڑی تعریف کی۔ شکار سے فارغ ہو کر جب راجا جی دلی لوٹے، کوی چند نے شیر کی مبارک ہاد دی۔ دوسرے دن راجا نے اپنے بیروٹ، گرو رام سے دھینہ نکالنے کی غرض سے کھنڈن پہنچنے کے لیے مبارک ساعت بوجھی۔ گرو جی نے ایسا کہہ دی۔ ہتائی۔ برتھی راج جی اسی وقت روانہ ہو گئے اور راستے میں اچھے شکون والی مختلف اشیا کی زیارت کرتے ہوئے کھنڈو کے جنگل میں جا وارد ہوئے۔ راول جی نے

۱۔ بیڑبان = شکار کی خاطر محفوظ کیے ہوئے جنگل کا محافظ۔ (سرتب)

بڑھ کر استقبال کیا۔ برتھی راج شہاب الدین کی رہائی اور اپنے شکار کی کیفیت
 راول جی کو سنانا رہا۔ پھر دالئی مند کھاس سے خزانہ نکالنے کی ترکیب پوچھی۔
 کھاس نے اس کی حقیقت بیان کی۔ تب راجا، راول جی اور چیدہ چیدہ سرداروں
 اور کسی قدر فوج کو لے کر اس موقع خاص پر پہنچا۔ کھاس نے اس کئیے
 کو بڑھا۔

ریواٹھ سمیو

(مٹاپسوی داستان)

جب چانڈ رائے دیوگیری کو فتح کر کے واپس لوٹا، اس نے برتھی راج
 سے ریواٹھ کے جنگل کی بڑی تعریف کی، خاص کر کے وہاں کے بلند قد ہالیوں
 کی اور صلاح دی کہ وہاں شکار کو چلیں۔ چند نے یہی اس امر کی تائید کی اور
 کہا کہ واقعی شکار کا لطف تو وہیں آئے گا۔ برتھی راج کو ہوں تو جسے چند سے
 کاوش تھی ہی، جب اعلیٰ شکار کی اس بندھی تو فوراً آزاد ہو گیا اور بڑی
 دھوم کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستے میں جو جو راجا ملے، ساتھ ہو لیے۔ یہ سب
 تو شکار کو جا رہے ہیں، ادھر غزلیں میں معروف خاں اور تار خان نے دلی ہر
 حملہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ خبر سن کر شہاب الدین بھی آزاد ہو گیا۔ تار خان
 نے قرآن ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ میں چند ہتھیار کو قتل کر کے دلی ہر
 قبضہ کر لوں گا۔ اس جدید صورت حالات کی اطلاع چند ہتھیار نے فوراً برتھی راج
 کو بھیج دی۔ برتھی راج ابھی راستے ہی میں تھا، لوٹا اور چھ کوس پر آ کر
 دم لیا۔ اب راجا نے سیدھا پنجاب کا رخ کر لیا تاکہ غنیم کا مقابلہ وہیں کیا
 جائے۔ برتھی راج، شہاب الدین کی آمد کی خبر سن کر بہت محفوظ ہوا اور
 بولا کہ اب کے تو بڑا مرغی شکار ہوگا۔ بیڑوں رائے نے کہا کہ میں نے بہت
 سے دشمنوں کو زک دی ہے اور شہاب الدین کو بھی پکڑا ہے۔ میں اس مرتبہ
 بھی اس کے ساتھ آنکھیں ملاؤں گا۔ جیت راؤ نے کہا کہ شہاب الدین کی فوج
 سے لاہور کے قریب مقابلہ ہوگا، اس لیے ہمیں چاہیے کہ چلے ہی سے تیار رہیں،
 آئندہ جسے مہاراج کی مرضی۔ رگھوینس رام نے کہا ”ہم صرف چل دینا

جانتے ہیں۔ شاہ کو چلے بھی قید کر لیا تھا، اب کے بھی گرفتار کریں گے۔“ گوی چند نے کہا ”گنوارو! کسی باقی بنائے ہو، اگر تم سب سے گئے تو راجا اکھلا جی کر کیا کرے گا۔“ برتھی راج نے غصے کے لہجے میں کہا ”یہ ہیکوس چھڑو اور آنے والی جنگ کی تیاری کرو۔“ نصف شب کے قریب جاسوس برتھی راج کے پاس یہ خبر لایا کہ شاہ اٹھارہ ہزار ہاتھی اور اٹھارہ لاکھ فوج لیے کر لاہور سے چودہ کوس ادھر آ چکا ہے۔ یہ خبر سن کر ہندو فوج میں ایک شور مچ گیا۔ دربار کے وقت جاسوس خبر لائے کہ شاہی فوج نے دریا عبور کر لیا ہے اور چند ہتھیار اس کا راستہ روکنے کے لیے آگے بڑھا ہے۔ اس طرف سلطان صف کشی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ راول، شہزادہ خان پیدا محمود کے سپرد کی۔ خان منگول، جہانگیر خان، خان ہندو، پھہی خان پٹھان، خان عثمان، کپلی خان، خان بھٹی، خان خورساتو، حبش خان، حجاب، عالم وغیرہ اسرا فوج کے ساتھ تھے۔ شاہ نے تیس ہزار ادھر سفر کر دیے اور خود نے دربارے چناب پار کر لیا۔ اس خبر سے برتھی راج بہت ہلکا سا ہوا۔ اس نے اور خبر آئی کہ ہتھیار نے شاہ کو روک دیا ہے۔ جہاں چناب پار ہے، وہاں چناب پار ہے۔ بڑی جنگ ہوئی اور ہتھیار معرکہ جنگ میں زخمی ہو گیا اور شاہ نے دریا عبور کر لیا۔ اس خبر نے برتھی راج کے تین بدن میں آگ لگا دی۔ اس نے قسم کھائی کہ میں سومیشور کا فرزند نہیں اگر شاہ کو گرفتار نہ کروں۔ فوراً کوچ کیا۔ جب دونوں لشکری مقابل ہوئے، میوا کے راول سرسنگھ جی میدان میں بڑے اور جنگ کرنے لگے۔

دوپہر کے وقت چند ہتھیار نے تیرہوا رخ دے کر دشمن کی فوج کو دھانا شروع کیا۔ اسی میں برتھی راج اور شہاب الدین اپنے سامنے ہوئے۔ شہاب الدین تو گھبرا گیا مگر تار خان نے تسلی دی۔ مادھو رائے سولنگی، خلجی خان سے جنگ آزما ہوا۔ اس میں خوب تلوار چلی۔ بدقسمتی سے اس کی تلوار ٹوٹ گئی، کتار نکال کر لڑنے لگا۔ ادھر کسی نے موقع پا کر دغا بازی کر کے اسے مار ڈالا۔ چترن رائے کے بھائی پٹھان کا خورسان خان سے مقابلہ ہوا، بالآخر پٹھان مارا گیا۔ گوہند رائے نے تار خان کے ہاتھی اور سپاہ کو مار گرایا۔ ادھر نرسنگھ رائے کے سر میں کاری زخم آیا، وہ گرا، چاند رائے نے آگے بڑھ کر اس کی حفاظت کی۔ اسی میں رات پڑ گئی۔

دوسرے روز جنگ بڑی شدت کے ساتھ شروع ہوئی۔ سلطان اسلحہ لٹا کر ہندوؤں پر حملہ آور ہوا۔ لوہانے نے بڑی جادری دکھائی۔ جواستھ خان مارے گئے اور تیرہ ہندو سردار کھیت رہے۔ دگھونس رائے نے کھنگو گوری کو مارا اور خود بھی مارا گیا۔ دوسرے دن تار خان شاہ کو قلب میں رکھ کر خود جنگ کے لیے بڑھا۔ ہندو سورما طیش میں آ کر شاہ کی طرف بڑھے۔ ادھر خورسان خان نے دشمن کی صفوں میں قیامت کا تہلکہ مچا دیا۔ حسین خان کھوڑے سے گرا، اور بیک خان کھیت رہا، معروف خان اور تار خان لڑتے لڑتے تھک گئے۔ دوسرے دن خود سلطان نے تلوار سنبھالی۔ آج ہندوؤں کا اس پر نرغہ تھا۔ اس نے کہاں اٹھائی۔ ایک تیر سے دگھونس گوسائیں کو مارا، دوسرے تیر سے بھم بھٹی کو اڑا دیا، تیسرا تیر ہاتھ میں لینے نہیں پایا تھا کہ برتھی راج نے کہاں ڈال کر اس کو گرفتار کر لیا۔ شاہ کی گرفتاری کے بعد برتھی راج حسین خان، تار خان وغیرہ کو شکست دے کر دلی کی طرف لوٹا اور شہاب الدین کو ایک مہینہ اور تین دن قید میں رکھ کر اور جرمانے میں نو ہزار کھوڑے اور بہت سے موٹی وغیرہ لیے کر آزاد کر دیا۔

انگ پال سمے

(الہالیسویں دامتان)

انگ پال، دلی کا تخت برتھی راج کو دے کر عبادتِ الہی کی غرض سے عزت گزیں ہو گیا۔ اب اقوام اڑنے لگی کہ برتھی راج اپنے عزیز و اقارب کو دلی میں بڑھاتا ہے اور دلی والوں کی حق تلفی کرتا ہے۔ سومیشور نے اجپیر کو سنبھال رکھا ہے اور برتھی راج دلی پر قابض ہے۔ اس خبر نے مالوے کے راجہ، مہن پال کو براغروختہ کیا۔ اس نے اطراف کے راجاؤں کو خط لکھ کر جمع کیا۔ ککھڑ، گڈ، بھدوڑ اور سور پور کے راجہ آئے اور صلاح ٹھہری کہ پہلے اجپیر پر حملہ کیا جائے، پھر دلی پر۔ القصد اتحادی نوجوان نے اجپیر کی طرف پیش قدمی کی۔ سومیشور کو اطلاع ہوئی۔ اس نے اپنے اسیروں سے صلاح لی کہ

جانتے ہیں۔ شاہ کو چلے بھی قید کر لیا تھا، اب کے بھی گرفتار کریں گے۔“ گوی چند نے کہا ”گنوارو! کسی باقی بنانے ہو، اگر تم سب مر گئے تو راجا اکبلا جی کو کیا کرے گا۔“ برتھی راج نے غصے کے لہجے میں کہا ”بہ ہکوس چورڑو اور آنے والی جنگ کی تیاری کرو۔“ نصف شب کے قریب جاسوس برتھی راج کے پاس یہ خبر لایا کہ شاہ اٹھارہ ہزار باقی اور اٹھارہ لاکھ فوج لے کر لاہور سے چودہ کوس ادھر آ چکا ہے۔ یہ خبر سن کر ہندو فوج میں ایک شور مچ گیا۔ دربار کے وقت جاسوس خبر لائے کہ شاہی فوج نے دریا عبور کر لیا ہے اور چند ہتھیار اس کا راستہ روکنے کے لیے آگے بڑھا ہے۔ اس طرف سلطان صف کشی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ پراول، شہزادہ خان پینا محمود کے سپرد کی۔ خان منگول، جہانگیر خان، خان ہندو، بیہمی خان پٹھان، خان عثمان، گیلی خان، خان بیٹی، خان خورساتو، جیش خان، حجاب، عالم وغیرہ اسرا فوج کے ساتھ تھے۔ شاہ نے قیس خبر ادھر ملنے کو دے دی اور خود نے دریائے چناب پار کر لیا۔ اس خبر سے برتھی راج بیت ہکڑا۔ ساتھ ہی اور خبر آئی کہ ہتھیار نے شاہ کو روک دیا ہے۔ جہاں چناب پارلے تھے، ہتھیار وہیں پہنچا اور ناگہ بندی کر دی۔ بڑی جنگ ہوئی اور ہتھیار معرکہ جنگ میں زخمی ہو گیا اور شاہ نے دریا عبور کر لیا۔ اس خبر نے برتھی راج کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس نے قسم کھائی کہ میں سومیشور کا فرزند نہیں اگر شاہ کو گرفتار نہ کروں۔ فوراً کوچ کیا۔ جب دونوں لشکرا مقابل ہوئے، میواڑ کے راول سرسنگھ جی میدان میں بڑے اور جنگ کرنے لگے۔

دوپہر کے وقت چند ہتھیار نے ترجیا رخ دے کر دشمن کی فوج کو دھانا شروع کیا۔ اتنے میں برتھی راج اور شہاب الدین آئے سنبھلے ہوئے۔ شہاب الدین تو گھبرا گیا مگر تار خان نے تسلی دی۔ مادھو رائے سولنکی، خلجی خان سے جنگ لڑنا ہوا۔ آہس میں خوب تلوار چلی۔ بدقسمتی سے اس کی تلوار ٹوٹ گئی، کٹار نکال کر لڑنے لگا۔ ادھر کسی نے موقع پا کر دغا بازی کر کے اسے مار ڈالا۔ چترن رائے کے بھائی پٹھان کا خورسان خان سے مقابلہ ہوا، بالآخر پٹھان مارا گیا۔ گوہند رائے نے تار خان کے ہاتھی اور سپاہ کو مار گرایا۔ ادھر سرسنگھ رائے کے سر میں کاری زخم آیا، وہ گرا، چاند رائے نے آگے بڑھ کر اس کی حفاظت کی۔ اتنے میں رات پڑ گئی۔

دوسرے روز جنگ بڑی شدت کے ساتھ شروع ہوئی ۔ سلطان اسلحہ لگا کر
 ہندوؤں پر حملہ آور ہوا ۔ لوہائے نے بڑی جہادی دکھائی ۔ چولسٹھ خان مارے
 گئے اور تیرہ ہندو سردار کھیت رہے ۔ وگھوئیس رائے نے کھنگار گوری کو مارا
 اور خود بھی مارا گیا ۔ دوسرے دن تار خان شاہ کو قلب میں رکھ کر خود
 جنگ کے لیے بڑھا ۔ ہندو سورما طیش میں آ کر شاہ کی طرف بڑھے ۔ ادھر
 خورشان خان نے دشمن کی صفوں میں قیامت کا جھلکہ بچا دیا ۔ حسین خان گھوڑے
 سے گرا ، اور یک خان کھیت رہا ، معروف خان اور تار خان لڑتے لڑتے تھک
 گئے ۔ دوسرے دن خود سلطان نے تلوار سنبھال لی ۔ آج ہندوؤں کا اس پر اثر
 تھا ۔ اس نے کہاں اٹھائی ۔ ایک تیر سے وگھوئیس گوسائیں کو مارا ، دوسرے تیر
 سے یلیم بھٹی کو اڑا دیا ، تیسرا تیر ہاتھ میں لینے نہیں پایا تھا کہ برتھی راج
 نے کہاں ڈال کر اس کو گرفتار کر لیا ۔ شاہ کی گرفتاری کے بعد برتھی راج
 حسین خان ، تار خان وغیرہ کو شکست دے کر دلی کی طرف لوٹا اور شہاب الدین
 گو ایک مہینہ اور تین دن قید میں رکھ کر اور جرمائے میں نو ہزار گھوڑے اور
 بہت سے سونے وغیرہ لے کر آزاد کر دیا ۔

اتنگ پال صبی

(الہالیسویں داستان)

اتنگ پال ، دلی کا تخت برتھی راج کو دے کر عبادت الہی کی غرض سے
 عزت گزریں ہو گیا ۔ اب اقوال اڑنے لگی کہ برتھی راج اپنے عزیز و اقارب کو
 دلی میں بڑھاتا ہے اور دلی والوں کی حق تلفی کرتا ہے ۔ - - - - - سومیشور نے اجمیر کو
 سنبھال رکھا ہے اور برتھی راج دلی پر قابض ہے ۔ اس خبر نے مالوے کے راجہ
 مہی پال کو براغروغشتہ کیا ۔ اس نے اطراف کے راجاؤں کو خط لکھ کر جمع کیا ۔
 گنگوڑ ، گڈ ، بھدوڑ اور سور پور کے راجہ آئے اور صلاح ٹھہری کہ چلے اجمیر
 پر حملہ کیا جائے ، پھر دلی پر ۔ القصہ اتحادی فوجوں نے اجمیر کی طرف پیش
 قدمی کی ۔ - - - - - سومیشور کو اطلاع ہوئی ۔ اس نے اپنے امیروں سے صلاح لی کہ

برہم راج کو تو اٹنگ ہال نے دلی میں اُلجھا دیا ہے۔ ہمارا وزیر دست غنیم ہے
مقابلہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رگ چنچے اور جنگ ہنسا ہو۔ درباریوں نے مشورہ
دیا کہ غنیم چونکہ طاقتور ہے اس لیے مقابلے کے بجائے شب خون ماری جائے۔
سومیشور نے کہا تم کہتے تو سچ ہو مگر شب خون مارنا تو دھرم کے خلاف
ہے۔ درباری بولے کہ ہاں یہ درست ہے، مگر جنگ میں ہر قسم کا قریب جائز
ہے۔ الغرض لڑائی کی تیاری ہونے لگی۔ بٹن کے راجہ جادو راج نے آکر اجیر
کے قریب ڈیرا ڈال دیا جس سے شہر میں بے جینی پیدا ہو گئی۔ پہلی رات کو
سومیشور نے غنیم پر شب خون ماری اور غنیم کی فوج بھاگ اٹھی۔ جادو راج
اس قدر ڈر گیا ہوا کہ منہ سے بات تک نہ کر سکتا تھا۔ سومیشور اسے اپنے گھر
اٹھا لایا اور علاج کرایا۔ ایک مہینہ بیس دن میں اچھا ہوا۔ جب برہم راج کو
ان واقعات کی خبر پہنچی، کہنے لگا ”موقع آنے دو، ان سب کو سمجھوں گا۔“

ادھر دلی کی رعایا اپنی قربانی کر اٹنگ ہال کے پاس پہنچی کہ مہاراج
ہمیں برہم راج کے ظلم سے بچائے۔ اٹنگ ہال نے اٹنگ آکر اپنا وزیر برہم راج
کے پاس بھیجا اور کہہ دیا کہ ہمارا ملک ہمیں واپس دے دو یا ہم سے آکر ملو۔
اس پر برہم راج بہت لال پلا ہوا۔ قاصد نے کہا کہ جس نے آپ کو سلطنت
عطا کی ہے، اس پر آپ غصہ کرتے ہیں؟ برہم راج نے کہا کہ مدت میں آیا
ہوا ملک بزدل کہلویا کرتے ہیں، میں واپس نہیں دینے کا۔ وزیر یہ جواب سن کر
مغموم واپس آیا اور اٹنگ ہال کو سارا ماجرا سنا دیا۔ اس پر اٹنگ ہال نے
لشکر کشی کی اور دلی پر چڑھ آیا۔

برہم راج نے کیا اس سے صلاح لی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اب ملک کسی
طرح واپس نہیں دیا جا سکتا۔ اگر وہ لڑنے کے لیے آئے ہیں تو بے شک مدافعت
کیجئے۔ آخر جنگ شروع ہوئی اور کئی روز تک جاری رہی۔ آخر کار اٹنگ ہال
کو ہارنا پڑا۔ وہ واپس ہندوستان چلا گیا۔ اب اس نے اپنے مشیر کی صلاح سے
مادھو بھاٹ کو سلطان شہاب الدین کے پاس عزلیں بھیجا اور مدد مانگی۔ سلطان
تو ایسا موقع غدا سے چاہتا تھا۔ برہم راج کو مغلوب کرنے کی خواہش سے
فوراً چل کھڑا ہوا۔ برہم راج کو اپنی راف کھنری نے یہ خبر بھیج دی۔ اس
پر برہم راج نے اٹنگ ہال کے پاس ایلچی بھیج کر پیغام دیا کہ آپ کو اول تو
سلطنت دینی نہیں چاہیے تھی۔ اسی وقت سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیے تھا۔ اب

جب آپ نے دے دی ہے اور میں نے ہاتھ پھیلا کر لے لی ہے تو آپ واپس
 کیوں مانگتے ہیں۔ بہر حال یہ یاد رکھیے کہ جس طرح ستارہ ٹوٹ کر واپس نہیں
 جا سکتا اسی طرح آپ کو اس زندگی میں تو سلطنت واپس نہیں مل سکتی۔ خدا را
 آپ بصری ناتھ جائیے اور عبادت الہی میں اپنی زندگی کے باقی ایام بسر کیجیے۔
 آپ سلطان غوری کے بھروسے پر نہ لیجیے، اسے تو ہم نے کئی بار ہالندہ ہالندہ کر
 چھوڑ دیا ہے۔ قاصد نے ہردوار جا کر یہ پیغام انگ ہال کو دے دیا۔ اس کے
 تو گویا سرچیں لگ گئیں۔ اچھل بڑا اور فوراً ایک قاصد غزنیں بھیجا اور لکھا کہ
 جلد تشریف لائیے، ہم اور آپ مل کر دلی فتح کریں گے۔ شہاب الدین فوج لے
 کر چلا۔ اس کے ساتھ تثار خان، خان خان، خورسان خان، معروف خان، کلم
 خان، کام، میر ناصر، ابو خان، علیل وغیرہ تھے۔ دہرائے سندھ باز کر کے
 اور بیس ہزار فوج دے کر سلطان نے تثار خان کو انگ ہال کے پاس ہردوار
 بھیجا۔ راجہ انگ ہال تثار خان کے ساتھ بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا۔ ساتھ ہی
 اس نے بہت سے گھوڑے خرید لیے اور فوج کی بہری شروع کر دی۔ تین سو سردار،
 جو انگ ہال کے ساتھ ہیرا کی ہو گئے تھے، انہوں نے بھی ہتھیار منہاں لیے۔
 تثار خان نے انگ ہال کو لے کر کوچ کیا اور اس کو دیوبند (آلہ کوس)
 کے فاصلے پر ٹھہرا کر خود آگے بڑھا اور سلطان کو اس کی آمد کی اطلاع دی۔
 وہ فی الفور سوار ہوا اور انگ ہال کو ہاتھوں ہاتھ لے گیا۔ دونوں آنے والی
 جنگ کے متعلق بڑی محبت کے ساتھ مشورہ کرنے لگے۔ آخر کار یہ رائے قرار
 پائی کہ اگر برتھی راج خود حاضر ہو جائے تو اس کی جان بخشی کر دی جائے۔
 سلطان نے برتھی راج کو پیغام بھیجا کہ تم بڑی غلطی کرتے ہو جو انگ ہال
 کو سلطنت واپس نہیں دہنے۔ اگر واپس دینا نہیں چاہتے تو آ کر ہم سے لڑو۔
 اس پیغام کے پہنچنے ہی پر برتھی راج نے تثار جنگ بیروا۔ اندر سلطان نے
 بھی تیاری کا حکم دیا اور جاسوسوں نے یہ خبریں اپنے اپنے لشکر میں پہنچا دیں۔
 برتھی راج میدان میں آ دھکا۔ سلطان نے تثار خان کو ہراول میں، معروف خان
 کو میسرہ میں اور خورسان خان کو مہتمہ میں جگہ دی اور انگ ہال کو قلب
 میں رکھا اور خود عقب میں رہا۔ برتھی راج نے اپنی فوج میں کھلا بھیجا کہ
 انگ ہال پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے۔ فوجیں بڑھیں اور بھڑیں۔ کیماس نے بڑی
 دلاوری دکھائی۔ عین دارو گیر میں چاہنڈ رائے نے شہاب الدین کو پکڑ لیا۔

ہرلہی راج نے سلطان کو لو قید میں رکھا مگر انگ ہال کا دربار میں بڑے احترام کے ساتھ استقبال کیا اور خود اس کے قدموں میں گر گیا۔ اب شاہ کو دوبار میں بلایا گیا۔ اس کے آنے پر ہرلہی راج نے انگ ہال سے کہا کہ آپ اتنے بڑے دانش مند ہو کر اس شاہ کے فریب میں کیونکر آئے۔ گنہگار سردار نے کہا کہ اس میں سہارا انگ ہال کا کوئی قصور نہیں، یہ فتنہ دیوان نے اٹھایا تھا۔ چاند رائے نے کہا ”ہری صحبت کا یہی نوجہ ہے۔“ لوگ ایسی باتیں کہتے رہے اور انگ ہال سر جھکاتے سنتا رہا۔ ہرلہی راج نے سلطان پر یس ہاتھی، سو باز اور دو لاکھ روپے جرمانہ کیا۔ یہ جرمانہ سلطان نے قبول کیا اور آزاد کر دیا گیا۔

گنگہر کی لڑائی

(اٹیسویں داستان)

ہرلہی راج، دلی کا انتظام کھاس کے سپرد کر کے اور خود ملت ہزار فوج ساتھ لے کر شکار کو چل دیا۔ جاہلوسوں نے یہ اطلاع غزلیں میں شہاب الدین کو پہنچا دی۔ سلطان نے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک ہرلہی راج پر فتح نہ ہو لوں گا، تبھی ہاتھ میں نہیں لوں گا۔ یہ موقع غنیمت جان کر مدد کے لیے خورسان، روم، حبش، بلخ وغیرہ کو خطوط لکھے اور جب فوجیں جمع ہو گئیں، سلطان باج لاکھ فوج کے ساتھ دس دس کوس کی منزلیں طے کرکا ہوا روانہ ہوا۔ غیروں نے یہ اطلاع ہرلہی راج کو پہنچا دی۔ وہ سستے ہی تیر کی طرح سے روانہ ہوا اور دریائے گنگہر پر آ پہنچا۔ شہاب الدین کی فوج میں لوہانی، حبش، الزہک، ہمیر، کلبانی، روسی، سریانی، عراقی، مغل اور دوسری ذاتوں کے لوگ تھے۔ ہراول میں تار خان، قاب میں سلطان، دونوں بازوؤں پر خورسان خان اور نصرتی خان اور عقب میں رستم خان تھے۔ اس ترتیب سے غوری بادشاہ نے دریا عبور کیا اور فوجیں باہم مقابل ہوئیں۔ جنگ کے پہلے ہی دن ایک ہزار ہمیروں (مسلمانوں) نے کھاس کو اپنے لڑنے میں لے لیا۔ تار خان زخمی ہوا۔

ادھر کیاس گھاٹل ہوا ۔ جیت راؤ نے بڑھ کر اسے بچایا ۔ چامٹے راؤ اس زور شور سے لڑا کہ شاہی فوجوں میں تباہی مچ گیا ۔ لڑائی کا رنگ بگڑتا دیکھ کر سلطان اپنا سر دھتنے لگا ۔ اتنے میں جیت راؤ اور غورسان خان کا مقابلہ ہوا ۔ ادھر نصرتی خان اپنے ایک لاکھ ہانک لے کر آکر بڑھا اور گھمسان کی جنگ ہونے لگی ۔ نصرتی خان مارا گیا ۔ اس موقع پر بعض اشعار بھر متقارب مشن سالم میں ملتے ہیں جو بھجنگی کہلاتی ہے ۔ شاعر نے سجع کی خاطر حشوہات و مہملات تک کو داخل کر لیا ہے :

جیسے کوہ کزبان ہے مار مارن	چمکتیں چمکتیں کرارن سودھارن
بہکتیں بہکتیں ہے رتر دھارن	سکتیں سکتیں ہے بان بھارن
پکتیں پکتیں ہیں میل بھیان	ہلکتیں ہلکتیں ہیں ٹھیل ٹھیلن
ہے ہتھ پر مار سردار مارن	ہرے سین گوری ہے رتر دھارن

اتنے میں ایک لاکھ کالجروں نے دھاوا بول دیا ۔ اس چپقلش میں کتہ کی آنکھ کی اٹی اتر گئی ۔ کالجروں کے حملے سے سلطانی فوج کے ہاؤں اکھڑ گئے اور کتہ چوبان نے اپنی کبان ڈال کر سلطان کو کونجج لیا اور قید کر لیا ۔ پتوں راؤ نے 'میروں' (سپاہانوں) کو کاٹ چھانٹ کر ڈھیر کر دیا ۔ کتہ ، سلطان کو اپنے گھر لے آیا ، پھر وہاں سے اجمیر لے گیا ، جہاں قلعے میں اسے قید رکھا گیا ۔ بے شاہ مالر غنیمت برلھی راج کے ہاتھ لگا ۔ راجہ کو سب سرداروں نے مل کر مشورہ دیا کہ اس سرحد سلطان کو قتل کر کے نصبتہ پاک کر دیا جائے ۔ کتہ نے کہا کہ اب کے تو اسے پنجاب دیس لے جا کر چھوڑ دیا جائے ۔ برلھی راج نے کتہ کی بات مان لی ۔ کتہ ، شاہ کو اجمیر سے دیلی لایا ۔ شاہ نے کتہ کو ایک قیمتی جواہر دیا اور برلھی راج کو اپنی تلوار نذر کی اور قرآن بیچ میں دے کر کہا کہ اب میں نے قسم کھا لی ہے کہ آپ کے خلاف کبھی جنگ نہیں کروں گا ۔ برلھی راج نے لوہالا کے ساتھ کچھ فوج دے کر شاہ کو پنجاب بھیج دیا ، جہاں اس کو آزاد کر دیا گیا ۔ جب شاہ الٹک ہار ہو گیا ، تار خان آ کر شاہ سے ملا ۔ غزنویں پہنچ کر شاہ نے اپنے قسبے کے سات ہاتھی اور پھاس گھوڑے لوہالا کے حوالے کر دیے ۔ لوہالا غزنویں سے رغبت ہو کر دیلی چنجا ۔ برلھی راج نے ان ہاتھی گھوڑوں میں سے ایک ایک ہاتھی اور ایک ایک گھوڑا پر سردار کو العام میں دیا ۔

پیپا بڈھ

(اکتیسویں داستان)

سیہا میں برتھی راج اور اس کے ساونت بیٹھے ہیں۔ کبھی اجین، کبھی دھار اور کبھی دیواس پر چڑھائی کا منصوبہ ہالدا جا رہا ہے۔ آخر یہ ٹھہری کہ جسے چند پر چڑھائی کی جائے۔ یسا کہ سد ۶، حملے کی تاریخ قرار پائی۔ تاریخ مقررہ پر فوج روانہ ہوئی۔ ادھر شہاب الدین نے ہلکے آکر راستہ روک دیا اور ڈٹ کر جم کیا۔ راجہ کی اجازت کے بغیر بعض سردار یعنی چانڈ رائے، چیت سی، لوہانا، آجان باہو جنگ کے جوش میں باج کوس آگے بڑھ گئے اور غورمان خان پر حملہ آور ہوئے۔ برتھی راج اجین کی جانرا کے لیے بڑھا۔ شہاب الدین نے جسے چند سے مدد لے کر اس کا راستہ روکا۔ جانور راجپوتوں نے خوب داد شجاعت دی۔ ہامب خان (آصف خان؟) اور غورمان خان عین معرکے میں قتل ہوئے۔ مسلمانی فوج کے ہاؤں اکھڑ گئے۔ یہی ہلدا نے سلطان کو قید کر لیا اور شہاب الدین کا بھائی حجاب خان مارا کیا۔

جیت راؤ بڈھ

(چونتیسویں داستان)

برتھی راج اطمینان کے ساتھ دلی میں راج کر رہا ہے۔ ڈھائی سال کے بعد کھٹو بن میں شکار کھیلنے کے لیے جاتا ہے اور نیلی راؤ یہ خبر شہاب الدین کو پہنچا دیتا ہے۔ برتھی راج کھٹو بن پہنچا۔ شاہ کا قاصد بھی وہیں پہنچا اور ایام دیا کہ حسین کو شاہ کے حوالے کر دو۔ برتھی راج نے کہا ”اے ڈھٹ بستیہ“

منو جلدی بھولا کہ تھوڑے دنوں پہلے کون ہارا اور کون جیتا تھا ۔ کہاں دلی اور کہاں غزنی ۔ بھلا سوچ لو میں نے کے دلعہ تبرے آقا کو قید کیا ، اب پھر وہ حسین کا بھانہ ڈھونڈتا ہے ۔ آخر جنگ کی لوبت آئی اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کی طرف بڑھیں ۔ شہاب الدین دریائے سندھ تک آگیا اور پرتھی راج اس کی طرف بڑھا ۔ شہاب الدین نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اب کے پرتھی راج کو ضرور گرفتار کرنا ہے ، ایسا نہ ہو کہ بھاگ جائے ۔ عین وقت پر جمسوز خاں اور نوروز خاں نے فوجیں تیار کر لیں ۔ جب دونوں لشکر مقابل ہونے اور جنگ کے تقاریرے پہنچے لکھے ، ہمارے لوگ ان کی آواز پر ناچنے لگے ۔ لڑائی نیزے کے ساتھ شروع ہوئی ۔ مہر کو مقابل سے نکل کر شہاب الدین نے پرتھی راج پر حملہ کر دیا لیکن پرتھی راج نے اپنی دلاوری سے دشمن کی فوج کے چھٹکے چھڑا دیے ۔ شام کو لڑائی موقوف ہوئی ۔ دوسرے دن پھر رات وہے سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں ۔ آج لڑائی بڑی سخت رہی ۔ بدقسمتی سے شہاب الدین اپنے ہاتھی سے گر پڑا ۔ چوپانوں کے لشکر نے اس پر زور باندھا اور سلکھ راج نے شاہ کو مقتید کرنے کی غرض سے حملہ کیا ۔ مسلمان فوج نے بڑھ کر شاہ کی حفاظت کی ۔ اتنے میں جیت رات ہمارے کو موقع مل گیا ۔ اس نے شاہ کو قید کر لیا اور سیدھا پرتھی راج کے سامنے لے گیا ۔ جنگ ختم ہو گئی ۔ مسلمانوں نے بھاگ کر جان بچائی اور ہندو فوج میں تقاریر فتح پہنچے لگا ۔

ہنساوتی رواج

(چھتیسویں داستان)

پرتھی راج شکار کے لیے کھنڈو پور گیا ۔ رن تھنب میں راجہ بھان واج کرتا تھا ۔ اس کے ہنساوتی نامی ایک خوبصورت لڑکی تھی ۔ چندیری میں ششو ہال بنسی پنچان نامی راجہ کا راج تھا ۔ چندیری کے راجہ نے ہنساوتی کے حسن و جمال پر شیفہ ہو کر رن تھنب کو ایک اہلی بھجوا اور برمانکا ۔ قاصد نے خط راجہ کے حوالے کیا اور جواب مانکا ۔ رن تھنب کے راجہ بھانو رائے نے اس پیغام پر خطا

ہو مگر جواب دیا کہ میں تمہارے راجا کے رعب میں نہیں آتا ، میں اس سے جنگ کروں گا ۔ چندیری کے راجا نے ایک اور قاصد اس کی فہاشی کے لیے روانہ کیا اور دوسرا قاصد شہاب الدین کی خدمت میں مدد طلب کرنے کے لیے بھیجا ۔ بھائو رائے نے قاصد کی بات نہ مانی ۔ ادھر غزنویں سے راجہ پنچائی کی امداد کے لیے شہاب الدین نے فوری حجاب اور کیلی خان کو روانہ کر دیا ۔ چندیری کا راجا دونوں فوجیں ساتھ لے کر رن تھنب کی طرف چلا ۔ یہاں نے برتھی راج سے مدد طلب کی ۔ خط پڑھ کر برتھی راج نے سرمستگوہی کے پاس کہہ کر روانہ کیا اور کہہ نے سرمستگوہی سے ساری کیفیت من و عن بیان کر دی ۔ راول جی نے فوج کی تیاری شروع کر دی اور کہہ سے کہا کہ ہم وقت پر آملیں گے ۔ یہاں سے رن تھنب صرف ۶۶ کوس ہے ۔ کہہ نے عرض کی کہ برتھی راج سہاراج دلی سے اس ماہ کی تیرس کو چلے ہیں اور راجہ بھان پر تو ان دنوں آفت کا چھاؤ ٹوٹا ہوا ہے ۔ راول جی نے فرمایا ”بھاری قوم کا یہ دستور نہیں کہ کہی ہوئی بات سے ال جاویں“ ۔ کہہ نے چلنے وقت ان سے کہہ دیا کہ ۱۳ کو جنگ ہے ۔ سوہوار کی دسویں کو سرمستگوہی کی جائرا کی سمورت آئی ۔ جائرا سے فراغت پا کر سرمستگوہی رزم گاہ کی طرف چلے ۔ برتھی راج مشرق میں اور راول جی مغرب میں تھے ۔ لڑائی شروع ہوئی اور راول جی چندیری اور رستم خان کی فوجوں کے درمیان گھیر گئے ۔ برتھی راج راول جی کی مدد کو آیا ۔ اب راول جی اور چندیری کے راجا کا مقابلہ ہوا ، راجا مارا گیا ۔ ادھر حسین خان اور کہہ رائے زخمی ہوئے ۔ جنگ ختم ہوئی ، اس کے بعد ہمساقی کا یہاں برتھی راج کے ساتھ بچا ہوا گیا ۔ اتنے میں خبر آئی کہ دلی پر مسلمان فوج نے حملہ کر دیا ہے ۔ صرف ساتھ ساونتوں نے اس فوج کا مقابلہ کیا ۔ دوسرے روز خان سرطان نے حملہ کیا لیکن اس وقت تک برتھی راج بھی جنگ کے لیے تیار ہو چکا تھا ۔ اس کے شامل ہوتے ہی ہوا کا رخ بدل گیا ۔ مسلمانوں نے جی چھوڑ دیا ۔ فیروز خان مارا گیا اور نصیر کے ہاتھ ایک لاکھ کا سامان آیا ۔ اور برتھی راج اپنی نئی رانی کی محبت میں سرشار رونے لگا ۔

پھاڑ رائے سے

(سینتیسویں داستان)

ایک روز شہاب الدین نے تثار خان سے پوچھا کہ برتھی راج کی کوئی لازہ خبر بھی آتی ؟ اس نے کہا "اس کی حالت بدستور ہے"۔ شاہ نے کہا "اب تو اس پر چڑھائی کرنی چاہیے"۔ حکم کی دہر نہیں ، دوسرے دن شاہ کے محل کے آگے فوجیں جمع ہو گئیں ۔ شاہ نے کوچ کر کے دس کوس پر جا کر بڑاؤ کیا ۔ اس وقت اس کے ساتھ یہ سردار تھے : تثار خان ، غورسان (خان) ، رستم خان ، بلزید میر ، منصور ، میرن حجاب ، سہند ، خان جہان ، نصرت ، اعظم ، میرز (خان) ، ملتان خان ، بھارتہ خان ، میر آٹلی وغیرہ ۔ دیوان خانے میں تمام اسرا جمع ہوئے ۔ مشورہ ہونے لگا ۔ میر تثار خان اور غورسان خان نے اپنی اپنی رائیں دیں ۔ شاہ نے لورک رائے کھتری کو کاغذ دے کر دھرمائن کے پاس دلی بھیجا ۔ وہ جا کر دھرمائن سے ملا ۔ اس کاہستہ نے کاغذ پڑھ کر بڑا الموس کیا ۔ سیدھا دربار میں گیا اور گھاس کو وہ خط دے دیا ۔ تین بار سلام کیا اور کہا "اب جو کچھ کرنا ہو کر لو ۔ شہر الہ کر آ رہا ہے"۔ جب برتھی راج نے خط سنا ، اس نے مشورے کے واسطے اپنے ساتھوں کو بلایا اور جنگ کی رائے فراہم پائی ۔ راجہ نے ہاؤ لاکھ فوج اکٹھی کی اور لڑائی کے لیے بڑھا اور حریف کے مقابل ہونے ہی حملہ کر دیا ۔ دواؤں فوجیں آپس میں مل گئیں اور شاہی جان توڑ کر لڑے ۔ شام کو لڑائی بند ہوئی ۔ دوسرے دن پھر تھائی فریقین ہوئی ۔ دونوں طرف کے بھادروں نے دائرہ جوان مردی دی ۔ یوم دہر زخمی ہوا اور فیروز خان مارا گیا ۔ دن بھر جنگ جاری رہی ۔ آخر پھاڑ رائے کو ایک موقع مل گیا ۔ اس نے شاہ کے ہاتھی کے تلواریں کا ایک ہاتھ مارا ۔ ہاتھی لہرا کر گرا ۔ شاہی فوج بے دل ہو کر بھاگ نکلی ۔ شاہ اپنی فوج کو بھاگتا دیکھ کر بدحواس ہو گیا اور پھاڑ رائے نے جا کر اسے پکڑ لیا اور لا کر برتھی راج کے سامنے پیش کیا ۔ راجہ نے حسب دستور قدیم جرمانہ وصول کر کے چھوڑ دیا ۔

گیاس مجد

(تختالیسویں داستان)

ایک مرتبہ شہاب الدین ، تار خان سے برتھی راج کا تذکرہ چھیڑتا ہے ۔
 تار خان اٹھائے گفتگو میں گیاس کی شجاعت کا خاص طور پر ذکر کرتا ہے ۔
 شاہ لشکر کشی کرتا ہے ۔ دریائے سندھ پار کر کے ہارس اور میں خیمہ زن ہوتا ہے ۔ دلی سے جاسوس آتا ہے اور برتھی راج شکار کھینچے جاتا ہے ۔ چیت ہدی دوج ۱۱۵۰ کو شاہ آگے بڑھتا ہے ۔ اس کے ساتھ تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی تھے ۔ جب شاہ کے حملے کی خبر برتھی راج کو پہنچتی ہے ، وہ اپنے سواروں اور گیاس سے مشورہ لیتا ہے ۔ مسلمان فوجوں کے سرداروں کے یہ نام ہیں : تار خان ، غورسان خان ، رستم خان ، خان دریا ، شہار خان ، تاج خان ، فتح خان ، چاڑ خان ، آلو خان ، عالم خان ، گنگھڑ خان ، کٹہال خان ، معروف خان ، حبیب خان ، حبشی ، شمس الدین خان ، غیاث خان ، چتر خان وغیرہ ۔ شہاب الدین کی فوج نے گھٹنوں بن کا رخ کیا ۔ جب شاہ مارولہ آچکا ، برتھی راج نے چانڈ رائے کے مشورے سے فراہمی افواج کا حکم دیا ۔ شاہ نے لالائوں میں مقام کیا اور برتھی راج نے پنجوسو میں ڈیرا ڈالا ۔ گیاس کو خیر لگی ۔ کتہ کو ہراول میں مارو کیا ۔ راجہ نے اپنی فوج کو پانچ حصوں میں منقسم کر دیا ۔ شاہ نے بھی ایسا ہی کیا ۔ دونوں فوجیں میدان جنگ میں ایک دوسرے سے دو کوس کے فاصلے پر ٹھہریں ۔ برتھی راج کو یونوں (مسلمانوں) نے تنہا ہا کر گھیر لیا ۔ چانڈ رائے نے اپنی غیر معمولی شجاعت کا ثبوت دیا ۔ اگلے میں لال خان ، معروف خان ، حسن خان اور آکوب (مہموب) خان نے چانڈ رائے کو گھیر لیا ۔ گیاس ، چانڈ کی مدد کو آیا اور چانڈ نے چاروں 'یوں' سرداروں کو ہلاک کر ڈالا ۔ اب لال خان آگے بڑھا ، وہ بھی مارا گیا ۔ درجہ کے بعد دونوں فوجوں میں سخت معرکہ ہوا ۔ اپنی فوج کو مغلوب ہوتا دیکھ کر شہاب الدین کے تیر ہزار نے کئی ہندو سورماؤں کو زخمی کیا ۔ گیاس اور چانڈ رائے نے شاہ پر حملہ کیا ۔ یوں سردار اس کی حفاظت کے لیے بڑھے ۔ چتر سین مارا گیا ۔ اب چانڈ والے اور گیاس نے دو طرف سے شاہ کو گھیر لیا اور

اس کے ہاتھی کو مار گرایا۔ دونوں بھائی شاہ کو گرفتار کر کے برہمی راج کے سامنے لے گئے۔ آخر برہمی راج نے دلی پہنچ کر اور ڈھ لے کر بادشاہ کو چھوڑ دیا۔ دُند میں بلوہ ہاتھی اور ایک ہزار باز تھے۔ شہاب الدین جرمانہ ادا کر کے جیتن پور (غزنی) چل دیا۔

ہانسی پور پر توم جندہ

(اکالوویں داستان)

دلی کے راج کی سرحد میں فوج کی فوجوں نے آکر زیادتی شروع کر دی۔ برہمی راج نے ہانسی پور کی حفاظت کے لیے کئی سرداروں کو روانہ کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر راجہ شکر کو چل دیا۔ آدھر بلوچ پہاڑی نے شہاب الدین کو لکھا کہ اگر شاہ حکم دے اور میری مدد کرے تو میں ہانسی چھین لوں۔ برہمی راج پورے ایک سال اجیر میں رہا۔ جب بلوچ کا خط شاہ کو ملا، وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنی بیگموں کو حج کی غرض سے مکتے بھیج دیا اور بلوچ پہاڑی ان کی حفاظت کے لیے مقرر ہوا۔ بلوچ نے راستہ دہنے کے لیے جیتن رائے سے کہا۔ دگھوٹاس رام نے راستہ دہنے سے انکار کر دیا۔ بیگم مکتے کے ارادے سے بڑے سال و ستاع اور ساز و سامان کے ساتھ چلی تھیں۔ چامٹ رائے نے بیگم کو لوٹنے کا ارادہ کیا۔ بلوچ پہاڑی ساونتوں کے پاس خود گیا مگر انہوں نے اس کی ایک لہ سنی اور رات کے وقت حملہ کر کے بیگم کو لوٹ لیا۔ بیگم کے تمام ہمراہی بھاگ گئے اور بیگم نے ساونتوں سے بڑی التجا بھی کی۔ چامٹ رائے بیگموں کو لوٹ کر ہانسی پور چلا گیا اور بیگمیں اپنی فریاد لے کر شہاب الدین کے پاس گئیں۔ شہاب الدین اپنی ماں کی فریاد سن کر نہایت مغموم اور برہم ہوا۔ اس نے اپنے درباریوں سے سب حال کہا اور والدہ کی رام کہانی سنا کر دلی پر چڑھائی کا حکم دیا۔ ثناء خان نے شاہی حکم سے مدد کے لیے غط

بھیجے۔ شہاب الدین نے وزیر سے چوہان پر فتح پانے کی تدبیر پوچھی۔ تارخان نے کہا اسی دور (ہانسی) پر حملہ ہونا چاہیے۔ یہ رائے سب نے پسند کی۔ دروازے میں بلوچ چاڑی کو ہلایا گیا۔ شاہی جاموس سندھ باز کر آئے۔ ان کے بعد شاہی فوج چلی۔ تارخان اور غورخان خاں اپنے دستوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ تارخان دس کوس آگے تھا۔ آخرکار شاہی فوجیں اسی دور کے قریب پہنچ کر خمیدہ زن ہوئیں۔ شاہی فوج میں یہ اقوام تھیں۔ خندھاری، حبشی، روس، خلجی، الجی، خرمش (فریشی)، بخاری، ستید، سیلانی، شیخ، یوٹی، میدانی، چوگتا (چغتای)، پیرزادہ، لوہانی، ترکام، بلوچ وغیرہ۔ شاہی فوج نے اسی دور کو چاروں طرف سے محصور کر لیا اور زور کر کے قلعے کے دروازے کو توڑ دیا مگر چامند رائے اور دیگر ساونت دلیرانہ مدافعت کرتے رہے۔ شام بڑے لڑائی بند کر دی گئی۔ صبح بھر جنگ شروع ہوئی اور ترک اور ہندو ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ جنگ کا بیان بھر مغارب میں آتا ہے۔ جس کا آخری شعر ہے :

کشتن سرت امبھر سرن لوک بسی

بھری فوج ناناو کی کھائی گئی

جلیل خاں نے ہندوؤں پر دھاوا کیا۔ لڑائی بڑے زور شور کے ساتھ جاری

رہی۔ آتشیں اسلحہ کا استعمال عمل میں آیا۔ آخر شاہی فوج کو ہزیمت ہوئی اور مسلمان بھاگ نکلے۔

دو تپہ 'ہانسی' مجدد

(ہاولوں داستان)

جب سلطان نے سنا کہ تارخ کی فوج کو شکست ہو گئی، نہایت برہم ہوا۔

اس نے بذاتِ خود ہانسی پر دوبارہ حملے کا عزم کیا اور فرسان بھیج کر روم، ہرات (ہرات)، پٹنہر، پٹنہر، سمرقند، کسکند، بلخ، مکران، قندل داس، ازبک،

خونگار ، عراق ، خندہار سے فوجیں طلب کیں اور ہانسی کی طرف کوچ کیا ۔ یہاں پہنچ کر شہاب الدین نے سائنتوں کو کہلا بھیجا کہ قلعہ خالی کر دیں ۔ سائنتوں نے آپس میں مشورہ کیا ۔ بعض کی رائے تھی کہ قلعہ چھوڑ دیا جائے مگر بعض مخالف تھے ۔ تثار خاں کے ساتوں بھائی تلواریں سونت کر قلعے پر حملہ آور ہوئے ۔ قلعے کی ایک ہزار سپاہ قتل ہو گئی لیکن سائنت بھر بھی قلعہ چھوڑنے پر راضی نہ تھے ۔ اس موقع پر برتھی راج نے خواب دیکھا جس میں اس کو ہانسی پور کی اس زار حالت کا نقشہ نظر آیا ۔ اس نے گھبرا کر کہاس سے مشورہ کیا ۔ اس نے کہا کہ راول سمر سنگھ جی کو بلا لیں ۔ انہیں بلایا گیا ۔ وہ ہانسی کی طرف روانہ ہوئے ۔ اثنے میں سائنت قلعہ چھوڑ کر برتھی راج کے پاس چلے ۔ راجہ نے ان کو اسل دی اور خود ان کی حمایت میں ہانسی پور کی طرف روانہ ہوا ۔ راول جی ، چوہان سے چلے ہانسی پور پہنچ چکے تھے ۔ راول کے آنے ہی ہوں (مسلمان) لشکر نے ان کے ساتھ جنگ شروع کر دی ۔ راول جی مردانہ وار لڑتے رہے ۔ اب مسلمانوں کی طرف سے تثار خاں نے حملہ کیا اور کہسار کا رن پڑا ۔ عین اس وقت برتھی راج پہنچ گئے ۔ راجہ کے آنے ہی شاہی فوج کا بل ٹوٹا ۔ آخر تثار خاں مایوس ہو کر فرار ہوا اور راول جی اور برتھی راج مہم سر کر کے واپس چلے گئے ۔

بچون مہوبا نام پر صتاو

(تاریخ نوی داستان)

ایک دن چند کی بیوی نے اپنے شوہر سے دریافت کیا کہ مہوبا کی وژم کس طرح ہوئی تھی ؟ اس نے جواب میں کہا کہ شہاب الدین نے ایک مرتبہ مہوبے پر حملہ کیا ۔ اس کے ساتھ ایک لاکھ سوار اور بے تعداد پیادے تھے اور اسرا میں سے یہ لوگ اس کے شریک تھے ۔ نصرت خاں ، غورسان خاں ، قریش خاں اور اس فوج نے مہوبے کا رخ کیا ۔ لشکر نے قاصد برتھی راج کے پاس بھیجا اور غنیم کی آمد کی کیفیت عرض کر دی ۔ برتھی راج نے دربار میں پوچھا کہ

سہوے کی مدافعت کے لیے کس سردار کو بھیجا جائے ؟ سب نے یہ رائے دی کہ پھون رائے کو بھیجنا چاہیے اور ہر شخص نے اس کی ثنا خوانی کی ۔ برتھی راج نے اس رائے سے اتفاق کیا اور پھون رائے کو جاگیر اور سروبا دے کر اس مہم پر روانہ کیا ۔ یہ دلاور جاتے ہی شہاب الدین کی فوج سے گنہ گار اور نہایت جواہردی سے لڑا ۔ آخر کار خورسان خان ، فیروز خان اور خوب خان کو ہراک کر ہی جان بھائی پڑی ۔ پھون جس فتح کے شادمانے بھانے واپس لوٹے اور شاہ ہزیمت کھا کر واپس غزنی لوٹ گیا ۔ دلی پہنچنے پر پھون جی کی خوب آؤ بھکت ہوئی ۔

پھون پانساہ جدد

(چٹولوی داستان)

سہوے کی فتح کے بعد پھون جی کتہ چوبان ، سلکھ ، بڑ گوجر اور نڈھور کو سہوے میں چھوڑ کر خود ناگور گئے ۔ بادشاہ شکست کھا کر غزنی لوٹ گیا اور پھون جی کو مغلوب کرنے کی فکر میں پڑ گیا ۔ ادھر دھرمابن کلپتھ نے بادشاہ کو خط لکھا جس میں بیان کے لازمہ حالات درج تھے ۔ شہاب الدین نے وزیر کو پھون رائے کے پاس قاصد بھیجنے کا حکم دیا ۔ ساتھ ہی تین لاکھ فوج کے تیار ہو جانے کا فرمان بھیج دیا ۔ یوں قاصد ناگور پہنچا ۔ خط میں لکھا تھا کہ فوج لے کر آتا ہوں ، تم جنگ کے لیے تیار رہو ۔ پھون جی شاہ کا فرمان پڑھ کر خوب ہنسے اور دولوک دلیرانہ جواب بھیج دیا ۔ قاصد نے جواب غزنی پہنچایا اور ناگور میں قلعہ بندی ہونے لگی ۔ ادھر مسلمان فوجوں نے آکر ناگور کو گھیر لیا ۔ اس سے راجپوتی فوج میں بد دلی بھیل گئی ۔ مگر پھون جی نے ڈھارس دی ۔ پھون جی نے رات کے وقت مسلمانوں پر شیخوں مارا ۔ پہرے دار بیدار تھے ، انہوں نے شور مچایا اور مسلمان فوج ہوشیار ہو گئی اور جنگ ہونے لگی ۔ پھون کے فرزندوں نے خوب داد شجاعت دی اور پھون رائے نے سلطان کو قید کر لیا اور اسے لے کر قلعے میں چلا گیا ۔ اس پر یوں فوج کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ برتھی راج

نے ہندوہ ہزار باز جرمانے میں وصول کر کے شاہ کو آزاد کیا اور کہا "میں سلطان ! تم بڑے بہادر کہلاتے ہو، بار بار جرمانہ ادا کر کے اپنی جان بچاتے ہو، مگر باز نہیں آتے۔"

دُرگا کبدار صہیو

(الہاؤلوئی داستان)

ہرتھی راج کیاس کی وفات پر بے حد غمکین ہے۔ ساوٹھوں نے اس کے دل جلاؤ کے لیے یہ صورت نکالی کہ اسے شکار لے جایا جائے۔ اس پر راجا بھی رخصتمند ہو گیا اور سامان کر کے چل دیا۔ شہاب الدین نے اپنا جاسوس دلی بھیجا۔ دھرمابن کاہستہ نے منصّل کیفیت لکھ دی۔ جاسوسوں نے یہ خط غزنی بادشاہ کے پاس بھیجا دیا۔ درگا بھاٹ نے، جو شہاب الدین کا بھاٹ ہے، علم و فضیلت میں کوی چند پر غالب آنے کی دہوی سے مراد مانگی۔ دہوی نے جواب دیا کہ تو اوروں پر لابق آ سکتا ہے مگر کوی چند پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ اس پر درگا نے خواہش کی کہ خبر میں ہرتھی راج سے ملنا چاہتا ہوں۔ دہوی نے اس کی یہ آرزو قبول کر لی۔ دوسرے دن علی الصباح درگا بھاٹ، شاہ کے دربار میں گیا اور بادشاہ سے رغبت مانگی :

کہی باغبانی پانی سو علی دیو ساہ سیکھن چلے بھاٹ دلی
کنار خان نے بھاٹ سے کہا کہ دشمن کے گھر مانگنے جانا مناسب نہیں ہے۔ اس موقع پر بادشاہ نے کوی چند کی طرف کی اور کہا کہ دیکھو وہ تو کبھی غزنی نہیں آیا۔ بھاٹ اس پر لاجواب ہو گیا مگر شاہ نے اس کو رخصت دے دی۔ بھاٹ دربار سے آ کر دلی کے سفر کی تیاری میں مشغول ہو گیا اور غزنی سے چل کر ٹھانی سہنے کے بعد پانی پت چنچ گیا جہاں ہرتھی راج شکار کے لیے مقیم تھا۔ راج کنور رئیس نے تلوار سے شیر مارا تھا اور پانی پت کے میدان میں ڈیرے کھڑے تھے۔ وہیں کوٹا سائی جانے لگی۔ ٹھیک اس وقت

۱۔ کوٹا دعوت، جشن - (مراتب)

درگا کیدار پہنچتا ہے اور برتھی راج کو سلام کر کے اس کی مدح سرائی کرتا ہے ۔
 راجا اس کو عزت کی جگہ بٹھاتا ہے ۔ اب دونوں شاعروں میں سحر و طلسم میں
 مقابلہ شروع ہوتا ہے ۔ درگا اپنے عمل سے سنی کے برتن سے آگ کا شعلہ نکالتا
 ہے ۔ کوی چند اس کے جواب میں گھوڑے سے اسیر باد کھلواتا ہے ۔ جواب
 میں درگا ہتھیر کی چٹان کو اپنے سحر سے متحرک کرتا ہے اور اس میں انگڑتھی
 بٹھا دیتا ہے ۔ کوی چند اپنے علم سے چٹان کو ہانی بنا کر ہیا دیتا ہے اور
 الکوٹھی نکال لیتا ہے ۔ درگا اور انوکھے عجائبات دکھاتا ہے اور چند ان سب کے
 توڑ کرتا ہے ۔ آخر الامر فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ کوی چند ان امور میں اپنے
 حریف پر غالب ہے ۔ درگا بھی اس فیصلے کو قبول کرتا ہے اور راجا کی خدمت
 میں آداب بجا لاتا ہے ۔ راجا اور اس کے ساونت درگا کی تعریف کرتے ہیں ۔

برتھی راج ، درگا کیدار کو باج دن اپنے ہاں مہمان رکھتا ہے اور بہت کچھ
 انعام و اکرام دے کر رخصت کرتا ہے ۔ غزنی کے جاسوس دھرمائن کا خط
 شہاب الدین کو لا کر دیتے ہیں ۔ شہاب الدین اس خط کی بنا پر برتھی راج پر
 چڑھائی کرتا ہے اور تھار خان فوج کو شاہی حکم سناتا ہے ۔ شاہ کو لشکر کا
 معائنہ کرایا جاتا ہے اور شہاب الدین کوچ کرتا ہے ۔

ع : چٹ چلیو ماہ عالم امنیہ

سونگ پور میں پڑاؤ ہوتا ہے ۔ یہاں درگا کیدار اور دیگر جاسوس شاہ سے
 آکر ملتے ہیں :

دی دواہ (دھا) تن چرچ ومن اکایم ماہ سہاب

شاہ نے شاعر سے برتھی راج کا حال پوچھا ۔ اس نے مفصل کیفیت کہہ
 سنائی ۔ سلطان نے مصاحبوں سے مشورہ کر کے مع فوج آگے کا رخ کیا ۔ درگا کیدار
 کے ہاں نے درگا کو لعنت سلامت کی کہ تو برتھی راج کی خبریں لا کر شاہ کو
 دیتا ہے ۔ اس بدنامی کے ازالے کے لیے درگا کا بھائی برتھی راج کو مسلمان
 کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے روانہ ہوا ۔ کوی داس نے ہانی بت پہنچ کر بیچ
 میں اس کو اطلاع دی ۔ راجہ نے اسی وقت اپنے ساتوں کو بلا کر شاہ کی آمد
 سے سب کو مطلع کر دیا اور کہہ اسی وقت جنگ کے لیے تیار ہو گیا ۔ اس اثنا
 میں شہاب الدین بھی آ پہنچا اور :

خان مصطفیٰ دہل ہاہ رکھے گریوانی (گریبان)

نثار خان آدھی فوج لیے گزر آئے بڑھا اور شاہ باقی لشکر کے ساتھ عقب میں رہا۔ دونوں لشکر مقابل ہوئے اور گھمسان کا محرمہ ہوئے لگا۔ لوہانا اور چاڑ رائے نے مل کر شاہ پر حملہ کیا۔ شاہی فوج نے انہیں روکا۔ ان کی امداد کے واسطے ساونت آچنچے۔ آخر مسلمان فوج بے دل ہو کر بھاگی اور ساونتوں نے شاہ کو گھیر لیا۔ لوہانا نے شاہ کے ہاتھی کو مار دیا اور شاہ پکڑا گیا۔ اس کا تمام سامان لوٹ لیا گیا۔ لوہانا کی بڑی تعریف ہوئی۔ برتھی راج دئی گیا اور شہاب الدین کو اس دن قید رکھ کر اور جرمانہ لیے کر چھوڑ دیا۔

دھیر پنڈیر پرستاو

(جولستھوی داستان)

برتھی راج فوج سے لوٹ چکا ہے۔ چندسین پنڈیر کے مارے جانے کے بعد اس کا فرزند دھیر پنڈیر سترو سال کی عمر میں اپنے باپ کا جانشین تسلیم کیا جاتا ہے۔ دھیر جالہا جالتھری دیوی کی خاص طور پر پرستش کرتا رہا۔ دیوی نے اسے اپنا جال دکھایا اور کہا ”سانگ کیا مانگتا ہے؟“ اس نے کہا ”میں چاہتا ہوں کہ میرا سانگ (نیزہ جو چھتیس سیر کا تھا) اڑدھاق جیت کھمب میں سوراخ کر دے اور راجا کی نگاہ میں میری سرخ روئی ہو۔“ دیوی نے کہا ”جا تیری آڑو قبول ہوئی، تو اس کھمب کو ضرور بیدہ دے گا اور راجا تجھ سے بہت خوش ہوگا۔ ہاتھی گھوڑے اور خلعت العام میں دے گا۔ اور ہم تو تجھ سے اس قدر خوش ہیں کہ آئندہ بھی، جب کبھی کوئی مشکل تجھے پیش آئے گی، ہم تیری حفاظت کریں گے مگر تو ہماری سمرن ضرور کرتا رہنا۔“ دوسرے دن دسہرے کی ہوجا کے وقت دھیر پنڈیر مولع ہو چنچا، جہاں برتھی راج اپنے سرداروں کے فرزندوں کی طاعت کا امتحان کر رہا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی تلوار یا سانگ کو اس کھمب پر آزمانا تھا مگر کوئی اس گھوکٹ نہیں سکتا تھا۔ دھیر نے جا کر ادب سے اپنا سانگ برتھی راج کی خلعت میں پیش کیا۔ راجا نے مسکرا کر اس کو کھمب بیدھنے کی اجازت دی۔ اس پر دھیر نے اپنا گھوڑا

اڑایا اور پورے زور سے سانگ کا ایک ہاتھ اس کھمب پر چھوڑا کہ سانگ کھمب کے باز ہو گیا۔ کاشانیوں نے لمرہ حسین و آفرین بلند کیا۔ راجا نے اسی وقت پانچ ہزار گاؤں کی جاگیر کا پتہ لکھ دیا، سرواہا عطا کی، پریق والا جھنڈا اور ہالھی کا نشان دیا۔ دھیر نے انعام و خلعت سے مالامال ہو کر راجا سے عرض کی کہ اس قدر سہرائی کے بعد مجھے کوئی خدمت بھی دی جائے، تاکہ میں اس کی بجا آوری میں اپنی کوشش صرف کروں۔ برتھیں راج نے کہا ”ہم چھتریوں کا کام سرنا اور مارنا ہے مگر میری آرزو ہے کہ ایک سرایہ اور شہاب الدین کو زندہ گرفتار کیا جائے۔“ اس پر دھیر نے عرض کی کہ میں ارشاد عالی کی بجا آوری میں جان سے بھی دریغ نہیں کروں گا اور شہاب الدین کو زندہ گرفتار کر کے آپ کے قدموں میں لا ڈالوں گا۔ دھیر پر راجا کے انعام و اکرام کی بارش اور انتہائی سہرائی نے جیت راؤ اور چاند راؤ کو، جو کہ برتھیں راج کے درباری امرا تھے، آتھر حسد میں جلا ڈالا۔ جیت راؤ نے چاند راؤ کی طرف آنکھ ماری۔ چاند راؤ سجدہ کیا۔ اس نے دھیر سے کہا ”یہاں دھیر! تمہیں لاف مارنے مناسب نہ تھی۔ جس بادشاہ کو ہالھیوں کی سات سات صفیں گھیرے رہتی ہوں، اس کو زندہ گرفتار کرنا کوئی مذاق نہیں۔ تم اپنی استعداد کے مطابق بات کرو اور چلتو بھر پانی میں لپھٹتے نہ لگو اور یہ ہالھی اور دھیر کو ترازو میں تولنے کا دعویٰ ترک کرو۔“ دھیر نے کہا ”میں چند ہتھیار کا فروزہ ہوں، جو بات منہ سے نکلی ہے اسے پوری کر کے دکھاؤں گا۔“ ہوا چلتے دیر لگتی ہے مگر افواہ پھیلنے دیر نہیں لگا کرتی۔ شہر بھر میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آج دھیر ہتھیار نے بادشاہ کے زندہ گرفتار کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ رات بسے کی بات سو کوس کی خبر لیتی ہے۔ شدہ شدہ یہ بات شہاب الدین کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔

ادھر دلی میں بلہنسر رائے، جام رائے، جادو، ہر سنگ رائے کھجی، دیو راؤ بگٹری، لوہانا آجان، واہ اور رام رائے گوجر وغیرہ سرداروں نے ایک خفیہ جلسہ کیا اور اپنی خدمات کا ذکر کر کے کہنے لگے ”ہم لوگوں کو لڑنے مرنے اور جان جو کھوں میں ڈالنے عمریں گزر گئیں، اس کا صلہ یہ ملا کہ کل کے چھوکرے نے کھمب کو بیدہ دیا اور راجا نے اسے ہارے سر پر لا بٹھایا۔“ کسی نے کہا ”کوئے دو، ہم کوئی اس کی حکم برداری کرتے ہیں۔“ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ دھیر کو گرفتار کرا دیا جائے۔ چاند راؤ نے ارداس کاپستہ

ہے ایک خط شہاب الدین کے نام لکھوایا کہ جہاں چند ہنڈیر کے بیٹے دھیر نے
مجھیں زندہ گرفتار کرنے کی سوگند کھاں ہے ۔ وہ اپنی قسم لیا سکے گا یا نہیں ،
اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے لیکن یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات خوب نہیں ۔
شہر شہر میں چرچا لو ہو گیا ۔ دھیر بھادوں کی آٹھ کو جالندھری دھیری کی ہوجا
کے لیے کانگڑے جائے گا ۔ آپ سے جو کچھ بن سکے کجھے ۔

الغرض بھادوں آیا اور دھیر دیوی کے درشن کرنے چلا ۔ چاند راؤ کا خط
بڑھ کر شہاب الدین دل ہی دل میں بتا اور اپنے درباریوں سے بولا کہ ایسا کون
سورسا ہے جو دھیر کو میرے پاس پکڑ لائے ۔ یہ سن کر آرائش خان آگے بڑھا
اور اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ساتھ ہزار گنگھڑوں کو ساتھ لے کر کانگڑے کی طرف
چل پڑا ۔ دھیر ساتویں کو کانگڑے پہنچا اور آٹھویں کو دیوی کے درشنوں کی
غرض سے آدھی رات کے وقت مندر میں بیٹھا ہوا تھا کہ گنگھڑ آدھکے اور مندر
کو گھیر لیا ۔ ہوجا پاٹ سے فارغ ہو کر جب دھیر مندر سے نکلا ، گنگھڑوں کے
لوحے میں آگیا ۔ وہ اسے لے کر چلتے بنے اور دریائے سندھ پر آ کر دم لیا ۔
کشتیوں کے ذریعے سے دریا سے پار ہوئے ۔ آگے بالادھوں کی ڈاک بیٹھی تھی ۔ اس
صلے میں کانگڑے کے راجہ باہولی راؤ ہاڑا سمیر نے بھی گنگھڑوں کی امداد
کی تھی ۔ دھیر ساتھ ہزار گنگھڑوں میں گھرا ، نشان کا ہاتھی بنا غزنی پہنچ گیا ۔
شہر کے لوگ جوق دو جوق اسے دیکھنے آئے ۔ آخر شہاب الدین کے دربار میں
پہنچا دیا گیا ۔ شاہ نے اسے خطاب کر کے کہا :

”چند ہنڈیر کے فرزند ! دیکھو ”نو زندہ میرے سامنے اسیر لایا گیا ہے ۔ بتا
تیری وہ قسم کہاں گئی ۔“ اس کے بعد بادشاہ میں اور قیدی میں دیر تک
سوال و جواب ہوتے رہے ، جن میں شاہ کا رویہ دوستانہ اور قیدی کا رویہ بے یاکندہ
ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک دن اپنا دعویٰ ثابت کر دکھاؤں گا اور آپ کو
جیتا جاگتا آپ کی لوج میں سے پکڑ کر پرتھی راج کے قدموں میں لے جا کر
ڈالوں گا ۔ بادشاہ نرم لہجے میں اسے سمجھاتا ہے اور جھٹلاتا ہے لیکن دھیر
نہایت آزادانہ اور تلخ تلخ جواب دیتا ہے ۔ آخر بڑی تکرار کے بعد تار خان کو ،
جو وزیر ہے ، بلایا آتا ہے ۔ وہ سیل ہاتھ میں لے کر چاہتا ہے کہ قیدی پر وار
کمرے لیکن بادشاہ اسے روکتا ہے ۔ اس پر تار خان بھی قیدی کو سمجھاتا ہے کہ

یہ شاہی دربار ہے ، ادب سے بات کرو ، واپس تباہی نہ بگو ۔ قیدی ہے ہاکنہ
 لہجے میں کہتا ہے ”میں اس شان و شوکت اور جہ و حشم سے مرعوب نہیں
 ہوں اور صاف صاف کہتا ہوں کہ میں تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے بادشاہ
 کو زندہ گرفتار کرو کے پرتھی راج کے قدموں میں ڈالوں گا ۔“ یہ سن کر تار خان
 لال پیلا ہوا ، تیر کہاں میں جوڑ لیا اور چاہتا تھا کہ چھوڑے لیکن بادشاہ نے
 اس کے ہاتھ سے کہاں چھین لی اور کہا کہ قیدی کی جان لینا نامردی ہے ۔ میں
 مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اب آزاد کر دیا جائے ۔ ہم دشمن پر فوج کشی
 کرتے ہیں ، دیکھیں وہاں یہ کیا پیادری دکھانا ہے ۔ یہ کہہ کر اس نے سروپا
 منگا کر اسے دیا ، اپنی سواری کا خاص گھوڑا عنایت کیا اور رخصت کر دیا ۔ اور
 کہا کہ اپنے آکا سے کہہ دینا کہ ہوشیار ہو جاؤ ، میں آنا ہوں ۔ ادھر دھیر
 رخصت ہوا ، ادھر شاہ نے تار خان کو دلی پر چڑھائی کے لیے فراہم فوج کا
 حکم دیا ۔ دوسرے دن سے فوجیں آنا شروع ہو گئیں اور شاہی دروازے پر اس
 قدر ہجوم لگ گیا کہ رانی پہنکتا بھی مشکل ہو گیا ۔ ان میں روسی ، بلخی
 (بلخی) ، گکھڑ ، ترک ، بلوں وغیرہ مختلف ذاتوں کے مسلمان شامل تھے ۔ جب فوج
 جمع ہو چکی ، بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوا ۔ یہ ہاتھی سرخ رنگ سے رنگا گیا تھا ۔
 شاہ نے بھی سرخ رنگ کا جوڑا پہن رکھا تھا ۔ چلتے وقت برے شکون پیش آئے ۔
 تار خان نے کہا ”آج کا کوچ مٹھوی کر دیا جائے تو اچھا ہے ۔“ یہ سن کر
 شہاب الدین نے کہا ”سنو تار خان ! ہوگا تو وہی جو خدا کو منظور ہے ، مگر
 جو جوان مرد اسلام کے لیے شہید ہوئے ، کیا تم انہیں مردہ سمجھتے ہو ؟ ساری
 زمین اللہ کی ہے اور ہم اس کے بندے ہیں ۔ بس ایک نماز پڑھ لو اور پھر بسم اللہ
 کرو ۔ دیکھو ، دنیا کے پردے پر کیا کوئی ایسی جگہ ہیں جہاں قاضی نماز
 نہ پڑھتے ہوں ، ’’ملا‘‘ بانگ نہ دیتے ہوں ، گائے کی قربانی نہ کی جاتی ہو اور
 مسلمان کی قبر موجود نہ ہو ؟ پیدائش اور موت تو قوانین الہی ہیں ، ان کے خلاف
 کوئی شخص بھی مداخلت نہیں کر سکتا ۔ لہٰذا ایسی موت بہتر ہے جس میں
 بقائے نام ہو ۔“ تار خان نے جواب دیا کہ ”ارشادِ عالی فی الحقیقت قابلِ غور
 ہے ۔ دیکھئے ، جس وقت فقیر روشن علی نے دلی میں جا کر ذہبی جھوٹا کر دیا
 اور اس تصور میں وہاں کے راجا نے اس کی انکلی کٹوا دی ، تب اس نے مکہ شریف
 میں جا کر فریاد کی ۔ درگاہِ رسالت میں اس کی فریاد قبول ہوئی اور نادان راجا کی

سزا دی کا حکم ملا ۔ خواجہ میراں شاہ موداگروں کے لباس میں روانہ ہوئے ۔ میراں صاحب کے پاس جت سے قیمتی گھوڑے تھے ۔ ان کی آمد کی خبر پا کر دلی کے راجا نے سارے گھوڑوں میں انتخاب ایک گھوڑا خرید لیا اور حضرت میراں شاہ نے جو قیمت مانگی وہی قیمت دی ۔ اس لیے حضرت میراں شاہ کا اس وقت تو کچھ بس نہ چل سکا ۔ وہاں سے چل کر انھوں نے اجیمبر کے دیوتا اچھے ہال کے مقام پر نماز پڑھی اور اذان دی ، جس سے وہاں کے سب ہندو دیوتا بھاگ گئے ، اس وقت اس کالر سردار نے طیش میں آ کر فوج کشی کر دی ۔ ادھر تو ہندو میاں لڑتے تھے ، ادھر آپ کے صرف چالیس ہار مقابلہ کرتے تھے ۔ جنگ کے اختتام پر اور تو سب بچ گئے مگر حضرت صاحب نے شہادت پائی ۔ اس کا آپ کے ساتھیوں کو بے حد غم ہوا مگر اسی شب آپ کے ایک ساتھی نے خواب میں دیکھا کہ ایک پر سرد اس سے کہتا ہے کہ تم لوگ بالکل رنج مت کرو ۔ میراں صاحب اجیمبر کے ولی مانے جا کر پوجے جائیں گے ۔ چند روز میں وہ وقت آنے والا ہے کہ ہندو غوار ہوں گے اور اسلام کا بول بالا ہوگا ۔ کوئی تعجب نہیں اگر اے خداوندِ نعمت ! یہ وہی وقت آ گیا ہو اور دین کے پھیلانے کی عزت آپ کے نام لسی ہو ۔ اس لیے فوج کشی کر کے کافروں کو قتل کرنا مناسب ہے ۔“

دھیر مع الطیر ذلی پہنچ گیا ۔ برتھی راج نے متعجب ہو کر دھیر سے پوچھا کہ تم جیسے چادر کو مسلمانوں نے کیسے گرفتار کر لیا ! اس پر چاند رائے بولا ”اڑدھت کی لاٹ چھبنا آسان ہے مگر بات کا نبھانا دشوار ہے ۔ جس کے والدھے کا انھوں نے بیڑا اٹھایا تھا ، اس کے ماسے ہکری کی طرح بندھے ہوئے لے جانے گئے ۔ وہی مثل : بڑے بول کا سر لیجا ۔“ دھیر نے کہا ”اب میں کیا زبان کھولوں مگر اتنا کہیں بغیر نہیں وہ سنا کہ وقت آ رہا ہے جب میں اپنا قول پورا کر دکھاؤں گا اور ملچھوں کی فوج کو ہمال کر کے شہاب الدین کو پاندہ لاؤں گا ۔“ چاند رائے : ”پھر وہی بات ۔ جس بادشاہ کی فوج میں تین لاکھ گھوڑے اور ساٹھ ہزار ہاتھی ہوں ، اسے تو کس طرح جیتا ہنڈ لائے گا ؟ فرزند ! بڑا بول نہیں بولا کرتے ۔ مگر جب بات منہ سے نکل گئی تو جان جانے مگر آن نہ جائے ۔“ الغرض ایسی باتوں میں دربار برخاست ہوا ۔ دھیر اپنے گھر لوٹا ۔ وہاں اس کے ہم قوم پنڈر راجپوت جمع تھے ۔ انھوں نے اس کی بڑی آؤ بھکت کی اور اس کی گرفتاری پر اندوس کرتے رہے ۔ چان دھیر نے صاف صاف کہا

کہ میری گرفتاری درحقیقت جیت راؤ اور چامند رائے کی شرارت سے ہوئی۔ خبر جو کچھ ہوا، اچھا ہوا۔ شاہ نے مجھے دیکھ لیا اور میں نے بھی وہاں کا رنگ لٹنگ دیکھ لیا۔ جب میں پہلے چل وہاں پہنچا، شاہ کے وزیر تار خان اور اس کے امرا نے مجھ پر دھب بٹھانے کی کوشش کی مگر میں نہیں دبا۔ بار بار کہتا رہا کہ اب تو قول کر لیا ہے، اس کو ہورا کر کے ہی دکھاؤں گا۔ پھر حال شاہ نے بڑی عزت کے ساتھ مجھے وخصت کیا اور کہا کہ تجھ سے جو کچھ ہو سکے کر دکھانا۔ اب آپ لوگوں سے میری درخواست ہے کہ معاملہ یہاں تک طول پکڑ چکا ہے۔ آپ صاحبان کو میری قسم کی پاس داری ضرور ہے۔ اس میں میری ہی عزت نہیں بلکہ آپ لوگوں کی بھی ناموری ہے۔ یہ سن کر ولدھیر راؤ نے ہوی راؤ سے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہمیں چاہیے کہ پنڈیر ہنسور کا ایک علیحدہ دستہ رکھیں اور سب سے اول موقع ناک لیں اور جیسے ہی شاہ کی فوج پہنچے، ہم سب سے پہلے حملہ کر دیں۔

تین مہینے گزر گئے۔ اس وقت ایسپ میاں (یوسف میاں) نام، کھوڑوں کا ایک ناظر، عراق کھوڑے لیے دئی آیا۔ پنڈیر نے اس سے پانسو کھوڑے خریدے اور قیمت کا یہ فیصلہ ٹھہرا کہ دو تہائی نقد ادا کر دی گئی اور ایک تہائی باقی رکھی۔ ایک دن موقع پا کر جیت راؤ اور چامند رائے نے ایسپ میاں سے کہا کہ تم کس خوابِ خرگوش میں ہو۔ کہیں روپے کی لالچ میں اپنی جان نہ کھو بیٹھنا۔ سوداگر یہ سن کر ایک منٹائے میں آ گیا۔ اس نے پوچھا ”اب میں کیا کروں؟“ چامند رائے نے کہا کہ سیدھی انکھوں گھی نہیں لکلا کرنا، تم اسے دبی کرو۔ یہ بات سوداگر کے دل میں بیٹھ گئی۔ وہ اپنے بڑاؤ پر گیا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ ایک جلسہ کیا جائے اور اس میں دھیر بھگو مدھو کیا جائے۔ جب آدمی رات گزر جائے، اس وقت سب نرغہ کر کے اس کو قتل کر ڈالیں۔ یہ صلاح منظور ہوئی اور جلسے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ زردوزی اور کارچوی کلم کے کپڑے بچھائے گئے۔ مشعلوں کی روشنی کا انتظام ہوا۔ میر معروف کا گھانٹہ مالن خان پنڈیر کے پاس کیا اور بولا کہ آج ہمارے ہاں بڑے تکلف کا جلسہ ہے، سہرابی کر کے آپ بھی اس میں شریک ہو جائیے۔ دھیر نے میر کی دعوت قبول کی۔ کھانا کھایا، پان چایا، کپڑے پہنے اور جلسے میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ شہاب الدین دریائے سندھ پار

کر چکا ہے اور منزلیں طے کرتا برابر چلا آ رہا ہے۔ یہ خبر سن کر دھیر نے جلسے میں جانا منسوی کر دیا اور تین ہزار ہندو ہتھیوں کی فوج نے کمر شاہی میاں سے سورجہ لینے کے خیال سے روانہ ہو گیا۔ جیت واؤ اور چانڈ رائے بھی ساتھ ہزار فوج کے ساتھ تیار ہو گئے۔

اس دفعہ شہاب الدین کے ساتھ اپنی معمولی فوج کے علاوہ بارہ اور بیرونی سردار بھی تھے جو اس کی اعانت کے لیے آئے تھے۔ ان کے ہاتھیوں کے گاؤں میں گنگا جہنی حنبیل^۱ بڑے تھے، ان کے سروں پر چتر لہرا رہے تھے اور غنیمت آگے آگے بولتے جا رہے تھے۔ ان کے جھنڈ میں شہاب الدین کا ہاتھی تھا۔ مسلمان فوج کی یہ ترتیب تھی: ہراول میں ہاتھیوں کا حلقہ، ان کے پیچھے سوار تھے اور پیدل سب کے پیچھے تھے۔ راجپوتی فوج میں چانڈ رائے کے ساتھ سب سے پہلے ہاتھیوں کی قطار، ان کے پیچھے پیدل اور سوار برابر، ان کے بعد خالص سواروں کی فوج اور سب کے پیچھے ہاتھیوں کی قطاریں تھیں۔ جون ہی دونوں فوجیں مقابل ہوئیں، مسلمان فوج کی طرف سے زہورے چھوٹنے لگے لیکن ہندو فوجیں ایسے ہاؤں گاڑ کر کھڑی ہوئی تھیں کہ اس آتش فشانی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ چانڈ رائے اس ہوشیاری کے ساتھ اپنے لشکر کی کمان کو رہا تھا کہ اس کا ہر قدم آگے ہی بڑھتا تھا۔ اس وقت ہندو ہتھیوں نے ایسی زبردست یورش کی کہ شاہی ہراول لوٹ گیا۔ ہاتھی چمک چمک کر اٹھے بھاگے اور اپنی ہی فوج کو روندنے لگے۔ تارخان نے بڑھ کر اس فوج کو منہایلا۔ اگلے میں کلیمہ ہنسی راجپوتوں نے بالیں الٹک^۲ سے زور ڈالا۔ یہ سب کٹھڑ چڑھے تھے۔ ان کی اچانک بلغار سے شاہی فوج کا سلسلہ دریم دریم ہو گیا اور آتشیں ہتھیاروں کی آتش فشانی بند ہو گئی۔ اب تلواروں اور نیزوں کی بازی تھی۔ دونوں طرف کے جادو دل کھول کر لڑے۔ ہندو ہتھیوں نے غنیم کی فوج میں نہلکے بجا دیا۔ چار گھنٹی دن باقی رہ گیا تھا، یکایک مسلمان فوج نے کچھ ہشت دکھائی مگر

۱۔ حنبیل: ہاتھ کی مسخ شدہ صورت ہے۔ یہ ایک زہور تھا جو گردن میں جاٹل رہتا تھا۔ خواتین میں بھی اس کا رواج تھا۔ پنجاب شہر کے ہاں بھی زلالہ زیورات کے لڈکرے میں اس کا نام آتا ہے۔ (مرتب)

۲۔ الٹک = قطار، سمت، ہوا۔ (مرتب)

چاند رائے پراول میں تھا ، وہ ڈٹا رہا ۔ اب مسلمانوں نے دوبارہ آتش افشانی شروع کر دی ۔ اتنے میں دھیر سین نے عقب میں پہنچ کر ہلہ بول دیا اور پیدلوں کو کاٹنا چھانٹنا شہاب الدین کے ہاتھی تک جا پہنچا ۔ گھڑی بھر کے رن میں دھیر کے لپن سو ساتھی کام آئے ۔ ان بارہ سرداروں نے شہاب الدین کے گرد حلقہ باندھ لیا اور کسی کو شہاب الدین تک نہ آنے دیا ۔ اتنے میں شام ہو گئی ۔ یہ سنگل کا دن اور مہینے کی آٹھویں تاریخ تھی ۔ اس جنگ میں کوی چند کا لڑکا ، دھیر ہندیر کا بھائی اور کوفی ہاندو دوسرے راجپوت کام آئے اور مسلمان سپاہ کے آٹھ سو ساتھی کھیت رہے ۔

دوسرے دن بھر جنگ ہوئی ۔ برتھی راج تازہ دم فوج لیے علیحدہ تیار کھڑا تھا ۔ جب اس نے دیکھا کہ گھمسان کا دن ہو رہا ہے ، وہ بکھک شہاب الدین پر ٹوٹ پڑا ۔ مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی مگر وہ دین کی دھاتی دھننے ہوئے بادشاہ کے ہاتھی کے گرد جمع ہو گئے ۔ اس موقع پر دھیر اور بادشاہ کی آنکھیں چل رہی تھیں ۔ بادشاہ فوراً گھوڑے سے اتر کر ہاتھی پر بیٹھ گیا اور مہات کو حکم دیا کہ ہاتھی کو دھیر پر چلا دے ۔ ہاتھی نے دھیر پر حملہ کیا مگر اس نے گھوڑے کو ایڑ دے کر وار خالی دیا ۔ اتنے میں ان بارہ سرداروں نے شاہی ہاتھی کو اتنے حلقے میں لے لیا ۔ راجپوت دھیر کی امداد کو بڑے ۔ بادشاہ کو دیکھ کر دھیر ہولا : ”ہوشیار ہو جالا میں آیا“ ۔ جالندھری دیوی اس وقت اس کے ساتھ تھی اور اس کی حفاظت کر رہی تھی ۔ بہادر دھیر نے بڑھ کر شاہی ہاتھی کی کوچ میں تلوار کا وار کیا ۔ ہاتھی بیٹھ گیا ۔ اب ایک طرف سے ہارڈا پھیر نے اور دوسری طرف سے دھیر نے لپک کر شاہ کے دواؤں بازو پکڑ لیے ۔ اس وقت بادشاہ نے تو آنکھیں نیچی کر لیں مگر اس کے ساتھیوں نے بہت زور دکھایا ۔ ادھر دھیر کے ساتھ میں میر حسین کا فرزند تھا ، وہ ان مسلمانوں سے خوب لڑا ۔ یہ دیکھ کر شاہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور میر حسین کے فرزند کے ایک تیر ایسا مارا کہ وہ ہلاک ہو گیا ۔ دوسرا لیر اس نے دھیر پر چھوڑا ۔ تیسرا لیر چھوڑنے ہی والا تھا کہ کراں اس کے ہاتھ سے چھین لی گئی ۔ اس نے تلوار سونت لی ، مگر دھیر نے تلوار چھین کر اس کی مشکیں کس لیں اور گھوڑے پر ڈال کر اپنے لشکر کی طرف لوٹ گیا ۔ مسلمانوں نے چنیری کوشش کی لیکن کچھ بیش نہ گئی ۔ آخر کار ماہوس ہو کر بھاگ چھوٹے ۔ وہ رے دھیر ا بیرے

کیا کہئے ۔ جہاں نو سو ہاتھیوں کا حلقہ تھا اور ایک لاکھ امیر زادے نیکی
تلواریں لیے مرنے مارنے کو تیار تھے اور ساری فوج ملا کر جہاں چار لاکھ
بتھوار ہائی کے رنگ برس رہا تھا ، ان کے بیچ میں شاہ کو پکڑ لانا ٹیرا ہی کلم تھا ۔
شہاب الدین کی گرفتاری پر مسلمانوں کے ہائی اکھڑ گئے اور بھاگ نکلتے ۔
شاہی سامان راجپوتوں نے لوٹ لیا ۔ اس لڑائی میں بادشاہ کے ساتھ ، سیرن داسی
ایک خواص تھا ۔ شاہ کی گرفتاری کے وقت خواصی میں بیٹھا تھا ۔ جب راجپوتوں
نے شاہی ہاتھی کو گھیر لیا ، سیرن بادشاہ کو اکھلا چھوڑ کر بھاگ نکلا اور
اپنی چھتھی بیوی کے پاس عزلیں پہنچا ۔ جب اُس ایک ہندی کو یہ معلوم ہوا
کہ اس کا خاوند اپنے مالک کو تنہا چھوڑ کر بھاگ آیا ہے تو وہ بہت خائف
ہو کر بولی کہ اگر تُو وہاں کٹھ مرنے اور میں تیری مٹی کے ساتھ زندہ دفن ہوں ،
تیری اس بزدلانہ گریز سے بزار درجہ بچر ہوا ۔ وہ بولا کہ ایک جنت 1 میں تو
تیری بی خاطر اپنی جان بچا کر آیا ہوں ۔ خیر اگر زندگی ہے تو اپنے مالک کو
چھڑا کر لانا ہوں ۔ یہ کہہ کڑ سیرن اپنی بیوی سے رخصت ہوا اور رات دن
قطع منازل کرتا دلی آ پہنچا ۔

شاہ کو گرفتار کرنے والے دھیر کا رتبہ بہت بڑھا ہوا گیا اور برتھی راج نے
بے شمار انعام دیا ۔ دھیر بھی اپنا بول بورا کر کے غرضی کے مارے جاے میں
بھولا نہیں سہاتا تھا ۔ سیرن غزبیں سے چل کر دھیر کے خواص بیجلا کے پاس
پہنچا اور اسے اس امر پر آمادہ کیا کہ دھیر سے کہہ من کہ بادشاہ کی رہائی
کی تدبیر کی جائے ۔ بیجلا نے موقع ہا کر دھیر سے عرض کی کہ اب تو آپ کی
قسم بھی پوری ہو گئی ۔ بادشاہ اگر یہاں سے چیتا جاگتا چھوٹ نکلتے تو بڑا نام
ہو ۔ دھیر نے کہا ”یہ گھون سی بڑی بات ہے ، دس پانچ دن کی ڈھیل دے کر
اور سہارا جا سے عرض سمروں کر کے شاہ کو چھڑا دوں گا ۔ بیجلا بظاہر اس جواب
پر مطمئن ہو گیا مگر جب دھیر کے ساتھ دربار میں گیا تو موقع ہا کر بول اٹھا
کہ جس شاہ نے میرے لال دھیر کو پکڑ کر چھوڑ دیا ہے ، سہارا ج اس کی زندگی
کا دان دیں تو بڑا کلم ہو ۔ بیجلا کے منہ سے یہ الفاظ سن کر دھیر کے ایک آگ
سی لک گئی اور وہ تلوار کھینچ کر بیجلا پر جھوٹا ۔ برتھی راج نے اسے ڈانٹا
اور کہا کہ دھیر اکیلا لڑکھن کرتے ہو ۔ اتنی بڑی جنگ ہوئی ، ہزاروں آدمی

مارے گئے اور ہزاروں ہاتھی ، گھوڑے اور اونٹ گٹ گئے لیکن بھاری تلوار کو اب تک خون سے میری نہیں ہوئی ، جو اس اسٹی برس کے ہڈے کو قتل کرنے اٹھے ہو ۔ پٹھ جاؤ ایک طرف ۔ دھیر خلش ہو گیا مگر عرض کی کہ میں نے جس بات کے لیے منع کر دیا تھا ، اس نے وہی بات چاں آ کر بھرے دربار میں کہہ دی ۔ میں نے شاہ کو ہکڑ کر اپنی قسم پوری کر دی ، اب حضور کو اختیار ہے ، چھوڑیں یا ماریں ۔ مگر اس کے طرف دار آپ کی خدمت میں عرض کریں گے ۔ میں نے اسی لیے اس مورکھ سے کہا تھا کہ دس باج دن صبر کر ۔

برہمہ راج ایک دانش مند انسان تھا ، وہ فوراً بات کی تہ کو ہا گیا ۔ اسی وقت شہاب الدین کی طلبی کا فرمان دیا ۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوا ، اس کی آنکھ شرم سے اٹھیں نہیں اٹھتی تھیں ۔ برہمہ راج نے اس کی ہاتھ ہکڑ کر گندی کے برابر بٹھا لیا ۔ تیس ہاتھی اور پانسو گھوڑے فدیے میں لیے جانے اور شاہ کے رہا کیے جانے کا حکم دیا ۔ یہ سن کر شہاب الدین تین سرباہ کورلش پیا لایا ۔

برہمہ راج نے بہر شاہ سے خطاب کر کے کہا : "شہاب الدین ! تم ایک والی ملک ہو مگر بڑے دشت اور بے شرم ہو ۔ تم ہار ہار چاں سے رہا کیے جاتے ہو مگر بار بار چڑھائی کر کے آتے ہو ۔ اب میں تمہیں فہایش کرتا ہوں کہ تمہارا اسی میں بھلا ہے کہ تم دلی کی حدود میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرو ۔" یہ کہہ کر برہمہ راج نے شاہ کو شکہ ہال میں بٹھا کر غزلیں کی طرف رخصت کیا اور فدیہ وصول کرنے کے لیے لوہانا آجان واہ کو اس کے ساتھ مقرر کر دیا ۔ واہ میں بزمخت خوردہ فوج کے سپاہی شاہ کے ساتھ ہو لیے اور سب کے سب مع الخیر غزلیں پہنچ گئے ۔ فدیے کے ہاتھی گھوڑے حوائی کر کے لوہانا کو رخصت کر دیا گیا ۔

جب لوہانا فدیہ لے کر دلی پہنچا ، برہمہ راج نے یہ تمام فدیہ دھیر کو عطا کر دیا ۔ اس کے علاوہ چار دیہات کا پٹا اور لکھ دیا ۔ دھیر کا دماغ آو رہی چل نکلا ۔ اچھے اس بات کا بڑا غرور تھا کہ میں نے شاہ کو ہکڑ کر چھڑا بھی دیا ۔

بلکہ ایک دو مرتبہ یہ بھی کہتا سنا گیا کہ یہ راج آج کل ہندو ہنسینوں کے ہل ہونے پر چل رہا ہے ۔ جیت راؤ اور چامٹ رائے اس کے قریبی دشمن تانک میں

لگے ہوئے تھے کہ کب موقع ملے اور ہم اسے اکھاڑیں۔ یہ بات انہوں نے راجا کے کان میں ڈال دی بلکہ اور بھی لکائی بھائی کی۔ برہمنی راج نے براہِ راست ہو کر حکم دیا کہ کوئی ہنڈیر ہنسی دل میں نہ رہنے پائے۔ یہ حکم سن کر دھیر کے سارے متعلقین دل چھوڑ کر لاہور چلے گئے۔ لاہور ان ایام میں سلطنتِ دلی کا ایک حصہ تھا۔ دھیر ان دنوں کانگڑے میں تھا۔ جب اس نے یہ خبر وحشت اثر سنی، بہت رنجیدہ ہوا اور درہارے سندھ عبور کر کے سیدھا غزنی پہنچ گیا۔ شہاب الدین نے اس کی بڑی عزت کی۔ ساتھ گاؤں کا ہروانہ دے کر اسے اپنے دربار کے امرا میں جگہ دے دی۔ مگر دھیر نے کہا کہ میں سہاراج برہمنی راج کے ہونے کسی دوسرے کا ملازم نہیں ہوتا۔ میں صرف آپ سے اپنی عزت کے لیے ایک گوشہ چاہتا ہوں اور اس۔ اس پر شاہ نے اسے بھانک کے کنارے ڈھلا چاڑ کی جگہ دے دی۔ دھیر غزنی سے ڈھلا چاڑ آئے اور اپنے فرزند ہاوس ہنڈیر کو لکھ بھیجا کہ تم لوگ جاں چلے آؤ۔ اس خط کے پہنچنے ہی ہنڈیروں نے لاہور میں لوٹ مار مچا دی اور غزاقہ لوٹ کر دھیر کے پاس چلے آئے۔ اس لوٹ مار کی خبر سن کر دھیر اپنے بھائی ہنڈوں سے بہت غصا ہوا مگر اس سے کیا ہوتا ہے، جو ہون ہار تھا سونہش آیا۔ برہمنی راج نے جب لاہور کی لوٹ کا حال سنا، فوراً دھیر کو لکھا کہ تم گزشتہ واقعات کی کوئی پروا نہ کرو اور میرے پاس چلے آؤ۔ یہ خط پا کر دھیر بہت خوش ہوا اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگا۔ دل میں سوچا کہ جو بات شبنم تھی، ہو چکی۔ اب چل کر اپنے آقا سے مل لوں اور اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ کر اپنی غطاؤں کی معافی مانگوں۔ یہ سوچ کر اس نے کانگڑا ہو کر دل جاے کی تیاری کی۔ کوچ میں دو ایک دن باقی تھے کہ گھوڑوں کے بعض سوداگر آ پہنچے۔ دھیر نے کہا ”یہ بھی اچھا ہوا، بلا سے سہاراج کی نذر کے لیے کچھ گھوڑے تو خرید لوں“۔ الغرض اس نے دو ہزار گھوڑے انتخاب کیے اور نقد قیمت دے دی۔ سوداگر رخصت ہو گئے۔ دراصل یہ گھوڑے شاہ کی فرمائش سے آئے تھے۔ جب تاجر غزنی پہنچے، شاہ نے باقی ماندہ گھوڑوں کو ناپسند کیا۔ عین اس موقع پر کسی نے شاہ سے لگا دی کہ اچھے گھوڑے تو وہ دھیر کو فروخت کر آئے ہیں۔ یہ سن کر شاہ غضب ناک ہوا، ان کے گھوڑے چھین لیے اور الہیٰ قید کر دیا۔ بعض جو بچ گئے، سندھ دھیر کے

ہاس آئے اور بولے کہ آپ کی وجہ سے بیماری بہ درگت ہوئی۔ دھیر نے ان کو تسلی دی اور اپنے ہاس رکھا۔ شاہ کو غصہ لکھا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو وہ گھوڑے میں آپ کی خدمت میں بھیج دوں، غریب سوداگروں پر قلعہی کرنا تو مناسب نہیں۔ یہ غصہ پا کر شہاب الدین نے سوداگروں کو چھوڑ دیا اور ان کو روپیہ بھی کوڑی پائی سے ادا کر دیا۔ سوداگر دھیر کے اس قدر ممنون ہوئے کہ سب کے سب اس کے ہاس چلے آئے اور وہیں قیام کیا۔ ان میں اس قدر رسم و راء بڑھ گئی کہ ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے لگے اور ایک دوسرے کا اعتبار کرنے لگے۔ لیکن اس آمد و رفت کا انجام نہایت دردناک ہوا۔ شہاب الدین کو اس بات کا پتا لگ گیا کہ دھیر دلی کو جانے والا ہے، اس لیے وہ اس کی جان کا لاکو ہو گیا۔ ظاہر میں تو اس کے خلاف کارروائی کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لیے اس نے ان سوداگروں کو اپنا آلہ کار بنایا۔ اپنے معتمد بھیج کر شاہ نے سوداگروں کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ ہتھیار کو ہلاک کر ڈالیں۔ چلے تو وہ اس اقدام پر راضی نہیں ہوئے مگر جب دین کا واسطہ دیا گیا، تیار ہو گئے۔ ان کی مدد کے لیے شاہ نے چار ہزار ہتھان بھیج دیے۔ دھیر کے ترابعین تو چلے ہی رغبت ہو چکے تھے۔ وہ سوداگروں کی سمیت میں کانگڑے کی سمت روانہ ہوا۔ دیہاتے الٹ پلٹ کر کے ابھی ایک ہی پڑاؤ کیا تھا کہ سوداگروں نے کسی جانے سے اسے اپنے ڈایروں میں پکڑا اور باتوں میں لٹکایا۔ عقب سے ہتھانوں کے سردار کالن خان نے آکر دھیر کی گردن پر تلوار کا ایک ہاتھ ایسا مارا کہ سر مٹھا سا اڑ گیا مگر دھڑ نے تلوار سونت کر پٹ سے مخالفین کا کام تمام کر دیا۔ آخر میں وہ بھی گرا۔ ہتھیاری لاش غریب روانہ کی گئی جسے دیکھ کر شاہ دنگ رہ گیا۔ برتھی راج نے جب یہ خبر سنی آنکھوں میں آنسو بہا لایا اور اپنی حالت اور جلد بازی پر افسوس کرنے لگا۔ برتھی راج کے ہاس یہ خبر بہادروں سے پندرہ کو آئی۔ گھوڑی بھر افسوس کر کے وہ بھی اپنی چھتی سچوگٹا کے ساتھ برسات کا لطف اٹھانے میں مصروف ہو گیا۔ دم یہ کہتا بھول گئے کہ جب دھیر کے بھائی ہندوں نے یہ خبر سنی، وہ فوراً ہتھانوں پر چڑھ دوڑے اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔

بڑی لڑائی روہڑیا

(چھپا، شہابی داستان)

راول سرسنگھ نے خواب میں ایک حسین عورت کو دیکھا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں دلی کی حکومت کا اہل ہوں۔ یہ خواب دیکھ کر راول جی نے اپنی ذاتی برتھا باقی سے کہا کہ اب برتھی راج پکڑا جائے گا اور دلی پر مسلمان حکومت قائم کی جائے گی۔ راول جی نے اپنے فرزند رتن سنگھ کو حکومت دے دی اور خود لکھنؤ کی جاتو کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ماتحت راوتوں کو جمع کیا۔ دیو راج کو قلعے کی حفاظت پر مقرر کیا اور برتھا کو ساتھ لے کر لکھنؤ کی طرف کوچ کیا۔ ہاتھی گھوڑے ساتھ تھے۔ گھوڑوں کی یہ قسمیں تھیں: ترکی، عراقی، کچھی، بنگالی، حبشی، لازمی وغیرہ۔ راول جی نے امیر کے قریب خیمہ لگایا۔ 'جٹوں گلدے کے راوت رندھیر نے راول جی کے لشکر پر لوٹنے کے اوارے سے دھاوا کیا اور ان کے لشکر کو گھیر لیا۔ جنگ ہوئی اور رندھیر مارا گیا۔ منچوگٹا کا پردھان، راول جی کی پیشواں کے لیے دس کوس آگے آیا اور راول جی بغیریت لکھنؤ پہنچ گئے۔ مگر برتھی راج کو ان کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ منچوگٹا کی داسیاں (کنیزیں) ان کے لیے کھانا پان وغیرہ لے کر آئیں اور راول جی سے منچوگٹا کا سلام عرض کیا۔ راول جی نے برتھی راج کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے تاریخ وار فتوح کی تمام کیفیت بیان کی۔ اس پر راول جی بڑے شگبین ہوئے۔ برتھا باقی، رانی الہیہنی کے ساتھ رہنے لگیں اور جیت راؤ، راول جی کی خاطر مدارات کرتا رہا۔ کنور رائی نے ساونتوں کے ساتھ راول جی کی گوٹ کی۔ آکسی روز تک راول جی، لکھنؤ میں رہے۔ برتھی راج نے خواب میں ایک حسینہ کو دیکھا۔ اس سے پوچھا "تو کیا چاہتی ہے؟" اس نے کہا "میں ایک بہادر انسان کی قربانی چاہتی ہوں۔" اس کی آنکھ لسی وقت کھل گئی۔ صبح ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا خواب منچوگٹا کو سنایا۔ رانی نے کہا "کوئی تشویش کی بات نہیں، فکر مت کرو۔"

برتھی راج کی اس حالت کی خبر پا کر شہاب الدین نے اپنے سرداروں سے صلاح لی اور یہ رائے قائم ہوئی کہ دلی کو جلدوس روانہ کیا جائے اور مفصل

حالات معلوم کیے جائیں۔ غیر دلی آئے اور دھرمائن کایستہ سے تمام حالات دریافت کر کے واپس غزنیوں کو لوٹے۔ چنتے عرصے وہ نہیں پہنچے، سلطان دلی کی خبروں کے لیے بڑا بے تاب تھا اور کنار خاں سے پوچھتا رہتا۔ وہ کہتا کہ اچھی خبر آئے گی۔ نئی راؤ کشوار نے مفصل کیفیت شاہ کی خدمت میں لکھ دی۔ چاروں چاندوس خبریں لے کر علیحدہ علیحدہ پہنچے۔ سلطان ان خبروں سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے پیر کے چادر چڑھائی اور دعا مانگی۔

”شہاب الدین نے سات ہزار کاغذ لکھ کر دیس دیس بھیجے جن میں یہ قابل ذکر ہیں :

کدلواس (قزلباش)، کیلاش (کیلاش)، دہس، روہ، خندمار (خندمار)، گکھڑ، کردان، غوراسان، ملتان، پٹنہر، بھکروان وغیرہ۔

دہلی میں سلطان کے حملے کی خبر پہنچی۔ شہر کے مہاجن لنگر سٹھ کے پاس آئے۔ سٹھ کا نام سری منت تھا۔ وہ مہاجنوں کو لیے گرو رام کے پاس پہنچا اور شاہ کے آنے والے حملے کا ذکر کیا۔ گرو رام بروہت نے کہا کہ میں تو برہمن ہوں، برتھی ہاٹ جانتا ہوں، راج کاج کی بات کیا سمجھوں۔ سری منت نے کہا کہ آپ راج گرو ہو کر ایسی بات کرتے ہو تو پھر ہم کس کے پاس جائیں۔ بروہت جی سب کو لیے کر چند کوی کے پاس آئے۔ کوی سب کو لیے کر راجا کی ٹیوڑھی پر پہنچا۔ کتیڑوں نے کوی جی سے کہا ”کہو کیا حکم ہے، ہم اطلاع کریں“۔ اس نے ایک پرچہ لکھا جس میں یہ اطلاع درج تھی کہ شاہ غزنی سے حملے کے ارادے سے آیا ہے۔ برتھی راج نے پرچہ پڑھ کر چاک کر دیا۔ منجوگنا نے دریافت کیا ”خیر تو ہے؟“ راجا نے کہا ”بھوے رات کے خواب کی تعبیر معلوم ہوگئی“۔ اس کے بعد راجا محل سے نکل کر کوی کے پاس آیا اور اپنا رات والا خواب سنایا۔ اس وقت راجا کو راول جی کی آمد کی خبر معلوم ہوئی۔ اس نے اپنے ساتوں سے کہا کہ جس طرح ہو سکے، راول جی کو جان لانے کی تدبیر کرو۔ اندر منجوگنا نے لونڈی بھیج کر راجا کو اندر بلوایا اور بولی کہ میں نے راول جی کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد برتھی راج لباس بدل کر مع اراکین دربار راول جی سے ملنے لگے۔ وہ جانا ہے۔ مزاج ’ہرسی کے بعد برتھی راج اُسے اپنی سرگزشت سناتا ہے۔ راول جی نے ملازمت کے لہجے میں کہا ”عورتوں کی صحبت سے کسی

کو بھی راحت نصیب نہیں ہوئی۔ "کوی چند اٹھے ساولتوں کا راول جی سے تعارف کراتا ہے۔ اس کے بعد راول جی محل میں آتے ہیں۔ منجوگنا کے ہاں مع سرداروں کے کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے بعد دربار لکنا ہے اور پرتھی راج، کوی چند اور گرو رام سے کہتے ہیں "کوئی ایسی صورت نکالو جس سے راول جی واپس اپنے گھر چلے جائیں۔" دوسرے روز علی الصباح دربار لکنا ہے اور پرتھی راج راول جی کو رخصت کرنے کی فکر میں لکنا ہے۔ راول جی واپس چنڑی جانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ پرتھی راج منت کرتا ہے مگر وہ نہیں سنتے۔ وہ اصرار کرتا ہے کہ آپ ہمارے ہاں مہمان آئے تھے، اب ہم آپ کو رخصت کرتے ہیں، آپ تشریف لے جائے اور اپنے ملک کا انتظام کیجیے۔ راول جی جواب دیتے ہیں کہ میں سلطان سے ملنے آیا ہوں۔ پرتھی راج ہار مان کر کہتا ہے "جیسے دل میں آئے کیجیے، آپ بخار ہیں۔" راول جی شکایت کہتے ہیں کہ آپ نے اور کلم تو غیر جیسے کہے ولسے کہے مگر چائنڈ رائے کو بیڑیوں میں کیوں ڈالا۔ راجا نے کہا "اس نے میرا چہیتا ہاتھ مار ڈالا تھا۔" آخر راول جی کے کہنے سننے پر پرتھی راج خود چائنڈ کے گھر اس کی بیڑیاں اتروانے جاتا ہے۔ راجا، چند اور گرو رام کو اس کی بیڑیاں نکالنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ بوجھتا ہے کہ بھلا اس وقت میری بیڑیاں کھولنے جانے کا کیا موقع ہے؟ چند اس کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ پرتھی راج مہاراج کی چنائی بیڑیاں کیسے اتار دوں۔ پرتھی راج اپنی تلوار اسے العام میں دیتا ہے۔ وہ بیڑیاں اتروا لیتا ہے۔ چند کہتا ہے کہ اوپر کی بیڑیوں کے کھلوا دینے سے کیا ہوتا ہے۔ راجا کے کمک کی بیڑی تمہارے پاؤں میں اور اس کی رولی کا طوق تمہارے گلے میں بندستور ہڑا ہے۔ راجا نے چائنڈ رائے کو گھوڑے بھی العام میں دے۔

اب تمام ساولت اور پرتھی راج جنگ کی صلاح کے لیے راول جی کے پاس لگبودھ جاتے ہیں۔ چان کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر کی ایک سل گھومنے لگی۔ سب کو اچنبھا ہوا۔ اٹنے میں سل کے نیچے سے ایک پیر نکلا۔ کوی چند نے اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں شیوجی کی جفاؤں سے نکلا ہوں اور میرا نام پیر بھنر ہے۔ پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہنگامہ ہو رہا ہے؟ کوی نے کہا کہ جنگ کے لیے چائنڈ رائے کی بیڑیاں کھول لی گئی ہیں۔ اس کی مبارک باد کا شور ہو رہا ہے۔ پیر بھنر کہنے لگا کہ میں نے تو

اپنی آنکھوں سے بڑی بڑی جنگیں دیکھی ہیں ، بد جنگ بھلا کیسی ہوگی ۔ کوی نے کہا کہ آپ نے دیوتاؤں کی جنگیں دیکھی ہیں مگر اس لڑائی کو وہی دیکھ کر آپ خوش ضرور ہوں گے ۔ ہر بھڑے نے کہا کہ مجھے جنگ کا لطف دکھانے والا صرف دیودھن تھا ۔ میں سہا بھارت کی جنگ عظیم کے بعد سے اب تک سوتا رہا ہوں ۔ شاعر نے کہا کہ آپ ہمارے راجا کی سبھا میں چل کر صلاح و مشورے میں حصہ لیجیے ، اس لیے کہ آپ ماضی ، حال اور مستقبل تینوں زمانوں سے واقف ہیں ۔ ہر نے ایک جہاں لی اور الہ کز پرتوی راج کی سبھا میں آیا اور ساونٹوں کے نام دریافت کیے ۔ چند نے ایک ایک کا نام بتایا ۔ جام رائے جادو نے کہا کہ کیاس کے مرنے سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے ہیں ۔ چاند رائے نے کہا کہ گزشتہ کا انوس کیسا ، مستقبل کی تدبیر کرو ۔ جام رائے نے کہا ” بھاری تو عقل چرخ ہو گئی ہے وراہ کیا سوچتا نہیں کہ سو میں سے سات باقی رہ گئے ہیں ۔ اس پر دونوں میں بات بڑھی ۔ چاند رائے نے جام رائے پر لٹکڑے کی بھینسی کسی ۔ اس پر سب کے سب ہنس پڑے اور ہل بھلنے لگے سب کو ڈانٹا ۔ اب جنگ کی صلاح ہونے لگی اور ہر ایک نے اپنی اپنی دی ۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ جو راول جی کہیں ، وہ منظور کیا جائے ۔ روال جی نے کہا ” کتور رہنسی کو گدی پر بٹھا کر جنگ کا سامان کیا جائے ۔ “ برہمنی راج نے یہ رائے منظور کر لی اور جیت راؤ پر کتور کی ذمہ داری ڈال دی مگر جیت راؤ نے اس ذمہ داری کو نامنظور کیا ۔ اب یہ عہدہ ہرسنگ رائے کھجی اور دوسرے ساونٹوں کو پیش کیا گیا مگر سب نے دلی میں رہنے سے انکار کر دیا ۔ آخر کار بدرجہ ” بھوری راول جی نے اپنے بھتیجے پر سنگھ کو اس کام پر مامور کیا ۔ ادھر کتور رہنسی لڑائی میں شامل ہونے کے لیے بضد ہوئے ۔ برہمنی راج نے انہیں سمجھایا کہ فرزند کے لیے اپنے والد کے احکام کی اطاعت کرنا سب سے بڑا فرض ہے ۔ وہ اس پر بھی جنگ کی شمولیت کے لیے اصرار کرتے رہے ۔ آخر میں سب کے سمجھانے سے خاموش ہو گئے ۔ اس وقت بھالک بھالک بدشگونیاں دیکھنے میں آئیں ۔ راجا نے جوتشی کو بلوایا ۔ اس نے بدفالی اور گرم چال کا پھل بتایا ۔ راجا سن کر ملول اور افسردہ خاطر ہوا ۔ دلی کی گدی رہنسی کے حوالے ہوئی ۔ دربار برخاست ہوا ۔ برہمنی راج ، راول جی کو ان کی اقامت کہ تک پہنچانے گیا ۔

آدمی رات کے وقت برتھی راج کو شاہ کی آمد کی اطلاع پہنچی۔ وہ تمام رات ریاں چھوڑ کر جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ کوی چند نے یوں بھڑ سے جنگ کا اہتمام ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ”برتھی راج گرفتار ہوگا۔“ کوچ کے وقت متحورگنا ثابت ہو گئی تھی۔ اب اسی نئی بددعا لیاں نظروں میں آئیں۔ عزیزی کے جاسوسوں نے شاہ کو برتھی راج کے کوچ کی خبر پہنچا دی۔ راجپوت لشکر کا پہلا پڑاؤ ہائی پت پر ہوا۔ دلی سے سو (کٹا) کوس آگے سندھ ندی ہے اور دلی سے دو سو کوس شہر لاہور ہے۔ لاہور سے اسی کوس پرے پیٹا ندی ہے۔ شہاب الدین نے دریائے سندھ عبور کیا اور پیٹا ہر آ گیا۔ اور سات آٹھ دن میں چناب (چناب) پہنچا۔ چناب لاہور سے صرف چالیس کوس ہے۔

ہاوس پنڈیر، حصار کا مالک، برتھی راج کے پاس آیا اور معافی مانگی۔ راجا نے اس کے قہقہے کے لاہور لوٹنے کی شکایت کی مگر تصور بھی معاف کر دیا۔ شاہی فوج کی رفتار اور لاکھ ہندی کا حال سن کر برتھی راج نے چند کوی کو، ہمیر کو مٹانے کے واسطے جالندھر گزرا بھیجا۔ شاعر نے جا کر ہمیر کو سمجھایا اور کہا کہ برتھی راج کا ساتھ دو۔ ان میں بہت سے سوال و جواب ہوئے۔ آخر یہ ٹھہری کہ جالندھری دیوی کے استھان جائیں۔ وہاں کوی نے دیوی کی پوجا کی اور مندر میں بند ہو گیا۔ ہمیر شاہ کی مدد کے لیے چلا گیا۔ اس خبر سے برتھی راج سخت متعجب ہوا۔ چاند وائے نے کہا ”اگر کوئی کسی سے جا ملا تو پروا نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ چار چار تلواریں باندھیں۔“ برتھی راج نے دھبہ کے فرزند ہاوس پنڈیر کو ہمیر کے روکنے کے لیے بھیجا دیا۔ ہاوس اس سہم کے لیے تیار ہوا۔ جام رائے جادو نے مسلمان فوج کے نکاس کا راستہ روکا اور ہاوس اور ہمیر میں آگے بچھے چھڑ چھاڑ ہوتی گئی۔ آخر ہاوس نے بڑھ کر لدی کا گھاٹ روک دیا۔ جب ہمیر دریا سے پار ہونے لگا، ہاوس پنڈیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ لڑائی ہوئی۔ ہمیر کے دو بھائی اور پانچ پنڈیر سردار مارے گئے مگر ہمیر بھاگ نکلا اور ہاوس کی فتح ہوئی۔ یہ سن کر برتھی راج بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ آئندہ سے پنڈیر لوگ چار چار تلواریں باندھا کریں۔ ادھر ہمیر سلطان کے پاس پہنچا، نزدیکی اور اپنی سرگزشت متانی۔ شہاب الدین نے

چار تلواریں ہاتھ میں لئے چائے کا قصد من کر کھا کد ہاتھ میں ایک مضبوط پکڑی ہوئی
 تلوار چار تلواروں پر بھاری ہوتی ہے ۔ پھر شاہ نے قاضی سے مائل جنگ ہو چھا ۔
 برتھی راج کی فوج سب ملا کر دستر بزار تھی ۔ اس نے ہاوس باندھ کر
 شاہ کی گرفتاری کے لیے مقرر کیا ۔ یہ من کر شاہ نے اپنے اسرا سے قسمیں لیں
 اور غورسان خان ، رستم خان تلازی ، قتار خان ، فیروز خان ، عثمان خان ،
 خان نورجی حجاب ، خان خاندان ، غورسان ، حبش خان حبشی ، سبحان خان ،
 بیرم وغیرہ نے وفاداری کی قسمیں کھائیں ۔ شاہ نے دریائے سندھ عبور کیا ۔
 میر محمود روہیلہ شاہ سے عہد کرنا ہے ۔ سلطان چناب کے کنارے آچنچا ہے
 اور برتھی راج کے پاس غریبہ پہنچا ہے ۔ غریبہ لانے والوں کے نام یہ ہیں :
 خان خان قتار ، خان رستم ، خان حاجی ، خان فیروز کوساب (الصاب) ۔ جدو
 جوان اور بلہند نے کہا کہ تم ہمیں تک حرام کے بھروسے پر نہ بھولنا ۔
 شاہ نے دریائے ستلج عبور کیا اور آگے بڑھا ۔ دلی سے آنے والے ایلیجی اسے
 یہاں ملے اور شاہ چوہانوں کی فوج اور اس کی تیاری کا حال من کر متفکر ہوا ۔
 سرداروں نے تسلی دی کہ اب کے تو چوہان کو ضرور گرفتار کر لیں گے ۔
 اور قاضی نے شاہ سے کہا کہ آپ میرے قول پر یقین کیجیے کہ چوہان اس
 مرتبہ ضرور گرفتار ہوگا ۔ مسلمان سرداروں نے پھر قول دیا اور شاہ آگے روانہ ہوا ۔
 راجپوت لوج تیار ہوئی ۔ جام رائے جادو نے برتھی راج سے کہا کہ سارا معاملہ
 غیریت سے گزرے گا ۔ راول جی ہارے ساتھ ہیں ۔ برتھی راج نے راول جی سے
 کہا کہ آپ انہی فوج کی غیر رکھیں ۔ راجپوت فوج احتیاط کے ساتھ شاہی فوج
 کی طرف بڑھی ۔ شاہی لشکر سنٹول پور کے پاس آ گیا ۔ اس میں سرداران ذیل
 شامل تھے :

میسرہ میں : قتار خان ، غورسان خان ، خان روسی ، خانخاندان ، محمود خان ،
 رستم خان ، گروچ خان ، غوربھی (گوربھی) خان ، جہان (جہان) خان ، ہمایم خان ،
 میران مسند ، قاضی کھال ، حبشی حسین ، شادی پیر ۔

میسرہ : غورسان خان ، ایسبہ (پورب) خان ، عالی اکوب (آل یعقوب) ،
 تلازی خان حبوب ، عالی خان ، ساربر خان ، فیروز خان ، چال پیر ، علی اسد خان ،
 عباد میر ، محمود خان ، ساربر خان میر ، تاجن خان ، ترکام نام ، کھال خان ،
 روچن (روشن) خان ، سلیم خان ، محمود ہید ، فینن ، موب ، عبد العیر ، ملتان

ادب ، معروف خان ، ماسوف میر ، فیروز خان ، فتح نصیر ، پیرن میر ، میرن سادی ، غازی مراد ، اباد (عاد) خان ، فتح فرید ، شکست راؤ ، وامن برید ، سارنگ دیو ، برچتر سین ، ملک غالب ، باجنت خان غوری ، سنگھ راؤ مریشہ ۔
 مثال میں : معروف خان ، محمود میر ، میر تاجن خان ، عالیل سید خان ، سادہپ خان ، حبشی سلیم ، آہوب خان رومی ، مہدی مہدی ، سلیم خان ، چمن میران ، سلیم سید ، موسم میر ، حاجی خان نیاز ، احمد خان ۔
 آنتی اسلحے کا ذکر شعر ذیل میں آتا ہے :

زبور بھور پتہ ناوی بہار آس چرت او بھوت پار

جنگ شروع ہوئی ۔ راول جی نے کتہ سے کتہ کہ تم غنی فوج کی دیکھ بھال کرو ۔ اس نے کہا کہ میں تو آگے جا کر جنگ کروں گا ۔ مسلمان فوج نے ہمیر کو بیچ میں لے کر لڑنا شروع کیا ۔ برتھی راج نے ہاوس پنڈیر سے کہا کہ تمک حرام ہمیر کا سر کاٹا جائے ۔ پنڈیر ہنسیوں نے دھاوا کیا ۔ ہمیر کی حفاظت کے واسطے کئی ہون (مسلمان) سردار اور تین ہزار گکھڑ مقرر کیے گئے ۔ ہمیر ہر پنڈیروں کا لرغہ زیادہ ہونے لگا ۔ ہمیر کا ایک بھائی ، پنڈیروں کے بارہ سردار اور بیچلا خواص مارے گئے ۔ اس حملے کے ہونے ہی ایک لاکھ ہون فوج نے آئے ہی ہمیر کو اپنے حلقے میں لے لیا لیکن چادر ہاوس باز نہ آیا ۔ اس نے ہمیر کے پاس پہنچ کر اس کا سر کاٹ لیا اور سر لے کر میدھا برتھی راج کے پاس پہنچا ۔ راجا نے اس کو شاہنشاہ دی ، ہاوس کا بھائی بھی مارا گیا ۔ دوپہر کے وقت راول سمر سنگھ اور تثار خان کا مقابلہ ہوا ۔ معرکہ بڑے زور شور سے رہا ۔ آخر میں تثار خان کلم آیا ۔ نصرت خان آگے بڑھا ۔ اس نے سمر سنگھ کا مقابلہ کیا ۔ جب اس کے ایک ہزار آدمی مارے گئے ، شاہ نے اسے تازہ مدد بھیجی ۔ اب نصرت خان اور کتہ رائے کا مقابلہ ہوا اور دونوں مارے گئے ۔ چان مصطفیٰ نے دھاوا کیا ۔ راول جی کی فوج سے اس کو پالا ہڑا ۔ اور میران مصطفیٰ دونوں بھائی مارے گئے ۔ اس وقت شاہی فوج سے گیارہ 'میروں' نے یورش کی ۔ دونوں فوجیں مل گئیں اور خوب چیلٹن رہی ۔ آخر میں وہ گیارہ میر اور راول جی کویت وچے ۔ جام رائے ہراول میں آیا ۔ شاہی فوج سے سیمان خان نے حملہ کیا ۔ دونوں سرداروں میں خوب ہتھیار چلے اور جام رائے قتل ہوا ۔ پتھوں کے فرزند بلہندر نے دھاوا کیا ۔ اس کی مدد ہر نو اور سردار بڑھے ۔ بل بھدر سے جلال جلوس

مقابلے پر آیا اور دونوں لڑنے لڑنے مارے گئے ۔ غازی خان سے ہاوس پٹیر کا معرکہ ہوا اور ہاوس قتل ہوا ۔ اتوار اور پیر کو جنگ رہی ۔ آخری دن چاند رائے کے مقابلے میں غازی خان آیا اور چاند لڑے جوش کے ساتھ لڑا ۔ جیت راؤ نے ہراول سبھائی ۔ میان منصور روپلہ اور چاند رائے میں رزم کی ٹوٹی اور دونوں جادری کے ساتھ لڑنے لڑنے ہلاک ہوئے ۔ جیت راؤ کے مقابلے کے لیے شاہ کا بھائی گیارہ ہزار فوج کے ساتھ آیا ۔ اس جادری کے قتل پر برتھی راج نے بڑا رنج کیا ۔ ہر شک رائے کھجی شاہی فوج پر حملہ کرتے ہوئے کام آیا ۔ بکری رائے نے بڑی مردانگی سے پانچ مسلمان سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا اور خود بھی لقمہ اجل ہوا ۔ اب شاہی فوج نے برتھی راج کے گرد گھیرا ڈالا ۔ شنگہ ہمار نے اس وقت غیر معمولی دلاوری دکھائی اور پندرہ مسلمان سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار کر راہبر عدم ہوا ۔ شاہی فوج کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا ۔ لوہانا نے بڑھ کر اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا ۔ اگرچہ مارا گیا مگر مرنے مرنے بھی اپنے قاتل کو وہیں ڈھیر کر دیا ۔ کھنڈھج رائے کی باری آئی ۔ آج شنگہ دافع شجاعت دے رہا تھا کہ کسی مسلمان سردار نے پہچھے سے آ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا ۔ برتھی راج کے محافظ سرداروں کی غیر معمولی جادری سے یوں فوج نے گھونکھٹ کیا ۔ خان ساٹھی ، فیروز خان ، عالم ، سالم ، فتح ، اکھوب (مغوب) ، پیرن بخت ، میرن ، راجن ، ناجن ، حاجن ، پیرن ، توکن ، کالن (کلن) ، حاجی غازی ، میرن خان ، غنی خان فیازی ، حسن (حسن) خان ، بروہم (برہم) خان ، غزلیں خان ، داؤد خان ، مصطفیٰ خان ، عمر خان ، کوچک (کوچک) خان ، جلال ، پیرن ، میرن ، دینکن ، دوسن ، غالب خان ، میر ایلیں خان ، علی خان ، سکت خان ، جلو خان ، قایم خان ، میرزا سبھائی ، جوسن (جوشن) خان وغیرہ سردار بھاگے ۔ شاہی فوج سے شاہ کا بھائی آگے بڑھا ۔ خانخاناں کے سوائے چودہ میروں کو مار کر سر شنگہ جن بھی کام آئے ۔ سلجھ لشکر نے برتھی راج کو زیادہ سختی کے ساتھ گھیرا ۔ اس نے اپنے آپ کو چاروں طرف سے محصور دیکھ کر گرو رام کو کنڈل دان کیا ۔ گرو رام کنڈل لے کر چلا مگر مسلمان لشکر نے اسے گھیر لیا اور پھول خان نے اس کا سر اڑا دیا مگر گرو کے دھڑ نے گرتے گرتے بھی شاہ کے بھائی کو قتل کر ڈالا ۔ راجا نے گرو کے قتل پر بڑا رنج کیا ۔ مسلمان لشکر کا حلقہ راجا کے گرد

اور یہی تنگ ہوتا گیا۔ گرو رام کے کنڈھے نے راجا کی خوب حفاظت کی۔ عرب
 خاں اوزبک نے پرلہی راج پر حملہ کیا مگر اس کے نیم ہاراں سے ماری فوج
 فتر پتر ہو گئی۔ اب محمود خاں راجا کے مقابلے پر آیا۔ راجا نے اسے بلا تامل
 ہلاک کر دیا۔ اس کے مارے جانے پر اکٹھس میں سرداروں نے مل کر پرلہی راج
 پر ہورش کی اور بولے کہ کہاں ہاتھ سے ہیشک دے۔ راجا نہیں مانتا اور تیر
 چلایا مگر تیر خطا گیا۔ راجا نے اب کٹار نکالی مگر فوراً ہی گرفتار کر لیا گیا۔
 اس کے ہکڑنے والوں کے یہ نام ہیں :

چند ، علیل ، آکھوب (یعقوب) خاں ، ماریر خاں سلطان ، فیروز خاں ،
 غازی خاں ، ایسپ (یوسف) خاں ، الو خاں ، قاسم قایم خاں ، محمود ، سپہام خاں
 عالم ، آکھوب (یعقوب) ، عالم خاں ، فیروز ، نوروز۔
 پرلہی راج کی گرفتاری کی خبر سن کر سنجوگتا نے اپنی جان دے دی اور
 شاہ پرلہی راج کو لیے کر غزنی چلا گیا۔

بان بیدہ پرمنار

(سڑاٹھویں داستان)

جالیا دیوی کے مندر کا دروازہ کھلتے ہو گوی چند رغبت ہوتا ہے اور دلی
 چنتا ہے۔ شہر کی بہتر حالت سے شاعر بہت پریشان ہوتا ہے اور دیوی سے راجا
 کی گرفتاری کا حال سن کر اور بھی غم زدہ ہوتا ہے اور جوگ لے لیتا ہے۔
 اہوائی دیوی کا دھیان کرتا ہے۔ دیوی اسے درشن دیتی ہے۔ شاعر اپنے فرزند
 جلا کو راسو بڑھاتا ہے اور دیوی کو الوداع کہتا ہے۔ چلتے وقت کہتا ہے
 کہ لام وری دنیا میں اعلیٰ ترین وصف ہے۔ وہ اپنی دھن میں غزلیں کی طرف
 روانہ ہو جاتا ہے اور سموت راہ سے دوچار ہوتا ہے۔ بھگوت دیوی کی سمن
 کرتا ہے۔ دیوی اپنا درشن دیتی ہے۔ وہ اس سے امداد کا جوبہ ہوتا ہے۔
 دیوی خوش ہو کر اپنے آہل کا ٹکڑا اسے عنایت کرتی ہے۔ اور شاعر دیوی کی
 سہراہی سے بھیریت تمام غزلیں پہنچ جاتا ہے۔ دربار شاہی کا رخ کرتا ہے اور

ڈیوڑھی پر پہنچ کر دربان سے اپنا تعارف کراتا ہے اور اپنے فضل و کمال کا تذکرہ کرتا ہے۔ دربان اسے عزت کی جگہ بٹھاتا ہے اور کہتا ہے ”کوی چند! میں تجھے پہچانتا ہوں۔“ کوی یہ دیکھ کر کہ وہ پہچان لیا گیا ہے، وہاں سے چل دیتا ہے۔ سہ پر کو شاہ ہدف (۱) کھیلنے کی خواہش کرتا ہے :

ہدف سادہ کھیل چڑھن دیو آپ فرمان

شاہ کی سواری نکلی۔ شاعر نے ہاتھ اٹھا کر اس پر باد دی اور ثنا خوانی شروع کی۔ شاہ اس کی طرف مشت ہوا اور پاس ہلا کر سب حال پوچھا۔ کوی نے ہر بات کا معقول جواب دیا۔ بادشاہ فیروز شاہ حبشی کو شاعر کی خاطر مدارات کے لیے حکم دیتا ہے۔ شاعر، بیہم کھتری کے گھر ٹھہرتا ہے اور اس سے ایک علیحدہ مکان مانگتا ہے۔ بیہم اس کو علیحدہ مکان دے دیتا ہے۔ کوی بیچ منتر کا جاب شروع کرتا ہے۔ دیوی نمودار ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ شاہ کی برتھی راج کی اور تیری موت ایک وقت واقع ہوگی۔ بیہم پوچھتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تینوں ایک ہی وقت میں فوت ہوں۔ شاعر اس کو بھی دیوی کے درشن کرا دیتا ہے۔ اس رات مسلمانوں کے جنتر منتر نہ چل سکے اور ”ملا“ لوگ بڑے حیران رہے۔ صبح ہوئے ہی شاہ نے کوی کو بلانے کا ارادہ کیا اور ”حجاب“ کو شاعر کے لانے کا حکم دیا مگر تار نے اسے روکا۔ شاہ نے کہا ”دیکھیں تو سہی اس میں کیا عیب ہے۔ باتوں باتوں میں میں بڑے بڑے عہد الفشا ہو جاتے ہیں۔“ تار نے عرض کی کہ دشمن اور سانپ پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایسا ہی منظور ہے تو چلے آپ اپنی قبر کھدوا لیں اور پھر چند کو بلوانے کا خیال کریں۔ شاہ نے کہا ”وہو، بڑا ہاکال انسان ہے، میں تو اس سے ضرور ملوں گا،“ تو نادان کیا سمجھے۔“ کوی دروازے پر آ گیا مگر تار شاہ کے اشارے سے دربان اسے اندر جانے سے مانع ہوا۔ شاعر نے فوراً دیوی کی سمرن شروع کر دی۔ آخر شاہی حکم کی تعمیل میں ”حجاب“ شاعر کو بادشاہ کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے اور سوال و جواب ہونے لگتے ہیں۔ اس کے بعد شاعر برتھی راج کے پاس جاتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ مگر علم زدہ برتھی راج مطلق توجہ نہیں کرتا۔ شاعر اس کی بردباری (وصف خوانی) شروع کر دیتا ہے۔ راجا اس کو ہنکارتا ہے۔ کوی کہتا ہے کہ ہوں ہار سے تو میں لاچار ہوں اور راجا کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے مگر راجا نہیں مانتا۔

آخر وہ راجا سے کہتا ہے کہ تو وہ بردان دے جس کا تو نے وعدہ کیا تھا ۔ راجا جواب دیتا ہے کہ اب میں غاپنا ہوں ۔ نشانا کہے ہندہ سکتا ہوں ۔ شاعر نے کہا کہ آپ وعدہ کیجیے میں شاہ کو ہلا لوں گا ۔ اس کے بعد دونوں میں سوال و جواب ہوئے ۔ حجاب شاعر کو لے کر شاہ کے پاس آیا ۔ کوی نے شاہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو راجا دان دینے کے لیے تیار ہے ۔ تار نے غنا ہو کر کوی کو ڈانٹا ۔ کوی نے پھر شاہ سے عرض کی کہ اگر بادشاہ قول دیں تو اپنی آنکھوں سے نماشا دیکھ لیں ۔ شاہ حکم دینے پر راضی ہو گیا ۔ گھڑیاں منگوا کر سجایا گیا اور نماشا دیکھنے کے لیے نماشائیوں کی بھیڑ لگ گئی ۔ تار خان نے کہا کہ آج جمعرات ہے ، اس کو منسوی رکھیے ۔ اور شاہ سے اپنا خواب بیان کیا اور پھر سمجھانے کی کوشش کی ۔ شاہ نے کہا کہ میں قول دے چکا ہوں ، اپنے وعدے سے نہیں ہٹوں گا ۔ تار دق ہو کر دربار سے اٹھ آیا ۔ شاہ نے کوی کو ہان دیا اور کہا کہ ہم نے تو قول دے دیا ، تم راجا سے دان مانگو ۔ شاعر راجا کو لے کر دربار میں آیا ۔ حجاب نے راجا کے ہاتھ میں کہاں دی ۔ راجا نے چلتے چڑھانے میں کئی کہاںی توڑ ڈالیں ۔ سب کے بعد راجا کو میرا کی کہاں دی گئی ۔ راجا اسے چڑھاتا ہے ۔ میرا کہتا ہے کہ اگر تم نے گھڑیاں کو اڑا دیا تو شاہ تم کو آزاد کر دے گا بلکہ اور بھی انعام دے گا ۔ کوی نے کہا ”راجا کو اس کی اپنی کہاں دی جائے“ ۔ حجاب راجا کی کہاں لے کر آیا ۔ تار خان نے کہا ”نہ نماشا مت دیکھو ، اس میں مارے جاؤ گے“ ۔ راجا اپنی کہاں ہا کر بہت مسرور ہوا ۔ نصرت خان نے اس کے ہاتھ میں ترکش دے دیا ۔ چند نے راجا کو سمجھا پیھا کر اپنے آزادے میں ہکا کر دیا ۔ راجا نے شاعر سے کہا ”میرے دوست ! مجھ میں اب وہ ہمت نہیں رہی ، کیا کروں“ ۔ کوی نے کہا ”تم کہاں تو سنبھالو ، اگر میں ویسا ہی نہ کر دوں تو کوی نہیں“ ۔ اس پر پرتھی راج جوش میں آ کر بولا ”میں ضرور دشمن کو مار گراؤں گا“ ۔ کوی نے راجا کو اور جوش دلایا ۔ راجا بولا ”میں سات دشمنوں کو ایک ہی لیر میں چھید دوں گا“ ۔ کوی نے کہا ”سات نہیں ایک کو چھڑے“ ۔ راجا نے شاعر کے اشارے پر شاہ کی طرف رخ کیا اور کہاں لے کر شاہ کے حکم کا انتظار کرنے لگا ۔ کوی نے ڈگڈگی بھا کر شاہ سے حکم دینے کی درخواست کی اور ادھر راجا کو حوصلہ دیا ۔ شاہ کے کہنے پر راجا نے اس کے تالو کا نشانہ باندھا ۔

پہلے حکم پر تیر سنبھالا ، دوسرے پر چلتہ چڑھایا اور تیسرے حکم پر شاہ کا
 تالو چھوٹ ڈالا ۔ بادشاہ فی القور گر گیا ۔ اب شاعر نے راجا کو خود کشی کے
 اقدام پر آمادہ کرنا چاہا ۔ وہ بولا ”یہ میرے لئے ممکن نہیں ۔“ شاہ کے ہلاک
 ہونے پر کھابلی مچ جاتی ہے ۔ انہی میں کوی چند چھری سے اپنا سر کاٹ
 ڈالتا ہے اور وہی چھری راجا کو دے دیتا ہے اور برہوی راج اس چھری سے
 اپنا کام تمام کر ڈالتا ہے ۔



ب — تنقید

تنقید

مطور ذیل میں ایسی کئی ہدیہ "خدمتِ ناظرین" کی جاتی ہے جو مسلمان نقطہ نظر سے "راسا" کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے اور جس کی طرف دیگر اہلِ فلم نے بہت کم توجہ دی ہے۔ سہولت کے خیال سے میں اپنے خیالات کو مختلف عنوانوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔

سلطان معز الدین محمد بن سام

"راسا" میں سلطان معز الدین محمد بن سام کو جن مختلف ناموں اور لقبوں سے یاد کیا گیا ہے، حسب ذیل ہیں :

- (۱) شاہاب دین سرقان (شاہاب الدین سلطان)۔
- (۲) شاہ شاہاب (شاہ شاہاب)۔
- (۳) شاہاب (شاہاب)۔
- (۴) شاہاب شاہ (شاہاب شاہ)۔
- (۵) سرقان دین شاہاب (سلطان دین شاہاب)۔
- (۶) شاہاب (شاہاب)۔
- (۷) شاہاب دین (شاہاب الدین)۔
- (۸) کھورومان شاہاب (خراسان شاہاب)۔
- (۹) شاہاب دین سلطان (شاہاب الدین سلطان)۔
- (۱۰) شاہاب دین (شاہاب الدین)۔
- (۱۱) شاہاب گوری (شاہاب غوری)۔
- (۱۲) گوری شاہاب (غوری شاہاب)۔

- (۱۳) گوری ساء (غوری شاہ) ساء سرتان گوری (شاہ سلطان غوری) -
- (۱۴) سرتان گوری (سلطان غوری) -
- (۱۵) گجین گوری (غزنی غوری) -
- (۱۶) ساء گوری (شاہ غوری) -
- (۱۷) گوری (غوری) -
- (۱۸) گوری سرتان (غوری سلطان) -
- (۱۹) پاتساہ (بادشاہ) -
- (۲۰) پتی ساء (بادشاہ) -
- (۲۱) سرتان (سلطان) -
- (۲۲) ساء سرتان (شاہ سلطان) -
- (۲۳) ساء صہب (شاہ شہاب) -
- (۲۴) ساء کھورسان (شاہ غورسان) -
- (۲۵) کھندھار پتی (شاہ قندھار) -

مذکورہ بالا ناموں میں ایسے نام بھی پائے جاتے ہیں جو 'غوری' کے ساتھ ترکیب پاتے ہیں۔ اس لیے بے موقع نہ ہوگا اگر وہ قصہ ، جو سلطان کے 'گوری' کہلائے جانے کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتا ہے اور 'راسا' میں مذکور ہے ، میں اپنے ناظرین کی دلچسپی کے خیال سے چاں نال کر دوں ۔

"دھن گنہا" (چوبیسویں داستان) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر تھی راج نے سلطان کے وزیر تثار خان کے اہلچی سے ، جو سلطان کی رہائی کے لیے غزنی سے چل کر دہلی آیا تھا ، اثنائے گفتگو میں ایک روز دریافت کیا کہ ہمیں تم پہ تو بتاؤ کہ بھارا بادشاہ شہاب الدین 'گوری' کیوں کہلاتا ہے ؟ اہلچی نے ، جس کا نام لورکہ رائے کہتری تھا ، عرض کی کہ شہاب الدین سے چلے غزنی کے تخت پر مسلمانوں کا بادشاہ شاہ جلال تھا ۔

پیشے پاٹ اسورن ساء جلال ہرسان

(چھند ۳۱۴ ، ص ۷۲۵ء)

اس کی حرم میں پاتسو دس عورتیں تھیں ۔ جب اسے کسی حرم کے حاملہ ہونے کی اطلاع ملی ، اس اندیشے سے کہ مبادا فرزند لڑے پیدا ہو اور بالغ ہو کر اسے قتل کر کے سلطنت پر قبضہ کر لے ، وہ فوراً اس بیگم کو اپنے ہاتھ سے

قتل کر ڈالتا۔ اس قدر ظالم ہونے کے باوجود وہ ایک درویش شیخ نظام نامی سے بہت عقیدت رکھتا اور اس کی خدمت گزاری میں مصروف رہتا۔ اس کی خدمات سے خوش ہو کر ایک دن درویش نے یہ بشارت دی کہ تمہارے ایک بلند اہل وارث تخت پیدا ہوگا جو ستائیس (اسوروں) کی سلطنت کو چار دانگ عالم میں بھیل دے گا۔ شاہ کو یہ بشارت گراں گزری اور لشویش کے عالم میں قصور شاہی کی طرف لوٹا۔ جہاں پہنچ کر سب سے پہلی خبر جو اس نے سنی، یہ تھی کہ اس کی ایک حرم حاملہ ہے۔ شاہ جلال نے حسب معمول اسے موت کے گھاٹ اتارنا چاہا لیکن قبل اس کے کہ وہ ارادہ عمل میں آتا، یکدم اپنی بیماری جان لے کر محل سے غائب ہو گئی۔ اس واقعے سے باج سال بعد شاہ جلال نے وفات پائی۔ اس وقت امرائے سلطنت کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ بغیر وارث ملک کے سلطنت کا انتظام کیوں کر کیا جائے؟ اس غرض کے لیے ایک مجلس مشورت منعقد ہوئی۔ اس موقع پر ایک شیخ نے، جو شہر کے باہر ایک گورستان میں رہتا تھا، آکر کہا کہ اے امرائے دولت! میں تمہیں قدرت باری کا ایک سچا قصہ سناتا ہوں۔ اگر جھوٹ نکلیے تو مجھے سزا دینا اور اگر سچ ثابت ہو تو انعام دینا۔ امرائے شاہی کے استفسار پر شیخ نے کہا ”آپ خدائے پاک کی قدرت ملاحظہ کیجئے!“ فتح قبی نے، جو بادشاہ کی حرم تھی، شاہی محل سے فرار ہو کر ایک گور کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ اسی گور میں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو شکل و صورت میں چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے اور در حقیقت جی بہ وارث ملک ہے۔“ یہ قصہ سن کر عائدہز ملک خوش ہوئے اور اسی وقت شیخ کے ہمراہ ہو لیے۔ شیخ نے گورستان میں پہنچ کر دور سے انہیں جیسے کو نکلی سے بتایا:

جھوٹی ہوئے تو سجا لہجے	سچی ہوئے لواجس کیجئے
سے خان مل پوچھے بتن	کہوئے سیکھ سو کیا کدرتن
یہاں تھے شاہ کی گھرنی	کدرت گور مٹئی اک دھرنی
گور مٹی اک چٹک واسن	دیکھ سروپ کوئی روی اہاسن
سے کہانن مدی گور مدعاٹے	کرانگری نہی سیکھ دکھانے

(چھند نمبر ۳۲۰ تا ۳۲۲، ص ۲۶۶ء ح ۷)

امرائے ملک اس جیسے کی رعب دار صورت اور ہوناوا لیاہ دیکھ کر بے حد

خوش ہوئے اور عزت و احترام کے ساتھ اسے شاہی محل میں لے آئے ۔ خان جہاں نے فوراً بیویوں کو ہلایا ۔ انہوں نے جیسے کا زلیخہ دیکھا اور بولے کہ یہ جہاں ایک اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہ ہوگا اور ہندوستان میں مسلمان سلطنت کی بنیاد ڈالے گا ۔ اور جو شخص اسے باز بار قید و اسیر کرے گا ، اہم میں یہ اس کو ایسی تباہی کے گھاٹ پہنچا کر رہے گا ۔

گویا شہاب الدین کے گوری (غوری) کہلائے جانے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک گور میں ولادت اور پرورش پائی تھی ۔ نہ وہ وجہ جو مسلمان مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ملک غور اس کا وطن تھا ۔ ایسی نکتہ سنجیاں ’رلسا‘ کے مصنف کی جہالت اور تاریخ سے اس کی بے خبری کا پردہ فاش کرتی ہیں اور ہماری سنجیدہ توجہ کی مستحق نہیں ہیں ۔

مذکورہ بالا قصہ ، جو سلطان کے باپ کو اپنی بیویوں کا قاتل بیان کرتا ہے ، انگریزی کے اس قصے سے ، جو بلو بشیرڈ (نیل ڈاڑھی والے) کے نام سے مشہور ہے ، ملتا جلتا ہے ۔ یہ یاد رہے کہ بلو بشیرڈ کو اعلویہ میں مسلمان لباس میں دکھایا گیا ہے اور اس کی بیوی کا نام فاطمہ بتایا ہے ۔ یہیں چند کوی کے اس قصے کو بلو بشیرڈ کی کہانی سے زیادہ وقعت نہیں دینا چاہیے ۔ مگر ان بزرگوں کی بدگمانی و طعنے کرنے کے لیے ، جو ہنٹ سون لال و شنو لال پنڈیا کی طرح ہر ایسے قصے میں ، جو مسلمانوں کے خلاف جاتا ہو ، صداقت کا عنصر نمایاں دیکھتے ہیں اور مسلمان مؤرخین کو ان کی قومی تاریخ کے چاؤں سے پردہ دارانہ اغماض کا مجرم بیان کرتے ہیں ، اس قدر کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند کوی نے ہسم اللہ ہی غلط کر دی ، جب اس نے شہاب الدین کے باپ کا نام شاہ جلال بتایا ۔ یہاں وہ شاہ جلال بیان کرتا ہے لیکن ”بڑی لڑائی زویرستانو“ میں سلطان جلال سکندر بتایا ہے :

سلطان جلال سکندر چایا سلطان شہاب الدین الہ آبادی

(چھٹ ۱۳۰ ، ص ۲۱۲۶ ، ج ۱۸ ، چھپانکھوں داستان)

جس سے مقصد جلال الدین سکندر بلکہ جلال بن سکندر ہے مگر باجماع مؤرخین اسلام ، شہاب الدین کے باپ کا نام سلطان جہاں الدین سام بن ملک اعترالدین حسین ہے ۔ ملک اعترالدین حسین کو سلطان مسعود ثالث بن ابراہیم غزوی سنہ ۵۹۳ھ (۱۰۹۹ء) میں اہلات غور پر سراقز کرتا ہے ۔ اس کے سات فرزند تھے :

(۱) ملک فخر الدین مسعود ، امیر ہامیان و طخارستان ۔ (۲) سلطان جہا الدین سام ، امیر غور و فیروز کوہ ، جو شہاب الدین کا باپ ہے ۔ (۳) ملک الجبال قطب الدین چد ، جو فیروز کوہ کو آباد کرتا ہے ۔ (۴) سلطان سیف الدین سوری ، شاہ غور ۔ (۵) سلطان علاء الدین حسین ، بادشاہ غور و غزنیں و ہامیان ۔ (۶) ملک شہاب الدین چد خرلک ملک مادین ۔ (۷) ملک شجاع الدین علی ، امیر جرماس غور ۔

باپ کی وفات پر بھائیوں نے تمام علاقے کو آپس میں تقسیم کر لیا لیکن قطب الدین چد ملک الجبال کسی بنا پر بھائیوں سے خطا ہو کر غزنیں چلا گیا ۔ پیرام شاہ غزنوی نے اپنے دربار میں اسے عزت کی جگہ دی اور شرف داماوی بخشا ۔ کچھ عرصے کے بعد ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ پیرام ، ملک الجبال سے بدظن ہو گیا اور کہنے لگا کہ زہر ڈالوا دیا ۔ اس پر غوریوں اور غزنویوں میں عداوت قائم ہو گئی اور سیف الدین نے بھائی کا انتقام لینے کے لیے غزنیں پر چڑھائی کر دی اور پیرام شاہ کو شکست دے کر غزنیں پر قبضہ کر لیا ۔ پیرام شاہ بھاگ کر کرمان^۱ چلا گیا ۔

اہل غزنیں نے بظاہر نئے بادشاہ کو قبول تو کر لیا لیکن جب موسم سرما آیا ، برف باری شروع ہوئی اور غور اور غزنیں کا راستہ بند ہو گیا ، اہل غزنیں کے اشارے سے پیرام نے بیکانک شہر پر حملہ کر دیا ۔ سیف الدین آسانی کے ساتھ گرفتار ہو گیا اور بڑی ذات اور تشہیر کے بعد قتل کر دیا گیا ۔

غزنیں پر دوبارہ پیرام شاہ کا قبضہ ہو گیا ۔ بھائی کا بدلہ لینے کے لیے جہا الدین سام نے غور ، جروم اور خرچستان سے ایک لشکر عظیم جمع کر کے غزنیں کا رخ کیا لیکن بھائی کا صدمہ اس پر اس قدر غالب آچکا تھا کہ جب وہ کبدان پہنچا ، بیمار پڑا اور چند روز کے بعد انتقال کر گیا ۔ باقی مہم کو علاؤ الدین حسین ، جو غزنیں کو تباہ کر کے جہاں سوڑ کے نام سے شہرت پاتا ہے ، انجام

۱۔ یہ کرمان ، ایران کے صوبہ کرمان سے بالکل مختلف ہے اور افغانستان کے جنوب میں غزنیں اور لاہور کے راستے پر واقع ہے ۔ یہ ایک بڑا علاقہ ہے جو مختلف دروں پر شامل ہے ۔ کرمہ اور اس کی باج گزار ندیاں اس کو سیراب کرتی ہیں ۔ (حاشیہ ناقد)

کو پہچاتا ہے ، جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ۔

کوئی نے سلطان کی ماں کا نام ہی فتح بیان کیا ہے لیکن جو شخص کہ خود سلطان اور سلطان کے باپ کے نام سے ناواقف ہے ، وہ بدرجہ "اولیٰ" اس کی ماں کے نام سے بے خبر مانا جا سکتا ہے ۔ دوسرے مسالوں میں مستورات کے ذکر سے عام طور پر احتراز بھی کیا جاتا ہے ، بالخصوص شاہی بیگمات کے ناموں سے ۔ ہی فتح ، ہندی طرز کا نام ہے ۔ چنانچہ فیروز شاہ تغلق (متوفی سنہ ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ع) کی ماں کا نام اس کے سیکے میں ہی نالام اور سرال میں ہی کدبانو تھا ۔ شمس سراچ عقیق اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ "مادر سلطان فیروز را نام مل بی بی لائلہ (لالہ) نام داشتہ بود ۔ چون در خاتمہ" سہ سالار رجب آمد ، سلطان تغلق ہی کدبانو نام کر دے"۔ اسی طرح ہی راجہ سلطان حسین شری وائر جونپور ۸۶۳-۸۹۰ھ/ ۱۳۸۰ع-۱۵۰۰ع کی ماں کا نام تھا ۔

سلطان معزالدین محمد بن سام کی ماں کا اصلی نام تو شاید کسی کو بھی معلوم نہیں ۔ وہ اپنے سرال میں اپنے وطن کی نسبت سے "ملکہ" کیدان" کہلاتی تھی ۔ چنانچہ "طبقات ناصر" میں وہ اسی حرف سے یاد کی گئی ہے ۔ "ملکہ" کیدان" ملک بدوالدین والی کیدان کی دختر تھی ۔ یہ خاندان بھی ملوکہ غور کی طرح ششمی ہے ۔ بہاء الدین سام اور ملکہ" کیدان کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں ۔ ان کے نام یہ ہیں :

- (۱) سلطان غیاث الدین محمد : بادشاہ غور ۔
- (۲) سلطان معزالدین محمد : بادشاہ غزنین و فاجر ہندوستان ، پرتھی راج کا حریف ، جس کا اہم شہزادگی میں شہب الدین نام تھا ۔
- (۳) ملکہ" چہان : ملک تاج الدین زنگی کی ماں ۔
- (۴) حشرہ جلائی : جو سلطان شمس الدین محمد ابن ملک نغزالدین محمود والی ہامیان سے لیاہی گئی ۔
- (۵) ملکہ" خرامیان : جو سلطان متجر کے بھتیجے ملک قزل ارسلان سے لیاہی گئی ۔

مختصر یہ کہ کوئی چند جس طرح سلطان معزالدین کے صحیح نام سے بے خبر ہے ، اسی طرح سلطان کے باپ ، اس کی ماں اور اس کے وزیر کے اصلی ناموں سے بھی ناواقف ہے ۔ اور جو مورخ اپنی تاریخ کے اہم افراد اور اشخاص

کے ناموں سے انہی جہالت کا اس قدر ثبوت دیتا ہے ، اس کے بیان کردہ دیگر واقعات و روایات سے بھی اعتبار اٹھ جاتا ہے ۔ میرا یہ قول چند کے حق میں تو بالکل صادق آتا ہے کہ شہاب الدین کے متعلق اس کے بیانات قطعاً بے بنیاد اور غیر تاریخی ہیں ۔

سلطان کے امرا کے نام

قبل میں ہم وہ امرا ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو 'اسرا' میں سلطان شہاب الدین کے امرا اور دیگر عہدے داروں کے نام کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ۔ اس کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف نہ صرف اس عہد کے تاریخی امرا سے بے خبر ہے بلکہ جس قدر نام وہ دے رہا ہے ، سلطان معزز الدین محمد بن سام کے عہد سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے ۔

تاریخ اسلام پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ ہر عہد میں ملوک و امرا کے نام و خطاب رکھنے کا دستور مختلف رہا ہے ۔ جو نام و خطاب ایک عہد میں جاری ہیں ، دوسرے عہد میں متروک ہو گئے ہیں ۔ یہ تبدیلی اگرچہ تدریجی ہے مگر صدیوں کا فرق اس کو نہایت واضح اور روشن کر دیتا ہے ۔ اگر ہندوستان کے مغلوں اور غوریوں کے عہد کے نام و خطاب کا مقابلہ کیا جائے تو وہ اس قدر متفاوت ہیں کہ ان کی شناخت میں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں رہتی ۔ غوریوں کے زمانے میں امراے سلطنت 'ملوک' کے نام سے یاد کیے جاتے تھے اور ان کے ناموں سے چلے 'سلک' (فتح اول و کسر دوم) کا لفظ ضرور لایا جاتا تھا ۔ مثلاً سلک حسام الدین غریب ، سلک ناصر الدین مکران ، سلک تاج الدین مکران وغیرہ ۔ اس کے علاوہ غیر معروف وطنی لقبیں یا 'عُرف' لانے کا بھی رواج تھا ۔ چنانچہ مکران ، مازن ، مکران ، کرمیخ ، کیدان ، غریب ، وچیری ، ایک ، ہلدز ، قباچہ وغیرہ ۔ اسی طرح بعض عہدوں کے نام بھی شامل ہوتے تھے ؛ مثلاً امیرداد ، امیر حاجب ، خاص ہک ، یوزیک ۔ مغلوں کے عہد میں ، جس سے میرا مقصد اکبر ، جہانگیر اور شاہجہاں کا زمانہ ہے ، ایسے خطابات عام طور پر ملتے ہیں

جو 'خان' پر ختم ہوتے ہیں ؛ مثلاً رومی خان ، غلجہ خان ، غازی خان وغیرہ ۔ بعض ایسے بھی ہیں جو 'خان' سے شروع ہوتے ہیں ؛ مثلاً خانِ جہاں ، خانِ دوران ، خانِ اعظم ، خانِ عالم اور خانِ خاناں ۔

'خان' کے متعلق ہمیں یاد رہے کہ یہ در اصل ترکی لفظ (یعنی بادشاہ) ہے جو اولاً سلاطینِ ترک کے لیے مخصوص تھا ؛ مثلاً خانِ خطا ، خانِ قیجاق ۔ سلاطینِ اسلام میں سب سے بیشتر اہلک خانی (افراسیابی) سلاطین یہ لفظ اپنے ناموں کے آخر میں لانے لگے ہیں ؛ مثلاً اہلک خان ، طغاج خان ، قدر خان وغیرہ ۔ لیکن سلاطینِ غوریہ نے نہ اپنے لیے نہ اپنے امرا کے لیے 'خان' کے لفظ کا استعمال کیا ہے ۔ البتہ ان کے جانشین سلاطینِ شمسید (خاندانِ غلاماں) کے عہد سے یہ لفظ ہندوستان میں رواج میں آنے لگا ۔ ان کے ہاں امرا کی دو تقسیمیں ہو گئی تھیں یعنی ملوک اور خوالین ۔ طبقہ ملوک میں معمولی امرا شامل تھے اور خوالین میں شہزادگانِ سلطنت و امرا نے کبار داخل تھے ۔

مقدم الذکر کے نام سے چلنے والی لفظ 'ملک' آتا ہے لیکن خواتین کو ایسے ترکی خطاب دے جاتے ہیں جو خان پر ختم ہوتے ہیں ۔ چنانچہ تاج الدین سنجر کا خطاب 'کز لک خان' ملک عزالدین طغرل کا 'طغان خان' ، ایک مقطع لکھنوق و لکھور کا 'اور خان' ، تہرالدین قبران کا 'نور خان' ، ملک اختیار الدین یوزنک کا 'طغرل خان' ، عزالدین بلبن کا 'کشلو خان' اور بہاء الدین بلبن کا 'انغ خان' تھا ۔ زمانہ مابعد میں ترکی کی قید تو چلی رہی اور ہر ایسے قسم کے خطاب دے جانے لگے جن کے ساتھ لفظ 'خان' ترکیب پا سکتا تھا ، مگر ایسے خطاب دیر تک شہزادوں اور خواص امرا تک ہی محدود رہے ۔ مغلوں نے اپنے دور میں ادنیٰ ادنیٰ منصب دار یعنی دو صدی و صدی تک کو 'خانی' کے خطاب سے سرفراز کیا ہے اور اس کا رواج نہایت عام کر دیا ہے ۔ یہی حالت "ہر تھی راجہ راسا" کی ہے ۔ اس تالیف میں شہاب الدین کے انیسویں اور دیگر عہدے داروں کے جس قدر نام دے گئے ہیں ، مغلوں کے دستور کے مطابق اکثر 'خان' پر ختم ہوتے ہیں یا 'خان' کے ساتھ شروع ہوتے ہیں ، بلکہ بہت سے نام ابھی وہی ہیں جو اکبر و شاہجہاں کے عہد میں رائج تھے ۔ میں اس مقصد کو واضح کرنے کی غرض سے سب سے چلے 'راسا' کے مذکورہ امرا کی فہرست بتدریج اپنی ذیل میں پیش کرتا ہوں ۔ بعد میں ایک فہرست سلطان معزالدین محمد بن سلیم کے امرا کی

”طبقات نامری“ سے دوچ کرنا ہوں۔ نیز ایک منتخب فہرست موضح عمدہ شاہجہاں عبدالحمید لاہوری کے ”پادشاہ نامہ“ جلد اول سے دیتا ہوں جس سے واضح ہوگا کہ شاہ جہاں دور کے بہت سے نام ایسے ہیں جو ’راما‘ کی فہرست کے ناموں سے بہت قریب ہیں بلکہ دونوں میں مشترک ہیں۔ ’راما‘ کی فہرست میں ایک کثیر تعداد ایسے ناموں کی ہے جو بالکل مصنوعی ہیں اور ان کی تخلیق کا ذمہ دار صرف مصنف کو مالا جا سکتا ہے۔

(الف) فہرستِ اسم از ’راما‘ :

ازبک خان ، آلو خان (عالم خان) ، آکوب (یعقوب) خان ، عالم خان ،
ایسپ (یوسف) میاں ، اعظم ، ابو خان ، احمد خان ، آراس (آرائش) خان ،
آبوب خان رومی ۔

بابر ، بازید (بایزید) ، بہارلو خان ، بلوچ چاڑی ، بیرم ، بنکٹ واؤ ، ہامن
برید ، حاجت خان غوری ، برہم خان ، چول خان ، خان بھٹی ۔
پوہی خان ، چاڑ خان ، پیرن میر ، چاڑ پیر ، پیرن ، پیرم ۔
نثار خان ، تاج خان ، تنگی خان ، تاجن خان ، توگن ، ترکام تر ۔

جہانگیر خان ، جلال الدین ، میر جمن ، میر حجام ، جدوڑ خان ،
جیہان (جہان) خان ، جلو خان ، جلال ، جوسن (جوشن) خان ، جلیل خان ،
جندو جوان ، چتر خان ۔

حبشی خان ، حجاب خان ، حبیب خان حبشی ، حبشی خان حجاب ، حبشی
خان حبشی ، حبشی حسین ، حبشی سلیم ، حسن خان ، حاجی خان لپازی ،
حاجی خان ، حسین شاہ ، حسن (حسن) خان ۔

خلجی خان ، خلیل خان ، خان خان ، خان پیردا محمود ، خان سنگول لالری ،
خان پندوہر ، خان خورسان ، خان خان ، خراس (تروشی) خان ، خان سالہی ،
خورسان خان ، خان جمن (ژمن) ، خواجہ قاسم ، خان جہاں ، محبوب خان ،
خان خانان ۔

دربا خان ، ذلیل خان ، داؤد خان ، دیگن دوسن ، دھرمائن کابستہ ، خان
رستم بھرنگی ۔

روشن خان ، روسی خان ، واجی خان ، روشن علی ، روچن (روشن ؟) خان ،
واجن سحر خان ۔

سیرن خان ، سبحان خان ، ساریر (سریر ؟) خان ، سلیم خان ، سائھی خان ،
سالم ، سارنگ دیو ، سادپ ، سکت (شوکت ؟) خان ۔
شمس الدین خان ، شادی بیگ ، شادی ملک ۔

عثمان ، عالم خان ، عرب خان ، عمر خان ، علیل خان ، علی احمد خان ،
عاد میر ، عبدالعزیز ، عاد خان ، علی خان ، علی اکوب (آل یعقوب ؟) ۔
غیاث خان ، غازی خان ، غزنین خان ، غازی مراد ، غنی خان نیاززی ،
غالب خان ۔

فتح خان ، فیروز خان ، (میر) فتح جنگ ، فتح نصیر ، فتح فرید ، فتن
سوب ، فرید خان ، فیروز خان حبشی ۔

قاسم قائم خانی ، قاسم خان ، قریشی خان ، قاضی کمال ، قائم خان ، خواجہ
قاسم کلچر شدہ ۔

کبلی خان ، کھوکھر خان ، کمال خان ، کلیم خان ، کھام بیگ ، کریم خان ،
کالن (کلن ؟) خان ، کالی بلائے ، کوچک (کوچک) خان ، خان کمال گکھڑ ،
میر کمود ۔

گکھڑ خان ، گرت (غیرت ؟) خان ، گروم خان ، گکھڑ پکھڑ شاہ ، گھنگار
غوری ، میر گردان ۔

لال خان ، اورک رائے ۔

معروف خان ، مور خان ، محمد اساکلی (عسولی قلی ؟) ، منار خان ، میر ہد خان ،
میر ناصر ، محبت خان ، میران شاہ ، ملتان خان ، مہریز خان ، محمود میر ، منصور
مہمند ، میر خان ، محمود خان ، میران مسند ، ملتان اوبہ ، ملک غالب ،
منگہ راول مریشہ ، مہدی ، مصطفیٰ خان ، میرن ، منڈلیک ، میر آٹھی ، ماسوف
(موصوف ؟) ، موسم میر ، مرزا مہدی ، میر ایلچی خان ، میر محمود روپنہ ،
مہمند ۔

نور خان حجاب ، نور ہد ، نوری خان ، نصرت خان ، نظام شاہ ، نیاززی خان
نوروز خان ۔

وزیر خان ، خان وہرم (وہرم ؟) -

ہجرت (حضرت ؟) خان ، مہرام خان ، ہاجن ، ہرن ، ہہجم حجاب ، ہرچہرین ، ہیر ، ہیر ہام -

مصحف کا دستور ہے کہ وہ صحف الفاظ کی مطابق ہروا نہیں کرتا اور ان کے ساتھ ہر قسم کی بے قاعدگی سے کلم لیتا ہے ۔ ان الفا میں سلیقہ بہ تشدید لام اور کتال و عباد بہ تشدید میم لائے گئے ہیں ۔

ہول خان میں واؤ سے قبل الف چاہیے ، یعنی ہاول خان ، حامن خان اور سازیر خان میں الف اتیانہ کر دیا ہے ۔ عثمان اور نصرت ہضم اول کو ہکسر اول لکھا ہے ۔

بلوچ چھاڑی ، ہاجت خان غوری ، توکن ، خان پیدا محلوگ ، خان منگول لالری ، خان ہندویر ، خان خورسان ، خان خان ، سیر حجاب ، علیل ، عبدالعیر ، فتح نصیر ، فتح فرید ، کیلی خان ، کالی ہلائے ، ملتان اوپ ، مہرام خان ، ہاجن ، ہرن ، ہہجم حجاب وغیرہ ایسے لام ہیں جن کو مصنف کے فصاحت کی اختراع کہا جا سکتا ہے کیونکہ بصورت موجودہ وہ مسالائی الفا کی ذیل میں نہیں آتے ۔

ایسب ، آکوب اور آلو ، مارواڑی زبان میں یوسف ، یعقوب اور عالم کی ہکڑی شکل ہے ۔ ابو ، ابراہیم کی ہکڑی شکل ہے ۔

(ب) فہرست امرا و ملوک سلطان معز الدین محمد بن سام از طبقات ناصری :

ملک ضیاء الدین درغور ، بہاء الدین سام (ہامیان) ، سلطان غیاث الدین محمود (لیروڑ کوہ) ۔

ملک بدر الدین کیدانی ، ملک قطب الدین بکرانی ، ملک تاج الدین حرب (پہستان) ۔

ملک تاج الدین بکران ، ملک علاء الدین ، ملک فہا ہشتی ، ملک ناصر الدین الہ غازی ۔

ملک تاج الدین زنگی (ہامیان) ، ملک ناصر الدین (مادین) ، ملک مسعود ، ملک ناصر الدین (بکران) ۔

ملک مؤید الدین مسعود ، ملک شہاب الدین مادینی ، ملک شمس الدین کیدانی ،

ملک علاء الدین اتش حسین ۔

ملک حسام الدین علی کرمانخ ، ملک مؤید الملک کرمانخ ، ملک ظہیر الدین
چد کرمانخ ، ملک ظہیر الدین فتح کرمانخ ، ملک حسام الدین خرمل ، ملک
ناصر الدین حسین امیر شکر ، ملک اختیار الدین خروار ، ملک امد الدین شیر ملک
وجیری ، ملک رکن الدین سور (کیدان) ، امیر سلیمان شہت امیرداد ، امیر حاجب
چد علی غازی ، امیر حاجب خاص ملک ، امیر حاجب حسین ، چد حسن ،
امیر حاجب حسین مرغ ، ملک شمس الدین سور کیدان ۔

(سلطین) سلطان تاج الدین یلڈز ، سلطان قطب الدین ابیک ، سلطان
ناصر الدین قباچہ ، سلطان شمس الدین ایلش ، سلطان علی الدین محمود ۔
سلطان مجاہد الدین عوض حسین خلج ۔

(وزراء) خیاہ الملک درمش ، مؤید الملک چد ۔

عبد اللہ سجزی ، شمس الملک عبدالجبار کیدانی ۔

(قضات) صدر شہید قطب الدین ابوبکر ، صدر سعید شرف الدین ابوبکر ،
شمس الدین بلخی ۔

ان فہرستوں کا تصحیحی جائزہ ہمارا مقصد نہیں ۔ ناظرین پر ، سرسری مشاہدے
سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ ’رأس‘ اور ’طبقات‘ کی فہرستوں میں کسی قسم کی نسبت اور
اشتراک نہیں ۔ جہاں ’طبقات ناصری‘ سلطان معز الدین چد بن سام کے اسرا کی
صحیح فہرست اسما پیش کر رہی ہے ، ’رأس‘ ابیک خیالی اور فرضی فہرست دے
رہا ہے جو ہرگز غلط اور بے بنیاد ہے ، جس کا ایک نام تک بھی صحیح نہیں
مالا جا سکتا ۔ دور کیوں چائیں ، ’رأس‘ کے بیان کے مطابق سلطان کا نام
”شہاب الدین“ ہے لیکن ہمیں تاریخ سے معلوم ہے کہ یہ سلطان کا شہزادگی کا نام
تھا ۔ جب وہ تخت نشین ہوتا ہے ، ”شہاب الدین“ کا نام ترک کر دیتا ہے اور
”معز الدین“ کا لقب اس کی جگہ اختیار کر لیتا ہے ۔ چنانچہ اسی نام و لقب (یعنی
معز الدین چد بن سام) سے بعد کے زمانے میں وہ مشہور ہوا ۔ ’طبقات‘ کے الفاظ
غیاث الدین چد بن سام کے ذکر میں حسب ذیل ہیں :

”پیش ازین لقب او ملک شمس الدین بود و لقب برادرش شہاب الدین ۔ بعد
از مدتی کہ بر تخت بود ، لقب او سلطان غیاث الدین شد و برادرش ملک شہاب الدین
بعد از فتوح خراسان سلطان معز الدین شد“ (صفحہ ۹۹) ۔ چنانچہ بھی نام اس کے

عہد کے کتبوں اور سکتوں میں نظر آتا ہے۔ کتب تاریخ مثلاً تاج المآثر و طبقات ناصری، فیروز شاہی و مبارک شاہی بھی اس نام سے یاد کرتی ہیں۔ مگر 'راسا' اس کو فقط شہاب الدین کے نام سے جانتا ہے اور اس کے اصلی نام معتزالدین سے بالکل نا آشنا ہے۔ کیا ایک معاصر دستاویز میں، جیسا کہ 'راسا' کے لیے دعویٰ کیا جاتا ہے، ایسی قاحش غلطی کا ارتکاب ہو سکتا ہے؟ 'راسا' کی اس غلطی کی سراغ رسانی چنداں دشوار نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ خود سلیہ دور کے مورخین بابر و فرشتہ و ابوالفضل وغیرہم برخلاف قدیم مؤرخین کے سلطان کو معتزالدین کے مقابلے میں ترجیحاً "شہاب الدین" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فرشتہ اسے "سلطان معتزالدین محمد بن سام السطیب یہ شہاب الدین غوری" کہتا ہے۔ ابوالفضل "آئین اکبری" میں شہاب الدین لکھتا ہے۔ "خلاصۃ التواریخ" میں سجان رائے، شہاب الدین عرف معتزالدین تحریر کرتا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے بیانات 'راسا' کے لیے، جو اکبری عہد یا اس سے بعد کی تالیف ہے، گمراہی کا سامان بن گئے۔

اسی طرح 'راسا' میں سلطان کے وزیر کا نام تارخان بتایا گیا ہے جو اپنے بادشاہ کا نہایت مطیع اور فرمان بردار ملازم ہے۔ متعدد دستاویزوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ جب کبھی سلطان براہی راج کے بالہوں میں گرفتار ہوتا ہے، تارخان اس کی رہائی کے لیے زر اندیہ کے سپہا کھرتے ہیں ہر ممکن کوشش عمل میں لاتا ہے لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، سلطان معتزالدین کے تین وزیر ہیں : (۱) ضیاء الملک دریشانی۔ (۲) مؤید الملک محمد عبد اللہ سجزی۔ (۳) شمس الملک عبدالجبار کیدانی۔

نظام الملک طوسی کے عہد سے ان ایام میں وزرا کے لیے ایسے مخصوص خطابات کا دستور جاری ہو گیا تھا جو "الملک" پر ختم ہوتے ہیں۔ "تارخان" اگرچہ خطاب معلوم ہوتا ہے مگر سلطان معتزالدین کے عہد سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا بلکہ بہت بعد کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ تاریخ ہند میں رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق (سنہ ۷۵۲ھ و ۷۶۰ھ) اور اس کے بیٹے رو محمد بن تغلق کے زمانے میں ایک امیر اس خطاب سے سرفراز ہوا تھا اور یہی پہلا موقع ہے جب ہم اس نام سے دوچار ہوتے ہیں۔ "دوم از آنان کہ از درگاه ہایوں اعلیٰ اختصاص بالقرات بکفرتہ است اعظم"

تار خان چادر بندہ امیر المومنین ضوہف قدرہ است ۔“

(صفحہ ۵۷۹ ، تاریخ فیروز شاہی ، از ضیاء برنی)

اس عہد کے بعد تار خان بھٹیہ خطاب تاریخ ہند میں وقتاً فوقتاً نظر سے گزرتا ہے اور مغلوں کے ہاں بھی ملتا ہے ۔ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ ’راسا‘ کے مصنف کو نہ سلطان اور نہ اس کے وزرا کے صحیح نام تک معلوم ہیں ۔

’راسا‘ کی فہرست میں جب ہاری نظر سے ایسے نام گزرتے ہیں ؛ مثلاً سیر آتش ، رومی خان ، اوزبک خان ، جہانگیر خان ، خانِ خانان ، خانِ جہاں ، فتح خان ، شادی بیگ ، کام بیگ ، اساکلی (حسینی قلی) ، حبش خان ، حبیب خان حبشی ، بنکٹ راو ، منڈہ راو ، تو ہارے نمبور میں عہدِ مغلیہ کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے اور بغیر کسی پس و پیش کے ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ یہ نام سب کے سب اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں ۔

’سیر آتش‘ مصنف کے نزدیک کسی سردار کا نام ہے لیکن وہ ایک عہدے کا نام ہے ۔ یہ عہدہ ہندوستان میں مغلوں کی آمد کے بعد رواج میں آتا ہے ۔ سیر آتش توپ خانے کا افسر ہوا کرتا تھا ۔ جی حالت ’رومی خان‘ کی ہے ۔ سلطان چادر شاہ والی گجرات کے افسر توپ خانہ کا خطاب بھی ’رومی خان‘ تھا ، جس کے لیے یہ فقرہ مشہور ہے : ”بھٹ پانی رومی خان تک حرام“ ۔ اکبر اور شاہجہاں کے زمانے میں بھی ’رومی خان‘ خطاب دیا گیا ہے ۔ بہر حال سیر آتش اور رومی خان دسویں صدی ہجری میں ہندوستان میں رواج پاتے ہیں ۔

’اوزبک خان‘ تو صاف اور صریح مغلوں کی یادگار ہے ۔ مغلوں سے پیشتر ہندوستانی اس لفظ سے ناواقف تھے لیکن اس کے متعلق آئندہ ذکر ہوگا ۔

جہانگیر خان ، ظاہر ہے کہ یہ نام جہانگیر بادشاہ کے عہد سے زیادہ رائج ہوتا ہے ۔

خانِ جہاں اور خانِ خاں ، تغلقوں کے عہد سے یہ خطابات ہندوستان میں موجود ہیں مگر زیادہ شہرت مغلوں کے عہد سے ملتی ہے ۔ یوم خان اور اس کا فرزند عبدالرحیم ، خاندانوں کے خطاب کے مالک تھے ۔ خانِ جہاں لودھی جہانگیر کے عہد میں اب تک نہایت مشہور امیر تھا ۔

فتح جنگ اور اس طرز کے دیگر خطابات مغلوں کے عہد سے قبل بالکل

نامعلوم تھے ۔ مغلوں کے ہاں ہر زمانے میں بلکہ ریاستوں میں اب تک ایسے خطابات موجود ہیں ۔ جہانگیر ، ابراہیم خاں کو ’فتح جنگ‘ کا خطاب ا غناہت کرتا ہے ۔ شادی بیگ ، کام بیگ (قوام بیگ ؟) ، بیگ کی ترکیب کے نام مغلوں سے بیشتر اس ملک میں رائج نہیں تھے ۔ یہی حالت عسلی قلی کی تھی ۔ ایران میں صلیبیوں کی آمد سے علی قلی ، امام قلی ، حسین قلی اور شاہ قلی وغیرہ نام رواج پاتے ہیں ۔ اور جب ایرانی مغلوں کی ملازمت میں آئے ، اس فیشن کے نام بھی ان کے ساتھ آئے ۔

حبش خاں اور حبیب خاں حبشی اس زمانے کی یاد دلاتے ہیں جب دکن پر مغلوں کے حملے شروع ہو گئے ہیں ۔ مغل دکن میں حبشیوں سے ، جہاں وہ فوج میں اور دیگر خدمات پر متعین تھے ، تعلق میں آئے ہیں ۔ متعدد حبشی سردارانِ دکن نے مغلوں کی نوکری اختیار کر لی ہے ؛ مثلاً سیام خاں حبشی ، دلاور خاں حبشی ، سرور خاں حبشی اور سیدی سالم حبشی ، شاہجہاں کے عہد کے سردار ہیں ۔ اسی بادشاہ نے ایک اور سردار کو حبشی خاں کا خطاب دیا ہے ۔

بنکٹ راو ، مغلہ راو مرہٹہ ، دونوں مرہٹے نام ہیں ۔ حبشیوں کی طرح دکنی لڑائیوں میں مغلوں کا مرہٹوں سے یہی واسطہ پڑتا ہے اور کئی مرہٹے ان کی ملازمت میں آ جاتے ہیں ۔

قاسم خاں قایم خانی ، بڑائی شکل قیام خانی ہے نہ قایم خانی ۔ چنانچہ شاہجہاں کے عہد میں ایک امیر ، ’ذولت خاں قیام خانی‘ ہے جس کا منصب ہزار و ہائندی ذات ، ہزار سوار ہے لیکن غلط العام قایم خانی ہو گیا ۔ چنانچہ راجپوتانے میں ، جہاں یہ لوگ آباد ہیں ، اسی نام سے مشہور ہیں ۔ قایم خالیوں کا دعویٰ ہے

۱۔ توڑک چہانگیری ، صفحہ ۱۵۵ ، طبع مید احمد خاں ۔

۲۔ تراب علی تراب ’’انوال نواب قایم خاں جہاں جہاد‘‘ میں رقم طراز ہے کہ دوربرا میں ایک چوہان راجا موسوم بہ موئے راو حکومت کرتا تھا ۔ اس کا فرزند کرم چند شکار میں فیروز شاہ تغلق اور اس کے وزیر مید ناصر سے ملاقات ہوا اور بادشاہ اور وزیر کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا ۔ بادشاہ نے اس کا نام قایم خاں رکھا اور وزیر نے اسے متبھی بنا لیا ۔ جب فیروز شاہ ہنگالے کی مہم (بلیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کہ وہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں راجپوت سے مسلمان ہوئے لیکن ظن غالب ہے کہ وہ اس عہد سے بہت بعد حلقہ ہنگوش اسلام ہوئے ہیں ۔

یہ خیال کہ برہمپور راج کے عہد میں سریشی ، حبشی اور تاجم خانی غزلیں میں سلطان علاؤالدین محمد بن عام کی فوج میں شامل تھیں ، بہت مضحک معلوم ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہو گیا ، تاجم خان کو دلی کا صوبے دار بنا گیا ۔ جب واپس لوٹا اس کی حسن خدمات اور خوش نظمی کے صلے میں خان جہاں خان پادشاہ کا خطاب عنایت کیا ۔ سید ناصر کی وفات پر تاجم خان وزیر مقرر ہوا ۔ جب فیروز تغلق نے جام اچل نوش کیا ، اس کے جانشین محمد شاہ کا بدستور وزیر رہا ۔ اس کے بعد نصیر شاہ کا اور پھر معظم شاہ کا (خالوادہ تغلق) میں ان دو ناموں کے بادشاہ نہیں گزرے) ۔ موخر الذکر ایک ملل سے سازش کر کے تاجم خان کو دویا میں دھکا دلا کر ہلاک کرا دیتا ہے ۔

تاجم خان خان جہاں کے کئی فرزند تھے ۔ ان میں زیادہ مشہور محمد خان اور تاج خان ہیں جو ناگور میں رہنے لگے ۔ انہی بھائیوں نے جھوٹوں اور فتح پور دو شہر واقع شہاواہی (راجپوتانہ) آباد کیے ، جہاں ان کی اولاد تین سو ساٹھ سال تک حکومت کرتی رہی ۔ معظم شاہ ، وزیر کے غور نامی سے بچھتا کر اور دونوں بھائیوں کی شجاعت کی داستانیں سن سن کر انہیں ہلا کر ان کے آبائی عہدے پر بھل کر دیتا ہے ۔ یہ عہدہ دیر تک ان کے قبضے میں رہتا ہے ۔ چنانچہ معظم شاہ کے بعد مبارک شاہ کی اور اس کے بعد علاؤالدین شاہ کی بھی وزارت کرتے ہیں ۔ آخر درالداؤں نے سکھا بیجا کر علاؤالدین کو ان کی مخالفت پر آمادہ کر دیا اس لیے یہ دونوں بھائی دہلی چھوڑ کر اپنے وطن حصار چلے گئے اور وہیں رہنے لگے ۔ علاؤالدین کے بعد پہلول شاہ مستد آرا ہوا ۔ اس نے انہیں منصب قدیمی پر بلایا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ ناگور چلے گئے ۔ وہاں یہ معتبر فیروز خان ، رانا موگل سے ان کی جنگ ہوئی ہے جس میں رانا شکست فاش کھاتا ہے ۔ اس کے بعد فیروز خان سے بھی ان کو لڑنا پڑتا ہے ۔ اتنے میں تاج خان وفات پا تا ہے اور اس کے غم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ہے لیکن ان جزئیات میں ’راسا‘ کا مصنف بھی مجبور ہے ۔ وہ اپنے عہد کے حالات و واقعات کے قیاس پر اپنا المانہ تعمیر کر رہا ہے ۔ دوحقیقت اس کے زمانے میں سلاطینِ مقل کی سرکار میں یہ سب اقوام موجود تھیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں پد خان بھی دارِ فانی کو وداع کہتا ہے ۔
 یہ بیان تاریخ کی روشنی میں ناقابلِ قبول ٹھہرتا ہے ۔ فیروز شاہ کا کوئی وزیر مید ناسر نامی نہیں تھا ۔ ہاں یہ سچ ہے کہ فیروز شاہ کا وزیر ایک نومسلم ہندو (تلکی) تھا ۔ ابتدا میں تلکانے کے راجا کا سلازم تھا ۔ اس کا نام کنشو تھا ۔ وہ پد بن تلکانے کے عہد میں اسلام لے آیا اور مسلمان نام مقبول رکھا گیا ۔ اگرچہ جاہلِ مطلق تھا لیکن ترقی کرتے کرتے پد شاہ کے عہد ہی میں نائب وزیر بن گیا اور قوام الملک خطاب ملا ۔ جب فیروز شاہ تخت پر آیا ، اس نے خواجہ جہاں کو معزول کر کے قلمدانِ وزارت قوام الملک کے حوالے کیا اور خانِ جہاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا ۔ جب کبھی فیروز شاہ دہلی سے باہر جاتا ، اور یہ اکثر ہوتا تھا ، تو خواجہ جہاں ہمیشہ قائم مقام بادشاہ کام کرتا تھا ۔ خانِ جہاں کی وفات پر اس کا فرزند اپنے باپ کے عہدے (وزارت) اور خطاب خانِ جہاں پر فائز ہوتا ہے ۔ یہ بیان میں شمس سراج عقیق کی تاریخ ”فیروز شاہی“ کی سند پر لکھ رہا ہوں ۔ تعجب ہے کہ قائم خانیوں نے خانِ جہاں (کبیر) کے بعض واقعات زندگی غصب کر کے اپنے مورثِ اعلیٰ کے لیے محفوظ کر لیے ۔ لیکن وہ کنشو تلکی ہے ، نہ کرم چند چوہان پسرِ موئے راد ۔

قراب کا بیان ہے کہ قیام خان سنہ ۸۰۱ھ مطابق صحت ۱۴۴۳ بکرمی میں اسلام لایا ۔ چنانچہ :

ہوئے مسلمان جو دل سے نواب قائم خان
 سلاٹکوں نے کہا آفریں بہت و ثناء
 خرد طریقہ اسلام سے کہا تاریخ
 سنہ آٹھ سے و یکہ از ہجرت رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(ج) فہرست از بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری (جلد اول پر دو حصہ) :

- (۱) احمد خان نیازی صفحہ ۲۹۶ ، ۵۰۹ -
- (۲) امیر خان صفحہ ۱۸۳ ، ۲۸۵ -
- (۳) اعظم خان ، صفحہ ۲۸/۲ ، ۳۳ -
- (۴) اعظم (میر کاشفری) صفحہ ۲۴۹ -
- (۵) اوزبک خان صفحہ ۱۳۶/۲ ، ۱۳۸/۲ ، ۲۰۴/۲ -
- (۶) آرایش خان صفحہ ۵۳ -
- (۷) بابر صفحہ ۴۲ -
- (۸) حید بایزید صفحہ ۱۸۳ -
- (۹) بیرم بیگ ترکمان صفحہ ۱۲۴ ، ۱۶۹ -
- (۱۰) بیروم صفحہ ۱۸۵ ، ۷۴/ج ۲ -
- (۱۱) بہارت ہندیلہ صفحہ ۸۲ ، ۱۲۰ -
- (۱۲) تاج مروانی صفحہ ۳۱۴/۲ -
- (۱۳) عارف ولد تاناز خان سفرچی صفحہ ۷۴ ، ج ۲ -

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمت تھا ہندی وہ چودہ سے اور نے تالیس
مطابق اس کے جو ہجرت کا میں یہاں لکھا
مگر شعر ذیل میں بحسابِ جمل یوں تاریخ دی ہے :
میں جستجو میں تھا تاریخ کی کہ ہائف نے
کہا کہ "ذین یہ قائم ہوا ہے قائم خان"

اگر سنہ ۸۰۱ میں قائم خان مسلمان ہوا تو وہ تبریز شاہ کا زمانہ نہیں ہا
سکتا کیونکہ شاہ موصوف سنہ ۸۹۰ میں فوت ہو جاتا ہے ۔ اگر آخری شعر
کو صحیح مانا جائے تو "ذین یہ قائم ہوا ہے قائم خان" کے اعداد بحسابِ
ابجد ۱۰۵۱ ہوتے ہیں جو شاہجہان کا عہد ہے ۔ البتہ قائم خان کے عدد
۸۰۲ ہوتے ہیں لیکن اس مادے سے تو یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ صرف قائم خان
کے اعداد گنتا مقصود ہے ۔

(حاشیہ ناقد)

- (۱۴) جهان خان (کاکل) صفحہ ۱۱۹ -
- (۱۵) جلال ولد دلاور خان صفحہ ۱۸۴، ۲/۳۰۶ -
- (۱۶) میر جلال الدین حسین صفحہ ۲۵۸ -
- (۱۷) سید جہانگیر صفحہ ۲۰، ۲ ج -
- (۱۸) پرواز خان (ولد جہانگیر قلی خان) صفحہ ۲۳، ۲ ج -
- (۱۹) حسن خان بیواں صفحہ ۵۱، ۵۷ -
- (۲۰) حسن خان (برادر خدمت گار خان) صفحہ ۲، ۳۱۷ -
- (۲۱) حبیب کرواں صفحہ ۲، ۱۳۶ -
- (۲۲) حبش خان صفحہ ۲، ۲۹۹، ۲۳، ۲ ج -
- (۲۳) حبیب نور صفحہ ۱۱۹ -
- (۲۴) خانِ جهان صفحہ ۷۵، ۱۲۵ -
- (۲۵) خواص خان صفحہ ۷۳، ۱۸۱، ۲، ۲۹۸ -
- (۲۶) خواجہ قاسم حصاری صفحہ ۲۴۶، ۲ ج -
- (۲۷) خواجہ قاسم (سید اتانی) صفحہ ۱۱۸ -
- (۲۸) دریاؤں (رویلہ) صفحہ ۲۰۲، ۳۲۶ -
- (۲۹) دریا خان رویلہ، ۲، ۲۹۶ -
- (۳۰) دولت خان ولد الف خان قیام خان صفحہ ۱۸۴ -
- (۳۱) دولت خان قیام خان صفحہ ۷۳، ۲ ج، ۲، ۳۰۷ -
- (۳۲) رستم خان (برگی) صفحہ ۱۲۵ -
- (۳۳) روس خان صفحہ ۴۱۱ -
- (۳۴) سیدی سالم حبشی صفحہ ۳۴۱ -
- (۳۵) سید راجی صفحہ ۲، ۳۳۳ (۳۵ الف) رستم خان دکنی صفحہ ۲، ۲۹۴ -
- (۳۶) شادی خان (شادی بیگ) صفحہ ۱۳، ۲، ۶۰ -
- (۳۷) شمس الدین خان ولد نظر چادر صفحہ ۲، ۳۱۹ -
- (۳۸) عرب خان صفحہ ۱۶۶-۱۶۸ -
- (۳۹) عثمان (رویلہ) صفحہ ۱۱۹ -
- (۴۰) علی خان (شیخ زادہ فرہلی) صفحہ ۵۵ -
- (۴۱) علی خان (الرفیق) صفحہ ۱۲۴ -

- (۳۲) سید عالم بارہ صفحہ ۱۳۱۴ء -
- (۳۳) عمر خان صفحہ ۳۱۷ -
- (۳۴) لب (عزبان خان) (عموی چادر خان روپیہ) صفحہ ۷۳۴ -
- (۳۵) شیرت خان صفحہ ۳۹۸ -
- (۳۶) غالب صفحہ ۳۷۲ -
- (۳۷) غازی بیگ صفحہ ۳۱۹ + ۶۳/۲ -
- (۳۸) غزنیں خان (جالوری) صفحہ ۱۶۷ -
- (۳۹) فتح خان صفحہ ۳۶۸ -
- (۴۰) فیروز خان صفحہ ۱۸۳ + ۷۴ + ۳۰۳/۲ -
- (۴۱) فیروز (برادر غزنیں خان) صفحہ ۳۱۹/۲ -
- (۴۲) قاسم خان صفحہ ۳۳۳ + ۶۹۳/۲ -
- (۴۳) قوام بیگ صفحہ ۵۰ -
- (۴۴) کمال خان صفحہ ۵۵ -
- (۴۵) خواجہ کوچک (ولد میر ہاشم) صفحہ ۱۳۳ -
- (۴۶) لعل خان صفحہ ۱۸۳ -
- (۴۷) محمود خان صفحہ ۵۱ -
- (۴۸) منصور صفحہ ۳۳۳ + ۳۸۳ -
- (۴۹) محمد خان (تباڑی) صفحہ ۱۶۷ -
- (۵۰) مصطفیٰ خان (دادا ملا محمد لاہوری) صفحہ ۳۱۳ + ۳۱۵ -
- (۵۱) میر خان صفحہ ۱۲۳ + ۱۰۱/۲ + ۳۱۱/۲ -
- (۵۲) حاجی منصور صفحہ ۷۴ + ۷۳ -
- (۵۳) نصرت خان صفحہ ۳۲ -
- (۵۴) نور محمد عرب (عرب خان) صفحہ ۳۹۷ -
- (۵۵) نظام ولد غزنیں خان جالوری ۳۱۳/۲ -
- (۵۶) نیاز خان (بسر شہباز خان کتبہ) صفحہ ۳۱۳ -
- (۵۷) وزیر خان صفحہ ۱۱۷ + ۱۲۲ + ۱۳۳ -
- (۵۸) یعقوب خان صفحہ ۱۶۷ -
- (۵۹) یوسف خان صفحہ ۳۱۵ -

(۶۷) میر یوسف صفحہ ۲/۳۲۰ -

(۶۸) یوسف نیاززی صفحہ ۲/۳۲۲ -

”بادشاہ نامے“ کی فہرست کے پچیس تیس اسم ایسے ہیں جو ’راسا‘ کی فہرست میں شامل ہیں ، باقی اس سے مماثلتِ قریبہ رکھتے ہیں ۔ ناموں میں یہ مطابقت بغیر اشتراکِ زمانی پیدا نہیں ہو سکتی ، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دونوں تصانیف آپس میں معاصریتِ قریبہ رکھتی ہیں ۔

”بادشاہ نامے“ سے قطع نظر اگر اس عہد کی تاریخوں کا جائزہ لیا جائے تو ’راسا‘ کے باقی مائدہ ایسے نام جو مسلمانوں میں رائج ہیں ؛ مثلاً اعظم خان ، احمد خان ، پہاڑ خان ، تاج خان ، جلیل خان ، جوشن خان ، حسین شاہ ، خلجی خان ، خلیل خان ، خواجہ قاسم ، ذلیل خان ، داؤد خان ، رستم خان ، روشن علی ، سبحان خان ، سرور خان ، شوکت خان ، شمس الدین خان ، شادی ملک ، عالم خان ، عمر خان ، اسد خان ، علی اسد ، علی خان ، غیاث خان ، غازی مراد ، غالب خان ، کریم خان ، معروف خان ، میر ناصر ، میر محمد خان ، محبت خان ، میران شاہ ، سلطان خان ، مریم خان ، مصطفیٰ خان ، مرزا سیدی ، نور خان ، نصرت خان ، نظام شاہ ، نیاززی خان ، نوروز خان ، وزیر خان وغیرہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کی تاریخوں اور انشاؤں سے باہمی تلاش کیے جا سکتے ہیں ۔

’راسا‘ کا مصنف پنہانوں کے قبائل روہیہ ، سہمند اور نیاززی سے واقف ہے ۔ سہمند کو وہ شخصی نام کی حیثیت دے رہا ہے ، نہ قبیلے کی حیثیت ۔ بعض ناموں کے ساتھ وہ نیاززی لا رہا ہے ؛ مثلاً حاجی نیاززی ، غنی خان نیاززی ، لیکن نیاززی ہندوستان میں دسویں صدی ہجری بلکہ شیر شاہ - وری کے عہد سے شہرت حاصل کرتے ہیں ۔

بابر ، ہرم ، سلیم اور جہانگیر جیسے ناموں کو دسویں صدی ہجری سے قبل تاریخ ہند میں تلاش کرنا بے سود ہے ۔

سلطانی شکستیں

’راسا‘ کے بیانات کی رو سے سلطان شہاب الدین ، پرتھی راج سے یس مرتبہ

شکست کھاتا ہے ۔ میں ان داستانوں کے حوالے پرچاں قناعت کرتا ہوں جن میں ان شکستوں کا ذکر آتا ہے :

- (۱) حمین کتھا (نویں داستان) : شہاب الدین گرفتار ہوتا ہے ۔
- (۲) آکھٹک چوک بران (دسویں داستان) : شاہ کو شکست ہوتی ہے ۔
- (۳) سلکھ جدہ (تیرہویں داستان) : سلکھ سلطان کو میدانِ جنگ میں امیر کر لیتا ہے ۔
- (۴) بلماوقی سمے (بیسویں داستان) : برتھی راج کبان کے ذریعے سے شاہ کو پکڑ لیتا ہے ۔
- (۵) دھن کتھا (چوبیسویں داستان) : شاہ حسبِ معمول امیر ہوتا ہے ۔
- (۶) رپوا ٹے سمبو (ستائیسویں داستان) : برتھی راج کبان سے سلطان کو قید کرتا ہے ۔
- (۷) اٹنگ ہال سمے (اٹھالیسویں داستان) : چاند کے ہاتھ پر شاہ کی گرفتاری ۔
- (۸) مادھو بیٹ کتھا (اکیسویں سمے) چاند رائے شاہ کو روم کھ میں قید کر لیتا ہے ۔
- (۹) گھگھر کی لڑائی (۲۰ واں سمے) : کتھ کبان ڈال کر شاہ کو امیر کرتا ہے ۔
- (۱۰) پیپا ہندہ (۳۱ واں سمے) : شہاب الدین کو شکست ملتی ہے ۔
- (۱۱) جیت راؤ جدہ (۳۴ واں سمے) : جیت راؤ کے ہاتھ سے شاہ کا مقبرہ ہوتا ۔
- (۱۲) پنساوقی وواہ (۳۶ واں سمے) : شاہ کو حسبِ معمول شکست ۔
- (۱۳) چاڑ رائے سمے (۴۷ واں سمے) : چاڑ رائے شاہ کو گرفتار کرتا ہے ۔
- (۱۴) پھون چالک نام برستاو (۴۰ واں سمے) : شاہ کو ایک اور ہزیمت ۔
- (۱۵) ہانسی پور برتھم جدہ (۵۱ واں سمے) : شاہی بیچ کو شکست ۔
- (۱۶) دوسری ہانسی جدہ (ہاولواں سمے) : شاہی لشکر کو ایک اور شکست ۔
- (۱۷) پھون پاتماہ جدہ (۵۴ واں سمے) : پھون رائے شاہ کو پکڑ لیتا ہے ۔
- (۱۸) درگا کیدار سمبو (۵۸ واں سمے) : شاہ کی گرفتاری ۔

(۱۹) کیاس جلد (۴۳ ویں داستان) : کیاس اور چانڈ ، شاہ کو قید کرتے ہیں ۔

(۲۰) دھیر بٹیر ہرستاو (۶۶ ویں داستان) : دھیر ، سلطان کو قید کر لیتا ہے ۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ سلطان شہاب الدین نے چھ مرتبہ شکست کھائی اور چودہ مرتبہ شکست کھا کر گرفتار ہوا ، جس سے تمام شکستوں کی تعداد بیس ہوتی ہے ۔ تاریخ میں اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ صرف ایک شکست ، ایک تاجدار اور اس کی سلطنت و ملک کی نیاہی و بربادی کے لیے کفایت کرتی ہے لیکن سیاسیات جنگ و تاج فتح و شکست سے بے ہوا ، برتھی راج کا یہ داستان گو کس قدر بے غبر ہے جو شہاب الدین جیسے جلیل القدر بادشاہ کو برتھی راج کے ہاتھ سے بیس مرتبہ ہزیمت دلاتا ہے اور اکیسویں مرتبہ اسے ظفر باب کراتا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ نہ شہاب الدین اور نہ برتھی راج کی حقیقی وجاہت سے واقف ہے اور نہ عواقب شکست و فتح کا اس کو اندازہ ہے ۔ وہ اپنے پیرو کی فنا خوالی اور اس کے سر پر شہرت دوام کا تاج دکھانے کے لیے اس کو ہندو شجاعت اور جوان مردی کے مثالیے کے طور پر پیش کرتا ہے جس میں اصلی واقعات سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا ۔

برتھی راج کا حریف شہاب الدین اسلام کے دوسرے درجے کے اولوالعزم سلاطین میں سے ہے ۔ اس کی زندگی کے واقعات ، اس کی فتوحات اور شکستیں ، مسلمانی تاریخ میں سال وار دکھائی گئی ہیں ۔ ’اسا‘ کی مبینہ شکستوں کے لیے ، جو اس کے نام پر دی گئی ہیں ، کم از کم اس سلطان کی زندگی میں کہیں بھی گنجائش نہیں نکل سکتی ۔ اس کو عمر بھر پیشہ کر برتھی راج سے ہزیمت پر ہزیمت کھانے کی بجائے دنیا میں اور زیادہ ضروری کام کرتے ہیں ۔ محمود نے صرف پنجاب فتح کیا تھا ۔ شہاب الدین محمودیوں سے پنجاب لے کر فتوحات کا قدم آگے بڑھاتا ہے اور وسط ہند کا اکثر علاقہ فتح کرتا ہے ۔ اگرچہ اس کی شہرت کا مدار اس کی فتح ہند کی بنا پر ہے مگر فتح ہند اس کے کارناموں کا صرف ایک رخ ہے ۔ ہندوستان سے زیادہ اس کی مصروفیتیں ایران کے واسطے رہی ہیں ، جہاں اس کو اپنے سے بھی زیادہ طاقتور سلاطین کے ساتھ جنگ آزمائی کرنی پڑی ہے ۔

پر تھی راج تو اس کی قراک کا ایک سیدڑ لڑیوں ہے۔ یہ خواہزم شاہی سلاطین سلطان شاہ اور علاؤ الدین محمد شاہ ہیں جن کے ساتھ وہ میدان داریاں کرتا رہا ہے۔ اگر اس کی توجہ ایران کے ساتھ منقسم نہ رہتی تو اس کے لیے سارا ہندوستان فتح کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ لیکن میں یہ دکھانے کے لیے کہ ’رأسا‘ کی بیان کردہ شکستوں کے لیے سلطان کی تاریخ میں کوئی گنجائش نہیں، یہاں اس کے کارناموں کا بغیر سنیں مختصر البصرہ کرتا ہوں۔

جب سلطان غیاث الدین (۵۵۵۸-۵۵۶۹) سیف الدین محمد (۵۵۵۶-۵۵۵۸) کے بعد غور کا بادشاہ بن گیا، ان ایام میں سلطان معزالدین، جو بھارت شہزادگی شہاب الدین کہلاتا تھا، اپنے چچا ملک قطر الدین مسعود والی ہامیان کے پاس تھا۔ جب غیاث الدین کی قاج پوٹی کی اطلاع ہامیان پہنچی، ملک فیض الدین نے شہاب الدین سے طعنہ دے کر کہا: ”نیرے بھائی نے تو کچھ کر کے دکھا دیا، تو ابھی کبھی کچھ کرے گا؟“ شہاب الدین نے سر جھکا لیا۔ موقع پا کر دربار سے نکلا اور سیدھا فیروز کوہ پہنچا۔ غیاث الدین نے سر چاٹدار بنا دیا۔ سال بھر جاں دیا اور پھر بھائی سے مایوس ہو کر ملک شمس الدین سجستانی کے پاس مسجستان چلا گیا۔ سردی کا موسم وہیں بسر کیا۔ آخر غیاث الدین نے آدمی بھیج کر بلوا لیا اور لکھن آباد اس کے حوالے کر دیا۔ ان ایام میں قبائل غز، بھٹیوں سے شکست کھیا کر غزائی کی طرف بڑھ گئے تھے اور خسرو شاہ سے غزائی چھین کر اپنے قبضے میں لے آئے تھے۔ شہاب الدین لکھن آباد سے نکل کر ہرمال ان پر حملے کرتا رہا۔ آخر سلطان غیاث الدین نے غزوں کو شکست فاش دی اور سنہ ۵۵۶۹ میں غزئی فتح کر کے معزالدین کے حوالے کر دی۔

اس واقعے سے دوسرے سال یعنی سنہ ۵۵۷۰ میں معزالدین نے غزئی کا باقی علاقہ تسخیر کر لیا اور گردیز پر متصرف ہوا۔ تیسرے سال سنہ ۵۵۷۱ میں ملتان پر فوج کشی کی اور صلاحہ کے قبضے سے اسے نکال لیا۔ سنہ ۵۵۷۲ میں چھاتر ستقران پر فوج کشی کی اور اس جماعت کو قتل کیا۔ اس واقعے کے دو برس سال سلطان نے ہرمال ملتان واپس، ہرم دیو والی گجرات پر حملہ کیا لیکن شکست کھائی۔ یہ واقعہ سنہ ۵۵۷۵ میں پیش آیا۔ سنہ ۵۵۷۵ میں سلطان نے لڑشور (پشاور) پر چڑھائی کی اور مسخر کر لیا۔ اس کے بعد متواتر دو سال تک (سنہ ۵۵۷۶ و ۵۵۷۷) لاہور پر چڑھائی ہوتی رہی۔ چونکہ محمودی کمزور ہو

چکے تھے ، خسرو ملک نے ایک ہاتھی اور اپنا فرزند بھیج کر صلح کر لی ۔ یہ واقعہ سنہ ۵۷۷ء میں ظہور پتھر ہوا ۔ اس کے دوسرے سال سنہ ۵۷۸ء میں سلطان نے دیول پر لشکر کشی کی اور سمندر تک کے علاقے پر قابض ہو گیا ۔ سنہ ۵۸۱ء میں لاہور پر بھر حملہ آور ہوا اور اس کے علاقے کو تاراج کیا ۔ واپس کے وقت حکم دیا کہ قلعہ سیال کوٹ کی مرمت کی جائے ۔ حسین غریب کی تقرری عمل میں آئی ۔ سلطان کی مراجعت غزنی کے بعد خسرو ملک ، مع کھوکھروں کی جماعت کے ، سیالکوٹ کی آسپہر کی غرض سے آیا ۔ معاشرہ دیر تک رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا ، ناکام واپس لوٹا ۔ سنہ ۵۸۲ء میں سلطان معزالدین بھر لاہور پہنچا ۔ خسرو ملک تاب مقابلہ نہ لا سکا ، سلطان سے ملاقات کے لیے باہر آیا اور قید کر لیا گیا ۔ لاہور پر سلطان کا قبضہ ہو گیا ۔

سنہ ۵۸۳ء سے ۵۸۵ء تک سلطان معزالدین کیا کرتا رہا ؟ ہمیں علم نہیں ۔ لیکن گمان غالب ہے کہ ان ایام میں اس کی توجہ ہندوستان کے چائے ایران اور خوارزم شاہیوں کی طرف مبذول رہی ہے ۔ ان ایام میں سلطان شاہ اس قدر طاقت ور تھا کہ غیاث الدین اور معزالدین کو اس کے خلاف اپنی پوری طاقت صرف کرتی پڑی ہے ۔ شمس الدین یامانی اور تاج الدین والدہ سیستان ان کے شریک ہوئے ہیں ۔ مرغاب کے قریب دونوں فوجیں چھ مہینے تک ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں ۔ آخر سنہ ۵۸۶ء میں جنگ ہوئی اور سلطان شاہ کو شکست فاش ہوئی اور وہ چالیس آدمیوں کے ساتھ یہ حالت تباہ مرو پہنچا ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غیاث الدین نے اس سال معزالدین کو خطاب دیا ۔

ان واقعات کے بعد سلطان معزالدین تبریز پر چڑھائی کرتا ہے اور اسے فتح کر لیتا ہے ۔ قاضی ضیاء الدین تولکی کو قلعہ سپرد کر دیا جاتا ہے ۔ غزنی اور ہندوستان کی فوجوں سے بارہ سو تولکی اس کے خیل میں منتقل کر دیے جاتے ہیں اور یہ شرط کر لی جاتی ہے کہ آٹھ ماہ تک ، یعنی جب تک سلطان غزنی سے واپس نہ آ جائے ، قلعے کو بحالت حملہ محکم کے سپرد نہ کیا جائے ۔ مگر واقعات خلاف معمول ہلکا کھاتے ہیں ۔ سلطان معزالدین کا غزنی چا کر واپس آنا کچھ ، رائے پتھورا اپنی فوجوں کے ساتھ بہت قریب آ چکا تھا ۔ ہندوستان کے راجے مباراچے اس کے ساتھ تھے ۔ سلطان اس کے مقابلے کے لیے ترائیں پہنچا ۔ جب جنگ کی صفیں قائم ہو گئیں ، سلطان نے گوند رائے کے ہاتھی پر حملہ

کیا۔ شاہ کا لیڑہ اچٹا سا گوند رائے کے منہ پر لگا، جس سے اس کے دو دانت جھڑ گئے۔ گوند رائے نے ایک سیل مارا جو شاہ کے بازو پر موٹھے کے قریب لگا۔ زخم گہرا آیا۔ قریب تھا کہ بے ہوش ہو جائے، ایک غلجی بچہ شاہ کا ردیف بن گیا اور میدانِ جنگ سے لیے لکلا۔ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ لاہور آ کر ٹہرے۔ یہ وہ شکست ہے جس کی ہندوؤں نے شاید سو در سو لک کر ایک روایت کے حساب سے سات اور 'راسا' کی روایت کے مطابق پوری بیس شکستیں بتا لی ہیں۔ قصہ مختصر رائے ہتھورا جنگ سے فارغ ہو کر نندہ تیرہندہ پر آیا اور اسے محصور کر لیا۔ قاضی ضیاء الدین کچھ دن اوپر تیرہ سہیے مقابلے پر ڈٹا رہا اور لڑتا رہا۔ جب شاہ کی طرف سے بالکل مایوس ہو گیا، قلعہ رائے ہتھورا کے حوالے کر کے غزلیں کی طرف چل دیا۔

دوسرے سال معزالدین نے اپنی فوجیں ہندوستان پر حملے کی نیت سے فراہم کیں۔ صاحب "طبقات نامری" کا بیان ہے کہ بھٹے ٹولک کے ایک نگہ شخص کی زبانی، جس کا نام معین الدین لوسی تھا، معلوم ہوا کہ اس سال شاہ کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار زہر ہوش سوار تک پہنچ گئی تھی۔ برہمن راج تیرہندہ پر دوبارہ قابض ہونے کے بعد کران کے قریب غیمہ زن تھا۔ وہیں دوسری جنگ ہوئی، جس میں رائے ہتھورا کو شکست ہوئی۔ برہمن راج اس وقت ایک ہاتھی پر سوار تھا۔ بھاگنے کے ارادے سے ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوا اور میدانِ جنگ سے بھاگ لکلا مگر سرستی کے قریب گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ گوند رائے عین میدانِ جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ سلطان نے اس کی لاش کو اس کے دو ٹوٹے دانتوں کی بنا پر پہچان لیا۔ یہ فتح سنہ ۵۵۸ھ میں حاصل ہوئی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان معزالدین کی زندگی میں ہندوستان کا باب سنہ ۵۵۱ھ (۱۲۳۲ م بکری) میں کھٹا ہے جب وہ ملاحدہ سے ملتان لیتا ہے۔ سنہ ۵۵۳ھ (۱۲۳۵ ب) ۵۵۵ھ دیو سے شکست، سنہ ۵۵۵ھ (۱۲۳۹ ب) میں پشاور پر قبضہ، سنہ ۵۵۸ھ (۱۲۳۹ ب) میں دیول پر تصرف، سنہ ۵۵۲ھ (۱۲۳۴ ب) میں لاہور کی فتح، سنہ ۵۵۸ھ (۱۲۴۰ ب) میں سلطان کی شکست، سنہ ۵۵۸ھ (۱۲۴۸ ب) میں کران پر فتح ہوئی ہے۔

ظاہر ہے کہ سلطان معزالدین کے اس کارِ نندہ حیات میں نہ ان مفروضہ سات شکستوں کو اور نہ ان بیس شکستوں کو جگہ دی جا سکتی۔ نہ یہ امر غریب نہ اس

ہے کہ کوئی سیاست دان اور جنگ آزما بہ حالتِ قائمِ ہوش و حواس چودہ بار اپنے حریف کو گرفتار کر کے اور زورِ غلبہ لے کر آزاد کر سکتا ہے ۔ مگر یہ سب کچھ مصنفِ 'راما' کے ماؤفِ دماغ میں بالکل ممکن ہو گیا ۔ وہ برہمنی راج دوکنار اس کے دوبار کے ادنیٰ ادنیٰ ساولت کے ہاتھ سے سلطان کو گرفتار کرانا ہے ۔ کبھی سیکھ اس کو ہکڑ لانا ہے ، کبھی چامٹے رائے ، کبھی گنہ ۔ جیت رائے ہی بہ عزت حاصل کرتا ہے ۔ اس کے بعد پاڑے رائے کی باری آتی ہے ۔ یہی محوش قسمتی کیاس کے حصے میں آتی ہے ۔ اسی سلسلے میں پیڑوں رائے جی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے اور دھیر ہندیر تو ڈلکے کی چوٹ خود سلطان سے رو در رو کہہ دیتا ہے کہ میں تمہیں میدانِ جنگ سے بالذکر لے جاؤں گا ، ہوشیار رہنا ۔ چنانچہ جو وہ کہتا ہے ، کر دکھاتا ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سلطان معزز الدین نہیں ہوا بلکہ ریڑ کا چوہا ہوا کہ جس اہلی نے جس وقت چاہا ، منہ میں دھاپا اور لے کر چل دی ۔

ادھر خود سلطان کو اس قدر رسوا اور بے باک بلکہ سڑی اور سوداگی ظاہر کیا گیا ہے کہ متواتر شکستوں اور گرفتاریوں کے باوجود عقل دور اندیش سے کام لیتا نہیں جانتا ۔ بات بات پر غزنین سے اٹھ دوڑتا ہے اور ہندوستان آکر اُنی ڈاکٹوں اور رسوائیوں سے اسے سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ اس کے جاسوسوں سے برہمنی راج کا دوبار بھرا پڑا ہے ۔ دم دم کی خبریں اس تک پہنچاتی جاتی ہیں ۔ ہر خبر اس کے لیے محسوسِ جنگ ہے ۔ مثلاً وہ سن پاتا ہے کہ برہمنی راج کھٹو بن میں شکار کھیلنے جاتا ہے ، بے تابانہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور آکر کھٹو بن کو اپنی لوجوں سے گھیر لیتا ہے ۔ جنگ ہوتی ہے اور خود گرفتار ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح وہ سنتا ہے کہ انک ہال نے برہمنی راج کو دل کا تخت دے کر بن باس لے لیا ہے ۔ سلطان اس موقع کو ہوش کے لیے غنیمت سمجھتا ہے ۔ ایک اور مرتبہ شاہ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ برہمنی راج ایک دھنہ لکانے کی غرض سے کھٹو بن گیا ہے ۔ سلطان فوراً لشکر لے کر آچنچا ہے ۔ لاگور کے قریب ایک خونریز جنگ ہوتی ہے ۔ کسی اور موقع پر اس سے کہا جاتا ہے کہ برہمنی راج شکار کے لیے کہیں جا رہا ہے ۔ شاہ مغل باج لاکھ سیاہ لے کر گھگھر پر آ گیا ، جہاں بڑا کشت و خون ہوا ۔ ایک مرتبہ برہمنی راج جے چند پر حملہ کرنا چاہتا ہے مگر سلطان اس کا ستر راہ ہو کر طالبِ جنگ ہوتا ہے ۔ ایک روز شاہ اپنے وزیر سے

دریافت کرتا ہے کہ برتھی راج کی کوئی نازہ خبر بھی آتی ؟ وہ عرض کرتا ہے کہ حالت بدستور ہے ، کوئی نئی بات قابل ذکر نہیں ۔ اس پر شاہ کہتا ہے کہ بہت دن ہوئے ، اب تو اس پر چڑھائی ہوئی چاہیے ۔ ان الفاظ کے ساتھ فوج کشی کا حکم دیا جاتا ہے ۔ یہ اور اس قسم کی اور لشکر کشی اکثر اوقات شاہ کی گرفتاری پر منتج ہوتی ہے ۔ اس صورت میں وزیر شاہی لتار خان ، غزنی سے وزیر قندھ کا انتظام کر کے اپنے آنا کو چھڑوا منگواتا ہے ۔ قندھ کے لیے برتھی راج انوکھی الوکھی فرمائشیں کرتا ہے ۔ مثلاً ”پیشون ہالساہ جدہ“ میں شاہ کے قندھ میں ہندو ہزار باز مانگے گئے تھے ۔ ”دھیر پنڈیر برستاو“ میں بادشاہ کو تیس ہاتھی اور پانسو گھوڑے بھیجنے پڑے ۔ ”کیاس جدہ“ میں بارہ ہاتھی اور ایک ہزار باز ، کھکھری لڑائی میں سات ہاتھی اور پچاس گھوڑے ، ”اننگ ہال سے“ میں سو باز اور دو لاکھ روپے دینے پڑے ۔ اسی طرح ”رلوالت صمو“ میں نو ہزار گھوڑے اور بہت سے موتی اور ”دھن کتھا“ میں مشہور ہاتھی ”سنگھار ہار“ کے علاوہ تین ہزار گھوڑے برتھی راج کی نذر کیے گئے ۔ ”دھین کتھا“ میں قندھ نہیں لیا جاتا بلکہ تین بار سلام کروایا جاتا ہے اور یہ وعدہ لیا جاتا ہے کہ آئندہ وہ ہندوؤں کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا ۔ ایک اور موقع پر جب وہ رہا کیا جا رہا ہے ، اس کی آنکھ شرم سے انہیں نہیں اٹھتی ۔ رہائی کا حکم سن کر تین مرتبہ کورنگی بجا لاتا ہے اور برتھی راج اس سے کہتا ہے : ”شہاب الدین ! تم ایک والی ملک ہو مگر بڑے دشت اور بے شرم ہو ۔ تم بار بار یہاں سے رہا کیے جانے ہو مگر بار بار چڑھائی کر کے آتے ہو“ وغیرہ وغیرہ ۔ الغرض وہ ہر قسم کی توہین اور ذلت برداشت کرتا ہے مگر اپنی عادت سے باز نہیں آتا ۔ نہ اسے اپنے وعدوں کا پاس ہے اور نہ اپنی ذلت اور ہتک کا خیال ہے ۔

لیکن حقیقی سلطان معزالدین مجد اس ہندو رؤسہ کے سڑی اور غبطی شہاب الدین سے بالکل مختلف ہے ۔ وہ غیرت و حمیت کا ٹہلا ہے ۔ اپنے چچا کے ایک خلیف سے طعنے پر برا مان کر اس کے دوبار سے چلا جاتا ہے اور اپنے بڑے بھائی کے پاس آ جاتا ہے ۔ جب دیکھتا ہے کہ یہاں بھی اس کی قدر نہیں کی جاتی وہ اس کے دوبار سے بھی چل دیتا ہے ۔ برتھی راج سے وہ ایک شکست کھاتا ہے ۔ جب تک دوسرے سال آ کر اس شکست کا ازالہ کر کے اپنی کتابِ میرت سے رسوائی کا یہ دلع دھو نہیں ڈالتا اس کو چین نہیں آتا ۔

خوارزم سے واپسی کے وقت دریائے جیحون کے کنارے جب غلاتیوں اور ترکستانوں کی ٹڈی دل ہواج اسے گھیر لیتی ہیں اور اس کا مشہور سبہ سالار حسین خرمیل رات کی تاریکی میں اپنی باج پزار فوج سمیت روہوش ہو جاتا ہے تو سلطان معتزالدین کے عزم آہنی میں بال برابر فرق نہیں آتا۔ دوسرے دن وہ بڑی جرأت کے ساتھ حنین کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کی ساری فوج کاٹ دی جاتی ہے۔ شاہی چھتری پر غنیم نے اس فلر تیر برساتے تھے کہ دور سے اس پر سبہ کا گمان گزرتا تھا۔ تاہم اس کے ہاتھ ثابت میں تزلزل نہیں آیا تھا۔

ایک فاتح کی حیثیت سے بھی اس کا درجہ بلند ہے۔ ”طبقات ناصری“ میں قاضی منہاج سراج نے اس کے نام پر حسب ذیل فتوحات دی ہیں :

گردیز ، ملتان و لاجہ ، برشور (پشاور) ، سالکوٹ ، لوہور (لاہور) ، تبرہندہ ، ترابن ، اجمیر ، ہانسی ، سرختی ، کھروام ، میرٹھ ، کول ، دیلی ، گھنگیر ، ہڈایوں ، گوالیر ، یھیر ، ہارس ، قنوج ، کالنجر ، لودھ ، مالوا ، ادولہ ، ہلار ، لکھنوی ، مرداشرود ، لیشاپور ، طوس ، مرو ، ہارود ، لسا ، شارسٹالہ ، سیزوار ، چناباد ، خوارزم ، السغود ۔

میں بغور طوالت اس آسان اور رومان کے فرق کو زیادہ تفصیل کے ساتھ دکھانے بغیر آگے بڑھتا ہوں ۔

سلطانی علاقہ و محکوم اقوام

کراسا، شاہ کو ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک ظاہر کرتا ہے جس میں سبہ شہر جنگ مجبور اقوام آباد ہیں ۔ وہ اس کی ایک چٹھی آنے پر اپنے دستے لے کر اس کے علم کے نیچے آکر جمع ہو جاتی ہیں ۔ اس کی آمدنی کے ذرائع غیر محدود ہیں ۔ وہ شکستوں پر شکستیں کھاتا ہے مگر اس کے خزانے اور فوج میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ۔ میں یہاں ان بعض موقعوں کا ذکر کرتا ہوں جس میں اس کی ہواج کی تعداد بڑھ کر ہے ۔ مثلاً ”مادہو بھاٹ کتھا“ میں وہ دو لاکھ فوج کے ساتھ برتھی راج سے جنگ کرتا ہے ، گھنگیر کی جنگ میں اس کے لشکر کی تعداد باج لاکھ ہے ، ”کراسا چندہ“ میں اس کے ساتھ تین لاکھ سوار اور تین

ہزار ہاتھی تھے ، ”چون ہالسا جده“ میں تین لاکھ سپاہ لے کر آیا تھا ، ”روانٹ سمبو“ میں اٹھارہ لاکھ فوج اور آٹھ ہزار ہاتھی لے کر آتا ہے ۔ چونکہ ہالسی مرہبہ برہمی راج سے شکست کھاتا ہے ، اس سے الذلہ ہو سکتا ہے کہ ان حملوں اور جنگوں میں اس کا کس قدر رویہ صرف ہوا ہوگا اور کس قدر انسانوں کی قربانی اسے دینی بڑی ہوگی ۔

کوی نے اس تمام علاقے کی ، جو سلطان کے زیر لگیں ہے ، کوئی تحصیل تو دی نہیں ہے جس سے ہم اس کے طول و عرض کا اندازہ لگا سکیں ، لیکن اٹیسویں داستان میں اتفاقہ اگر تمام مقبوضات کا نہیں تو بعض حصوں کا ضرور ذکر آ گیا ہے ۔ موقع یہ ہے کہ گھنگھر کی جنگ میں جب کتہ ، جس کی آنکھ پر ہمیشہ بٹی بندھی رہی ہے ، شہاب الدین کو گرفتار کر کے لے آتا ہے اور اجمیر میں قید رکھتا ہے ، اس وقت برہمی راج کے سامنت دہار میں مشورہ دیتے ہیں کہ اس مرہبہ شاہ کو قتل کر دینا چاہیے کیونکہ وہ بار بار یورش کر کے آتا ہے اور سرکشی سے باز نہیں آتا ۔ اس پر کتہ کہتا ہے کہ کم از کم ایک موقع اسے اور دینا چاہیے ۔ اگر اب بھی شرارت سے باز نہیں آیا تو میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میں خود اپنے ہاتھ سے شاہ کا سر کاٹ ڈالوں گا ۔ اس پر سامنت خاموش ہو جاتے ہیں اور یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ قندھار مع تمام مغربی علاقے کے اور کشمیر اور کپلاس مع تمام پہاڑی علاقے کے شاہ سے ضبط کر لیا جائے اور صرف غزنی کا علاقہ اس کے پاس رہنے دیا جائے ۔ کتہ نے پھر غفرداری کی اور کہا کہ اس مرہبہ کو اسے معاف دینی چاہیے اور اگر ایسے ہی آپ لوگ مصر میں تو پنجاب اس سے لے لیا جائے ۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور کتہ ، شاہ کو لے کر لہے لے کر اجمیر چلا گیا ۔ شہاب الدین اپنی جاں بخشی کی خبر سن کر بہت خوش ہوا ۔ کتہ کو اس نے ایک قیمتی جواہر ہدیہ میں دیا ۔ اب کتہ شاہ کو لے کر دہلی آیا ۔ جاں پہنچ کر شاہ نے اپنی شمشیر خاص اور دو گھوڑے برہمی راج کی نذر کیے اور لڑائے میں لے کر قسم کھائی کہ میں آئندہ ہندوستان کی طرف متہ بھی نہ کروں گا بلکہ اگر میں الٹک سے بھی ہار اٹروں تو مجھے سزا نہ کہتا :

ہسنگی دھرم بیج ہوان قرآن
جانکوں تم اسے تم کڈھو ہران

الرون الک لو میں اور مسلمان ٹاپی دھرون

(ج ۳۶، ص ۹۵۵، ج ۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک شہاب الدین کی سلطنت ایران کے علاوہ موجودہ افغانستان، پنجاب، کشمیر اور کیلاس یعنی ہمالیہ کے علاقے پر شامل تھی۔ مگر تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے پاس ان اہام میں صرف غزانی اور پنجاب کا علاقہ تھا۔ نہ کشمیر اس کے قبضے میں تھا اور نہ اس وقت تک کشمیر پر مسلمانوں کا قبضہ تھا بلکہ وہاں ہندو راج قائم تھا۔ مگر مصنف نے کشمیر کو جو سلطان قبضے میں دکھایا، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مصنف کے اپنے عہد میں کشمیر پر مسلمان قابض تھے اس لیے قدرۃً اس کو گاہ ہوا کہ پرتھی راج کے عہد میں بھی اس پر مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔

شاعر کا یہ قول کہ گھگھر کی جنگ کے بعد پنجاب سلطان سے چھین لیا گیا، منجہدہ تاریخ کی رو سے بالکل بے بنیاد ہے، کیونکہ عمود کے عہد سے پنجاب پر مسلمان قبضہ مسلم ہے۔ سنہ ۵۵۸۲ میں سلطان معزالدین، خسرو ملک غزنوی کو قید کر کے لاہور پر متصرف ہوتا ہے اور مدۃ العمر پنجاب پر قابض رہتا ہے۔ کیلاس، ہمالیہ پہاڑ میں ایک فرضی علاقے کا نام ہے۔ ہندو اساطیری روایات کی رو سے وہ ہمالیہ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی کا نام ہے جو کوہبرا کا مسکن ہے اور شیو کی سیرگاہ ہے۔ پیرحال کیلاس دیس، جو دیوتاؤں کا مسکن ہے، سلطان معزالدین کی فلم رو میں شامل نہیں تھا۔

اب تک میں نے شہاب الدین کے جزوی علاقے کا ذکر کیا ہے۔ اگر مصنف "راسا" کے اُن متفرق اشارات کو یک جا فراہم کیا جائے جو کتاب کے مختلف مقامات میں بکھیرے ہوئے ہیں تو ان سے پایا جائے گا کہ شاہ کی حکومت نہ صرف ایشیا اور یورپ بلکہ اترہند تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ ایسی اقوام پر حکومت کرتا معلوم ہوتا ہے جو ان تین براعظموں میں پہلی ہوئی ہیں۔

بڑی لڑائی (جہانپور دہلی) میں شہاب الدین سات ہزار فرمان لکھ کر دیس دیس بھیجتا ہے اور فوجیں طلب کرتا ہے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :

۱۔ ہندو اساطیر میں دولت کا دیوتا۔ (مرتب)

کدلواس ، کیلاس دیس ، روہ ، قندھار ، گنگھڑ ، گروان ، غورسان (خراسان = ایران) ، ملتان ، بھٹنیر ، بھکروان وغیرہ (چھند ۱۳۶ : ص ۲۱۲ : ح ۱۸) - گنگھڑ کی لڑائی (۲۹ ویں داستان) میں شاہ کے زیرِ علم یہ اقوام ہیں : دو لاکھ گھڑ بردار گنگھڑ ، غورسانی (خراسانی) ، بلخی ، جلیانی ، لوہانی ، حبشی ، اوزبک ، ہمیر ، کابی ، روسی ، سریانی ، عراقی -

”ہانسی روز ہر تھم جندھ“ (۱۵ ویں داستان) میں شاہی سپاہ میں یہ اقوام شامل ہیں : کھندھاری ، حبشی ، روسی ، خلجی ، الچی ، قریشی ، بخاری ، سیٹہ ، سیلانی ، شیخ ، بھٹی ، میدانی ، چوگتا (چغتائی) ، ہرزادہ ، لوہانی ، ترکام ، بلوچ وغیرہ -

”سلکھ جندھ“ (تیرھویں داستان) میں لشکر شاہی میں یہ قومیں بہ تعداد ذیل حاضر تھیں : کشمیری ۳ ہزار ، حبشی ۵۳ ہزار ، روسی ۳۵ ہزار ، لرنکی ۳۷ ہزار ، پٹھان ۷۱ ہزار ، ہاسوان (ہامیان) ۵۱ ہزار ، شاگرد ہیشہ ۲۵ ہزار -

”ہدماووی سمے“ (یسویں داستان) میں یہ اقوام مذکور ہیں : خراسانی ، ملتان ، کھنگار ، بلخی ، روہنگی ، ہلتی ، ہانی (سامانی) ، بلوچ ، منجاری ، ہزاری -

ان اما میں بعض نے ، سہر کتابت یا دیگر اسباب کی بنا پر ، ممکن ہے کہ مصنوعی ہستی اختیار کر لی ہو ! مثلاً کابی ، میدانی ، ہمیر ، کسندہ ، سریانی ، کروان ، کوہلی کور ، منجاری ، الچی ، روہنگی ، ہلتی -

ہمیر اگرچہ ”امیر“ کی ہکڑی شکل ہے مگر مسلمانوں میں کسی قوم کا نام نہیں - کھنگار تو ہندوؤں کی ایک لیچ ذات کا نام ہے ، اس کا مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں - الچی میرے خیال میں کسی قوم کا نام نہیں بلکہ خلجی (خلجی) کے تابع سہمل کے طور پر لایا گیا ہے - اسی طرح لرنکی کا تابع روہنگی اور تابع دوم ہلتی معلوم ہوتا ہے - نوادہات کا کثرت کے ساتھ استعمال چند کوی کی ایک مبالغہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے : مثلاً گنگھڑ کے واسطے بکھڑ اور بیدل کے واسطے بیدل آتا ہے -

وہے باقی نام بلوچ ، گنگھڑ ، ملتان ، بھٹنیر ، بھکروان ، بھٹی ، ہزاری ، قریشی ، بخاری ، سیٹہ ، ہرزادہ ، شیخ ، پٹھان ، شاگرد ہیشہ ، ہاسوان (ہامیان) ، روہ ، قندھار ، جلیانی (جلوانی) ، لوہانی ، بلخ ، بلخی ، غورسان (خراسان) ، مکران ، عراق ، کدلواس ، اوزبک ، کھونگار ، چوگتا ، ترکام ، لرنکی اور حبشی وغیرہ ، ان میں سے بعض ایسے ناموں کی نسبت ، جو ”اسما“ کی تصنیف کے لیے ایک

خاص زمانہ متعین کرنے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں ، میں یہاں چند الفاظ علیحدہ علیحدہ عنوان کے ذیل میں عرض کرنا ہوں ۔

گکھڑ :

’راسا‘ میں گکھڑوں کا کثرت کے ساتھ ذکر آتا ہے ۔ ”سلکھ جدم“ (نیرھوں داستان) میں ایک خان گکھڑ کا نام ملتا ہے :

خان جلال خان لال ، خان خلجی خان گکھڑ

(چھند ۱۱۱ ، ص ۵۳۳ ، ج ۵)

چوبیسویں داستان (دھن کنھا) میں شہاب الدین کی فوج کے دو ہزار گکھڑ لڑائی میں مارے جاتے ہیں ۔ اٹھالیسویں داستان (اٹنگ ہال صم) میں گکھڑ ، سہی ہال ، سالوہ کے راجا کے ساتھ مل کر ، برہمہ راج کے باپ سومیشور سے جنگ کرتے ہیں ۔ ۳۴ ویں داستان (کیاس جدم) میں شہاب الدین کے ایک سردار گکھڑ خان کا نام آتا ہے ۔ ”دھیر ہنڈیر پرستو“ (چوٹھویں داستان) میں یہ تبدلہ فرمانہ شاہی ، سالوہ ہزار گکھڑ ، یہ سرکردہ آراشی خان ، کانگڑے پنچ کر ، دھیر کو گرفتار کر کے غزالیں لے جاتے ہیں ۔ بڑی لڑائی (چوٹھویں داستان) میں جب ہنڈیر ہنسی ، بداند چنگ میں ہنس پر فرغہ کرتے ہیں ، اس کی حفاظت کے لیے تین ہزار گکھڑ شہاب الدین کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں ۔ ان مقامات کے علاوہ اور موقعے بھی ہیں جن میں گکھڑوں کا ذکر یہ کثرت ملتا ہے ۔ مختصر یہ کہ وہ شہاب الدین کے وفادار اور اطاعت شعار تابعین تھے ہیں اور اس کی جنگوں میں نمایاں حصہ لیتے ہیں ۔ ’راسا‘ کے بیانات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں ۔ مگر سلطان معزالدین کی تاریخ کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گکھڑ سیاسی اعتبار سے بالکل نامعلوم کمیٹی ہیں ۔ نہ وہ اس سے کبھی تعلق میں آئے اور نہ اس عہد کی ، نہ اس عہد سے بعد کی تاریخوں میں ان کا تذکرہ آتا ہے ۔ بلکہ یہ کہوگھر ہیں جو سلطان موصوف کے عہد میں پنجاب میں نہایت طاقت ور تھے اور سلطان کی آخری سہم انہی کہوگھروں کے خلاف تھی ۔ وہ ہر زمانے میں فتنہ و شورش برپا کرتے رہے ہیں اور دیگر سلاطین نے بھی ان کی سرکوبی کا اقدام کیا ہے ۔ یہ معلوم نہیں کہ کہوگھر کس عہد میں اسلام لائے لیکن اس قدر صاف پایا جاتا ہے کہ نویں صدی سے قبل

وہ دائرۂ اسلام میں آچکے تھے۔ اسی صدی میں ہم دیکھتے ہیں کہ پنجاب میں وہ اپنی حکومت کا ٹول ڈال رہے ہیں اور لاہور پر قبضے کی بار بار کوشش میں مصروف ہیں۔ کھوکھروں میں سب سے مقدم شیخا کھوکھر ہے۔ "تاریخ مبارک شاہی" میں سب سے پہلے ہد شاہ تغلق بن فیروز شاہ سنہ ۷۹۲ھ (۱۳۸۹ع) کے عہد میں اس کا تذکور آتا ہے جب وہ باغی ہو کر حصار لاہور پر قابض ہو گیا ہے۔ شیخا ناصرالدین محمود بن ہد شاہ (سنہ ۷۹۵-۸۱۵ھ/۱۳۹۲-۱۴۱۲ع) کے عہد میں سارنگ خان حاکم دیہال پور سے شکست کھا کر مع اہل و عیال گورستان جموں میں پناہ لیتا ہے۔ جب امیر تیمور ہندوستان پہنچتا ہے، شیخا اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ تیمور اس کے ساتھ سہیلیں سے پیش آتا ہے مگر شیخا مواقع پا کر لاہور پر قابض ہو جاتا ہے اور تیمور کے حکم سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ شیخا سے زیادہ طاقت ور اس کا فرزند جسرت ہے جو سنہ ۸۲۳ھ میں سلطان علی بادشاہ کشمیر کو، جب وہ لٹھ کے سفر سے واپس کشمیر جا رہا تھا، گرفتار کر کے اس کا مال و اسباب لوٹ لیتا ہے۔ اس فتح پر وہ دہلی کی فتح کے خواب دیکھنے لگتا ہے اور پنجاب میں تو اس نے واقعی طوفان مچا دیا ہے۔ رائے فیروز کو شکست دیتا ہے، جالندھر پر زبردستی متصرف ہو جاتا ہے اور دریائے ستلج لک کے تمام علاقے کو تاراج کر دیتا ہے۔ بالآخر اس کی فوجوں نے سریند کو محصور کر لیا۔ جب سلطان مبارک شاہ (م سنہ ۸۳۷ھ/۱۴۳۳ع) اس کی سرکوبی کو پنجاب آیا، اس نے مقابلے سے گریز کر کے اپنے گورستانی مامن ٹیکھر میں پناہ لے لی۔ بادشاہ کی واپسی کے بعد لاہور پر قبضے کے لیے اس نے مثنوائہ کوششیں کیں اور ہمیشہ ناکامی کا منہ دھککا۔ جب سلطان فوجوں نے اس کا بیچھا کیا، وہ اپنے تمام قبائل کو لے کر پہاڑوں میں گھس گیا۔ راؤ بھیم والہر جسوں سے اس کی دو مرتبہ جنگیں ہوئیں۔ پہلی جنگ میں فریقین برابر رہے، دوسری میں رائے بھیم مارا گیا۔ اس فتح سے اس کی مردہ امیدوں میں پھر جان بڑ جاتی ہے اور تقدیر آزمائی کے لیے ایک مرتبہ اور کمر بستہ ہو کر اپنے چاڑی مامن سے نکلتا ہے۔ لاہور اور دیہال پور کے علاقے میں تاخت و تاراج شروع کر دیتا ہے۔ سنہ ۸۳۶ھ/۱۴۳۷ع میں وہ کلانور کو گھیر لیتا ہے۔ ملک الشرق ملک سکندر تھہ کو شکست دیتا ہے مگر کانگڑے میں رائے غالب کلانوری اور ملک تھہ کی فوجوں سے ہزیمت کھاتا ہے۔ سنہ ۸۳۵ھ/

۱۴۴۱ء میں جالندھر کے قریب عین معرکے میں ملک سکندر غفہ کو گرفتار کر لیا ہے۔ اب پھر وہ لاہور پر قبضے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر دستور ناکامی سے ہم کنار ہوتا ہے۔ جب بادشاہ اقطاع لاہور و جالندھر پر ملک کا کا لودھی کو مقرر کرتا ہے، جسرت حدودِ عہدہ میں ملکر موصوف کو شکست دینا ہے۔ محمد شاہ بن فرید (سنہ ۸۴۷-۸۴۳/۸۴۳-۸۴۴ ع) بھی ایک مہم جسرت کے خلاف بھیجتا ہے۔ شاہی فوج اس کا علاقہ تاراج کر کے واپس آ جاتی ہے مگر عنقریب بعد بادشاہ سے اس کی صلح ہو جاتی ہے اور لودھیوں کی مہم میں وہ شاہی افواج کا شریک کار رہتا ہے۔ اس کے بعد جسرت کا ذکر تاریخ میں نہیں آتا مگر یہ امر یقینی ہے کہ کھوکھر اس کے بعد بھی دیر تک مقامی اہمیت کے مالک رہے۔

گکھڑوں کا سیاسی عروج اور تاریخ میں ان کی شہرت مغلوں کے عہد سے شروع ہوتی ہے جب ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ اپنی پہلی مہم ہندوستان میں چنچوہوں کی حالت میں 'ہرالے' کے گکھڑ سردار ہالہی خاں کو شکست دیتا ہے۔ لیکن یہ معادلت بہت جلد بعد دوستی میں بدل جاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ گکھڑوں کا ایک دستہ دوسری مہم ہند میں بابر کا شریک کار ہے۔ جب ہمایوں شیر شاہ سے ہزیمت پا کر فرار ہوتا ہے، گکھڑ اس کے حاسی رہتے ہیں۔ شیر شاہ ان کو قابو میں رکھنے کے لیے قلعہ ریٹاس تعمیر کرتا ہے اور ان کی بربادی میں کوئی دقت اٹھا نہیں رکھتا۔ ہمایوں کی واپسی کے بعد گکھڑوں کو ان کی وفاداری کا صلہ ملتا ہے اور مغلوں کی حالت میں وہ بہت ترقی کرتے ہیں۔ یسویں گکھڑ سلطنت کے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں، حتیٰ کہ محمد شاہ کے عہد میں سلطان مقرب خاں انک اور چناب کے درمیان علاقے پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کی کوشش دیر پا ثابت نہ ہوئی۔

کوی چند کا اپنی تالیف میں گکھڑوں کو سلطان شہاب الدین کی ملازمت میں دکھانا حقیقت میں ایک تاریخی غلطی ہے، لیکن اس سہو کا وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ خود مغلیہ عہد کے مورخین میں سے بعض کو یہ مغالطہ پیش آیا ہے کہ وہ کھوکھروں کو گکھڑ مسجد بیٹھے۔ چنام، مشہور مورخ ابوالقاسم فرشتہ اسی غلطی کا شکار ہے۔ فرشتہ ہر جگہ کھوکھر کو گکھڑ کی شکل میں لکھتا ہے۔ اس طرح کھوکھروں کے تمام کارنامے گکھڑوں کی طرف منتقل ہو گئے، حتیٰ کہ فرشتہ نے

سلطان معزالدین چد کا قتل بھی گنگھڑوں کے ساتھ ہی دیا۔ یہ غلطی دوسرے لوگوں میں بھی سرايت کر جاتی ہے۔ چنانچہ ”پرتھی راج راسا“ میں بھی مغلیہ عہد کی اس غلطی کی حد سے باز گشت ملتی ہے اور مصنف اپنے عہد کے حالات کے مد نظر گنگھڑوں کو مغلیہ سرکار میں سربراہ زدہ دیکھ کر تصور کرتا ہے کہ شہاب الدین کے ہاں بھی وہ اسی طرح معزز و ممتاز ہوں گے۔

بلوچ :

مصنف ”راسا“ کئی موقعوں پر بلوچوں کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً ”ہمدانی سے“ (پنویں داستان) اور ”ہنسی پور پرتھم جہد“ (۵۱ ویں) اور ”دوتہ جہد“ (۵۲ ویں داستان) ، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچی شہاب الدین کے ماتحت ہیں۔ بلوچ اصلاً ایرانی النسل ہیں اور سلطان معزالدین چد کے عہد تک غالباً ایران ہی میں تھے۔ مسعودی کے قول کے مطابق بلوس (بلوچ) چوتھی صدی ہجری میں ، کرمان کے علاقے میں آباد تھے اور صحراے لوط پر ان کا تصرف تھا۔ اصطخری کے زمانے میں (چوتھی صدی) وہ خراسان اور سیستان کی طرف بڑھتے ہیں اور سیستان کے دو پرکنے ان کی طرف منسوب ہیں۔ فردوسی کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ جب نوشیروان ان کی مصلحت پر دلازی کی سزا دینا چاہتا ہے ، اس کا مشیر کہتا ہے کہ بلوچیوں کا انتظام تو اودشیر سے بھی نہیں ہو سکا :

و کلا بلوچ اوجمند اردشیر بکوشید ہا کار دالہ پر
نہ بد سود مند ہا ہسون و رنگ نہ از بند و رنج و نہ بیکار و جنگ

مگر نوشیروان اس مشورے کو منظور نہ کر کے بلوچیوں پر لشکر کشی کرتا ہے اور قراو واقعی سزا دیتا ہے :

بشد ایمن از رنج ایشان جهان بلوچی بمالد آشکار و نہان
بلوچیوں کا کوچ سندھ و ہندوستان کی سرحد کی طرف اُس علاقے میں جس کو عرب جغرافیہ نگار اوران کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بعد میں بلوچستان کے نام سے مشہور ہوا ، چنگیزوں کے خروج کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال سلطان معزالدین اگرچہ سندھ پر قابض ہے مگر وہ نہ ہندوستان کی سرحد پر اور نہ خراسان میں بلوچیوں کے ساتھ تعلق میں آیا اور نہ اس کی تاریخ میں بلوچیوں کا تذکرہ ملتا۔ مصنف ”راسا“ اپنے عہد کے حالات کو زیر نظر رکھتے ہوئے ، جب

مغلوں کے ہاں دیگر اقوام کی طرح بلوچ بھی سلازم تھے ، ان کو اپنے اہلے میں شہاب الدین کی فوجوں میں شامل بتایا ہے ۔

مغل اور چغتائے :

”برتھی راج راسا“ میں مغل اور چغتائے کا تذکرہ بھی آتا ہے جس سے ”راسا“ کو ایک قدیم تالیف ماننے کا عقیدہ ہمارے لیے ناقابلِ یقین ٹھہرتا ہے ، کیونکہ اس کتاب کو عالم طور پر برتھی راج کی زندگی یا اس کی وفات سے ، جو سنہ ۵۵۸۸ میں ہوئی ہے ، عین بعد کی تالیف مانا جاتا ہے ۔ لیکن مغلوں کا خروج ممالکِ اسلام میں سنہ ۹۱۷ (۱۵۱۰ع) میں ، یعنی برتھی راج سے تیس اسی سال بعد کا واقعہ ہے ، جب وہ مسلمان سلطنتوں کا چراغ گل کرتے ہوئے روم و روس بلکہ یورپ تک پہنچ جاتے ہیں ۔ ہندوستان پر اگرچہ ان کے حملے برابر ہوتے رہے ، خصوصاً موبہ پنجاب میں ، مگر سنہ ۹۲۲ (۱۵۱۸ع) تک ان کو اپنی حکومت قائم کرنے کا موقع نہیں ملا ، جب ظہیر الدین محمد بابر ہانی پت کے میدان میں لودھیوں کی طاقت توڑ کر ، ہندوستان کا بادشاہ بن جاتا ہے ۔ مگر چندکوی کا دعویٰ ہے کہ برتھی راج اور اس کے باپ سومیشور کے زمانے میں ایک مغل بادشاہ سرؤمیر میوات میں حکومت کرتا تھا ۔ یہ مغل راجا ”راسا“ کی داستانوں ”مگل کتھا“ (۸ ویں) اور ”مگل جدہ“ (۱۵ ویں) کا موضوع ہے اور اس کا نام ”مگل رائے“ ہے اور مسلمان معلوم ہوتا ہے ۔ اس کے فرزند اور دیگر سردارانِ فوج کے نام بھی مسلمان ہیں ۔

جہاں قدرہ“ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مغلوں کا ”مغلستان“ کے سوا ہندوستان درکنار ، ممالکِ اسلام میں بھی قدم نہیں آیا تھا ، یہ لوگ میوات میں حکومت کرنے اور سومیشور اور اس کے فرزند برتھی راج کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے کے لیے کہاں سے آ گئے ۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ”راسا“ پر تاریخی دستاویز کی حیثیت سے نظر نہیں ڈالنی چاہیے ، بلکہ ایک افسانے کی حیثیت سے ۔ یہ رومیہ برتھی راج کو ہندو شجاعت اور جوانمردی کے مثالے کے طور پر پیش کرتا ہے ۔ اسی لیے چندکوی اپنے پیروں کے زور و طاقت اور جلال و شان دکھانے کے لیے اس کی شہرت و نام وری کے تاج میں ہر قسم کی خیالی فتوحات اور فرضی ظفر بازیوں کے چمکدار لکھنے جڑ رہا ہے ۔ مصنف کو ان خوفناک مغلوں کی بات ،

جنہوں نے دایا کی ایک تہائی آبادی کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا تھا ، اگر ذرا بھی صحیح اندازہ ہوگا تو ہمیں یقین ہے کہ وہ ان کے متعلق کبھی ایسی بے سروہا داستانیں تراشنے کی جرأت نہیں کرتا ۔ لیکن جہاں اس نے دیگر حکمرانوں کو ان خیالی جنگوں میں ، جن کے لیے جوڑے بیانات اس کے رزمیے میں محفوظ ہیں ، اپنے یرو کے ہاتھ سے تباہ و شکست خوردہ دکھایا ہے ، ان مغلوں کو بھی ، جو اس کے عہد میں تمام ہندوستان پر اپنا شاہی اقتدار قائم کر چکے ہیں ، پر بھی راج کا کٹھنڈا ظاہر کیا ہے ۔

فرنگی اور روسی :

تیرھویں داستان (سلکھ جلد) میں پرلھی راج کا جاسوس شہاب الدین کی فوج میں ۳۷ ہزار فرنگیوں کا بھی ذکر کرتا ہے :

ستتیس سہسی سچے فرنگ تن لب جھول ٹوپ سرلک

(چند ۱۸ ، ص ۵۰۱ ، ج ۵)

اسی طرح بیسویں داستان (ہمساقی سہ) میں بھر فرنگیوں کا مذکور ہے ، جن کو شاعر لال بات کے لباس میں ملبوس بتاتا ہے :

روہنگی فرنگی ہلنی سہانی لٹھی ٹھٹ ہارچ ڈھانن نسان

ٹن پکھرن پٹہ ہے چین سالن فرنگی کٹی پاس سکالٹ لالن

(چند ۵۵ - ۵۶ ، ص ۶۳۹ ، ج ۶)

بالٹ سترھویں صدی عیسوی سے لے کر تقریباً اب تک فرنگیوں بالخصوص فوجیوں کی ایک خصوصی شان رہی ہے ۔ وقائعِ ہندوستان میں اضل عظیم بھی انہیں مقررات پوش لکھ رہا ہے ۔ چنانچہ :

کامی یلانن مقررات پوش نبرد آزماہان ہنگاہ کوش

(جلد ۹ ، مطبع مصطفائی ، صادق الاخبار ، شاہ جہاں آباد ، سنہ ۱۲۶۹ھ)

ہندوستان میں فرنگیوں میں سب سے چلے بوتکالی آئے جو غالباً سولہویں صدی عیسوی کی ابتدا سے موجود ہیں ۔ فوج میں بھی ملازم رکھے جاتے ہیں ، خصوصاً توپ خانے میں ۔ لٹا صاحب کا یہ غز کہ ان فرنگیوں سے مراد عرب صلیبی کے فرنگی ہیں ، واقعاتِ معلومہ کے سامنے غزنو لنگ سے زیادہ وقت نہیں رکھتا کیونکہ یہ فرنگی ہندوستان میں صرف دسویں صدی ہجری کے آغاز سے ملنے لگے

ہیں۔ اس سدی سے قبل ان کا پتا نہیں ملتا۔ ابتدا میں صرف گجرات اور دکن میں نظر آتے ہیں، بعد میں ہندوستانِ خاص میں بھی آنے لگے۔

پہر حال جس دور میں ”پرتھی راج راسا“ لکھا جا رہا تھا، اُس دور میں فرنگیوں کو ملازمت میں رکھنے کا عام دستور موجود تھا۔ اس لیے مصنف اپنے عہد کے واقعات سے آگے ہند نہیں کر سکتا تھا۔

جو رائے کہ فرنگیوں کے لیے ہے، وہی رومیوں کے لیے بھی کہی جا سکتی ہے۔ ان میں فرق اتنا ہی تھا کہ فرنگی مذہباً عیسائی تھے اور رومی مسلمان۔

مسلمان اقوام اور ممالک سے مصنف کی بے خبری کا یہ حال ہے کہ کندلواس ایبک اور کھوٹکار کو ملک اور علاقے تصور کر رہا ہے۔ باونویں داستان (ہائسی دوتہ، جلد) میں کوی لکھتا ہے کہ جب سلطان کو یہ علم ہوا کہ تاتار کی فوج کو، جو والدہ شاہ کے لوٹے جانے کی ٹوہن کے ازالے کے لیے بھیجی گئی تھی، شکست مل گئی، نہایت برہم ہوا اور اس نے ہائسی کے خلاف ایک مہم بھیجنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ فرامین بھیج کر روم، ہریو (ہرات)، ہنیر، ہنکر، سمرقند، کسند، بلخ، بلوچ، مکران، کندلواس، ایبک، کھوٹکار، اواک، کہندھار سے لڑا۔ فوجیں منگوائیں۔ اس کے نزدیک گویا روم، سمرقند، کسند، بلوچ، کندلواس، لڑک، خوتکار اور عراق وغیرہ مقامات سلطان کے زیرِ نگیں تھے۔ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ مقامات خلیج کے قرب و جوار میں واقع ہیں اور ان علاقوں کے حاکم شہاب الدین کے یا ملازم ہیں یا اس کے باج گزار ہیں، جن کو یہ وقتِ ضرورت فوج کے ساتھ سلطان کی امداد کرنا ضروری ہے۔

اگر ممالکِ اسلام اور شہاب الدین کی قلمرو سے وہ واقف ہوتا تو ہرگز ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوتا کہ سمرقند سے لے کر روم تک کا سارا علاقہ، جس پر ان ایام میں کئی تاجدار حکومت کر رہے تھے، شہاب الدین کی قلمرو میں شامل کر لیتا۔ مثلاً سمرقند و بخارا پر ملوکِ افراسیابی، جو ایک غانی بھی کہلاتے ہیں، حکمران تھے۔ ایران پر خوارزم شاہی اور الایک قابض تھے۔ عراق پر خلفائے عباسیہ کا تصرف تھا۔ روم، سلاجقہ اور عیسائی سلاطینِ بازنطینیہ میں منقسم تھا۔

اوجیک (اوزیک) :

اوزیک ، اقوام ترک مغول کی ایک شاخ ہے جو سائبیریا میں آباد تھی ۔ بعد شیباں خان سنہ ۹۰۶ھ (۱۵۰۰ع) میں ، سائبیریا سے ترک سکوت کو کے ترکستان میں آ جاتا ہے اور تیموری شہزادوں کا زور توڑ کر تمام ترکستان اور خراسان پر قابض ہو جاتا ہے ، جہاں اس کا خاندان گزشتہ صدی تک حکومت کرتا رہا ۔

ہندوستان میں اوزیکوں کی شہرت مغلوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے ۔ اکبر سلاطین اوزیک کے ساتھ برابر سفارتی تعلقات قائم رکھتا رہا اور اسی دور سے ان کی شہرت ہندوستان میں ، جہاں وہ ملازمین حاصل کرتے تھے آئے لگتے ہیں ، عام ہونے لگی ۔

کندلواس یا کندلوش (لزلباش) :

یہ لفظ در اصل تری قزلباش (سرخ سر) ہے ۔ یہ اصطلاح ایران میں بعد از اسماعیل صفوی سنہ ۹۰۷ھ۔۹۳۰ھ (۱۵۰۲ع۔۱۵۲۵ع) میں رواج میں آئی ہے جس سے مراد شیعہ فوج ہے ۔ اسماعیل نے یہ جٹیت کی کہ اپنی فوج کو بارہ ترک والی لڑی وردی کے طور پر دی ۔ بارہ ترکہ رمز ہے بارہ آئمہ معصوم کی طرف ۔ رفتہ رفتہ اس کے معنی ابرق شیعہ سپاہی ہو گئے ۔ ہندوستان میں اس لفظ کو اکبر کے عہد سے قبل تلاش کرتا لغو ہے ۔

کھولکار (خولکار) :

یہ لفظ فارسی میں "خولکار" اور "خولدار" کی شکل میں ملتا ہے جو خداوندگار کا مخفف ہے ۔ "رشیدی" میں اس کے معنی صاحبِ امر و صاحبِ فرمان دے ہیں ۔ اصل میں سلاطینِ مغل ، سلاطینِ عثمانیہ کو اس لفظ سے یاد کرتے ہیں ۔ ہندوستان میں مغلیہ عہد کے اہل قلم نے بھی یہ اصطلاح اختیار کر لی جو اکبر سے قبل بہت کم استعمال میں آئی ہے ۔

حصار فیروزہ

مصطفیٰ کو چونکہ تاریخ سے کوئی واسطہ نہیں اس لیے برتھی راج کے عہد میں حصار فیروزہ کا ذکر کر رہا ہے ، حالانکہ اس زمانے سے دو صدی بعد فیروز شاہ تغلق (سنہ ۵۷۲ھ و ۵۹۰ھ) اس کو آباد کرتا ہے ۔ ”حسین کتھا“ (اولیٰ داستان) میں مرقوم ہے کہ جب حسین برتھی راج کے دربار میں پہنچا تو اس نے ہانچ کر کہی ایک خوراسانی کہانی ، مشکل دیپ کا ایک مست ہانہی ، ہانچ عراق کھوڑے ، ایک بیش قیمت الہاس اور دو لعل راجا کی نذر گزرائے ۔ برتھی راج بہت محظوظ ہوا اور کتھل ، ہانسی اور حصار کے ہر گئے اس نے حسین کی جاگیر میں دے دیے ۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ فیروز شاہ نے اپنے نام پر اس کا نام حصار فیروزہ رکھ کر آباد کیا ۔ چونکہ اس علاقے میں پانی کی کمی تھی اس لیے دریاے ستلج سے ایک نہر کاٹ کر وہ حصار لے جاتا ہے ۔ بڑی لڑائی میں ہاوس بندہر کو حصار کا جاگیردار دکھایا گیا ہے ۔

راہِ مکتہ

مصطفیٰ ، سلطان معز الدین یزد بن سام کے زمانے میں سفر مکتہ اور اس کی راہوں سے اس قدر ناواقف ہے کہ سلطان کی والدہ کو غزنیوں سے حج بیت اللہ کے لیے ہندوستان کے راستے بھیج رہا ہے ۔ والدہ شاہ ہانسی تک بغیریت پہنچ جاتی ہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یکم لہانہ یا سورت سے جہاز میں سوار ہوئیں مگر سفر ملتوی رہتا ہے کیونکہ برتھی راج کے ساونتوں نے موقع پا کر ان کو لوٹ لیا ۔ یکم کی حفاظت میں جو فوج بھیجی گئی تھی ، بھاگ گئی اور وہ لٹ لٹا کر واپس غزنیوں چل دیں ، جہاں پہنچ کر الہوں نے اپنی داستان غم اپنے فرزند شہاب الدین کو سنائی ۔ بادشاہ کو طیش آتا ہے اور اس توہین کے انتقام کے لیے فوجیں بھیجتا ہے ۔ چنانچہ ہانسی پر پہلی جنگ (۵۱ ویں داستان) اور ہانسی کی دوسری جنگ (۵۲ ویں داستان) اسی واقعے کی میدانی باز گشت ہیں ۔

لیکن مصطفیٰ کو شاید یہ علم نہیں تھا کہ ان ایام میں غزنیوں اور اس کے

علانیے کے لوگ براہِ ہند مکتے نہیں جاتے تھے بلکہ براہِ ایران و ہندوستان کا راستہ حاجیوں کے لیے بالکل غیر محفوظ تھا۔ چور اور ڈاکو کثرت سے تھے۔ جبکہ جنگ مختلف راجاؤں کی عمل داریاں تھیں، جنہیں ویسے بھی مسلمانوں سے نفرت تھی۔ والدہ شاہ کو بالسی تک لانے سے مصنف کا مشا بہ ہے کہ بیگم براہِ کجرات مکتہ معظمہ جائیں لیکن یہ وہ راستہ ہے جو مسلمانوں نے کجرات فتح کرنے کے بعد اپنے لیے کھولا ہے اور جو اب تک جاری ہے۔ جو حال مصنف اس زمانے کو اپنے عہد (مغلہ عہد) کے قاعدے اور رواج پر عمل درآمد کر رہا ہے۔

’صنی کی صدائے بازگشت‘

مصنف کا عقیدہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور کنبزیں اپنے آقاؤں اور خاوندوں کی لاش کے ساتھ زندہ دفن کر دی جاتی ہیں۔ چنانچہ ”حسین کتھا“ (توہی داستان) میں چتر ریکھا، حسین کی لاش کے ساتھ زندہ دفن ہوتی ہے۔ ”دھیر ہند پرستو“ (۶۶ویں داستان) میں شہاب الدین کا خواص سپرن شہاب الدین کی گرفتاری کے وقت اپنی پیاری جان لے کر لڑیں بھاگ جاتا ہے۔ جب وہ گھر پہنچتا ہے تو اس کی بیوی سلامت کے لہجے میں اس سے کہتی ہے کہ اگر تو میدانِ جنگ میں قتل ہو جانا اور میں تیری لاش کے ساتھ دفن ہوتی، مجھے یہ حالت تیرے اس فرار ہونے اور جان بچانے سے بزار درجے زیادہ گوارا ہوتی۔ یہ صدائے بازگشت ہے صنی کی رسم کی جو ہندوؤں میں رائج تھی۔ یہ ہندو بھاٹ اس وہم میں مبتلا ہے کہ جہاں ہندو عورتیں زندہ جلا دی جاتی ہیں، مسلمان عورتیں زندہ دفن کی جاتی ہیں۔

۱۔ ہندوستانی حاجیوں کے لیے بھی جس راستہ تھا۔ خاقانی اپنے ایک قصیدے میں لکھتا ہے :

عشق بر کردہ (مکتہ آتشی کوز شرق و غرب

کعبہ را ہر ہفت کردہ ہفت سردان دیدہ اند

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

بعض اصطلاحات و اسماء

بخشی :

میں یہاں بعض دفتری اصطلاحوں کا ذکر کرتا ہوں جو 'راسا' میں مل جاتی ہیں۔ ان میں ایک اصطلاح تو 'بخشی' (تنخواہ دہندہ فوج) ہے۔ مصنف اس کو "ہکسی" لکھتا ہے۔ راجپوتانے میں آج بھی غیر تعام یافتہ بنود سے جی لفظ مسوع ہوتا ہے۔ "سلکو جدہ" (تبرہوی داستان) میں آتا ہے :

سلطان کدہری یہ سین پائی ہکسی شہاب برنی سنائی

(چھند ۲۰، ص ۵۲۱، ح ۱۰)

ایک اور موقع پر آتا ہے۔ راجل خان ہکسی بھو (چھند ۱۱۸، ص

۱۱۹۵، ح ۱۰)

مگر یاد رہے کہ 'بخشی' ہندوستان میں مغلوں کی آمد تک رواج میں نہیں آیا تھا اور یہ لفظ ہی جن کے ساتھ یہ اصطلاح اس ملک میں آئی ہے بلکہ ریاستوں میں آج بھی یہ عہدہ موجود ہے۔ قدیم زمانے میں اس کی جگہ 'عارض' آتا ہے۔

بخشی کے متعلق تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ دراصل منسکرت کا لفظ بھکشو بمعنی بھکاری اس کی قدیم شکل ہے، جو بدھ مت والوں کے ساتھ چین میں پہنچا اور وہیں سے مغولستان پہنچ گیا۔ چنگیزیوں میں اس سے مراد اہل الشا اور مستوفی ہے۔ الہی کے ساتھ یہ لفظ ایران میں آیا، جہاں سے دسویں صدی ہجری میں باہر کے ساتھ واپس ہندوستان پہنچتا ہے۔ بہر حال 'راسا' میں بخشی کا استعمال ہمارے نزدیک اس تالیف کے جدید العهد ہونے کی ایک مضبوط دلیل ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہم بدان آئیں ز ہند و چین یہ ہنداد آمدہ

ماہ ذوالقعدہ بروی دجلہ تابان دیدہ اند

یعنی ہندی اور چینی بھی ہنداد میں آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ ذوالقعدہ کا چاند

دیکھنے کے بعد حاجیوں کا قافلہ مکے کی طرف روانہ ہوتا ہے۔

(حاشیہ ثالثہ)

شاگرد ہیشہ :

جس طرح 'ہیشی' مثلاً، عہد کی دفتری اصطلاح ہے ، اسی طرح 'شاگرد ہیشہ' ہے ، جس سے مقصد نجی خدمت گزارانہ شاہی ہی ۔ شاگرد ہیشہ کے لیے ہزار میں آتا ہے :

"لفظی است مستعمل ذائقہ و دربار سلاطین ہندوستان و در ایران 'عہدہ' بجای آن گویند ۔"

'راسا' میں یہ لفظ بھی موجود ہے ، چنانچہ : پیس پیس شاگرد پیس (چھند ۱۲۰ ص ۵۲۱ ح ۵ ، سلکھ چدھ ۱۳ ویں داستان)

ہر خداشت :

'ہر خداشت' ایک اور دفتری اصطلاح ہے جو متاخرین میں تو بہت زیادہ مستعمل ہے ۔ ہزار عجم میں اس کے متعلق تحریر ہے :

"در ہندوستان بادشاہ زادگان و امرا پنجاب عالی و خوردان ہندست بزرگین نویسند ۔"

'راسا' میں یہ اصطلاح بصورت 'ارداس' موجود ہے ۔ چنانچہ :

تپ تار ارداس لکھی

(چھند ۲۹۲ ص ۲۰۷ ح ۷ ، دھن کتھا ، ۲۴ ویں داستان)

اسی داستان میں ایک اور موقع پر آتا ہے :

لکھی ارداس تار خان اسمی پیر و چار

(چھند ۳۰۵ ص ۲۴۷ ح ۷ ، دھن کتھا ، ۲۴ ویں داستان)

ڈاک چوکی :

'ڈاک چوکی' ایک اور اصطلاح ہے جو اکبری عہد کے مورخین کے ہاں عام استعمال میں آ رہی ہے ۔ مثلاً :

"و شیخ زادہ ہشتی بہ قریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ در انداختہ کہ سلطان تلقی نماید ۔"

(منتخب التواریخ بدایونی ، صفحہ ۵۸ ، نول کشور)

لیکن قدیم لفظ اس کے لیے یا تو فارسی 'الایغ' ہے یا ہندی 'دھاوہ' ۔ چنانچہ فرشتہ

اس کی طرف ایما کرتے ہوئے لکھتا ہے :

”در اتنای این حال ڈاک چوکی باصلاح آن مردم الاغ می گفتند بافرمان
از دہلی رسید۔“ (صفحہ ۱۳۱ ، نول کشور)

برقی نے ایک موقع پر دونوں لفظ دیے ہیں :

”کارہای ملک در دہلی بگشت و غیری بر تخت گاہ دہلی متمکن گشت و
راہ الاغ و دہلوہ بکلی منقطع شد۔“

ایک اور موقع پر علاء الدین خلجی کے حالات میں یہ تقریباً مہمہ دکن برقی
لکھتا ہے :

”بسبب آنکہ یک دو تہانہ ازراہ برخاستہ بود ، راہ لشکر منقطع شدہ و
الاغ و قاصدی و دہاوہ از لشکر در دہلی نہ رسید۔“

اس سے اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ ”ڈاک چوکی“ کوئی قدیم اصطلاح نہیں
ہے مگر مغلوں میں اس کا رواج بہت عام ہے۔ اس اثر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ’راسا‘
میں بھی استعمال میں آ رہی ہے۔ چنانچہ :

”این ڈاک چوکی نورکھن

(چھند ۱۹۸ ، ص ۲۳ ، ح ۷ ، دہن کتھا ، ۲۴ ویں داستان)

اردو :

اس سلسلے میں ایک اور قابل ذکر اصطلاح ”اردو“ ہے جسے مصنف ہمشکر
’اردو‘ لکھ رہا ہے :

(۱) دوہین ساجے راجے رودہ ٹھہرے سو آئے سو اردہ

(چھند ۹۲ ، ص ۲۲۶۳ ، ح ۱۹ ، بڑی لڑائی ، چھپاٹھویں داستان)

(۲) لوہاوند مولداہان کئے چوہیاری اہتھی سوٹھڑ جوان اہتہ اردہ نگاری

(چھند ۱۱۷ ، ص ۹۰۶ ، ح ۸)

’اردو‘ کے تعلق میں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مغلوں سے قبل
ہندوستان میں یہ لفظ رواج عام میں نہیں تھا۔ اور یہ جو بعض تاریخوں میں ایک ادھ
جگہ مل جاتا ہے ، مثلاً ’طبقات ناصری‘ و ’نارنج فیروز شاہی‘ شمس سراج میں ، تو
یہ ہمارے نزدیک قدما کی تحریر میں متاخرین کی فروگزاشت کا اثر ہے ! یعنی جب

اکبری عہد میں یہ کتابیں نقل ہوئیں ، سہر کتابت سے یہ لفظ بعض مولفوں پر متنی میں شامل ہو گیا ۔ البتہ ”تغلق نامے“ میں امیر خسرو اس کو بہ شکل ”آرد“ لکھ رہے ہیں جس کی شکل ’راسا‘ کے ’آردہ‘ سے جت ملتی جلتی ہے ۔ مثالیں ذیل میں عرض ہیں :

ز آرد خاص تا دروازہ قصر ہمد تپ و ستان بد بادہ قصر
(ص ۱۳۶ ، شعر ۲۶۱۷ ، تغلق نامہ)

دیگر :

”چو ہشکست آن سپاہ و رفت ہر سوی ملک آرد سوی ارد کہ روی
(ص ۱۴۱ ، شعر ۲۵۲۰ ، تغلق نامہ)

سہر :

’راسا‘ میں کئی موقعوں پر ایسے نام ملتے ہیں جن میں ’ہمیر‘ کا لفظ موجود ہے ، مثلاً ”ہساوتی وواہ“ (۳۶ ویں داستان) میں منگل گلہ کے راجا ہازا ہمیر کا ذکر آتا ہے اور کالکڑہ جلد (۳۵ ویں داستان) میں ہاپولی رائے ہمیر کا نام آتا ہے جو پرتھی راج کا ایک ماوت ہے ۔ مصنف ’ہمیر‘ کو بالمشدید ’ہمیر‘ لکھتا ہے اور یہ اس کی ناواقفیت یا بے پروائی پر مبنی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اکثر اوقات شاعر کو ہم الفاظ کے ٹوٹنے مروڑنے اور ان کے گھٹانے بڑھانے میں مصروف دیکھتے ہیں ۔ ہمیں معلوم نہیں ’ہمیر‘ نام ہندوؤں میں کب سے رائج ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں وہ راتھنبور کے چوہان راجا کا نام ہے جو ’ہمیر دیو‘ کے نام سے جت مشہور ہے اور جس کے حالات میں ’ہمیر راسا‘ اور ’ہمیر کولہ‘ وغیرہ ہندی تصنیفات موجود ہیں ۔ مگر یاد رہے کہ ’ہمیر‘ مسلمان لفظ ہے اور لفظ ’اسیر‘ کی بگڑی شکل ہے ۔ اول اول بظہر ہندی مسکوکات پر اس کا استعمال ہوتا ہے ۔ ان میں سب سے قدیم خود سلطان معزالدین محمد بن سام کے مسکوتے ہیں جن پر ’سری ہمیر‘ کی شکل میں ملتا ہے ۔ ’سری ہمیر‘ سے مقصد امیر المومنین خلیفہ بغداد ہے ۔ یہ ہندی کلمہ سلطان معزالدین ، شمس الدین اہمشی ، رکن الدین فیروز ، سلطان رضیہ وغیرہ کے مسکوتوں پر نظر آتا ہے ۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ عربی پرتھی راج کا زمانہ ہے ، جب یہ مسلمان لفظ مسکوکات میں شائع ہو کر ہندوؤں میں روشناس ہونے لگا ہے ۔ بحیثیت اسم اس

کا اختیار کیا جاتا ہے بعد کی بات ہے۔ اس لیے یہ خیال کرنا کہ برتھی راج کے عہد میں ہندو قوم نے ہمیشہ اسم اس لفظ کو اختیار کر لیا تھا، حتیٰ کہ خود برتھی راج کے ایک ساست کا نام پھیر لیا، بے حد طبع الحطب اور لالابلہ یعنی معلوم ہوتا ہے۔

پتھنار :

بے شمار موقعوں پر اس وزیدہ میں 'پتھنار' یعنی پتھنال کا ذکر آتا ہے۔ مثلاً گھنکر کی لڑائی (۹ + ویں داستان) میں آتا ہے :

سواگین پتھناری اہار سجن تین دیکھت کالر دور بھجن

(چند ۱۶، ص ۹۳۸، ح ۹)

پتھنال سے مراد ایسی توپ ہے جسے ایک ہاتھی آسانی سے لے جا سکے۔ اکبر کی اور ایجادات کے علاوہ، جس میں بعض توپیں ٹکڑے کر کر کے لے جاتی جاتی تھیں اور بعض میں سترہ توپوں کے لیے ایک ہلکے دروازہ تھا، ایک ایجاد یہی پتھنال ہے، یعنی ہاتھی کی توپ، جس کا نام اکبر نے 'گج نال' رکھا تھا۔ 'اکبر' اکبری" میں آتا ہے :

"و نیز چنان بر ساخت کہ یک فیل ہستانی کشد و آنرا گج نال نامند۔"

(ص ۱۳۳، ج اول، نول کشور)

اکبر کے عہد سے قبل اس گج نال یا پتھنال کا کتبہ تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ جب 'راسا' میں پتھنال کا ذکر آ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف اکبر کے عہد سے بعد کی ہے، کیونکہ 'گج نال' و 'پتھنال' میں 'گج نال' قدیم ہے۔

کبان یا کبند :

ایک لوکیں رسم، یعنی کبان کے ذریعے سے گرفتاری 'راسا' کے صفحات میں کئی جگہ ملتی ہے۔ مثلاً ہندوستانی سے (یسویں داستان) میں آتا ہے کہ عین گھمسان کے معرکے میں برتھی راج نے کبان ڈال کر شہاب الدین کو گرفتار کر لیا۔ ویوانٹ سیدو (ستائیسویں داستان) میں پھر مذکور ہے کہ برتھی راج

نے کبان ڈال کر شاہ کو اسیر کر لیا اور گھنگھر کی لڑائی (۱۰۲ء میں داستان) میں مرقوم ہے کہ کتبہ چروان نے مہدائے جنگ میں کبان ڈال کر شاہ کو کھینچ لیا۔ پھر حال یہ تین موقعے کو صاف طور پر بھیے معلوم ہیں، اور موقعے بھی ہوں تو تعجب نہیں۔ اس گرفتاری کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ بادشاہ کو کبان کے ذریعے سے اسیر کیا جاتا ہے۔ لیکن کبان کے ذریعے سے دشمن کی گرفتاری کبان کا جدید استعمال ہے جو صرف ’رلسا‘ میں پایا جاتا ہے۔ ایرانی اور مسلمانی اقوام میں گرفتاری کے لیے کھنڈ کا بالعموم استعمال رہا ہے مگر مصنف ’رلسا‘ کھنڈ کا کام کبان سے لے رہا ہے۔ اگر ہمیں سچی بات کہنے کی اجازت دی جائے تو کہیں گے کہ مصنف ’رلسا‘ کو کبان اور کھنڈ میں التباس ہو گیا ہے۔

طیب :

چوتھی داستان (لوہانو آجان باہو سے) اس کہانی سے شروع ہوتی ہے کہ برتھی راج کو ایک دن یہ عجیب شوق چڑھایا کہ اپنے ساونتوں کو پنس ہاتھ اونچے چھپے سے کدائے۔ ساونت، راجا کی اس الونکھی نرساں پر حیرت زدہ رہ گئے۔ لوہانا آجان باہو، راجا کے حکم کی تعمیل میں بلا پس واپس کود پڑا اور غریب کے چوٹ آ گئی۔ راجا نے فوراً طبیبوں کی حاضری کے لیے حکم دیا۔ وہ آئے اور علاج کے لیے لوہانا کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئے :

تب طبیب تسلیم کری لے آئے گھر لوہان

(چند ۶۶ ص ۲۵۶ ح ۲)

ذرا برتھی راج کے عہد کی اس زبان پر بھی غور کر لیا جائے۔ اگر آج یہ فقرہ اردو میں لکھا جائے تو ہوں ہوگا :

”تب طبیب تسلیم کر [کے] لوہانا [کو] گھر لے آئے۔“

اسی طرح یہ اس بھی قابلِ لحاظ معلوم ہوتا ہے کہ برتھی راج کے پاس چوٹی صدی ہجری کے وسط میں، جب کہ وہ ناگور میں قائم ہے، مسلمان طبیب بھی موجود ہیں جو راج کتور برتھی راج کو تسلیم کر کے لوہانا کو علاج کی غرض سے اپنے گھر لے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ برتھی راج کے عہد میں، خصوصاً راجپوتانہ جیسے الگ

تھلک مقام پر ، طبیب موجود نہیں تھے ۔ ہندوستان میں ان کی مقبولیت اس عہد سے بعد کی بات ہے مگر چونکہ مصنف کی آنکھوں میں اس کے اپنے عہد کی زندگی کا نقشہ بھر رہا ہے ، جب طبیب ہندوستان کی زندگی کا لازمہ بن گئے ہیں اور ہندوستان کے ہر حصے میں پہنچ گئے ہیں ، اس لیے وہ اپنے رؤسے میں ان کا ذکر کرتے پر مجبور ہوا ۔

لاڈلوں اور کھٹو :

’راسا‘ میں جن شہروں اور موضعوں کے اسما ملتے ہیں ان میں سے اکثر مارواڑ سے تعلق رکھتے ہیں ؛ مثلاً سانبھر ، اجمیر ، ناگور ، سارونٹا ، اچل پور ، ہاوس پور ، پنجوسر ، درپور ، لاڈلوں اور کھٹو ۔

لاڈلوں کی زمانہ ایک جاگہری قصہ ہے جو اس کے لکھ بٹی بیویوں کی بنا پر دور دور مشہور ہے ۔ یہ قصہ حدودہ پور ریلوے کی اس شاخ پر ایک اسٹیشن ہے جو سجان گڑھ اور ڈھکانہ جنگشٹوں کے درمیان چلتی ہے ۔ ’راسا‘ جو اپنے لیے اس قدر قدامت کا مدھی ہے ، تعجب ہے لاڈلوں کو اس کے جدید تلفظ سے یاد کرتا ہے ، یعنی لاڈلوں حالانکہ اس کا قدیم تلفظ ، جو ”اینر اکہری“ میں محفوظ ہے ، بصورت ’لاڈلوں‘ ملتا ہے ۔ (این ، ص ۲۷۰ ، جلد دوم)

کھٹو کا ذکر ’راسا‘ میں کثرت کے ساتھ ملتا ہے ۔ وہ برہمی راج کی چھٹی شکار گاہ معلوم ہوتی ہے ، جہاں متعدد موتیوں پر وہ شکار کھیلتا دیکھا جاتا ہے ۔ چنانچہ :

(۱) جب حسین پناہ لینے کے لیے برہمی راج کے دربار کا رخ کرتا ہے ،
اس وقت برہمی راج کھٹو پر میں ، جس سے مقصد میں کھٹو ہے ،
شکار میں مصروف تھا (حسین کتھا ، نویں داستان ، چھند ۹ ،
ص ۳۸۸) ۔

(۲) سٹک جڈھ (تیرہویں داستان) میں ہم دیکھتے ہیں کہ برہمی راج
شہاب الدین سے زور فدیہ وصول کر کے اور اس کو آزاد کر کے
کھٹو بن شکار کو چل دیتا ہے ۔

(۳) آکھٹک چوک برہن (۱۰ ویں داستان) میں برہمی راج کھٹو بن
میں شکار کو جاتا ہے ۔ شہاب الدین کے جاسوسوں کے ذریعے سے

یہ اطلاع غزلیں پہنچ جاتی ہے۔ شاہ لشکر لے کر پہنچتا ہے اور بن کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔

(۴) جیت راو جلد (۴۴ ویں داستان) دلی پہنچنے سے ڈھائی سال بعد پرتھی راج کھٹو بن میں شکار کو جاتا ہے۔ اس کی اطلاع نیت راؤ کھٹری شہاب الدین کو پہنچا دیتا ہے۔

(۵) ہنسافو وواہ (۳۶ ویں داستان)۔ شاہ کو جاسوسوں کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج کھٹو پور شکار کو گیا ہے۔

(چھٹ ۱۱، ص ۱۰۵۴، ح ۹)

(۶) کیاس جلد (۴۲ ویں داستان)۔ دھرمابن کھستہ، پرتھی راج کے کھٹو بن جانے کی اطلاع شہاب الدین کو پہنچاتا ہے۔

(چھٹ ۱۵، ص ۱۱۸۰، ح ۱۰)

(۷) دھن کتھا (۴۴ ویں داستان)۔ پرتھی راج اسی کھٹو کے بن سے ایک خزانہ نکالتا ہے۔ یہ داستان 'راسا' کی مقتدر داستانوں میں سے ہے۔

'راسا' کی روایات میں کھٹو کے اس قدر اہم ہونے کی وجہ سے ہم مطلق تاراجی میں ہیں۔ اس کے بیانات سے تو ایسا واضح ہوتا ہے کہ مہاراج اور کجلی بن کی طرح کھٹو بن بھی کوئی بہت بڑا بن ہوگا، جس میں پرتھی راج سہیوں شکار کھیلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ شہاب الدین غزلیں سے آکر اسے گھیر لیتا ہے۔ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کھٹو کا لفظ نام نہ رکھا ہے۔ وہ اس مقام کے طبعی اور جغرافیائی حالات سے بالکل ناواقف ہے۔ کھٹو تمام تر رہگستانی علاقہ ہے۔ یہ موضع ایک جاڑ کے ضلع میں، جو تین میل لمبا ہے، آباد ہے۔ ہاں اس قدر نایاب ہے کہ اس علاقے میں، کسی وقت بھی، کوئی وسیع و عریض جنگل محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ شکاری جانور آباد ہو سکتے ہیں۔ شیر، تھدوا، چنہا، سانپہر، جھانک وغیرہ ان اطراف میں نہیں پائے جاتے۔ پرندوں کی اقسام میں صرف چکراہ ملتا ہے۔

کھٹو نام کے دو موضع ہیں جو ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ایک کو دوسرے سے نمٹو کرنے کے لیے مغربی نصیبے کو آج کل 'بڑی کھٹو' اور مشرقی نصیبے کو 'چھوٹی کھٹو' کہتے ہیں۔ 'راسا' کا مصنف صرف ایک نصیبے سے واقف ہے جو اس کے نزدیک کھٹو ہے۔ کھٹو اس میں شک

نہیں کہ قدیم تلفظ ہے اور کھٹاؤ جدید۔ وائم نے اس قصے کے متعلق جس قدر ہرائے گراہیں اور کتبے دیکھے ہیں ان پر یہ صورتِ کھٹو نام ملتا ہے۔ کھٹو کلاں قدیم الہام میں نہایت اہم مقام ہوگا۔ وہاں کا سب سے قدیم کتبہ، جو سابق میں کسی تالاب پر واقع تھا، سلطان شمس الدین اہلتمش (متوفی ۵۶۳ھ/۱۱۶۵ء) کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی عہد کی ایک جامع مسجد بھی موجود ہے۔ کھٹو میں شیرانیوں کا قبیلہ نہایت قدیم زمانے سے آباد معلوم ہوتا ہے۔ ان کے متعلق سب سے قدیم تلمیح کتاب ”مرقاۃ الوصول الی اللہ و الرسول“ میں ملتی ہے، جو شیخ احمد کھٹو کے حالات میں نویں صدی ہجری کے وسط کی ایک تالیف ہے۔ کھٹو کی شہرت وہاں کے پتھر اور بابا اسحق مغربی کے مزار نیز ان کے مرید شیخ احمد کھٹو کی بنا پر ہے، جن کا مزار سرکھوج (احمد آباد) میں ہے۔ کھٹو پر گنہ ناگور میں شامل ہے اور بڑی کھٹاؤ کے نام سے ریلوے اسٹیشن بھی ہے، جو ٹنگنہ اور سجان گڈ لائن پر آتا ہے۔ پھر شاہی عہد سے یہ تمام علاقہ ریاست جودھپور کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ تب سے موضع کھٹو چانپاوت راجپوتوں کی جاگیر میں ہے۔

ہدماوت :

’ہدماوت‘ (ہمسویں داستان) کے بعض خط و خال پند جالسی کی ’ہدماوت‘ کے ساتھ ملتے جلتے ہیں جو شیر شاہ (متوفی سنہ ۹۵۳ھ) کے زمانے کی تالیف ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ دونوں کہانیوں میں شہزادیوں کا نام ہدماوت ہے۔ دونوں شہزادیوں کے پاس طوطے ہیں۔ جالسی کے ہاں طوطا، ہدماوت کے حسن و جمال کی تعریف کر کے، رتن سین والید چتوڑ کو اس کا عاشق بنا دیتا ہے۔ ’راسا‘ میں طوطا برتھی راج کی تعریفیں کر کے ہدماوت کو اس کا نادیہ دیدہ شہدائی بنا دیتا ہے۔ دونوں کہانیوں میں طوطا قاصد کا کام دیتا ہے۔ رتن سین بھی جا کر مندر میں گھبراتا ہے، برتھی راج بھی ہدماوت کو لانے کے وقت مندر میں پہنچتا ہے۔

ان کہانیوں میں واقعات و حالات کا یہ اشتراک اتفاق نہیں مانا جا سکتا۔ ضرور ہے کہ ایک دوسرے سے لے رہا ہو۔ اور ہمارا خیال ہے کہ ’راسا‘ کا مصنف جالسی کے چراغ سے اپنا چراغ جلا رہا ہے۔

سوالک :

ہندوؤں سے (نیسویں داستان) میں یہ چھند آتا ہے :
سوالکھ او ترہیل کشنوں گلہ دو رنگ

(چھند ۲۶ ، ص ۶۳۸ ، ح ۶)

اس چھند کا مطاب یہ ہے کہ شمال کی طرف کوہستان سوالک میں کہاؤں کا ناقابلِ تسطیر قلعہ ہے ۔ موجودہ نقشوں میں کوہستان سوالک ، پردوار اور ٹیرہ دون کے مابین دکھایا جاتا ہے ۔ ٹاکمز انسائیکلو پیڈیا میں پردوار ، ریاست ناہن اور ضلع ہوشیار پور کے درمیان بتایا ہے ۔ لیکن 'واقعاتِ ہاری' سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے عہد میں تمام یہاں پر سوالک کا اطلاق ہوتا تھا ۔ چنانچہ :

”ہمچتر گزشتی از درہای سندہ درین کوہستان از توابع کشمیر ولایت است مثل پکلی و سہنک ۔ اکثری اگرچہ الحال اطاعت کشمیر میں کنند اما پیشترہا داخل کشمیر بودہ ۔ بعد از گزشتی کشمیر درین کوہ ی نہایت اہل و الوس و برگہ و ولایت ناہنگاہ و کنار درہای محیط ہاین کوہ پیوستہ است ۔۔۔ متاع مردم این کوہ نانہ مشک و قوئاس ببری و زعفران و سرب و مس است ۔ این کوہ را مردم ہند سوالک ہریت گویند ۔ بزبان ہند (سوا) ربع ، لک صد ہزار (و) ہریت کوہ (را) می گویند یعنی ربعی (و) صد ہزار کوہ کہ یک صد و بیست و پنج ہزار کوہ باشد ۔ درین کوہ ہا یرف ہرگز بر طرف نمی شود ۔“ (ص ۹۰ ، طبع بمبئی)

جہاں لک مجھے معلوم ہے ، سوالک کا ذکر سب سے پیشتر تیمور کے حملہ ہند میں آتا ہے ۔ قلعہ میرپور کی فتح کے بعد گنگا مہور کر کے تیمور کوہستان سوالک میں گھس جاتا ہے اور چمٹا سے ہار اتر کر چڑاہوں سے جنگ کرتا ہوا کانگڑے کا رخ کر لیتا ہے ۔ وہ ایک ماہ کے عرصے میں کوہستان سوالک و کوہ کوکہ طے کرتا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ تیمور کے ہاں سوالک کا استعمال ایک خاص حصہ کوہستان تک محدود ہے جو پردوار سے شروع ہو کر کانگڑے پر ختم ہوتا ہے ۔

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ برتھی راج اور اس کے قریب تر زمانے میں سوالک کا استعمال ایک بالکل مختلف خطہ زمین پر ہو رہا تھا ، جو غالباً

ہانسی و سرتی ، منٹور و ناگور کے مابین حدود تھا ۔ ”طبقات ناصری“ میں ، جو سنہ ۸۶۵ھ کی تالیف ہے ، کئی موقعوں پر سواک کا تذکرہ ملتا ہے ۔ سب سے پہلے ہرام شاہ غزنوی (م سنہ ۵۳۷/۱۱۵۲ع) کے حالات میں ایک فقرہ بعد بالہم والہ ہندوستان کے متعلق یہ آتا ہے :

”و ولایت ہندوستان تمام او را داد و او بار دیگر عاسی شد و قلعه ناگور در ولایت سواک بعد ہی بنا کرد ۔“ (صفحہ ۲۴)

ملوک نیم روز کے ذکر میں تاج الدین لیل لکین خوارزمی کے متعلق لکھا ہے :

”و این تاج الدین در خدمت ملک کریم الدین حمزہ بود در ناگور سواک ، لاکہ فرستی جست و خواجہ نجیب الدین را شہید کرد ۔“

تواین کی دوسری جنگ کے موقع پر ، جس میں برتھی راج مارا جاتا ہے ، پھر سواک کا نام ہمیں ملتا ہے ۔ چنانچہ :

”و دارالملک اجیر و تمام سواک چون ہانسی و سرتی و دیگر دیار فتح شد ۔“ (صفحہ ۱۲۰)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سواک کے ذیل میں ہانسی و سرتی بھی شامل ہیں ۔ سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۴/۱۲۳۵ع) کے بیان میں یہ ذیل سنہ ۶۶۲ھ یہ فقرہ مرقوم ہے :

”و بعد ازان یک سال در شہور سنہ لربع و عشرين و ستاد عزمت قلعه مندور کرد از حدود سواک ۔ حق تعالیٰ آن فتح او را میسر گردالید ۔“

(ص ۱۷۲)

منٹور ، مارواڑ کی پرانی راجدھانی ہے ، جو موجودہ شہر جودہ پور سے باج میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔

طبقات کے ان قرون سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ سواک ایک بڑی قسمت کا نام ہے جس میں ناگور اور منٹور سے لے کر ہانسی اور سرتی تک کا تمام علاقہ شامل ہے ، لیکن یہ بیان اس خطے کی حد بندی کے لیے بڑی حد تک مبہم اور ناکافی معلوم ہوتا ہے ۔ البتہ اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ غزنوی دور میں سواک کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ ناگور کے واسطے ہو رہا ہے ۔ ناصرالدین محمود (سنہ ۶۴۴-۶۶۴ھ/۱۲۵۶-۱۲۶۵ع) کے عہد میں ہانسی اور ناگور کا

علاقہ غیاث الدین بلبن کی جاگیر میں تھا ۔ منہاج سراج اس جاگیر کو بعض موقوفوں پر ہانسی و سوانک کے نام کے ساتھ یاد کرتا ہے ۔ چنانچہ :

”الخ غان را فرسان داد تا بسر انتطاع خود بہ طرف سوانک و ہانسی ہرود ۔“ (ص ۲۱۷)

ایک اور مثال یہ ہے :

”چون بضاعت ہانسی رسید ہر میل ہر چہ تمام تر فرسان داد تا جملہ

لشکر ہای سوانک ، ہانسی و سرحتی و جندی و برواہ و اطراف آن بلاد

در مدت چہارندہ روز جمع شدہ ۔“ (ص ۳۰۵)

اور برنی نے ”تاریخ فیروز شاہی“ میں لکھا ہے :

”و سوانک تا جالور و ملتان تا مرہلہ و از یالم تا لوہور ۔“ (ص ۲۶۹)

دیکر : ”کرت دیکر سہ چہار امیران میں مغل ہاسی چہل ہزار سواران

مغل سرزدہ در سرزمین سوانک کورا کور در آمدند ۔“

(ص ۳۲۱ ، تاریخ فیروز شاہی)

ان فروع میں سوانک سے مقصد میں ناگور ہے ۔ میں یہاں اس قدر اور اضافہ

کرنا چاہتا ہوں کہ ہر گز ناگور کو مقامی تقسیم کے مطابق ، جو یقیناً کسی قدیم

روایت پر مبنی معلوم ہوتی ہے ، مارواڑ کے لوگ آج بھی سوانک کے نام سے یاد

کرتے ہیں ۔ ان کی ایک ضرب المثل ہے کہ سوانک کے ایل عمدہ ہوتے ہیں ۔

ایک مشہور دواہرے میں اہل سوانک کی منست یوں کی گئی ہے :

بئی نہ دے سوانکیا ہے دیجے تو جوئے

روٹی دے ہے جوار کی ہولو دے ہے روئے

ایک اور دواہرے میں :

سوانکیوں کی ڈیکری پڑی ہول میں ہسے

اوڑن کالی لوگری ڈاکن ہو جوں دیسے

جب برہمی راج کے زمانے میں سوانک کا استعمال ناگور و ہانسی کے

علاقوں پر ہو رہا ہے تو تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اسی عہد کی ایک تالیف

میں ، جیسا کہ ’رادا‘ کے واسطے دعویٰ کیا جاتا ہے ، سوانک کو ایسے معنوں

میں لایا جاتا ہے جو برہمی راج کے زمانے سے دو ڈھائی صدی بعد رواج میں

آئے ہیں ۔

دربار و محل سرا :

’راما‘ میں درباری اور شاہانہ زندگی کے جو بعض مناظر دکھائے گئے ہیں وہ مغلیہ زمانے کی رسومِ دربار سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ ہمیں ان میں اختلاف عنصر کی تلاش میں بڑی دقت محسوس ہوتی ہے۔ جو لوازمِ مغلوں کے ہاں دیکھے جاتے ہیں، وہی برہمنی راج اور جے چند کے درباروں میں، کسی قدر ضمنی اختلاف کے ساتھ ملتے ہیں۔ قلب میں، نوبت تقارن ہے، چتر اور چتردار، علی علیٰ ہذا چولوی بردار و چوب دار ہیں۔ دربار فرش و فرش اور قیمتی لالہنوں سے آراستہ ہے۔ دیواروں پر بھی کاری کا کام ہو رہا ہے۔ امرا کی باقاعدہ نشستیں مقرر ہیں، اہل نقد و نشاط ہیں۔ موسیقی کے ساز بچ رہے ہیں اور خوشیوں سے تمام دربار سہک رہا ہے۔ سلام اور درباری تسلیم کا بھی رواج ہے۔ نوبت نشان بیٹا ہے :

نوبت نشان دربار مجھے

(چھند ۱۱، ص ۱۹۸۸، ح ۱۷)

ہست :

”ادل ورن“ (انستھوی داستان) میں لکھبودہ گھاٹ پر جتنا کے کنارے ایک باغ کا ذکر آتا ہے جہاں ہست کے ایام میں برہمنی راج علی الصباح دربار کرتا۔ میٹھے سروں والے ساڑجئے اور گوپے اپنی شیریں اور دلکش آوازوں میں عمدہ عمدہ راگ اور راگنیاں چھیڑتے۔ عنبر عنبر اور گلاب کی لپٹ سے تمام دربار بس جاتا۔ وسط میں سہاراج برہمنی راج کا منکھاسن (تخت) ہوتا، آس پاس ساونتوں کی نشستیں ہوئیں۔ راجا کے دائیں بائیں خدمت گار چنور لیے کھڑے ہوتے۔ بائیں طرف گوہند رائے نڈو اور سلکھ ہرمار بیٹھتے اور دائیں طرف ’سومیشور‘ کا سکا بھائی کند چوبان بیٹھتا، جس کی آنکھوں پر ہمیشہ اپنی بندھی رہتی۔ تخت کے نیچے گرو رام پروہت کا آسن ہوتا اور سامنے کوی چند بیٹھتا۔ چند پنڈت، چانڈ رائے، لکھن بگھیلہ وغیرہ سامت اپنے اپنے آسنوں پر ادب سے بیٹھے ہوتے۔ فرش پر گندی اور نکمے لکھے ہوتے جن پر زری کا کام ہوتا۔ دیواروں میں قلم،

یا قوت وغیرہ رنگین جواہرات کی پختی کاری ہوتی :

پہی لٹلی لٹلی مانکی
رنگن جنن منی تیج گہن

(چھند ۳۰، ص ۱۵۵۶، ح ۱۳، دلی ورژن، ۵۹ ویں داستان)

دوہر کو جب کھانے کا وقت ہوتا، بن پھر پڑھیا کرتا اور ہاتھ جوڑ کر اطلاع دیتا کہ کھانا تیار ہے۔ اس پر راجا مع اپنے ساتھیوں کے جا کر دسترخوان پر بیٹھتا اور کھانے سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ فیلولہ کرتا اور پھر دربار میں جا بیٹھتا۔

ہست پنچھمی :

ہست پنچھمی کے موقع پر راجا ہست کا دربار سجانے کا حکم دیتا ہے۔ حکم ہوتے ہی ملازموں نے 'ہست استھان' آراستہ کرنا شروع کیا۔ جشن کے لیے سارا ضروری سامان لگایا۔ بات کی بات میں مٹوں اگر، عیبر اور گللال لا کر حاضر کیا۔ برے برے ہتھوں، شاخوں، ہیلوں اور بوتلوں سے مجلس کو سجایا۔ موتی، ریشمی اور زرتار اور قسم قسم کے ہستنی رنگ کے گہڑوں سے دربار کے مقام کی آرائش کی گئی۔ زعفران، مشک، اکر اور صندل کی خوشبو ہسانی۔ زمین پر 'جاجم' اور 'امبول' (دلچے) (زلیچے) بچھائے۔ گلاب کا چھڑکاؤ ہوا اور عیبر کی گرد اڑنے لگی۔ درمیان میں گویال لال جی کا سنگھاسن قائم کیا گیا۔ ہوجا کا وقت آنے ہی گھٹنے، سنکھ، جھالر، مردنگ، جتھر، نفیری، بھیری، شہنائی، چنگ، ڈھول، اہنگ، دھامہ، ہنسی وغیرہ ساز بجنے لگے۔ ہوجا کے اختتام پر راجا بھی اپنے مقام سے اٹھ کر گویال لال کے سنگھاسن کے پاس آ بیٹھا۔ اب ہجرا شروع ہوا۔ اربابِ نشاط نے اپنا اپنا کمال دکھایا۔ آدمی رات کے وقت دربار یوحاست ہوا اور راجا العام دے کر زنانے محل میں چلے گئے۔

جے چند کا دربار :

جے چند کے دربار میں بھی، جس کا نقشہ شاعر نے قنوج سے (۶۱ ویں داستان) میں کھینچا ہے، قریب قریب یہی کیفیت نظر آتی ہے۔ رنگین قابلیوں کے تھان

کے تھان بھیجے ہیں ، جن کو دیکھ کر قوس قزح کے رنگ شرماتے ہیں ۔ ریشمی دھاجے ، سنہری تاروں کے ساتھ گتھے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے زمین سورج کی شعاعوں سے ستور ہوتی ہے ۔ لہلہ اور پاشوت کی چٹنی ایسی خوش آہند نظر آتی ہے گویا دوپٹے نیل میں بھلی لیر رہی ہے :

برن تھان تھان دلچھے وراچے تن دیکھ رنگن دھنن لبتی لالھے
گتھے رکت پٹن سوی ڈوری پٹن منو جھم رور کرن مل لہل ہی تین
چرے رکت لین نکن ہٹ ساہی منو آدوے بدھو دھر نیل ساہی
(چھند ۵۶۲ - ۶۳ ، ص ۱۶۶۰ ، ح ۱۳ ، قنوج سے)

جے چند کے سر پر ایک خواص چاندی کی ڈنڈی کا چتر لیے کھڑا ہے اور دائیں بائیں دو چوہری بردار ہیں :

سریت چتر منڈو سو بھوب یو دھس رڈی پو تاس روپ
دو ہو پٹو ساہی چنور ڈھار دجی روپ چان اسونی کھار
(چھند ۵۱۹ - ۲۱ ، ص ۱۶۵۳ ، ح ۱۳)

چوہدار بھی موجود ہیں :

ہان دھار چھر چھگرہ راج گری ہر بھٹے
(چھند ۴۳۸ ، ص ۱۶۴۲ ، ح ۱۳ ، قنوج سے ، ۶۱ ویں داستان)
لقب بھی ہیں جو حکم احکام پہنچاتے ہیں :

حکم نقین کہہ پھرے ڈیرا ڈیرا کالے

(چھند ۱۵۲ ، ص ۱۲۰۶ ، ح ۱۱ ، چوالیسویں داستان)
میں بخوف طوالت صرف انہی چند اسور پر قناعت کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ دربار کی آرائش کی اور تکلف کے ساتھ اس کی سجاوٹ منل سلاطین کے ہاں ایک مہول روایت رہی ہے ۔ قیمتی اور اعلیٰ اعلیٰ قالینوں اور ریشمین پردوں سے وہ اپنے درباروں کو سجاتے بلکہ جشدوں کے موقعوں پر عام آئین ہندی کرتے تھے ۔ میں ہاں ایک مختصر بیان ہداہوں کی تاریخ سے نقل کرتا ہوں جو سنہ ۲۸ جلومہ اکبری کے جسر نوروز کے متعلق ہے :

”آئین ہندی ہر دو دیوان خانہ خاص و عام ہاتواغ تاشہای لطیف فرمودہ ۔ اشیای قیمتی گونا گون ترقیب نمودہ و پردہ های فروئی و تصویر های بی نظیر گرفتند و سرپردہای اعلیٰ الراشدند و بازار آگرہ و فتح پور

وا نیز باین دستور آراسته تا ہزدہ روز و شب جشن عالی داشتند و اقسام طوائف و اہل لغہ و ساؤ ہندی و فارسی و ازلب طرب از مرد و زن ہزاران ہزار ملیکہ ۔

(ص ۲۳۸ ، نول کشور ، سنہ ۱۸۶۸ ع)

بلکہ ازلب موسیقی تو پر وقت حاضر رہتے تھے ۔ ”آئین اکبری“ سے یہ فقرہ منجے :

”شمیر باؤان چاکنست و چلوخان ہر سوزمین در انتظار فرمایش ہای خدمت افشردہ و غیاگرانِ مرد و زن آمادۂ فرمان پزیری باشند ۔ شعبہ باؤان شگفت آور و بازیگرانِ نشاط افزا دستوری نمایش جویند ۔“

(ص ۱۸۵ ، ج اول ، نول کشور ، سنہ ۱۸۶۶ ع)

موسیقی مغلیہ دربار کا ایک مقبول ضابطہ رہا ہے جس کو صرف عالم گئے ۔ بادشاہ نے اپنے عہد میں موتوف کیا تھا ، ورنہ ان کے ہاں ساؤندے اور اہل لغہ باقاعدہ ملازم رہتے تھے ۔

ابوالفضل نے ”آئین اکبری“ میں خوشبو خانے پر ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو خوش بو کا بے حد شوق ہے ۔ وہ اس کو عبادتِ الہی کا وسیلہ سمجھتے ہیں ۔ عنبر اور ”عود“ دیگر مرکباتِ قدیم سے ، نیز جدید قسم کے مرکباتِ ماضیہ بادشاہی سے ، محفلِ خسروی پر وقت معطر رہتی ہے ۔ طرح طرح کی شکلوں کی سنہری اور ”پہلی انکیشہوں میں بنور سلکھا جاتا ہے ۔ خوشبودار پھول کثرت کے ساتھ فراہم کیے جاتے ہیں ۔ ان کا روغن تیار ہوتا ہے جو جسم اور سر پر ملا جاتا ہے ۔ میں اصل عبارت بھی سنا دیتا ہوں :

”ہرم آرای سلطنت ہوی خوش را دوست دارد و آن را دست مایہ ایزدی پرستی داند ۔ ہموارہ از عنبر و عود و شکرغ آیزشہای ہستان و فراہم آوردہ کرتی خداوند قسمی محلِ عطر آگین باشند و در زین و سیمین بھرہا کہ بگونہاگون بیکر بر ساؤند بنور کنند ۔ گلہای یونا خرمن خرمن برآسیند از گلر روغن برساؤند و بدن و سوی سر بدو برآندیند ۔“

(ص ۹۳ ، جلد اول ، نول کشور ، سنہ ۱۸۶۸ ع)

ابوالفضل نے اور اسور کے علاوہ ان مرکبات کے ، جو دربار میں تیار ہوتے تھے ؛ مثلاً ستوکھ ، ارکیہ ، گلکامہ ، روح افزا ، اوپنہ ، غیرماید ، کشتہ ،

فیلڈ ، ہارجاٹ ، غیر اور غسل وغیرہ کے نسخے بھی بیان کیے ہیں ۔ ان میں سے غیر کا نسخہ یہ ہے :

تین پاؤ بندل ، چھتیس تولہ عود (اگر) ۔ دو تولے اور آٹھ ماشے مشک ۔
 سب کو ایسے کر ماشے میں خشک کر لیں اور استعمال میں لائیں ۔ ان
 ایام میں سیر پھر عود کی قیمت دس روپے سے پانچ اشرفی تک ہوتی تھی
 اور تولہ پھر غیر کی قیمت ایک اشرفی سے تین اشرفی تک ۔

پہتی کاری :

دیواروں پر رنگین اور قیمتی پتھروں سے چھتی کاری کا مصنف نے جو ذکر
 کیا ہے ، اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ دستور ہندوستان میں مغلوں کے عہد سے
 زیادہ قدیم نہیں ۔ شاہ جہاں کا زمانہ اس کے لیے پھران مانا جاتا ہے ۔ دہلی کے
 قلعے میں دیوانہ خاص کی اور آگرے میں تاج محل کی چھتی کاری بے مثال مانی گئی
 ہے ۔ 'پہتی کاری' دراصل فارسی 'پہ چین کاری' کی ہکڑی ہوئی شکل ہے ، جس کے
 معنی لغت میں یوں دیے ہیں :

"انواع نقاشی کہ از سنگ پارھا برسنگ دیگر کنند ۔"

در حقیقت یہ ایک سہاٹی دستکاری ہے ۔ برقی راج کے عہد میں اس کا
 رواج تسلیم کرتا عقل و نقل پر سم توڑا ہے ۔ میں نقیب ، چوہدار ، چوہری بردار
 وغیرہ کے لیے کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ ہندوستانی سرکاروں اور رجواڑوں میں
 ابھی تک ان کا رواج باقی ہے ۔ نقیب کا ترجمہ کڑکیت اور ڈونڈی والا ہو سکتا
 ہے ۔ مگر ہمارا مصنف اصل لفظ نقیب ہی استعمال کر رہا ہے ، جیسا کہ ہم اوپر
 دیکھ چکے ہیں ۔

جاجم اور دلیچہ :

جاجم اور دلیچہ ، جن کے فرش شاعر نے دیوار میں بھرتے بیان کیے ہیں ،
 دونوں ایرانی الاصل ہیں ۔ 'دلیچہ' ، زلیچہ یعنی زلیچہ کی ہکڑی شکل ہے ۔ زلیچہ معنی
 پلاس و قال فرہنگوں میں مل جاتا ہے ۔ زلیچہ اس کا اسم تصغیر ہے ۔ 'ہڈٹ'
 نے اپنی فرہنگ میں 'دلیچہ کو خالیچہ کی تفسیر یافتہ شکل کہنا ہے جو ناقابل تسلیم

ہے ۔ زلیچہ کی مثال مثویٰ ”غوب لڑنگ“ تصنیف سنہ ۸۹۸۶ھ سے دی جاتی ہے جو میان غوب پھد چشتی مثویٰ سنہ ۸۱۰۲۲ھ نے ہزبانِ گوچری (اردو کے کجرات) لکھی تھی و مرعلا :

بلا زلیچہ اک چھوٹے سوتا چٹاس اوپر جاے
دیکر

توتا ہوں زلیچہ سوے جیون بوتلا چٹرا ہوے

سلام و تسلیم :

سلام و تسلیم بجا لانے کا بھی دستور ہے ۔ جب لورک رائے کھتری ، شہاب الدین کی رہائی کے لیے غزنی سے دلی آتا ہے ، برتھی راج کے حضور میں تین مرتبہ تسلیم کرتا ہے :

منمکو آے چہودان کو میں لائی تسلیم کیے
(چھند ۳۰۳ ، ص ۷۲۳ ، ح ۷ ، دھن کٹھا ، چوہسویں داستان)
یہی نہیں بلکہ جب راجا اسے رہانے کا حکم دیتا ہے ، وہ پھر سلام کر کے بیٹھتا ہے :

بیٹھن حکم راجان کیے کوری سلام بیٹھو ترے

(چھند ۳۰۴ ، ص ۷۲۴ ، ح ۷)

اور جب تار خان مفروضہ وزیر ، شہاب الدین کی عرضداشت راجا کی خدمت میں پیش کرتا ہے ، تین بار پھر سلام کرتا ہے :

تب کھتری برتھی راج کون کوری سلام تے ہار

لکھی ارداس تار خان مہی سیر وچار

(چھند ۳۰۵ ، ص ۷۲۵ ، ح ۷)

یہ ادنیٰ ادنیٰ بات پر سلام کرنے کا طریقہ درحقیقت مغلیہ دربار کا دستور

ہے ۔ جب دھرمائن کاکستھ ، برتھی راج کے وزیر کھاس کی خدمت میں بادشاہ کی چٹھی پہنچاتا ہے ، جس پر دستور تین بار سلام کرتا ہے :

دے پتری اہہ کھی سو کر کوری سلام تے ہار

صاحب ثم سن لرن کو آہر سندھو اتار
(چھند ۳۸، ص ۱۱۰۶، ح ۱۰، چار رائے ص ۳۷، ویں داستان)
”حسین کنہا“ (توہی داستان) میں جب برتھی راج، شہاب الدین کو قہر سے آزاد کرتا ہے، شاہ تین بار سلام کرتا ہے :

کہے سلام تھے بار چاہو اپنے سوتھالہ
متی بندو ہرہا سچر آو سوتھانہ

(چھند ۲۰۹، ص ۳۲۱، ح ۳)

”دھیر پنڈیر ہرستلو“ (چوٹھریں داستان) میں پھر شاہ اپنی رہائی کے وقت برتھی راج کو تین بار سلام کرتا ہے :

کری سلام تہوں بار دھر انکرے ترکان

(چھند ۳۷۳، ص ۲۰۸۹، ح ۱۸)

جہاں یہ کہنا ہے موقع نہ ہوگا کہ اکبر بادشاہ نے دو قسم کی تعظیم ملرو کی تھی : چلی کورنش، جس میں سیدھے ہاتھ کو پیشانی پر رکھ کر سر کو چھو کرنا پڑتا تھا۔ دوسری تسلیم، جس میں سیدھے ہاتھ کی پیشہ کو زمین سے چھو کر اور آہستگی کے ساتھ اٹھا کر، سیدھا کھڑا ہو کر، سر کو پیشی کے ساتھ چھونا پڑتا تھا۔ خاص خاص سولہوں پر مثلاً رغبت، ملازمت و عطاے جاگیر و منصب و بخشش قبل و اسپ تین مرتبہ تسلیم کرنی پڑتی تھی۔ دوسری قسم کی فاد و دہش کی صورت میں صرف ایک مرتبہ۔ ملازم بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ ہی دستور برتنے لگے۔ گویا اسی ضابطے کے ماتحت ہم دیکھتے ہیں کہ شہاب الدین، جیسا اور بیان ہو چکا ہے، برتھی راج کے آگے اپنی رہائی کے وقت تین مرتبہ تسلیات بجا لاتا ہے۔ میں اپنے بیان کی تائید میں ”آئین اکبری“ سے لیک فقرہ یہاں درج کرتا ہوں جو کورنش سے متعلق ہے :

”گیتی خداوند روی دست راستیں برفراز پیشانی خدامہ سر فرود آوردن قرار فرمود و آن را بزمانہ وقت کورنش گویند۔“ (ص ۱۸۶)

اور تسلیم کے لیے لکھا ہے :

”آئین چنانست بندگان عاطفت بزر بشتہ دست راست بر زمین خدامہ بہ آرامیدگی بردارند و راست ایستادہ روی دست را بر تارک سر تہند و بدین

دل کو زینِ روش سپردِ خود را گزارش نمایند و آنرا تسلیم برگزینند . . .
 هنگامِ رخصت و ملازمت و منصب و جاکبر و تشریف و بخششِ نیک و اسب
 سے تسلیم را پیشِ گاہِ نیایش گردانند و در باقیِ سراسرِ داد و دہش و
 گولاکوں عنایت پکان پکان بپا آید ۔“

(ص ۱۸۶ ، جلد اول ، نول کشور ، سنہ ۱۸۶۹ء ح)

ہمیں یاد رہے کہ مشنوں کے درباری ضابطے اس عہد کی دیگر سرکاروں
 کے لیے دستور العمل بن گئے تھے ۔ چنانچہ مصنف ’راسا‘ ، برتھی راج کے دربار کو
 انہی ضوابط کے مطابق دکھا رہا ہے ، بلکہ اسی دستور کی پابندی اسے گوکہ
 یعنی جھروکے کے ذکر پر مجبور کرتی ہے ۔ چنانچہ اس کے ہاں ایسے اشارے
 موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ برتھی راج بھی جھروکے میں بیٹھا کرتا تھا ۔
 ”درا کا کیدار سے“ (الہاؤلوں داستان) کی کہید میں وہ لکھتا ہے کہ برتھی
 راج کیاس وزیر کے علم میں مبتلا ہے ، رات دن اُس کے دھیان میں گھولا جاتا
 ہے ۔ کہ اسے جھروکے میں بیٹھنے سے چین آتا ہے ، نہ اتر محل میں جائے ؛
 بلکہ ماولوں کے ساتھ چوگان کھیلنے وقت بھی یہی علم اس کو ہلکان کیے جاتا
 ہے ۔ چنانچہ لکھا ہے :

لہ سیج مکھ گوکہ تھ	لہ سیج اندر راج
او اتر کیاس دکھ	سامنتاں سراج
نرپ کرپلت چوگان	متھ سامنت سو بھر
جب راست رس ولک	تب سنہرے منتر بھر

(چھند ۱-۲ ، ص ۱۵۱۱ ، ح ۱۳)

یہ جھروکہ ہمیں اکبر کے جھروکہ درشن کی یاد دلاتا ہے ۔ اس طرح
 چوگان بازی بھی مسلمان کھیل ہے جس کا وطن ایران ہے ۔

دعا گوئی :

دعا گوئی بھی درباری ضوابط میں داخل ہے ۔ مقلوں کے ملازمین اپنے آقا
 کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت سب سے پہلے اس کے حق میں دعائیں دینے
 نظر آتے ہیں اور پھر حرفِ مطلب زبان پر لاتے ہیں ۔ ’راسا‘ میں اس دستور کو
 بھی فراموش نہیں کیا گیا ہے ۔ ”سلکھ چدھ“ (تبرہولی داستان) میں برتھی راج کا

جاسوس شہاب الدین کی فوج کشی کی خبر لے کر آتا ہے ۔ اصل مقصد کی طرف رجوع کرنے سے پیشتر وہ راجا کو یوں دعا دیتا ہے :

اچھولے چھو آن گاجی	کھلک کھلک ٹوکھک راجی
میواس مار باجی	ہرونو سرن ساہی
بھے بھیت بھوکن تر کھیون	بھل ہنر کندن بھوکن
آواس ترواس نیرن	جہاں تہاں بھمی دھنور کھیون
اجیریر پیر سہائی	دسمن پیاں لکھو دیوہائی
پیر پیکیر دواہ گیر سارے	ان میں مٹی ترن دانت چارے
ڈھلی لکھت تھر راج ہیں تیں	گنگ چل چمن روی چندھے تیں

(چھند ۱۰، ص ۵۲۰، ج ۵)

یہ دعا بالکل مسلمان طرز کی ہے ۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ برتھی راج کا غیر مسلمان ہوگا ۔ وہ دعائیہ کہتا ہے کہ اے غازی چوہان ! خالقِ خدا تیری شمشیر سے خوش رہے ! تو میوات کا فاتح کہلا لا ہے ، خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے ! اجیری پیر تیرا دستگیر ہو اور دشمن ہامال ہوں ! تمام اولیا اور پیغمبر دعاگو ہیں کہ جب تک گنگا اور جمن ، چاند اور سورج قائم ہیں ، تب تک تو دلی کے تخت پر برقرار رہے ! میں سمجھتا ہوں کہ 'دواہ گیر' (دعا گیر) یہ قیاس 'زمن گیر' و 'دامن گیر' نہیں ہے بلکہ 'دعا گر' کی پکڑی شکل ہے :

دعا گرند بہ شاعر چنار مر گل را
تدرو و فاختہ و عندلیب و قمری و سار
اگر دعا گر گل ہو چنار مرخانند
چرا چو دست دعا گر شست دست چنار

اس چھند میں یہ الفاظ مسلمان ہیں : اے ، گاجی (غازی) ، کھلک (خلق) ، راجی (راضی) ، کھییر (خیر) ، پیر ، دسمن (دشمن) ، پیاں (ہامال) ، جھلا آج بھی 'بھال' ہواتے ہیں ، پیکیر (پیغمبر) ، دواہ (دعا) ، گیر (گر) ، لکھت (لخت) ۔ مسلمان الفاظ کی یہ ہیات اگرچہ استعجاب انگیز ہے مگر اس کی توجہ ہمارے نزدیک یہ ہو سکتی ہے کہ شاعر اس موقع پر ایک ایسے غیر کو راجا کی خلعت میں پیش کر رہا ہے جو مذہباً مسلمان ہے اور اپنے جذبات و خیالات کے مطابق دعا دہی

میں مصروف ہے۔ اجمیر پر کی حمایت، دشمن کی پائمالی اور پیروں کی دعا گوئی غالباً مسلمان جذبات ہیں۔

اجمیر پر :

’اجمیر پر‘ کی ترکیب بھی قابلِ لحاظ ہے۔ ’اجمیر پر‘ سے مقصد خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہیں۔ لوگ الہیں ’اجمیری پر‘ اور ’پر اجمیری‘ کہتے ہیں۔ مسلمان روایت پر تھی راج کے عہد میں خواجہ صاحب کو اجمیر میں موجود بتائی ہے لیکن الہیں مقبول عام ہو کر ’اجمیری پر‘ کے خطاب سے مشہور ہونے کے لیے صدیوں کا زمانہ درکار ہے۔ خواجہ اجمیر ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے پیشوا ہونے کے لحاظ سے اگرچہ ہر عہد میں مقبول و محترم مانے گئے ہیں لیکن سلاطین مغلیہ کی ارادت مندی نے ان کی شہرت و عظمت میں اور بھی چار چاند لگا دیے ہیں؛ خصوصاً اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانوں میں۔ اکبر ایک زمانے میں خواجہ صاحب کا اس قدر معتقد تھا کہ انہی سنت پوری کرنے کے لیے فتح پور سیکری سے اجمیر تک پا بڑا ہوتا ہے۔ جہانگیر بھی اجمیر جاتا ہے اور درگاہ پر دیکھی چڑھاتا ہے، جو اب بھی موجود ہیں۔ شاہجہاں چاندی کا کٹھرا ہوتا ہے اور جہاں آرا بیگم آپ کے حالات میں رسالہ ’مونس الارواح‘ نامی تصنیف کرتی ہے جس کا اصل نسخہ لکھنؤ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور یہی زمانہ ہے جب عوام میں ’اجمیری پر‘ کی قسم کی ترکیب رائج ہوتی ہے۔

دُعلی تخت (دلِ تخت) : فارسی ترکیب تختِ دہلی کثرتِ استعمال سے ایک مقبول عام ترکیب بن گئی اور اس وقت رواج میں آئی جب دہلی مسلمان حکومت کا بانی تخت بن گیا۔ مگر اس موقع پر جاسوس کا ہر تھی راج کو، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، دلی کے تخت پر قائم ہونا قبل از وقت ہے، کیونکہ ہر تھی راج ابھی تک ایک راج کنواں کی حیثیت کا مالک ہے۔ اس کا باپ سومیشور زائدہ ہے جو اجمیر پر حکومت کرتا ہے اور دہلی اس کے مفروضہ لانا النگ پال کے قبضے میں ہے۔ یاد رہے کہ ’ملکہ جدہ‘ تیرہویں داستان ہے جس میں النگ پال، ہر تھی راج کو مٹیٹی بنا کر دلی کی گدی اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

اب تک ہم نے برتھی راج کے درباری لوازمہ کا مطالعہ کیا ہے جو اکثر اسور میں مغلیہ درباروں کی نقل معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مصنف نے برتھی راج کے عہد کی خصوصیات بمثل سے نوافیث کی بنا پر اس کے دربار کو اپنے عہد کے انداز میں سجا دیا ہے بلکہ مسلمان اصطلاحات کے استعمال سے یہی دریغ نہیں کیا، مثلاً عنبر و عیبر وغیرہ جن سے دربار بسایا جاتا ہے، گلاب جس کا چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ چاہم اور دلچسپ (نالین) فرش پر بچھائے جاتے ہیں۔ موسیقی کے سازوں میں چنگ، شہنائی، شامہ اور نقیری۔ مؤخر الذکر کو مصنف نے 'نہیرے' بہ نامے معمول لکھا ہے۔ سلام اور تسلیم، نقیب اور تخت و چوگان بھی اسی مد میں داخل ہیں۔

اب ہم ایک اور زاویے سے نگاہ ڈالتے ہیں جو برتھی راج کی رانیوں، ان کے محل اور ڈیوڑھی کے اسور پر روشنی ڈالتا ہے:

"آکھیٹ چنگہ سراب نام پوسناو" (تربستھویں داستان) میں یہ قصہ آتا ہے کہ برتھی راج قنوج کی مہم سے واپس آنے کے بعد اپنے منقول چلوالتوں اور سالہیوں کے لیے بے حد مغموم رہنے لگا ہے۔ اس کا غم غلط کرنے کے لیے رانیاں یہ تدبیر کرتی ہیں کہ راجا سے فرمائش کرتی ہیں کہ ہمیں بھی تو کبھی لے جا کر شکار کی سیر کرائیے اور دکھائیے کہ شکار کیوں کر کھیلا جاتا ہے۔ شیر، ہرن اور سؤر کسی طرح مارے جاتے ہیں۔ شیر ہرن کو کسی داڑی سے مارتا ہے اور کشتے زنجیروں سے آزاد ہو کر اپنے شکار کو کیسے دبوچتے ہیں۔ اس پر راجا ان کی درخواست منظور کر لیتا ہے اور ایک ماہ کے لیے ہانی پت جانے کی لہجہ دیتی ہے۔ جسے چند کی دختر سنجوگتا پورے ماہ کے اخراجات کا ذمہ اٹھنے پر لیتی ہے۔ وہ اپنی ڈیوڑھی کے منہم چھکرو ماہ کو حکم دیتی ہے کہ ہر چمڑ کا انتظام کرے اور اعلیٰ پکوان بگائے۔ اہلبی (الاجبی)، لونگ، سرچ، سکٹر (شکس)، کھاڈ، کھڈ اور بہت سا اجار ہانی پتہ (ہانی پت) پہنچوا دے۔ جب جانے کی تیاری ہو چکی ہے، سواری کے لیے ہلکیاں (ہالکیاں)، ٹول (ٹولیاں)، سکھپال، رتھ، سکھاسن اور ہالھی آتے ہیں۔ رانیاں اپنی اپنی ہستہ کی سواروں میں بیٹھ جاتی ہیں۔ لوڈیاں خوشبو کی کھپاں، بالوں کا سامان اور صندوق وغیرہ سر پر لیے ہڈل ساتھ ہو لیں۔ ان کے پیچھے عبا لیے خواجہ سراؤں کا جھرمٹ ہے۔ ان کے پیچھے اعنادی لوج کے دستے ہیں اور انتظام کے لیے

چودہ کاہستہ ساتھ ہیں۔ ہائی بت پہنچ کر وائیاں غیمے ٹھیرے کھڑے کیے جانے لگ ایک باغ کی سیر کو جاتی ہیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ باغ کی روشیں بڑی صفائی کے ساتھ بنی ہیں۔ درخت پھولوں اور پھلوں سے لدے ہیں اور پرندے ان پر بیٹھے چھوچھا رہے ہیں۔ آم، لیو، جنبو وغیرہ کے درخت جھوم رہے ہیں۔ چنہ، کیلے، بدم، انار، ناڑ، چھوہارے، سیاری، کیوڑا، کیتکی، کلال، پھالے، لولک، ذاکہ، چندن، پٹلر (پیر) وغیرہ کے درخت بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ ان میں سور، چکور، لال، فاغندہ وغیرہ پرندے بھر رہے ہیں۔ درختوں کے مینچنے کے لیے چرس، روٹ اور ڈھینکوری (ڈھینکلی) کا انتظام ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بیان میں منجور کا اپنے کارپرداز جھگرو ماہ کو اجار ہم پہنچانے کے لیے خاص طور پر ہدایت دیتی ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ ”آچار“ ایرانی الاصل لفظ ہے اور مسلمان ہندوستان میں اس کو رواج دیتے ہیں۔ لیکن کیا پرستیں راج کے عہد میں اس کا اس قدر رواج ہو چکا تھا کہ ہندوؤں کے ہاں بھی عام استعمال میں آ رہا تھا؟ مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے۔ ”آداب العرب“ کے علاوہ نظامی کے ”اسکندر نامے“ میں بھی یہ لفظ ملتا ہے :

ز آچارھا عرچہ باشد عزیز ترج و بہ و سبب و لاریج نیز

لیکن یہ مغلوں کا زمانہ ہے جب اجار کا کثرت کے ساتھ رواج دیکھا جاتا ہے۔ ابو الفضل نے ”آئین اکبری“ میں پچیس قسم کے اجار کی فہرست مع قیمت درج کی ہے۔ (آئین اکبری، ص ۷۲-۷۳)

اسی طرح آب کشی کے جو ذرائع بنائے ہیں؛ مثلاً چرس، ڈھینکلی وغیرہ، مغلوں کے عہد میں عام رواج میں آ رہے ہیں۔ روٹ البتہ آب کشی کا ایسا ذریعہ ہے جس کا رواج پنجاب کے ساتھ مخصوص تھا اور باہر کے عہد تک ہندوستان میں رائج نہیں ہوا تھا۔ جب باہر آگرے میں اپنا باغ تیار کراتا ہے، روٹ، جس کی اشاعت لاہور و دیپال پور تک محدود تھی، اس باغ کی خاطر آگرے میں تیار کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ ”واقعات باہری“ میں آتا ہے :

”ہستور لاہور و دیپال پور چرخہ را راست کردہ آب ہا جاری کردند۔“

(ص ۲۱۱، طبع بمبئی)

اب یہ خیال کرنا کہ پانی بت جیسے قسمی میں ، برتھی راج کے ایام میں ،
رہٹ کا رواج ہو چکا تھا ، ہمیں ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے ۔

پانی بت کے مذکورہ بالا باغ میں ، مصنف کے بیان کے یہ موجب باہم ،
لونگ ، چندن اور سیاری کے درخت موجود ہیں ۔ لیکن ایسا بیان وہی شخص
دے سکتا ہے جس کو درختوں کی کاشت اور خاص خاص زمینوں کے ساتھ
خاص خاص درختوں کی مناسبت و غیر مناسبت کا راز معلوم نہ ہو ۔ باہم ایسا
درخت ہے جو ہندوستان کے شمال مغربی ممالک میں ملتا ہے ؛ مثلاً کشمیر و افغانستان
و ایران وغیرہ ۔ لونگ جزائر شرق الہند سے آتی ہے ۔ ان میں جاوا اور بتاویر
قابل ذکر ہیں ۔ حنڈل اور سیاری دکن سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان درختوں کے لیے
یہ تصور کرنا کہ پانی بت کے ایک باغ میں ہمہر برتھی راج موجود تھے ، ہمارے
نزدیک بالکل بے معنی ہے ۔

مصنف نے برتھی راج کے زمانے کے ساتھ خواجہ سراؤں کو موجود ہوتا کر
سلاطین اسلام کے زمانہ مہلوں کی ایک اہم خصوصیت کو اجاگر کر دیا ہے ۔
وہ کہتا ہے :

چلھو چلی کھوجن کو ستھ سنگ نہی جن کے سب انگ انگ
(چھند ۱۷ ، ص ۱۹۹) ح ۱۷ ، اکھٹ چکھ سراپ نام پرستار ، ۶۴ ویں داستان)

خواجہ سرا :

خواجہ سراؤں کا دستور قدیم معلوم ہوتا ہے ۔ بعض قدیم سلاطین ایران
نے یونانیوں سے خراج میں خواجہ سرا وصول کیے تھے ۔ ایرانیوں سے مسلمانوں
میں ان کا رواج ہو گیا اور مسلمانوں کے ساتھ یہ ضابطہ ہندوستان میں آیا ۔ مسلمانوں
کی تقلید میں راجپوت حکمرانوں نے اپنی حرام سراؤں کے لیے خواجہ سرا رکھنے
شروع کر دیے ۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ راجپوتوں میں یہ دستور کسی
زمانے سے جاری ہوا ، مگر میں خیال کرتا ہوں کہ خواجہ سراؤں کی ضرورت اس
وقت پیش آئی ہوگی جب انہوں نے ہردے کی رسم اختیار کر لی ہے ۔ ہردہ اور
خواجہ سرا لازم و ملزوم ہیں ۔ راجپوتانے میں تو ہمارے اپنے زمانے تک اکثر
ریاستوں میں خواجہ سرا باقی تھے بلکہ قدیم وضع کی ریاستوں میں تو اب بھی

موجود ہوں گے۔ اس سلسلے میں ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ راجہ راولوں کے یہ خواجہ سرا اکثر اولاد مسلان ہوتے تھے۔ جودھپور میں سہراج کی ڈیوڑھی کا سردار الہاس لاسی خواجہ سرا تھا جو اپنی دولت مندی کے لیے مشہور تھا۔ اس نے اپنا رویہ غیر و زانیہ عامہ کے مصرف میں استعمال کیا بلکہ مشہور ہے کہ نہر زبیدہ کی ابھی مرمت کرائی تھی۔ اس کے انتقال کو ساٹھ ستر برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔

اگرچہ مصنف نے ہرلہی راج کے محل میں پردے کے رواج سے متعلق صاف الفاظ میں اقرار نہیں کیا ہے مگر ’اسا‘ میں ایسی علامات ضرور ملتی ہیں جن سے یہی قیاس ترتیب دیا جا سکتا ہے کہ اس کے زمانہ محل پردے کی پابندی سے خالی نہیں تھے۔ اسی ”آکھٹک چکھ سرپ“ میں، جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں، رانیاں راجا کے دل پہلانے کے خیال سے اسے ہانی بت لے جانا چاہتی ہیں اور شکار کھیلنے کا عذر تراشتی ہیں مگر راجا رانیاں کے ساتھ نہیں جاتا بلکہ پہلے انہیں روانہ کرتا ہے اور پھر آپ ساونتوں کے ساتھ جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بوجہ پردہ رانیاں اور ساونتوں کا اجتماع اسے منظور نہیں تھا۔

دامیاں :

خواجہ سراؤں کے علاوہ ہرلہی راج کے ہاں دامیوں (کنیزوں) کا بھی دستور تھا جو محل کے باہر بہتر آمد و رفت رکھتی ہیں اور محل کے تمام معاملات انہی کے ذریعے طے ہوتے ہیں۔ ان دامیوں کا ’اسا‘ میں کئی مقامات پر مذکور آتا ہے۔ تمام پیغامات انہی کے وسیلے سے زمانے میں راجا کے پاس پہنچتے ہیں۔ سواری کے وقت وہ رانیاں کا ضروری ضروری سامان اپنے سر اور کندھوں پر لے کر پیادہ چلتی ہیں۔

ناری بھیس لڑ (لڑدایگنی) :

مفلوں کے ہاں قباظیوں اور اودایگنیوں کا دستور تھا، جو ہمیشہ مردانہ لباس زیب ان کھیتے ہاتھوں پتھاروں سے مسلح، پیرہ جوئی اور محلات کے حفاظتی کلوں پر متعین ہوتی تھیں۔ اسی کی تقلید میں مصنف نے سنجوگنا کے محل کے

دروازے پر تناری بھسی لڑ، یعنی مردانہ لباس میں چہرہ دار عورتوں کو موجود دکھایا ہے جو لال لال ڈانڈوں سے مستح ہیں :

دکھ دے دربار ہنگ کتور چہرا دی
ناری بھسی شروتر ستر لکری کوجھا دی

(چند ۲۲۵، ص ۲۱۳۰، ح ۱۸)

تلمیح کو صاف کرنے کے لیے ہمیں ”بڑی لڑائی روارستلو“ (۶۹ ویں داستان) کی طرف رجوع کرنا چاہیے جس میں قصہ ہوں آتا ہے کہ جب دلی میں یہ خبر ہوئی کہ شہاب الدین، بڑی تیاریوں کے ساتھ دہلی پر غریب حملہ کرنے والا ہے تو شہر کے مہاجنوں کو اپنی غیر محفوظ حالت کا پورا پورا احساس ہوا۔ اس کے انتظام کے لیے سب کے سب مل کر سوری منت نگر حیدر کے پاس پہنچے۔ وہ اگرچہ انہیں کوئی معقول تدبیر نہیں بتا سکا مگر سب کو ساتھ لے کر گرو رام کی خدمت میں، جو برہمن راج کا بیروت تھا، جا پہنچا۔ بیروت جی بڑے اخلاق سے پیش آئے لیکن مطلب سننے ہی لگے چائے کرنے کہ ”میں تو ایک غریب برہمن ہوں، بولھی پالو جانتا ہوں، سیاسیات سے میرا کیا واسطہ“۔ اس پر مہاجنوں نے انہیں قائل کرنا چاہا کہ راج گرو ہو کر آپ کا اس قدر غیر متعلق رہنا بے حد نامناسب ہے۔ قصہ مختصر گرو جی اپنی باوری میں انہیں لے کر کوی چند کے پاس آئے۔ کوی جی سارا قصہ سن کر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ راجا کی ڈیوڑھی پر چلتا اور عرض معروض کرنا چاہیے۔ چنانچہ تمام جماعت یہ سرکردگی، کوی چند، سنجوگنا دختر جے چند واجد، قنوج کے محل سرا کے دروازے پر پہنچتی ہے۔ مہاجن لوگ بڑے مال دار طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ کوئی چوٹول پر سوار تھا اور کوئی سکھ آسن پر۔ ابھی یہ لوگ مشکل سے ڈیوڑھی تک پہنچنے پائے تھے کہ وہ مردانہ لباس میں چہرہ دار عورتیں ان کی طرف بھلی کی تیزی کے ساتھ جھپٹیں اور اپنے ڈانڈے بھری طاقت کے ساتھ ان کے سر اور کمروں پر برسائے شروع کیے۔ انہوں نے نہ کوی چند کا لحاظ کیا اور نہ گرو رام کی ہروا کی۔ سب کو ایک ہی لالھی سے ہانکا۔ گرو جی اور کوی چند تو بھر بھی مضبوط رہے۔ ڈانڈے بڑے، مارلیں کھالیں مگر اپنی جگہ سے نہیں ٹلے۔ مہاجن بھارے اپنی اپنی سواریاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگے۔ کسی کی چوٹول رہ گئی اور

کسی کی ہانکی ، کسی کا ہاتھ ٹوٹا اور کسی کا مالٹا پھوٹا اور ان چڑیلوں نے جب تک شاہی محل سے انہیں دور دور لٹک نہیں بیٹھا دیا ، دم نہیں لیا ۔
 تاریخ ہند سے واقفیت رکھنے والا کوئی شخص بھی سنجیدگی کے ساتھ یقین نہیں کر سکتا کہ مذکورہ بالا پتہ چھٹ چہرہ داریاں درحقیقت پرتھی راج کے عہد سے تعلق رکھتی تھیں ۔ ہاری رائے میں مختلف ان تاثرات کا چرہ اتار رہا ہے جو اس کے اپنے عہد میں مغلوں کی حرم سرا کی نقاب کشیوں اور اوردائیگیوں سے متعلق مواد میں قصے کہانیوں میں مشہور تھے ۔

جس میں بلکہ یہ جو مصنف نے پرتھی راج کو بیسویں صدیوں کا شوہر بیان کیا ہے اور جس کے لیے شاعر کو ۶۵ ویں داستان (رواہ سمری) جداگانہ لکھنی پڑی ہے ، اس میں بھی ہمیں سلطان صلاحین کی تقلید کی بو آتی ہے جن کے محلات میں حرموں کی کثرت اور کنیزوں کی افراط ان کی شانِ اسارت کے ایام کے لیے ایک لازمی امر خیال کیا جاتا تھا ۔

شکار

شکار ترکوں اور مسلمانوں کا ایک خاص مشغلہ ہے ۔ مسلمانوں میں شکار کے بیسیوں طریقے مروج ہیں ، خصوصاً وہ جن میں شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعے شکار کھولا جاتا ہے ، یعنی تازی کشتوں ، چیتوں ، باز ، جترہ باز ، شاہین و چرخ وغیرہ کے ذریعے ۔ ’راما‘ میں پرتھی راج کو شکار کا بے حد شائق ظاہر کیا گیا ہے ۔ اس کو اس دلچسپ تفریح کا اتنا ہی لہکا ہے جتنا فیروز شاہ تغلق یا جہانگیر کو ہو سکتا ہے ۔ وہ شکار کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا ۔ شکاری پرندوں کا آسے بے حد شوق ہے اور شاہاب الدین سے لے لے میں ہاتھی گھوڑوں کی طرح باز اور جترہ باز بھی وصول کرتا ہے ۔ ”کیا اس جدہ“ (مہم ویں داستان) میں منجملہ چوبیس ہاتھیوں اور دو لاکھ روپے کے ، سو باز بھی شاہ کے ہڈے میں شامل ہیں ۔ ”پہڑن ہاتھ جدہ“ (۴۰ ویں داستان) میں سلطان پندرہ ہزار باز دینے پر اپنی رائی خریدتا ہے ۔

یہ کہنا سبالتے میں داخل نہیں کہ اگر ہندو مذہبی زندگی کا عنصر پرتھی راج

کی زندگی سے غاوج کر دیا جائے تو برتھی راج میں اور قرون وسطیٰ کے کسی مسلمان والی کی زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا ۔ میں اس کے شکار کے بعض واقعات یہاں عرض کرتا ہوں :

(۱) "آکھیشک بیر بردان" (چھٹی داستان) میں دیکھا جاتا ہے کہ برتھی راج ایک مرتبہ شکار کو جاتا ہے ۔ اس کے ساتھ ایک ہزار شکاری کھتے ، ایک سو چیتے اور ایک سو شکاری ہرن ہیں ۔ اس لوازے کے ساتھ وہ ایک کہنے جنگل میں شکار کے لیے گھس جاتا ہے ۔ (چھند ۱۱-۱۳ ، ص ۳۰۰ ، ح ۴)

(۲) "آکھیشک چوک ہرن" (دسویں داستان) میں برتھی راج کھٹوہن میں شکار کو جاتا ہے ۔ اس کے ساتھ ہانسو دیل ، ہالسو ہونڈیت ، ایک ہزار کھتے ، ہالسو ہمرایی ، پچن چیتے اور بے تعداد بلز اور ہیری تھے ۔ (چھند ۱۳ ، ص ۳۲۸ ، ح ۴)

(۳) "بھوسی سین ہرستاو" (سترہویں داستان) : برتھی راج ایک مرتبہ شکار کو جاتا ہے ۔ ہانکا گرایا جاتا ہے ۔ ایک شیر سامنے آتا ہے ۔ راجا تیر مارتا ہے مگر خطا جاتا ہے ۔ شیر طیش میں آ کر جھپٹتا ہے ۔ جب قریب آ چکنا ہے ، راجہ تلوار کے ایک ہی وار میں اس کو ہلاک کر ڈالتا ہے ۔ (چھند ۳ ، ص ۵۰۷ ، ح ۶)

(۴) "جیت راو جدہ" (۲۴ ویں داستان) : دلی چنچے کے ڈھائی برس بعد برتھی راج کھٹوہن میں شکار کو جاتا ہے اور نیت راؤ کھتری اس کی اطلاع شہاب الدین کو بھیج دیتا ہے ۔ اس دفعہ راجا کے ساتھ ایک سو بیس کھتے ، بیالیس سیاہ گوش اور ایک سو ہرن تھے ۔ (چھند ۳ ، ص ۱۰۳۲ ، ح ۹)

(۵) "دھن کٹھا" (چوبیسویں داستان) : برتھی راج ایک دن "سنگار پار" ، مشہور ہاتھی ، ہر سوار ہو کر شکار کو گیا ۔ کتہ بھی ساتھ ہو لیا ۔ دونوں ہاندر گھنے جنگل میں شکار کی تلاش میں بھر رہے تھے ۔ اتنے میں ایک بیڑبان نے آ کر خبر دی کہ سہاراج ! یہاں سے قریب ہی ایک زبردست مڑو موجود ہے ۔ راجا نے اس کے

گھیرنے کا حکم دیا اور خود بھی اسی طرف بڑھا ۔ جب سؤر نے دیکھا کہ چاروں طرف سے گھیر چکا ہے ، ہنکارنا ہوا ایک سمت کو ہو لیا ۔ راجا نے موقع ہانے ہی فوراً اسے تیر سے مار لیا ۔ اس اثنا میں ایک شیر کی خبر آئی ۔ راجا نے کہا کہ میں تو اب شیر کو مارے بغیر چاں سے نہیں ٹاؤں گا ۔ اتنا کہہ کر شیر کی طرف چل دیا ۔ دیکھا کہ ندی کے کنارے ایک خوبنوار شیر ایک بیل کو مار کر اس کا گوشت کھا رہا ہے ۔ راجا نے ہانکے کا حکم دیا اور سپاہیوں نے ”سنگار ہار“ کو اسی طرف بڑھایا ۔ شور و غل کی آواز سن کر شیر بڑی تیزی کے ساتھ راجا پر آیا ۔ راجا نے تیر چلایا جو غمٹ گیا ۔ غواصی میں کربہ رائے بیٹھا تھا ، اس نے شیر کے ایک ٹلو اور ایسی ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ۔

(چند ۳۳۵ - ۳۵۰ ، ص ۲۲۹ ، ح ۷)

(۶) ”شیشورتا ورنن پرستاو“ (۲۵ ویں داستان) : منقول ہے کہ برہمی راج ماگہ ہدی منگل وار کو اپنے سرداروں کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے شکار کو چلا ۔ بیڑیاں نے آ کر ایک سؤر کا پتا دیا اور عرض کی کہ راجا پہل چلے ۔ راجا فوراً گھوڑے پر سے اتر گیا اور تیرک کھدے پر رکھ کر سؤر کی تلاش میں بڑھا ۔ جب نظر آیا فوراً مار لیا اور بیڑیاں کو العام و اکرام دیا ۔ سب طرف سے راجا کے نشانے کی تحسین و آفرین ہونے لگی اور راجا نے سندھ باڑی میں آ کر قیام کیا ۔

(چند ۵۰ ، ص ۲۶ ، ح ۷)

میں ان بیانات پر اکتفا کرتا ہوں ۔ تلاش سے شکوے کے اور موقعے بھی برہمی راج کی ان داستانوں میں مابین ہے ۔

باغ

”دل ورنن“ (۵۹ ویں داستان) میں شاعر نے دریائے جمنا کے نغمہ بردہ گھاٹ کے ایک باغ کا بیان دیا ہے جس میں اس کے سیوہ دار درختوں اور پھولوں

کا ذکر کیا ہے۔ میں سب سے پہلے اصل اقتباس، کتاب سے لے کر، چان دوج کرنا ہوں۔ اس کا وزن رجز مشق غبون (مناعین چار بار) ہے :

”مدھن لکھبودھین ، چمن لٹھ سودھین
تھان سو پاک برچدین ، ہنے سو گل اچھین
سمیرتا سو باسین بھلن سو بھول واسین
تیرکتھ بیل ڈلبرن ، مرتگ پان اسٹرن
چوکسیرن کمن کمن ، مدھوپ داس تن پھرن
انار ڈاکھ پٹھون ، سوچھتر ہنی ڈھلٹون
سری کھنڈ ٹھنڈ واسین ، گلاب بھول واسین (کٹا)
چو چنکھن کنڈھبتین کھجوری بھوری اینین
سون لٹاس جیرین ، شتوتین چنہیرین
اکھوٹ ، سیو ، دامین ، اول بیل سیامین
سری بھلن لوتکین ، سبد سواد ہوتین
چوت مور وایکن ، منو سنگت گلکین
ایم بکت راجین ، منو کی اندر حاجین
- - - - -
اولی سو واس گلال اتی ، اوڈی عیرن امہان
منو بھان عیر سوت ، بھی اتنی سرگن

(پہند ۵-۱۲، ص ۱۵۵۲-۵۳ ح ۱۳)

اس اقتباس میں ان درختوں وغیرہ کے نام دیے گئے ہیں :

باغ ، گل ، کسیر ، کمن کمن ، انار ، ڈاکھ ، سری کھنڈ ، گلاب ، چنہ ، کدھم ، کھجور ، آم ، لٹاس ، جیری (زیرہ) ، شتوت (شہتوت) ، چنہیری ، اکھوٹ (اغروٹ) ، سیو (سیب) ، دام (بادام) ، سری بول (نازل) ، لڑکی (قارنگی) ، گلال ، عیر ، امہان ، عیر ۔ ان میں باغ ، گل ، گلاب ، انار ، شہتوت ، نارنگی ، عیر ، عیر ، امہان مسلمان الفاظ ہیں ۔ اور یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جس طرح برہمنی راج کے عہد کی زبان مسلمان الفاظ سے اس قدر مخلوط مشعور نہیں ہو سکتی ، اسی طرح یہ بعض درخت جو مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں آئے ہیں ، ایسے قدیم زمانے میں دہلی کے ایک باغ میں کھولکر موجود مانے

جا سکتے ہیں ؟ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں باغات کا دستور ہی نہیں تھا ۔

زعفران :

مصنف سب سے پہلے کیمر (زعفران) کا ذکر کرتا ہے ۔ اس کی ناوانفیت ملاحظہ ہو کہ اس کے نزدیک زعفران بھی مولیٰ کاجر کی طرح ہر بالغ اور ہر باڑی میں لگائی جا سکتی ہے ، حالانکہ تمام ہندوستان میں کشمیر کے سوا کسی اور مقام پر یہ پیدا نہیں ہوتی اور وہاں بھی ایک خاص زمین میں ہوتی ہے ۔

گلاب :

جس بھول کو ایرانی 'گل' کہتے ہیں ، اہل ہند اسے 'گلاب' کہتے ہیں ۔ لیکن یہ ہندوستانی مصنف ہے ۔ اس بدعت کے لیے سوائے 'استعمال ہند' کا عذر پیش کرنے کے ہمیں کوئی اور معقول وجہ معلوم نہیں ۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں آباد ہو کر ایسے مختلف فیہ قاسوں کے وضع کرنے اور رواج عام میں لانے کے لیے بھی تو وقت درکار ہے ۔

لارنگی :

میں حالت لارنگی کی ہے ۔ چنانچہ شاعر نے اس لفظ کو 'لارنگی' یہ مخفف الف لکھا ہے لیکن اور موقع پر الف کے ساتھ 'لارنگی' لکھ رہا ہے ۔ ایرانی اسے لارنگ کہتے ہیں جس کی معترب شکل 'لارنج' ہے ۔ لارنگ کے آئر میں 'ے' کا اضافہ ہندوستانی آج ہے ۔ اس 'ے' کو خواہ بقاعدہ فارسی زائد کہا جائے یا بقاعدہ ہندی یا بے ثابت مانا جائے ، مگر اس اضافے کی ذمہ داری بھی استعمال ہند عائد ہوتی ہے ۔

اناس :

اناس کے متعلق یاد رہے کہ اگرچہ "آئین اکبری" میں وہ میووں کی فہرست میں شامل ہے مگر ہندوستان میں تازہ وارد ہے ۔ ہولنگائی دسویں صدی ہجری میں باہر سے چان لائے ہیں ۔ ابوالفضل اناس کو 'کنہل مغری' کہتا ہے کیونکہ

اس کے ہونے گھوٹلوں میں رکھ کر سفر میں ہسانی لے جائے جا سکتے ہیں ۔ وہ اس کے بیان میں کہتا ہے کہ اناس شکل اور رنگت میں مستطیل فارنگی کی مانند اور ڈانٹے اور خوشبو میں آم کی طرح ہے ۔ بھل ڈانڈی کی جڑ میں لکھتا ہے ، جس پر چند ہتھے لکھتے ہیں ۔ جب میوہ توڑ لیا جاتا ہے ، ہتھے اتار کر زمین پر الگ الگ لگا دیتے ہیں اور یہی ہتھے تخم کا کام دیتے ہیں ۔ دودھ صرف ایک بار بھل دیتا ہے جس میں ابک اس بھل آتا ہے (آئین اکبری ، ص ۸۷) ۔ اکبر کے عہد میں اناس اس قدر قلت کے ساتھ معلوم تھا کہ مختصر نکور ابوالفضل کو بطور اطلاع جدید اس کی صراحت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ چنانچہ بھی اپنی 'توزک' میں لکھتا ہے کہ اناس اُن سواعل علاقوں سے آتا ہے جو فرنگیوں (پرتگالیوں) کے قبضے میں ہیں (توزک ، ص ۳) ۔ ادھر پرتگالی بیانگ دہل کہتے ہیں کہ اناس ان درختوں میں سے ہے جن کا ہمارے فرمے سے ہندوستان میں رواج ہوا ہے ۔ ان امور کو جاننے کے بعد ہمیں حیرت ہوتی ہے جب ہم 'راسا' کے مصنف کو یہ کہتے سنتے ہیں کہ پرتگالی راج کے عہد میں چٹا کے کنارے لکھنودہ باغ میں اناس کا درخت موجود تھا ۔

درختوں کے جس قدر نام اوپر گزرے ہیں ، بہت ہی خفیف فرق کے ساتھ سب کے سب "آئین اکبری" میں ملتے ہیں ۔ ان کا حوالہ ذیل میں درج ہے :

گل (ص ۸۸ و ۸۹) ، زعفران (ص ۹۶) ، گلر زعفران (ص ۱۰۹) ، انار (ص ۷۶) ، انگور (ص ۷۷) ، سریکھنڈی (ص ۱۰۱ و ۱۱۱) ، چنہ (ص ۹۸ و ۱۰۸) ، کدھ (ص ۱۰۰) ۔ 'راسا' میں کدھتپ ہے) ، کھجور (ص ۸۷) ، آلب (ص ۷۷) ، ایلہ (ص ۷۳) ۔ 'راسا' میں یہ حالت جمع 'اتپین' ہے) ، اناس (۷۷ و ۸۷) ، لوت (ص ۷۸) ۔ 'راسا' میں مشوت آیا ہے جو مشوت کی بگڑی ہوئی شکل ہے) ، جنوبیری (ص ۸۲) ، انروٹ (ص ۷۳) ۔ 'راسا' میں اس موقع پر 'اکھوٹ' ہے مگر دوسرے موقع پر صرف اکھوٹ لکھا ہے) ، عرب (ص ۷۶) ۔ راسا میں سو ہے) ، اسرت بھل (ص ۷۸) ، نارنگی (ص ۸۱) ، گلال (ص ۹۸) ، عیبر (ص ۹۵) ، عنبر (ص ۹۶) ۔

'راسا' اور 'آئین اکبری' کی فہرستوں میں وہ فرق ، جو بالفاظ اختلاف زمانہ ان میں ہونا چاہیے ، بالکل مفقود ہے بلکہ ان کا توافقی حیرت انگیز ہے ۔

کہانے

”اکھیٹ چکھ سراب“ (۶۳ ویں داستان) میں ہانی ہٹ کے مقام پر سنجوگنا ایک بھاری دعوت دیتی ہے۔ مصنف نے اس موقع پر مختلف کہانوں، ہکوانوں و دیگر اشیا کے نام دیے ہیں جو میں چار درج کرتا ہوں :

ہتراول (ہاتل) ، دونے ، ہوپ (روٹی) ، پوری ، سکھ پوری ، لہنی (لوچنی) ، پٹھی کی بھری کچوری ، گھبور ، جلیبی (جلیبی) ، پٹنی (پٹنی) ، سکتر ہارے (شکو ہارے) ، سیو سنگھارے (سنگھاڑے کے سیو) ، کسار ، گندورن (گندوڑے) ، کھرم (خرما) ، ہنڈ کھجور ، پی ، اکھروٹ (اخروٹ) ، لاساتی (قاشباتی) ، گٹر (گڑ) ، سکتر (شکتر) ، ہار (ہاڑ) ، کتد ، میدا کے پیدا (میدے کے پڑے) ، مکرنہ ، گنج (گیاوگر) ، چنیک (چشم) ، جیلی ، کرن (کرنا) ، کبیر ، بکن (موسری) ، ٹکند ، کھورا (کھوڑا) ، کیشکی ، جوی (جوی)۔

چنا ، چروغی ، چورا (چوللا) ، کسیرو ، کریری ، گوندگنا ، کور ، کھیراوتلی ، کھیرقائی ، یسن ، کرنا ، کرولدا ، کندورے (کندوری) ، نیو ، نارنگی ، ناساتی ، اسراتاں (اسراتیاں) ، کیتھ (کیت) ، وجوریاں (جورے) ، کلھی (کڑھی) ، پکوری (پکوڑی) ، ہری مولگری (مولگ کی بڑی) ، میدا کی روٹی (میدے کی روٹی) ، مائلہ ، روٹیں مسرین (مصری کی روٹیں) ، سالن (سالن) ، مارو ، یکن ، برے (بڑے) ، سم ، گنکور (گنکوڑا) ، کربلا ، مریلا ، بھینڈا (بھنڈی) ، روٹن بھری (روٹا بھری) ، چھوٹکری ، لیدھری ، کلی ، کچنار ، ہاکل (ہاکلا) ، پیورا (پیوڑا) ، رائتو (رائتا) ، ٹولگ ، مرچیں ، دھنا ، موٹھی (موٹھ) ، واتی ، دہی ، سرسوں ، سوا ، ساک (ساگ) ، بھو (بھوا) ، بڑساگ ، چنک (چالنا) ، چوک (چوکا) ، دودارو (دیودار) ، نیب (نیم) ، مسوری (مسور) ، ماش ، چنا ، دھبی (دہی) ، کسیر ، مٹھا ، جیر (زیرہ) ، دارم (داری) ، ڈاکھ (ڈکھور) ، کھارک ، چھارا ۔

مصنف نے ان کہانوں کا نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے ، جس سے میں نے صرف ناموں پر قناعت کی ہے۔ مگر اس تفصیل میں ایسا عنصر بھی تو پایا

جانا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ تمدنی حالت خالص ہندو عہد ہے ، جیسا کہ برہمنی راج کا زمانہ تھا ، تعلق نہیں رکھتی ، بلکہ ایسے عہد ہے جب ہندو مسلمان عرصے تک ساتھ ساتھ رہنے کے بعد ایک دوسرے کی تہذیب و مذہب سے متاثر ہو کر ملی جلی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں ۔ چنانچہ اس کے آثار ہم الفاظ : شکر ، شکر بارے ، جلیبی ، خرما ، نارنگی ، جی ، ناشپاتی ، مصری ، مینہ وغیرہ میں دیکھتے ہیں ۔ خالص ہندو تمدن میں ان اشیاء کا تصور بھی نہیں آ سکتا ۔ مثالیان اکثر و بیشتر مسلمان الاصل ہیں ۔ جلیبی ، جس کی قدیم شکل زلابی ، زلیبا و زلیبا ہے ، مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آئی ہے ۔ خواجہ مسعود سعد سلمان کے اشعار میں ’زلیبا‘ آتا ہے ۔ چنانچہ :

لایں کشک اگر بہاچم لیز راست گوئی زلیبا باشد

شکر بارہ تو خالص مسلمان نام ہے ۔ مصری ، نبات و طبرزد کو کہتے ہیں ۔ چونکہ اس قسم کی نبات کی ابتدا مصر سے ہوئی ، اس لیے ہندوستان میں اس کا نام مصری ہی رکھ دیا گیا ۔ خرما ، جی اور ناشپاتی فارسی ہیں ، مگر ہندوستان میں ان کا استعمال مسلمانوں کی آمد سے قبل تصور میں نہیں آ سکتا ۔

جب ہم اس فہرست پر یہ حقیقت مجموعی نظر ڈالتے ہیں تو یہ امر ذہن نشین ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں ایسی کوئی نفرت نہیں جو انہیں ٹیٹ برہمنی راج کے عہد کے ساتھ وابستہ کر سکے ۔ آج بھی یہ تمام چیزیں ہماری ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور تقریباً اسی طرح بولی جاتی ہیں جیسی کہ فہرست بالا میں ۔

اس فہرست میں بعض الفاظ کے آخر میں نون کے اضافے کی بنا پر ، جو جمع و انات کے لیے مستعمل ہے ؛ مثلاً جویں (جویں) ، روئیں (روئی) ، کندورن (کندورے) ، سالن (سالن کا) ، مصرین (مصری کا) وغیرہ کی نامانوس شکلوں سے ہمیں مرعوب نہیں ہونا چاہیے ۔

گاہستہ اور گھنری

گاہستہ اور گھنری ہندوؤں میں وہ نوسیں ہیں جنہوں نے اکبر کے عہد سے ، ٹولر مل کے اثرات میں ، فارسی سیکھنا اور اہل قلم کے ذریعے میں ملازم

ہونا شروع کیا ۔ ایک روایت یہ تبدیلی سلطان سکندر لودھی کے زمانے کی طرف منسوب کرتی ہے اور ڈونگر مل کا نام چلے ہندو شاعر کی حیثیت سے پیش کرتی ہے ۔ مگر دفتار پر ہندوؤں کا دخل اور اقتدار اکبری عہد ہی سے شروع ہوتا ہے ۔ 'راسا' کے مصنف کے سامنے چونکہ عہد مغلیہ کی زندگی ہے ، اس لیے وہ کابستہوں اور کھتریوں کو شہاب الدین کے زمانے میں بھی ، جب کہ اس کا دارالسلطنت غزنی ہے ، نہ آگرہ اور دہلی ، حسب دستور محل ، مسافاتی ملازمت میں تصور کرتا ہے ۔ جس طرح اکبر ، ٹوڈر مل اور بیربر کو اور شاہجہاں ، چندر بھان کو بعض سیاسی مسائل طے کرنے کے لیے ہندو راجگان کے پاس بھیجا کرتے تھے ، اسی طرح تثار خان ، شہاب الدین کا وزیر ، لورک والے کھتری کو غزنی سے دہلی پر بھیجنا راج کے پاس بھیجتا ہے ۔ یہ لورک والے ایک سے زیادہ مرتبہ غزنی سے دہلی سفارت پر آیا ہے (دھن کتھا اور پاڑا راسے سے) ۔ نیت راو ایک اور کھتری ہے جو اگرچہ بظاہر شہاب الدین کا ملازم ہے ، موقع پا کر برہمنی راج کے ساتھ بھی ساز باز کر لیتا ہے (النگ ہال سے) ۔ دھرمائن کابستہ ہے جو دہلی ہی میں مقیم ہے ، مگر جہاں کی تمام اطلاع شہاب الدین کو غزنی بھیجتا رہتا ہے ، گویا بادشاہ کا وکیل ہے ۔ دھرمائن کا ذکر متعدد داستانوں میں آتا ہے ؛ مثلاً دھن کتھا ، پاڑا راسے سے ، درگا کیدار سید ، بڑی لڑائی روہرتا وغیرہ ۔ ایک امر عجیب ہے کہ شہاب الدین کے یہ ہندو ملازم خواہ وہ کھتری ہوں خواہ کابستہ ، سب کے سب جاسوسی پیشہ کرتے ہیں اور دربار دہلی کی خبریں شاہ کے پاس غزنی بھیجتے رہتے ہیں ۔

بھاٹ

ایک اور لطف کی بات سنئے ؛ جس طرح چند ، برہمنی راج کا بھاٹ ہے ، درگا کیدار ، شہاب الدین کا بھاٹ ہے ۔ درگا علم و فضیلت میں کوی چند پر غالب آنے کی مراد دیوی سے مانگتا ہے ۔ دیوی جواب دہنی ہے کہ 'تو آوروں پر تو غالب آ سکتا ہے مگر چند پر غالب نہیں آ سکتا' ۔ اس پر درگا نے انہاس کی کہ میں برہمنی راج سے ملتا چاہتا ہوں ۔ دیوی نے فرمایا کہ ہاں تیری یہ آرزو

قبول کی جا سکتی ہے۔ دوسرے دن درگا، شاہ کے دربار میں جا کر رخصت مانگتا ہے۔ قتار خان کہتا ہے کہ دشمن کے گھر جانا قرین مصلحت نہیں، خدا جانے کیا افتاد پڑے۔ بادشاہ نے فرمایا ”کوی چند کو دیکھو، وہ کہیں غزنی نہیں گیا۔“ درگا بھاٹ لاجواب ہو گیا مگر بادشاہ نے اس کی دل شکنی کے خیال سے اجازت دے دی۔ درگا غزنی سے چل کر فغانی پہنچنے میں ہائی پت پہنچا، جہاں برتھی راج شکو کے لیے ٹھہرا ہوا تھا۔ راجا نے اسے عزت کی جگہ بٹھایا اور بڑی دل جوں کی۔ درگا نے آتے ہی شعر و طلسم میں چند سے مقابلے کی ٹھاں لی۔ سب سے پہلے اس نے شعر کے زور سے مٹی کے برتن سے آگ کا شعلہ نکالا۔ چند نے چواب میں ایک گھوڑے کے منہ سے اسپریاد (سلام) کھلوا یا۔ اس پر درگا نے ہتھور کی ایک چٹان جادو سے متحرک کی اور اس میں ایک انگوٹھی غالب کر دی۔ کوی چند نے اپنے علم کے زور سے چٹان کو ہائی بنا کر چا دیا اور انگوٹھی نکال لی۔ اس کے بعد درگا اور اور عجائبات دکھاتا ہے اور چند ان کے توڑ کرتا ہے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ چند کوی ان فنون میں اپنے حریف پر فضیلت رکھتا ہے۔ برتھی راج پانچ روز تک کیدار کو مہمان رکھتا ہے اور پت ما العام و اکرام دے کر رخصت کرتا ہے۔

(درگا کیدار سبھو، ۵۸ ویں داستان)

سادھو بھاٹ، شہاب الدین کا ایک اور بھاٹ ہے۔ اس کے لہجہ پر انیسویں داستان ہے۔ یہ شخص اکثر علوم و فنون میں ہاکمال تھا۔ ایک مرتبہ دلی آیا اور ایک مہینے تک ٹھہرا رہا۔ دلی اس کو بہت پسند آئی۔ جاسوسی کے خیال سے برتھی راج کے دربار میں بھی آئے جانے لگا اور اپنے کمال کا اہلر دربار پر خوب مکشہ جایا۔ برتھی راج کی داد و دہش نے اسے مالا مال کر دیا۔

مسلمانوں میں بھاٹ رکھنے کا دستور اسی عہد سے رواج پا سکتا ہے جب وہ ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد اس ملک کے رسم و رواج کے باندہ ہونے لگے ہیں۔ یہ خیال کہ شہاب الدین کے پاس درحقیقت ہندو بھاٹ تھے، بے حد مضحکہ خیز اور بے بنیاد ہے۔ مگر ’راسا‘ کا مصنف جس زمانے میں رہتا ہوتا تھا، کیا ہندو کیا مسلمان، ایک دوسرے سے اثر پذیر ہو کر ایک مخلوط قسم کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے، جس میں ہندو مسلمانوں کے لیے اور مسلمان ہندوؤں

کے لیے لازم و ملزوم بن گئے تھے اور ایک کا دوسرے کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ 'راسا' کا مصنف اپنے عہد کی زندگی اور اس کے اوضاع کا اس قدر عادی ہے کہ اس کے قلم سے بے ساختہ وہیں خط و خال رقم پذیر ہوتے ہیں جو مغلیہ اور اس سے قبل کے زمانے کی ہندوستانی زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً ہجیم کبار، کوئی چند کے سامنے راجا جسے چند والی تہوج کی تعریف میں یہ دوبا کہتا ہے :

پیری کاٹن راج بیج ، ڈانڈ بھرن پردھان
سیوا مانن ہئیہ دین ، ہندو مسلمان

(چھٹہ ۱۶۹۳ء ، ص ۱۶۷ ، ح ۱۴ ، تہوج سے ، ۶۱ ویں داستان)

بھلا جسے چند کے زمانے میں تہوج کی قلم رو میں مسلمان کہاں آباد تھے جو اس کی تعظیم و تکریم میں ہندوؤں کے ساتھ شریک ہو سکتے۔ مگر مصنف کے زمانے میں یہ قول بالکل صادق آتا ہے جب ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی رعیت بن کر رہتے تھے۔

مسلمان ہندوستان میں یہ حیثیت فایح داخل ہوئے۔ مفتوحین شروع شروع میں تو ان سے غیر متعلق رہے مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کی آمد ہنگامی نہیں ، نہ یہ لوگ اس سرزمین سے لٹنا چاہتے ہیں ، حسدِ قضاے وقت صلح و آشتی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ خود مختار راجاؤں نے تعلقات قائم کر لیے۔ کمزور رئیس اپنے طاقت ور ہمسائے کے خلاف ان سے امداد کے جویا ہوئے۔ جون جوں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہتے رہتے زیادہ زمانہ گزرتا گیا ، یہ تعلقات زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتے گئے۔ فزوں وسطیٰ کا ہندوستان اپنی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات کا آئینہ دار ہے۔ مغل باہر کے خلاف والا سنگرام عرف رانا سانگا اور حسن خان مہوانی متحد ہو کر ایک ہی محاذ پر جنگ کرتے ہیں۔ اسی باہر کے مقابلے میں راجا بیکرماجیت ، ابراہیم لودھی کے ساتھ ہانی پت کے میدان میں مارا جاتا ہے۔ سلاطین گجرات و مالوہ کی تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں ایک ہندو راجا کی خاطر یہ طاقت ور سلطنتیں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوئیں۔ ان میں مذہبی اختلاف جنگ و صلح کا محرک نہیں تھا ، جیسا کہ آج کل کے مؤرخ ہمیں یقین دلانے ہیں ، بلکہ اغراض و مقاصد کا اتحاد۔ یہی خصوصیت 'راسا' کے صفحات میں نمودار ہے۔

انہادیوں داستان میں النگ ہال ، برتھی راج سے اپنے ملک کے استرداد

کا خواہش مند ہے ۔ وہ خود فوج کشی کر کے برتھی راج سے لڑتا ہے مگر شکست کھاتا ہے ۔ بالآخر مادھو بھاٹ کو شہاب الدین کے پاس غزنیہ بہ غرض استغاثہ بھیجتا ہے ۔ شہاب الدین ایک بڑی فوج کے ساتھ اس کی امداد کو آتا ہے اور اٹنگ پال کے شریک ہو جاتا ہے ۔ اتحادی برتھی راج سے جنگ کرتے ہیں ۔ بدقسمتی سے ، اور یہ بدقسمتی شہاب الدین کے لیے 'راسا' کے منجات میں نہایت عام ہے ، سلطان میدانِ جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اتحادیوں کو شکست ہو جاتی ہے ۔

چھتیسویں داستان (ہمساقی وواہ) میں چندہری کا راجا پنجائن ، شہاب الدین سے رن تھپ کے راجا کے خلاف فوجی امداد مانگتا ہے اور شہاب الدین اپنا لشکر اس کی امداد کے لیے سرکردگیِ نوری حجب اور کیلی خاں روانہ کرتا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کی شادی غمی اور دیگر دستور و رسوم میں بھی حصہ لیتے ہیں ۔ اس کی ایک مثال اکیسویں داستان (برتھا ویاہ ورنن) میں ملتی ہے ۔ اس داستان کی 'رو' سے برتھی راج کی بن برتھا بانی ، راول سمر سنگھ والہر چٹوڑ سے بیاہی جاتی ہے ۔ اس موقع پر شہاب الدین بھی دولہا ذلہن کے لیے تحفے بھیجتا ہے ، جن میں علاوہ دیگر مال و متاع کے پیرس ہاتھی ، سو گھوڑے اور ایک سو باندیاں شامل ہیں ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تحفے فی الحقیقت شہاب الدین نے راول جی کو شادی کے موقع پر دیے تھے ۔ تاریخ کی 'رو' سے راول سمر سنگھ اور برتھا کی شادی ناممکن ہے کیونکہ راول مذکور برتھی راج اور شہاب الدین کے زمانے سے ایک صدی بعد ہوتا ہے ۔ لیکن مصنف نے شہاب الدین کا جو تحفے دینا بیان کیا ہے تو درحقیقت وہ اُس رواج کو اجاگر کر رہا ہے جو اس کے اپنے عہد میں ہندو اور مسلمان باہمی تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ برتتے تھے ۔

مسلمانانِ الفاظ

'راسا' میں مسلمانانِ الفاظ پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مصنف تاریخی زبان کی مبادیات سے ضرور واقف ہے ۔ مسلمانوں کے بعض مذہبی معاملات

ہے یہی اس کو آگاہی ہے ۔ اسے معلوم ہے کہ ان کی مذہبی کتاب کا نام قرآن ہے جسے مصحف بھی کہتے ہیں ۔ اس کے تیس ہارے ہیں ۔ ان میں خدا کے نیک بندے بھی ہوتے ہیں جو تیسوں دن نمازیں پڑھتے ہیں اور غیر شرعی امور کے قریب نہیں جاتے :

پنج یس پنج دن کریں نواج
حق احق وست جن نہیں کاج

(چہند ۲۴ ، ص ۵۲۱ ، ح ۵ ، سنگھ جلد ۱ ، تیرہواں داستان)

پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور سیارے کو رات دن پڑھتے رہتے ہیں :

نہیں نیاز سائیں بے پنج بکھٹ (وقت)
سیارے تیس پڑھیں دن رت

(چہند ۲۷ ، ص ۴۰۳ ، ح ۴ ، حسین گنتا ، نویں داستان)

تسبیح کا استعمال مستحسن سمجھتے ہیں ، پیر کے چادر پڑھاتے ہیں ، 'سلا' اذان دیتا ہے ، قاضی نماز پڑھاتا ہے ، جو لوگ مذہب کے لیے مارے جاتے ہیں شہید کہلاتے ہیں اور زلہ جاوید ہیں ۔ 'گوری' کی وجہ تسمیہ دی ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ 'گور' یعنی غیر کے معنوں سے واقف ہے ۔ مسلمانوں کی جنگ اصطلاحات و اصطلاح سے کافی آشنا معلوم ہوتا ہے : مثلاً آتش ، سلج ، تیغ ، زہ ، کبان ، تیر ، ترکش ، گرز ، تفک ، ہدف ، نشان ، چوگان ، حشم ، سوار ، لکام ، بیلوان (بیلبان) ، عراق ، لازی ، لویت ، شہنائی ، نقیری ، چنگ ، دسامہ وغیرہ ۔ الفاظ 'تیر و تیغ' اس کے ہاں کثرت کے ساتھ ملتے ہیں ۔ اسی طرح اعداد میں 'سہس' کے ساتھ 'ہزار' بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے ۔ باغ و باغبان کے لیے انہی فارسی الفاظ 'باغ و باغبان' پر قناعت کرتا ہے اور جب چاہتا ہے مسلمان الفاظ کافی تعداد میں لا سکتا ہے ۔ یہ مثالیں ملاحظہ ہوں :

چا سو پان سپاہ دین سلطان
پنگہر پروودگار الہ کریم کووار (کیار)
سلطان جلال سکندر جاہا
سلطان شہاب دین الہ اباہا

(چہند ۱۴ ، ص ۲۱۲۶ ، ح ۱۸ ، بڑی لڑائی)

دیگر :

میں لغیر سلطان ، آپ کہیں پھٹے قاضی
جست بھاگہ جو کسے ، ہوئے حاجی کے غازی
جو امید جیسے ہوئی ، راج دوئی اللہ بندی
کوئی گمان جن کرو ، کسے کیا ابہ گندی

(چھند ۷۶۶ ، ص ۲۲۳۸ ، ح ۱۹ ، بڑی لڑائی)

اس رزمیہ کے بعض الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ وہ "استمالر ہند" کے ذیل میں آتے ہیں ۔ "استمالر ہند" سے مراد غیر ہندی الفاظ کی وہ خاص صورت ہے جو ہندوستان میں اختیار کر لی گئی ہے ۔ مثلاً 'مائل' کو 'معیل' کہا جاتا ہے (چھند ۲۹ ، ص ۶۰۶ ، ح ۶) ، اور 'ہالان' کو 'ہالان' (چھند ۶۵ ، ص ۵۸۵ ، ح ۸) ، 'وقت' کا 'ہفت' بن گیا ہے (چھند ۹۷ ، ص ۴۰۳ ، ح ۴) ۔ اسی طرح 'رسالہ' سے 'رسال' (چھند ۱۳۹ ، ص ۴۷۲ ، ح ۵) بمعنی سوغات بن گیا اور 'لغواص' ، 'حجام' کے معنوں میں آیا (چھند ۵۸ ، ص ۵۸۵ ، ح ۶) ۔ اسی طرح 'بماز' کو 'نیاچ' کی شکل میں بدل دیا ہے ۔ 'کالغذ' 'کنگد' بن گیا ہے (چھند ۸۵ ، ص ۸۹۳ ، ح ۸) ۔

بعض ترکیبیں ایسی بھی ملتی ہیں جو نیمے ہندی اور نیمے فارسی ہیں ! مثلاً ہینک ہوش (چھند ۵۴ ، ص ۶۸۵ ، ح ۶) ۔ اسی طرح 'جیم جور' ہے ، جس میں 'جیم' (موت) ہندی اور 'جور' فارسی 'زور' کی ہکڑی ہوئی شکل ہے ۔ 'اورجور' کا بھی اسی پر قیاس کیا جائے ۔ ہر حال یہ ترکیبیں اس عقیدے کی تائید نہیں کرتیں کہ یہ رزمیہ برہمنی راج کے عہد کی تالیف ہو سکتا ہے ۔ بعض وقت ایسے فارسی مرکبات بھی ملتے ہیں جیسے 'سرتاج' (چھند ۱ ، ص ۵۱۱ ، ح ۱۳) ، 'نیل مانی' (چھند ۵۶۴ ، ص ۱۶۶۰ ، ح ۱۴) یعنی دریائے نیل کی بھلی ، جنگلی جوان (چھند ۳ ، ص ۱۰۴۵ ، ح ۹) ، 'زردوزن' (زردوزی) اور 'زرکشی' (چھند ۵۰ ، ص ۵۸۴ ، ح ۶) ، 'کسادہ کسادہ' (کشادہ کشادہ) (چھند ۱۲۶ ، ص ۹۰۷ ، ح ۸) اور 'راہ لے راہ' (چھند ۹۵ ، ص ۴۰۳ ، ح ۴) ۔

کوچ ہر کوچ ، کوچ دو کوچ اور کوچا کوچ ایک فارسی روزمرہ ہے ۔

مصطفیٰ نے ہادثنی تغیر اس پر تصرف کر لیا ہے۔ مثال :
چلو کوچ بر کوچ کھری

(چھند ۲۹۷، ص ۷۳، ح ۷)

دیگر :

در کوچ کوچ اترے سندھ

(چھند ۱۳۵، ص ۶۱۸، ح ۶)

دیگر :

اقی کوچہ دلن کھریں جل ہتھ جائے سو اتریں

(چھند ۱۶۵، ص ۶۲۱، ح ۶)

ذیل کے چھند میں 'کھیت ہڑا' کھیت رانے کے مفہوم میں آیا ہے :

کھیت ہڑے لشار ساء کوری کئی ستیا

(چھند ۱۹۲، ص ۶۲۵، ح ۶)

سر 'دھتا' ایک اور محاورہ ہے۔ چنانچہ :

سر دھت ہتی ساء دھاء ہتی سینا ستیا

(چھند ۲۹، ص ۹۵۱، ح ۹)

"وہ ہانی ملتان گیا" وہ ہانی ملتان گیا ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب

یہ ہے کہ اب وہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ استاد ذوق :

پنجاب میں بھی وہ نہ وہی آب و تاب حسن

اے ذوق ! ہانی اب تو وہ ملتان نہ گیا

"پر تھی راج راسا" میں بھی ضرب المثل یوں آئی ہے :

چاس چھتر رکھت نکھت لینو سرقاتی او تروے ساہاب کیو ملتانہ ہانی

(چھند ۲۶۵، ص ۷۳، ح ۷)

اس ضرب المثل کی تشریح میں یہ کہانی بیان کی جاتی ہے :

ایک دن گورکھ ناتھ، ریداس بھگت کے پاس آیا۔ ریداس ایک رہی تھی،

ہانی مانگا۔ ریداس ہانی لینے گیا۔ اس وقت گورکھ ناتھ کو خیال آیا کہ ریداس

تو ذات کا چار ہے۔ میں اس کے ہاتھ کا ہانی کیوں کر پی سکتا ہوں۔ جب ریداس

ہانی لایا، اس نے اپنے آنسو میں پھروا لیا مگر ہا نہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں

کرنا رہا اور رغبت ہوا۔ پھر کبیر کے پاس جا کر بیٹھا اور اس کے ساتھ باتوں

میں مشغول ہو گیا ۔ اُس وقت کبیر کی بیٹی کمالی آئی اور وہ ہائی اٹھا کر بی گئی ۔
 پہنے ہی اکاس لوک ، سرت لوک اور پتال لوک کے تمام ابراہو اس پر متکشف
 ہو گئے ۔ جب گورکھ ناتھ کو معلوم ہوا کہ اس ہائی کے بیٹے سے کمالی میں یہ وصف
 پیدا ہو گیا ہے ، ہاتھ ملتے لگا ۔ دوبارہ ریداس کے پاس جا کر ہائی مالکا ۔ ریداس
 کشف کے ذریعے سے جان گیا تھا کہ گورکھ ناتھ نے اپنے غرور کے سبب سے وہ
 ہائی نہیں بیا تھا اور اب پھر اسی کی تلاش میں آیا ہے ۔ اسی اثنا میں کمالی کے
 سوال والے بتاؤس آئے اور کمالی کو ملتان لے گئے جہاں وہ بیاہی گئی تھی ۔
 اس وقت ریداس نے یہ دوبا کہا :

پالوے تھے جب بیا ہوئیں تب تم نے ابھان کیا
 لہولا جوگی بھرے روانہ وہ ہائی ملتان کیا

راسا اور ابوالفضل

ہملت موہن لال وشو لال پنڈیا اپنے مضمون میں ، جس کا خلاصہ ہم
 آئندہ صفحات میں درج کریں گے ، لکھتے ہیں کہ ”چند چھندوسن سہیا“ میں ،
 جو سمت ۱۶۲۹ بک (سنہ ۱۵۷۲ع) مطابق ۵۹۸۰ کی تالیف ہے ، مذکور ہے کہ
 سمت ۱۶۲۷ بک (سنہ ۱۵۷۰ع) میں جلال الدین اکبر بادشاہ نے ”پر تھی واج راسو“
 اپنے دربار کے شاعر گنگ جی سے منی تھی ۔

یہ بیان اگر صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ ’راسا‘ جلال الدین اکبر کے عہد میں
 موجود تھی ، لیکن جو تاریخ ہملت جی دے رہے ہیں وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی ۔
 اس تاریخ میں ایک یا دو دہائی کا فرق ہو تو کوئی تعجب نہیں کہونکہ ہندوؤں
 میں اکبر کا شغف اس عہد سے بعد کا قصہ ہے ۔

بعض وجوہ ہمارے پاس ایسے ہیں جن سے شبہ ہوتا ہے کہ ’راسا‘ اکبر کے
 عہد میں موجود تھا ۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی زمانے میں وجود میں آیا ہو ۔
 ابوالفضل کے بعض بیانات سے ، جن کی تفصیل ذیل میں آتی ہے ، معلوم ہوتا ہے
 کہ ان میں اور ’راسا‘ کے بعض مطالب میں اشتراک ضرور ہے ۔ لیکن یا تو ’راسا‘
 اس کی موجودہ شکل میں اس کے پاس نہیں یا کوئی اور تالیف ، جس کے مضامین

’راسا‘ سے ملتے جلتے ہیں مگر بعض امور میں متناقض ، اس کے سامنے ہے ۔
ابوالفضل مسلمان تاریخ کے ان صحیح بیانات سے ، جو شہاب الدین کے حالات میں
مفصل ملتے ہیں ، اعراض کر کے غلط ہندی مآخذ کی سند پر کہتا ہے کہ
برتھی راج نے شہاب الدین کو سات مرتبہ شکست دی اور آٹھویں مرتبہ اس سے
مغلوب ہوا ۔ چنانچہ :

”ہندی ناسا بر گوید ہنت ہار (یہ) سلطان پیکار آراست و شکست داد ۔
پانصد و ہشتاد و ہشت ہجری نزدیک تھائیسر ہشتم ہار دوںبرد گرفتار شد“
(ص ۵۳۱ ، آئین اکبری ، مرتبہ بلاکین) ۔ ”سلطان“ سے پہلے ”بہ“ میرا اہلہ
ہے جو ملی لسنجے کی حد پر کیا گیا ہے ۔

یہ بیان یقیناً ’راسا‘ کے بیان سے مختلف ہے جس کا دعویٰ ہے کہ شہاب الدین
نے بیس سے زیادہ مرتبہ برتھی راج سے شکست کھائی ، پکڑا گیا اور زور قیدی دے
کر رہا ہوا ۔ ابوالفضل کا بیان ممکن ہے کہ ”عبیر سہاکوید“ سے ماخوذ ہو جو ،
کہا جاتا ہے ، سمت ، ۱۳۶ ہجری کی تالیف ہے ۔ اس کے بعد ابوالفضل گویا ہے :
”راجا را حد گو نامور ملازم بود ، ہریکی را سانت گنتی ۔ شکست کازی
اینان در کالید گفت در لگتجد و عادت و غرہ نہذیرد“۔ یہ اشارہ ہے ان سامنتوں
کے ان مخالفہ امیز اوصاف کی طرف جو ’راسا‘ میں بھی ان کی طرف منسوب ہوئے
ہیں ؛ مثلاً سات آدمی ہاری داری لڑ کر شام تک سات ہزار آدمی قتل کرتے ہیں ،
ایک ایک وار میں کئی کئی دشمنوں کی گردنیں اڑا دیتے ہیں ، ایک ہی غروب
میں پانہی کی سونڈ اڑ جاتی ہے ۔ ان سامنتوں کے سر اگرچہ ان سے جدا ہو جاتے
ہیں لیکن دھڑ بدستور جنگ میں مصروف رہتا ہے اور یہ مشکل تمام لہندا پڑتا ہے ۔
اس لیے ابوالفضل کہتا ہے کہ ان فسطوں کو عقل قبول نہیں کرسکتی ۔ مگر لوہیر
عقل مسلمان تاریخ کے بیان کو ٹھکرا کر ہندو بیان کو ترجیح دینا اور پھر عقل کا
سوال اٹھانا ہمارے نزدیک ابوالفضل کی زیادتی ہے ۔

اکبر کا یہ زبردست مؤرخ اس مشہور قصے سے ابھی واقف معلوم ہوتا ہے ،
جس میں جے چند والہر قنوج ’راجسو جنگ‘ مٹاتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ جے چند
اس تقریب کے موقع پر تمام راجاؤں کو دعوت دیتا ہے ۔ سب آتے ہیں مگر
برتھی راج شرکت سے انکار کرتا ہے ۔ جے چند اس کا مجسمہ تیار کرا کر بطور
دربان کھڑا کر دیتا ہے ۔ برتھی راج اس قریب پر مشتمل ہو کر ہانسو گٹھڑ چڑھوں

کے ساتھ بلغار کرتا ہوا قنوج پہنچ کر اپنا بت اٹھا لے جاتا ہے ۔ جسے چند کی لڑکی یہ خبر سن کر برہمنی راج پر نادیدہ عاشق ہو جاتی ہے ۔ باپ کو بتا لگتا ہے تو وہ گھر سے نکال دیتا ہے ۔ برہمنی راج کو ان باتوں کی خبر لگتی ہے ۔ وہ چاندنا بھاٹ کو جسے چند کے دربار میں جانے کے واسطے آمادہ کر کے خود مع اپنے ساتوتوں کے بھیس بدل کر ملازم کی حیثیت سے ساتھ ہو جاتا ہے اور موقع پا کر قنوج کی شہزادی کو لے کر نکلتا ہے ۔ برہمنی راج کے وہ سامنت مختلف جہروہوں میں اس کے ساتھ تھے ۔ ان میں سے ایک ایک سامنت جسے چند کی فوجوں کا مقابلہ کرتا ہے ۔ چنانچہ سب سے پہلے گوہند رائے گہلوٹ ستر راہ ہوا اور بڑے معرکے انجام دے کر مارا گیا ۔ اس نے سات ہزار آدمی مارے ۔ اس کے بعد لرسنگ دیو اور چاندنا اور پنڈر اور ساردھول سولنگی اور ہالہن دیو کچھوہن مع دو بھائیوں کے عجیب و غریب کڑ پائے نمایاں انجام دے کے واپس عدم ہوئے ۔ علیٰ حذا باقی سامنتوں پر گزری اور سب کے سب راہ میں کام آئے ۔ راجا مع چاندنا بھاٹ اور دو بھائیوں کے اپنی نئی راہ کو لے کر دلی پہنچ گیا ۔ ابوالفضل کی اصلی عبارت ذیل میں درج ہے :

”چنان برگزارد راجا جسے چند رائہور فرماں روائ ہندوستان در قنوج داد گری گردی و دیگر راجہا اختی لہایش بدو نمودی و از فراخی مشرب بسیاری ایرانی و تورانی ہرستار بودی (یہ اشارہ ہے مسلمانی فوجوں کی طرف جو جسے چند کے ہاں ملازم بنائی جاتی ہیں) ۔ سگاش جنگ راجسو فراہیش گرفت و در سرانجام آن شد و ناگزوان او آن ست کہ راجہا ہنمت گری قیام بمانند تا دیک شوق و آتش فروزی بدینا باز گردد و نیز دران لہمن گزین دختر خود را با بہین راجہ بیوند بخشد ۔ راجہ ہتھورا نیز سگاش رفتن داشت ۔ ناگاہ یکی را بر زبان رفت ، باوجود سلطنت چوہان اندیشہ راجسو او را سزاوار نبود ۔ راجا آتش حیت ہرا فروخت و باز ماند ۔ راجا جسے چند بہ لشکر کشی رو آورد ۔ کار دیدگان درازی کار و نزدیکی ساعت گزارده باز آوردند و ہمارہ انجام این جشن بیکر راجا ہتھورا از ملا ساختہ ہرہانی نشاندد ۔ راجا ازین آگہی ہرآفت و با ہالہد گزیدہ مرد بطرز ناشناسان رہ نوردید و ناگہانہ ہدان ہنگامہ در ہیوست ۔

آن بحال را برداشت ۔ فراوان مردم را جان بشکرده پیادہ پائی باز گردید ۔
 دختر راجہ کہ آمادہ دیگری بود از شیدہ داستان مردانگی شہتہ پھورہ
 شد و تن بدن نداد ۔ پدر رنجیدہ از شبستان بیرون آورد و از برای او
 منزلی جداگنہ بر ساخت ۔ پھورہ ازلن آگہی بر شورید و بخوشی پیوند او
 برگشت و بدین قرار گزشت کہ چاندبا یاد فروش کہ از دمسازان باریست ؟
 بہ عنوان نیایش گری بیش حے چند رود و راجا با برہی گزیدہ مردم
 پائین ملازمان ہمراہ باشد ۔ شوق الدیشہ بہ کردار آورد و بدین طلسم
 ہر ش مندی و جادوی مردانگی جوانی آرزومند را بر گرفت و بہ
 شگرف کاری و نیز دستی بملک خود باز گردید ۔ و آن مدامت را بگونا گون
 لباس ہمراہ داشت ۔ یکی پس از دیگری استادہ موجہا بر شکست ۔ نخستین
 گویند رای گہلوٹ بہ جنگ استاد و کارنامہا بجا آوردہ فروشد ۔ ہفت
 ہزار کسی در آویزہ او بہ سیلابہ نستی در شدہ ۔ سپس ترستگہ دیو و چاندبا
 و ہندیر و سازدھول سولنکی و پالہن دیو کچھوہا با ہر دو برادر اولین
 روز یکی پس از دیگری شگرف کاریہا کردہ نقد زندگی بہ مردانگی سپردند
 و آن راد مردمان کارزار ہمہ در راہ فرو شدہ و راجا با چاندبا یاد فروش
 و دو برادر او عروسی بہ دہلی آورد و جہانی بہ شکفت زار افتاد ۔“

(ص ۵۳۷)

میں اس تمام بیان کا 'راجا' کے بیان سے بہ خوف طوالت مقابلہ نہیں کرنا
 چاہتا ، کیونکہ 'راجا' میں جزویات اور آرائشی حصے کی اس قدر بھرمار ہے کہ اس
 سے ایک سیدھا سادا مسلسل بیان لہنا ایک داستان لکھنے کے مترادف ہے ، اس
 لیے میں پہلے دن کی جنگ کے بعض خد و خال چاہ نقل کر دیتا ہوں تاکہ ناظرین
 ان کا فرق خود ملاحظہ کر لیں ۔ اس کے لیے راجو مار کو میں نے اپنا رہبر بنا لیا
 ہے اور بے حد اختصار سے کام لیا ہے :

”سات ہڑا ملوچ فوج نے ، جن کے انسر میں ہام اور میر گردان تھے ،
 ساتوں پر حملہ کیا ۔ ان کی روک تھام کے لیے گویند رائے گہلوٹ
 دولوں ہاتھوں میں دو تلواریں لیے کر آگے بڑھا اور دو دستہ شمشیر زنی
 شروع کر دی اور دم بھر میں کشتوں کے پھٹنے لگا دیے ۔ آخر میں
 میر ہام سے اس کا مقابلہ ہوا ۔ میر نے اس پر توڑ (کرز یا نیزہ) کا وار

کیا اور چاہتا تھا کہ کیاں ڈال کر کھینچ لے ، گوہند رائے پر وقت اُچھل کر الگ ہو گیا اور وار خالی دیا ۔ اس پر میر نے ہالک کا ہاتھ مارا ۔ لیکن بیانے زیر ہونے کے لئے دشمن پر جھپٹا ۔ میر نے ایسا نیزہ مارا کہ کلچے سے ہار نکل گیا ۔ راجپوت نے اس پر بھی کونٹ کا ہالہ مارا ۔ اتنے میں میر نے اس کا سر اڑا دیا ۔ سر تو گر گیا مگر دھڑ نے آٹ بجا دی ۔ کٹار کے ایک ہی وار میں میر کو مردۂ حد سالہ بنا دیا ۔ اس کے بعد چار اور میروں کو موت کے گھاٹ اتارا ۔ اتنے میں آراس (آراش) کا زنبور کلچے میں لگا اور گھلوٹ کا نیز بے سر لاش پر گر کر پڑا ۔ مسلمان فوج اب زور باندھ کر آگے بڑھی ۔

ادھر سے پھڑن رائے نے سورجہ لیا ۔ اس کے مقابلے کو ہانسو مسلمان سپاہی بڑے ۔ وہ دیکھ کر کچھ رائے ، کٹھنیر ہرمار ، پھار رائے پتھیار ، بھوہا رائے چندیل ، بھوپ کچا رائے چالک ، اور ڈاہیا کوسنگہ رائے ، پانچ سامنت پھل ہو کر اس کی امداد کو آئے اور حریف کو لٹکوا ۔ خوب پتھیار چلا ۔ گھمسان کا معرکہ رہا ۔ آخر میں پھڑن رائے کا سر کٹ کر الگ جا گرا مگر دھڑ نے وہ کار نمایاں کیا جسے دیکھ کر دیوتا یہی عش عش کرنے لگے ۔ اس نے دم میں ساری مسلمان فوج کو تتر بتر کر دیا ۔ پھڑن رائے کے ختم ہوتے ہوئے تیسرا چر ختم ہو چکا تھا ۔ اب حریف کی طرف سے ہاگہ رائے بگھیلے اور میر کمود خاں نے ساونتوں پر پورس کی ۔ اس طرف چند پنڈیر نے پتھیار کیا اور مست ہاتھی کی طرح دشمن کی فوج میں گھس گیا ۔ ہزاروں میروں کو کاٹنا چھانٹنا میر کمود خاں کے مقابلے میں آیا ۔ میر نے اس کے بھالا مارا ۔ ادھر سے چند نے سیل چلاھا ۔ دونوں کے وار بھرپور بڑے اور دونوں کا کام تمام ہو گیا ۔

پنڈیر کے کھیت رائے ہی ادھر سے کرسیہ رائے نے اور ادھر سے ہاگہ رائے بگھیلے نے پتھیار سنبھالے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابلے میں ٹٹ گئے ۔ چلے تلواروں سے لڑے ۔ جب تلواریں ٹوٹ گئیں ، کٹاریں پکڑیں اور وار چلے ۔ اس گھمسان میں پھڑن رائے کا سپرن میر سے سامنا ہو گیا ۔ سپرن نے پھڑن رائے کے سینے میں نیزہ بیل دیا ،

جس سے پھڑن رائے بے جان ہو کر زمین پر گرا مگر گرنے گرنے حریف کے تلوار کا ہاتھ مارنا گیا ۔

پھڑن رائے کو گرنا دیکھ کر نورنگہ رائے داہنا سپرن کے مقابلے میں آیا ۔ سپرن نے پہلے تو اس پر بان (لبر) چلایا لیکن جب وہ بان کو خاطر میں نہ لایا ، تب اس نے تلوار کا وار کیا ۔ اتنے میں نورنگہ کا ہاتھ بھی چل چکا تھا ۔ الغرض دونوں ڈھیر ہو گئے ۔

کریمہ رائے کے مرنے پر اس کا سکا بھائی پلہن میدان میں اترا اور خوب داد شجاعت دے کر آخر کار ہلاک ہوا ۔

اس کے بعد پھڑن رائے کا فرزند ملے سنگھ چار تلواریں ہالہ کر حریف پر دوڑا ۔ کریمہ کے خاندان کے اور دو چار بھائی بیٹے اس کے ساتھ تھے ۔ اس جادر نے اسی صف شکنی کی کہ دشمن کی فوج نے بھی اس پر تحسین و افرین کے بھول برسائے ۔ اس نے جس سوار کے ہاتھ مارا زورہ بکتر سمیت کاٹ کر گرا دیا ۔ اب تک یہ ہاتھ میں کئی کئی زبردست جوانوں کی گردلیں کاٹ دیتا تھا ۔ میر اور سامنت دولوں اس کی دلاوری کی داد دیتے تھے ۔ زخمی پھڑن رائے بھی اپنے فرزند کی جادری دیکھ کر بھولوں نہیں سہاتا تھا ۔ اس کے ساتھ گہرے زخم آئے ، تب کہیں بے جان ہو کر گرا ۔

اب دشمن نے اس جاعت پر ہاتھیوں کو ریل دیا ۔ کتہ چربان اسی وقت تلوار لیے کر ان ہاتھیوں کی طرف جھپٹا ۔ وہ ان سینکڑوں ہاتھیوں سے اس طرح لڑ رہا تھا جیسے کوئی چلو ان اکھاڑے میں اپنے ہتھوں کو زور کرانا ہو ۔ زبردست ہاتھی اس کی شمشیر کا زخم چمک کر چیخ اٹھے ۔ کالے کالے ہاتھیوں میں اس کی تلوار بادلوں میں جھیل کی طرح کولہ رہی تھی ۔ ان کے زخموں سے خون جھرنے کی طرح بہ رہا تھا ۔ اس غوری دریا میں کئی سولہیں مگریمہ اور ڈھالیں کچھوے معلوم ہوتی تھیں ۔ ادھر کتہ یہ فہر ڈھا رہا تھا ادھر سارنگ رائے سولنگی غنیم کی فوج کے سر لن سے جدا کر رہا تھا ۔ جس میر پر اس کا ہاتھ پڑا ، سر خربوزے کی طرح کٹ کر دور جا گرا ۔ آخر کئی دشمنوں نے مل کر موت کے گھاٹ اتارا ۔ اتنے میں الدھیرا بھی ہو چکا تھا اور

جنگ ختم ہوئی ۔

آج کی جنگ میں دشمن کے سات ہزار مسلمان ، دو ہزار گھوڑے اور بہت سے ہاتھی کام آئے اور ادھر صرف سات سات کھیت رہے ۔ رات کے وقت لاشیں اٹھائی گئیں اور نرسنگہ رائے دایا ، گوہند رائے گھلوٹ ، چند پنڈیر ، سارنگ رائے سولنکی ، ہلہن رائے ساملا ، سورملے سنگھ وغیرہم کی لاشیں جب سامنے لا کر رکھی گئیں تو بولہی راچ رونا ہوا زخمی پھون رائے سے لپٹ گیا ۔ گوہند رائے ابھی تک سسک رہا تھا ۔“ ابوالفضل کا بیان بظاہر ’راسا‘ کے بیان پر مبنی مانا جا سکتا ہے ۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو ان میں کافی اختلاف موجود ہے ۔ ”آئین اکبری“ میں گوہند رائے اور ’راسا‘ میں گوہند رائے ہے ، جو بقول ابوالفضل تن تھا سات ہزار آدمی قتل کرنا ہے ۔ ’راسا‘ میں یہ تعداد ”ساتوں ساتوں“ کی کارگزاری کا نتیجہ ہے ۔ ”آئین“ میں چند پنڈیر ، ایک فرد واحد کو ، دو شخص مانا گیا ہے ؛ یعنی ’چاندنا‘ علیحدہ اور ’پنڈیر‘ علیحدہ ۔ ”آئین“ میں ساردھول سولنکی ، ’راسا‘ میں سارنگ رائے سولنکی ہے ۔ ”آئین“ میں نرسنگہ دیو ، ’راسا‘ میں نرسنگہ رائے ہے ۔ ”آئین“ کی رو سے ان سات ساتوں کے نام یہ ہیں :

- (۱) گوہند رائے گھلوٹ ۔ (۲) نرسنگہ دیو ۔ (۳) چاندنا ۔ (۴) پنڈیر ۔
- (۵) ساردھول سولنکی ۔ (۶) ہالہن دیو ۔ (۷) برادر ہالہن دیو ۔
- (۸) برادر ہالہن دیو ۔

اسی طرح آٹھ ساتوت بنتے ہیں اور ابوالفضل سات بتاتا ہے ، جس سے ظاہر ہے کہ چاندنا پنڈیر ابوالفضل کے نزدیک ایک شخص ہے جس کو اس کے مراتب نے دو شخص بنا دیا اور ’آئین‘ کے مذکورہ بالا متن میں چاندنا اور پنڈیر کے درمیان واؤ غلط لایا گیا ہے ۔ لیکن ’راسا‘ کا متن بھی اسے نقائص سے پاک نہیں ۔ ’راسا‘ کے تفصیلی بیان میں یہ ساتوت مارے جاتے ہیں :

- (۱) گوہند رائے گھلوٹ ۔ (۲) پھٹن رائے (بار اول) ۔ (۳) چند پنڈیر ۔
- (۴) پھٹن رائے (بار دوم) ۔ (۵) نرسنگہ رائے ۔ (۶) کرہہ ۔ (۷) ہلہن ۔
- (۸) ملے سنگھ ۔ (۹) سارنگ رائے سولنکی ۔

مگر مقتولین کی فہرست میں صرف چھ نام ملتے ہیں ؛ یعنی (۱) ، (۵) ، (۳) ، (۶) ، (۷) ، (۸) ۔ یہاں ہم سمجھتے ہیں کہ فہرست میں پھون رائے کی شمولیت ،

جس کو 'راسو سار' میں دو مرتبہ مقتول دکھایا گیا ہے ، بالکل غیر ضروری ہے ۔ وہ قتل نہیں ہوتا اور آئندہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زخمی ہوتا ہے ۔ باقی نام 'آئین' اور 'راسا' میں تقریباً مماثل ہیں ۔ صرف اتنا فرق ہے کہ 'آئین' میں بالہن کے دو بھائیوں کے نام نہیں دیے گئے جو 'راسو' میں موجود ہیں یعنی کرمبہ اور ملے سنگھ ۔

ابوالفضل اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس واقعے کے ایک سال بعد سلطان شہاب الدین نے جے چند والہ قنوج کے ساتھ دوستی کر لی اور لشکر لے کر لڑنے آیا اور برہمہ راج کا بڑا علاقہ فتح کر لیا ۔ برہمہ راج اپنی نئی رانی پر اس قدر فریفتہ تھا کہ اس کو دنیا و مافیہا کا مطلق ہوش نہ تھا ۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ شہاب الدین کی آمد کی اس کو اطلاع دے سکنا ۔ آخر اراکین دولت نے جمع ہو کر چالدا کو حالوں ٹھوڑھوں سے ہار کر کے حرم سرا میں بھجوا دیا ۔ وہ برہمہ راج کو ہوش میں لایا ۔ برہمہ راج اپنی گزشتہ فتوحات پر مغرور ، حسب معمول ٹھوڑا سا لشکر لے کر میدان کارزار میں جا دھکا ۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی تھی ۔ اس کے دل چلے سمیت ہوندر خاک ہو چکے تھے ۔ ادھر معاملات سلطنت بالکل ابتر و برہم تھے اور جے چند ، جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر اس کی امداد کرتا رہتا تھا ، الٹا اس کے دشمن کا مددگار ہو گیا تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برہمہ راج نے بری طرح شکست کھائی ، گرفتار ہوا اور شاہ اسے غزنی لے گیا ۔ چنانچہ 'آئین' :

”او بخت برگشتگی راجہ بدان سپین بانو شہقت شد و از ہند و ابرداشت ۔
چون حالی برین گفتشت ، سلطان شہاب الدین ازین داستان باراجہ جی چند
طرز دوستی پیش نهاد ۔ جیسی لشکر ہا فراہم آوردہ بہ پیکار برآمد ۔
بسیاری جا بر گزشت ۔ کسی را بلزای گزارش چہ کہ دسترس نبود ۔ آخر
اولیای دولت فراہم آمدہ چالدا را از ہفت درگزرانیدلہ و او بہ حرم سرا
در شدہ لختی راجہ را بہ شورش در آورد ۔ او از غرور نیروزی بیان ہر بار
قدری لشکر فراہم آوردہ کارزار پیش گرفت ۔ چون دلاوریان والا پہنچ
درین مرتبہ لبودلہ و کار سلطنت از روئی افتادہ بود و جی چند ، کہ
ہموارہ کمک می کرد ، برخلاف پیشین مددگار غنم شد ، درین ناوردگا
راجا گرفتار آمد و سلطان دستگیر کردہ بہ غزنی برد ۔“ (ص ۵۳۲)

اس بیان کا اکثر حصہ اگرچہ معتبر تاریخ کی رو سے بے بنیاد ہے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر بھی ابوالفضل ہندو روایت کی خوشہ چینی میں مصروف ہے۔ اس کے بعد ابوالفضل اُسی قصے کو لے بیٹھتا ہے جس میں اندھا پرتھی راج ، چاندا بھاٹ کی شان دہی سے آواز پر لیر مار کر سلطان کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ یہ روایت ’راسا‘ میں بھی موجود ہے :

”چاندا از حلیف تمشہ و وفاداری بہ عزیزین شہادت و سلطان را سلاست نمود و نوازش یافت و بہ ہشت کاری راجا را دریافت و در زندان دمسازی نمود۔ گفت چنان خاطر می رسد کہ من نزد سلطان تیراندازی نوا برگزیم۔ او میل نمائش خواہد کرد۔ دوان زمان کار او را پساز۔ فرار داد بجای آمد و سلطان را تیردوز گردانید۔ ہوا خواہان ، راجا و چاندا را از ہم گزوانیدند۔“ (ص ۵۳۲ ، آئین اکبری)

سلطان کی سات مرتبہ شکست کا قصہ اگرچہ ابوالفضل نے ہندو روایت کی بنا پر تسلیم کر لیا ہے مگر بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ سلطان معزالدین ہد بن سام کے سوانح حیات میں ان شکستوں کے لیے کوئی مناسب موقع نظر نہیں آتا۔ جسے چند کے لشکر میں مسلمان فوجوں کا موجود ہونا ، پھر بیان واقع نہیں معلوم ہوتا۔ ایسے ابتدائی زمانے میں قلب ہندوستان میں مسلمانوں کا پایا جانا غیر اغلب ہے۔ - واصلی مقامات پر البتہ مسلمان موجود ہیں۔ لیکن ہندو رؤسہ کا یہ بیان صدائے بازگشت ہے اس عہد کی جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہو کر ہندوؤں کے ساتھ ملی جلی زندگی کے عادی ہو گئے ہیں اور فوجی غنیمت کے لیے عام طور پر پسند کیے جاتے ہیں۔ -

سلطان شہاب الدین کا اندھے پرتھی راج کے تیر سے مارے جانے کا قصہ بھی قطعی غلط ہے کیونکہ سلطان موصوف حسب بیان ”طبقات ناصری“ ملاحظہ کے ہاتھ سے غزنین جانے وقت منزل دیمک پر مارا جاتا ہے۔ قطعہ ذیل ، جو کسی ہم عصر شاعر کے قلم کا لوشہ ہے ، ’طبقات‘ میں محفوظ ہے :

شہادت ملک بحر و بر معزالدین کز ابتدای چہان مثل او نیامد یک سوم ز غترہ شعبان بسال شہ صد و دو فتادہ دو رو غزنین بمنزل دیمک ’طبقات‘ سے ابھی قدیم سند ہمارے ہاں نظر مدبتر کی ’سلسلۃ الانساب‘ کی ہے جو بعد از قلب الدین ایبک تالیف ہوئی ہے اور جس کا دیباچہ ذہبی سن راس نے

”قاری نضر الدین مبارک شاہ“ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں چھاپا ہے۔ اس تالیف میں یہی سلطان کا قتل سزول دسک میں ہٹایا گیا ہے۔ چنانچہ :

”و چون بمنزل گور دسک رسید حکم و تقدیر ایزدی عزّ اسد کہ در ازل برآئد بود و قرنی زہادت غازی حق شہید شد و بروحمت خدای پہوست۔“

(ص ۲۹، قاری نضر الدین مبارک شاہ، ۱۹۲۷ء، طبع رابل انشیاٹک سوسائٹی لندن)۔

راسا اور میراں سید حسین

ذیل میں ’راسا‘ سے اصل اقتباس جو میراں سید حسین سے متعلق ہے، دھیر پتھر پرستار (چونستھویں دامن) سے لے کر حوالہء فلم کیا جاتا ہے وہوہذا :

راسا سے اقتباس :

روشن	علی	فقیر	گسار	منا	اجمیرن
دبی	مول	لے	چکھت	ہوا	کھٹا دیے
گچیریاں	ہکار	جائے	دربار	ستان	
ہڈی	بھٹی	گہنی	کافی	انگوری	بن جہان
مکان	سو	جائے	فرہاد	کری	میراں سید حسین
لپٹ	خدای	مدحت	کرن	بہ	اکھوں من دھری امیک

(چھند ۱۶۷)

سر	جانا	حق	ہے	جگ	رہے	کی	کلماں
سا	پوسوں	کا	جیونا	تھوڑا	یہ	ہے	بھلاں

(چھند ۱۶۸)

در بحر متغارب مشتمں مالم :

کہے	دین	کجشن	پرس	سے	فران
نے	پیر	پیغمبرن	لہان	مکان	

کروں ودّ مشدن میںں پندوان
رہا بن ناسن جگن چہار چکان

کرن کٹکٹن سپہرا بندھی چلے
 چلے سنگ سوداگرن روپ دھارن
 ہلے ناو جیون نیر ونگن ہنگا
 رہے نیک چکھن ڈھنکے مکھ تولن
 دیو آئے ڈیرا اجیر تھان
 سنن مکھ اٹھتے رہے ہنگ جورن
 روی ارتھ کے کتھ دوی منھی کڈھن
 سپن چھوری پھیرن ترنگا دکھان
 رہوال چلے نہ ہلے سرارن
 ترکھے ہرکھے ہرکھے یہ آن
 لیے ہن لرسن ہورن پیری مولن
 لیے کاگدن کایٹھن انک لاسن
 سنن مان چھو آن وکھے گورن
 (۱۷۴)

کرے چوک سکھو نہیں تھ میرا
 اٹھے ہنگ ناپن ملو کینی ٹگن
 گئے دیو ہندوؤں کے بھی لٹن
 (۱۷۵)

مستور کینی دیں پیر ہوجے
 کیے سس لیکن چلو ہٹھ دھین
 کلتا ہٹھ جور کنتو سکلا
 اے سیر جوانن لھکے دوی ہم سے
 چٹھے گھریں کو چرن سس اٹھ

دلن ست ہونے سو ایوا اٹھے
 تنن من ایکن چوالیس ہارن
 جان ہتھ کے اچھ اچھے اٹکا
 دریاں جر دوج جرکٹس جھولن
 اے اشولین دھرا ہندوان
 دربار چائے کھو میر کھیرن
 ہی پیری لہاو کھندھائی سکڈھن
 سنے کرنن آنا سہی ہٹھ آہن
 کھوری اے دیاں چاہی راہ کھیرن
 دسانک گودنت لاجنت تھان
 مہن منی دامن کرے قول بولن
 جا جور منڈے سوا لکھ دامن
 کرے چھاپ آہن ہلاے حضورن

کیو سنبھری تالہ دے ہنگ میرا
 اجیال جوگی کرامات اکن
 لواجن گدارے دین ہنگ جپن

کرن کارن جو اہاں موت دیے
 تنن کارن اٹھے ہٹھ آہن
 اللہ محمد رسول (اللہ) الا
 ملے آب میں من مکھن دست چومیں
 تنن کھتج بیڑ جسی کڈھی

کڈھ نئی مسپرن
 چٹھیں بتلی سر میرن
 جرت ہے گئے کھن ہلال

چوالیسوں یار
 کر کڈھ رہا پ
 ہندو مسلمان

چھو آنا آنا نرند جیت اچھو اجراہل
 کئی لین یہاں ہوں میر پر امر رکھو صاف دھیر
 نہی تھان اے دو یس اک ڈھواچ مولدی بندھی گھر
 (۱۸۱)
 سوا میر دن مان آن تین اچھارت
 رچ کنتکر کری دور دھور ہڈیاں چارت
 چارات دے سین میرا یہ کین حکمن
 تم اور چٹھی ہے سوا من سدا کسمن
 اجمیر پر تم پرکٹ ہو کنگ دیس کے اتھرے
 ہندوان ہاں گھٹی ہے آئی این گول ہم برت رے
 (۱۸۲)

(چھند ۱۶۷ تا ۱۸۲، ص ۲۰۵۲-۵۳، حصہ ۱۸، پہلی راج راسا)

جہاں ہم 'راسا' کے بیان بالا پر تبصرہ ضروری سمجھتے ہیں۔ تاتار خان وزیر،

شہاب الدین سے کہتا ہے :

لقبر روشن علی :

”جس وقت فقیر روشن علی نے دل جا کر دی چھوٹا کر دیا اور اس
 قصور پر وہاں کے راجا نے اس کی انگلی کٹوا دی، روشن علی نے
 مکھے شریف میں جا کر فریاد کی۔ درگزر رسالت میں اس کی فریاد قبول
 ہوئی۔ نادان راجا کی سزا دی کا حکم دیا۔ قلعہ میں خواجہ میراں
 شاہ سوداگروں کے لباس میں روانہ ہوئے۔ میراں صاحب کے پاس بہت
 سے قیمتی گھوڑے تھے۔ ان کی آمد کی خبر پا کر دلی کے راجا نے
 سارے گھوڑوں میں انتخاب ایک گھوڑا خرید لیا اور حضرت میراں شاہ
 نے جو قیمت مانگی، وہی قیمت دے دی۔ اس لیے حضرت میراں شاہ
 کا اس وقت تو کچھ بس نہ چل سکا۔ وہاں سے چل کر انہوں نے اجمیر
 کے دیونا الجیال کے ماتم پر نماز پڑھی اور اذان دی، جس سے وہاں کے
 سب ہندو دیونا بھاگ گئے۔ اس وقت اس کالو سردار نے طیش میں آکر

فوج کشی کی ، اندھ تو بندو سپاہی لڑتے تھے ، اندھ صرف آپ کے چالیس ہار مقابلہ کرتے تھے ۔ جنگ کے اختتام پر اور تو سب بیچ کئے مگر حضرت صاحب نے شہادت پائی ۔ اس حادثے سے آپ کے ساتھیوں کو بڑا فاقہ ہوا ۔ اسی شب ان کے ایک ساتھی نے خواب میں دیکھا کہ ایک پیر مرد اس سے کہتا ہے کہ تم لوگ برگزین نہ کرو ، میرا صاحب اجمیر کے ولی ملنے جا کر ہوجے جائیں گے ۔ عذریہ وہ وقت آنے والا ہے جب بندو غوا ہوں گے اور اسلام کا گول ہالا ہوگا ۔ پس اے خداوندِ نعمت ! کوئی تعجب نہیں اگر یہ وہی وقت آ گیا ہو اور دین کے دیبلانے کی عورت آپ ہی کے نام پر ہو ۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ فوج کشی کر کے کافروں کو قتل کیا جائے ۔“

گویا نانار شاہ اس پیش گوئی کی بنا پر شہاب الدین کو لشکر کشی کا مشورہ دیتا ہے ۔ ’راسا‘ میں اس قصے کا ایسا کئی امور پر روشنی ڈالتا ہے ۔ ایک تو یہ کہ ’راسا‘ کا مصنف مسلمانوں کی روایات و معتقدات سے اس سے بدرجہا زیادہ واقف ہے جس کا وہ ’راسا‘ میں اظہار کرنا پسند کرتا ہے ۔ ایسی قریبی واقفیت ہر نبی واج کے دربار کے کسی آدمی کو مسلمانوں کے متعلق بہت مشکل سے ہو سکتی ہے ، اگرچہ یہ اطلاع ناخواندہ اور جاہل طائفے کے مسلمانوں کی صحبت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے جس کو صحیح تاریخ سے کوئی واسطہ نہیں ۔ ہندوستان میں ایسے قصے بہت عام ہیں جن کے راوی درگاہوں کے مجاور اور پیرزادے ہوا کرتے ہیں اور انہی دکان فروشی کے واسطے ایسے انیسائے تراش لیا کرتے ہیں ۔ چنانچہ یہ قصہ بھی اس ساخت کی طرف مشوب ہو سکتا ہے ۔

رسالہ کلیم :

میرے پاس اردو میں ایک منظوم اور مطبوعہ رسالہ ہے جس کا قائلہ کوئی شخص کلیم تقاض ہے ۔ اس رسالے کا افتتاحیہ ہے :

سراسر جو شکل الف ہے قلم ہے وحدت کے عالم کا گویا علم

اور مصنف کا تخلص اس شعر میں آتا ہے :

اللہ ہی ہے دعائے کلیم کرم کر بحق رسول کریمؐ

یہ رسالہ اب سے پچاس سال قبل لکھا گیا ہوا۔ کلام ایک فارسی کتاب ”جہاد الکفار“ کی سند پر روشن علی اور میراں سید حسین کے حالات بیان کرتا ہے۔ سبب تالیف میں کہتا ہے کہ جب میں خولیدہ اجمیری کی زیارت کے واسطے اجمیر پہنچا اور وہاں میرے کلام کی شہرت ہوئی، غلام علی ابن روشن علی، جو میراں شاہ کے زمرہ خدام سے تعلق رکھتے ہیں، میرے پاس ایک فارسی تاریخ کی کتاب لائے، جس میں میراں حسین کے حالات بالتفصیل مذکور تھے۔ چونکہ آپ کے حالات معلوم کرنے کا مجھ کو ملت سے اشتیاق تھا، اس لیے میں اس تالیف کو دیکھ کر بے حد مسرور ہوا۔ موصوف نے مجھ سے خواہش کی کہ تم اس کو اردو زبان میں نظم کردو۔ گویا یہ رسالہ ”جہاد الکفار“ کے بیانات پر مبنی ہے :

”جہاد“ سے لکھتا ہوں یہ مشورے ہے یوں اس سے تاریخ کی آگہی

اس رسالے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب راجا برلھی بت اجمیر میں گدی نشین ہوا، اس نے اپنی شہرت کے قیام کے لیے قلعہ ”تارا گڈہ“ پر، جس کی بلندی سات کوس ہے، رات کے وقت روشنی کرائی شروع کی۔ یہ روشنی دور دور سے نظر آتی تھی۔ ایک رات روشن علی قبیلے نے اپنے وطن شہر بخارا میں یہ روشنی دیکھی۔ اسے خبرت آئی کہ ہندوستان، جو دارالکفر ہے، وہاں کفر کی روشنی بھلی ہوئی ہے۔ روشنی کی تلاش میں یہ درویش اپنے وطن سے واپس ہوا اور سلطان محمود کے کسی حملے میں شریک ہو کر وارد ہندوستان ہوا اور کھوگھرا میں، جو اجمیر پہنچا اور انا ساگر کے پاس، جانب مشرق واقع ہے، قیام کیا۔ وہاں سے اجمیر پہنچا اور انا ساگر کے پاس، جو شہر کا دروازہ ہے، دھونی رما دی۔ شہر میں نئے قبیلے کے دھونی رمانے کا چرچا ہوا تو لوگوں کا ہجوم ہونے لگا۔ راجا کے ایک سامنت نے آکر اسے فائدہ کہ تو نے ہنگامہ کے واسطے میں دھونی رما کر آمد و رفت میں مزاحمت پیدا کر دی ہے۔ درویش نے جواب دیا ”ہم لوگ آزاد ہیں۔ جہاں چاہیں بیٹھیں،“ تو ”لوکنے والا کون؟“۔ سامنت نے کہا ”تو مجھے نہیں جانتا۔ میں نے بڑے بڑے سرکشوں کا ہل نکال دیا ہے۔“ اس پر روشن علی جلال میں آیا اور بولا ”اے بد زبان! چلا جا! تیری اسی میں خبر ہے، ورنہ انسان اٹھانے کا۔“ اسی وقت ایک قلعہ آگ میں سے نکل نکل کر سامنت کی طرف جھپٹا۔ سامنت سہم کر فرار ہوا۔ دوسرے دن روشن علی نے بازار میں جا کر دھونی رما دی۔ ایک گوجری دیہی

لے کر اُدھر سے گزری ۔ درویش نے پوچھا ”تیرے برتن میں کیا ہے ؟“ اس نے جواب دیا ”دہی ہے اور راجا برتنیں ہت کے رسوڑے (باورچی خانے) لے جا رہی ہوں۔“ درویش نے پوچھا ”قیحے روزانہ کیا دیا جاتا ہے ؟“ گوچری نے کہا ”دو اشرفیاں ملتی ہیں۔“ قحیر نے کہا ”اشرفیاں مجھ سے لے اور دہی مجھے دے دے ، بشرطیکہ میٹھا ہو۔“ گوچری بولی ”میرا دہی میٹھا ہے۔“ روشن علی نے اشرفیاں دے دیں اور دہی رکھ لیا ۔ جب اُنکی ڈال کر چکھا تو معلوم ہوا کہ کھٹا ہے ۔ درویش نے کہا ”یہ دہی کھٹا ہے ، میں نہیں لینا ، میری اشرفیاں واپس کر دے۔“ اس پر گوچری نے جا کر راجا سے شکایت کی ۔ راجا نے حکم دیا کہ جس اُنکی سے قحیر نے دہی چکھا تھا ، قلم کر دی جائے ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی ۔ قحیر نے بددعا دی کہ راجا ! جس طرح تو نے میری اُنکی قطع کرانی ہے ، اسی طرح تیرا راج بھی منقطع اور مستاصل ہو ۔

حالاتِ شاہ میراں جی :

قحیر روشن علی ہندوستان سے روانہ ہو کر مشہد مقدس پہنچا اور شاہ میراں سے فریاد کی ۔ شاہ میراں ابھی کم سن تھے ۔ ان کی شادی کنتھاری کی تھاریاں ہو رہی تھیں ۔ میراں جی نے اپنی شادی ملٹری کر دی اور راجا کی تادیب کے واسطے روانہ ہو گئے ۔

میراں جی کا نام شاہ سید حسین ہے اور وہ سید ابراہیم کے فرزند ہیں جو مشہد مقدس کے محنت تھے ۔ ان کی والدہ کا نام وہی ہاجرہ تھا ۔ یہ جاہد کے سید نجد کی دختر ایک اغتر تھیں ۔ ان صاحب زادی کے علاوہ سید نجد کے دو فرزند لڑکے سید تقی اور سید تقی تھے ، جو شاہ حسین کے ماموں ہوئے ۔ سید شہاب الدین ، جو چودہ ہزاری کر کے مشہور ہیں ، ان کے رشتے کے ماموں تھے ۔ یہ سید جلال الدین سیستانی کے فرزند تھے ۔ سید شہاب الدین کی بھی ایک بہن سید ابراہیم خدوم سے بیاہی گئی تھیں ۔

جب میراں صاحب ہند کی طرف چلے ، ان کے ساتھ دس ہزار سوار اور بارہ ہزار پیادے تھے ۔ ابو طیب ، سلطان محمود کے حکم سے ان کے ساتھ ہو لیے ۔ ان کے علاوہ سید شہاب الدین اور سید تقی و سید تقی بھی ہمراہ تھے ۔ پمدان سے

سید علی اپنے خویش و اقارب کے ساتھ اور بلخ و بخارا ، ناولد و کرمان سے منفرق لوگ ان کے ہمراہ ہو گئے ۔ یہ لشکر ۱۰۳۹ھ میں شہر ہمدان سے روانہ ہوا ۔ الخ خان مع شاہی فوج کے ، سلطان محمود کے حکم سے ، ان کے ساتھ ملحق ہو گیا ۔ سب سے پہلے اس لشکر کا مقابلہ کویہ ہندو (کڈا) کے پاس راجا چٹال کی فوج سے ہوا ۔ راجا کو شکست ہوئی اور گرفتار کر لیا گیا ۔ اس موقع پر ملتان سے تازہ مجاہد آ کر شریک ہو گئے ۔ اسی مقام سے میران صاحب نے الگ (کڈا) خان کو سلطان محمود کے واسطے تحائف دے کر رخصت کر دیا ۔ الگ خان کو رخصت کرتے کے بعد یہ لوگ سندھ کا ارادہ کر رہے تھے مگر راستے میں انہوں نے شہر ملتان کا محاصرہ کیا ۔ یہاں کے راجا کا نام افتد تھا جو راجا جبال کا فرزند تھا ۔ جنگ میں وہ قید کر لیا گیا ۔ اسی معرکے میں محدث ابو طیب شہید ہوئے ۔ اب میران نے ہندوستان کا رخ کیا ۔ اس وقت ان کی فوج میں ساٹھ ہزار سوار اور پچاس ہزار پیادے تھے ۔ یہ لشکر ہائی بت پہنچا ۔ ان دنوں چند ہال ، ہائی بت کا راجا تھا ۔ یہاں بڑی خونریز جنگ ہوئی جس میں ہندوستان کے کئی راجاؤں نے چند ہال کا ساتھ دیا مگر فتح مسلمانوں کے پرچم پر لہرائی ۔ ہائی بت سے لشکر دشت ہوکھر کی طرف بڑھا ۔ ہوکھر پہنچنے تک ظہر کا وقت ہو چکا تھا ۔ میران صاحب کو وضو کے واسطے کہیں پانی نہ ملا ۔ اس پر آپ نے اپنا لیزہ زور سے زمین پر مارا ۔ خدا کی قدرت سے پانی کا چشمہ اس مقام سے جاری ہو گیا ۔ ابک راجا ، جو جذام کے مرض میں مبتلا تھا ، شکار کی تلاش میں ادھر سے گزرا ۔ چشمہ دیکھ کر اسے اچنبھا ہوا ۔ جب پانی میں ہاتھ ڈالا ، خدا کے فضل سے اس کی کوریج جاتی رہی ۔ تب تو اس نے چشمے میں پورا غسل کیا اور اس مہابی مرض سے شفائے کامل حاصل کی ۔ اس نے چشمے کی تعمیر کا حکم دیا ۔

جب میران صاحب وافر اجیر ہوئے ، اتنا اگرو پر قیام فرمایا ۔ وہ مقام گھوڑوں کے تاجروں کی ٹرود گاہ ہے ۔ اہل شہر میں سمجھے کہ گھوڑوں کے سوداگروں کا قلعہ ہے ۔ سندھ شدہ یہ خبر ہر تہی بت کو پہنچی ۔ اس نے حکم دیا کہ عہدہ سندھ گھوڑے چھانٹ کر ہمارے لیے لاؤ ۔ اس کے آدمی گھوڑے دیکھنے آئے لیکن انہیں حضرت میران کی سواری کے خشک کے سوا کوئی اور گھوڑا پسند نہ آیا ۔ ”بولے آپ یہ گھوڑا ہمیں دے دیں“ ۔ میران صاحب نے فرمایا ”یہ خاص

میری ساری کا گھوڑا ہے ، فروخت کے واسطے نہیں ہے ۔“ جب راجا کے آدمیوں کا اسرار حد سے زیادہ گزرا ، آپ نے یہ شرط لکھرائی کہ جب میرا گھوڑا ٹاپ مارے ، زمین میں اس کا سہم جس قدر دھنسے ، تم اسی قدر حصہ سونے چاندی سے بھر دینا ۔ اس میں اس کی قیمت ہوگی ۔ یہ شرط انہوں نے منظور کر لی ۔ جب گھوڑے نے ٹاپ ماری ، قدرتِ الہی سے زمین کا وہ حصہ شق ہو گیا اور بڑا غار بن گیا ۔ راجا کے آدمیوں نے شرط کی تکمیل میں بے شمار زر و سہم اس میں ڈالا مگر غار نہ بھرنا تھا نہ بھرا ۔ آخر وہ لوگ عاجز آ گئے ۔ تب آپ نے فرمایا ”گھوڑا تم کو دے دیا جاتا ہے لیکن اگر وہ از خود ہمارے پاس چلا آیا تو تم کو واپس نہیں دیا جائے گا ۔ یہ شرط اگر منظور ہو تو گھوڑا لے جاؤ۔“ انہوں نے یہ شرط مان لی ۔ گھوڑا لے کر چلتے بنے اور اصطبل میں لے جا کر احتیاطاً زنجیروں میں کس دیا ۔ جب آدھی رات گزری ، گھوڑے نے زنجیریں توڑ دیں اور قلعے سے نکل کر میدھا میراں صاحب کے غچے میں آ گیا ۔ صبح کے وقت راجا کو گھوڑے کے غالب ہونے کا حال معلوم ہوا ، حیران رہ گیا ۔ میراں صاحب کے پاس آدمی بھیجے ۔ انہوں نے آکر دیکھا کہ گھوڑا موجود تھا ۔ جب راجا کو علم ہوا کہ میراں صاحب اس سے جنگ کرنے آئے ہیں ، اس نے کہلا بھیجا کہ مجھ میں آپ سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے ، اور جو خدمت چاہو کرنے کو تیار ہوں ۔ حضرت میراں نے اس سے مسلمان ہونے کی خواہش کی ۔ راجا نے جواب میں اپنے فوجیوں کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ چلے آپ کوئی کراست دکھائیں ، پھر ہم سے مسلمان ہونے کی درخواست کریں ۔ ہمارے شہر کا جو تالاب ہے ، اس کا بند اکثر اوقات ٹوٹ جاتا ہے ، آپ ایسا بند بندھوا دیجئے جو نہ ٹوٹ سکے ۔ تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے ۔ میراں نے کہلا لیا ”اگر واقعی بند بندھوا لانا منظور ہے تو میرے پاس کچھ پیل اور آٹا بھیجا دو“ ۔ راجا نے حسبِ الطلب یہ سامان بھیجا دیا ۔ میراں نے پیلوں کو ذبح کروایا اور حکم دیا کہ ان جانوروں کی ہڈیاں اور کھال بند کی جگہ ڈال دیں ۔ جب راجا کو پیلوں کے ذبح کیے جانے کی اطلاع پہنچی ، سخت طیش میں آیا اور خود میراں صاحب کی خدمت میں آیا ۔ میراں صاحب نے فرمایا ”راجا ! تمہارا بند تیار ہو گیا ۔ اب حسبِ وعدہ مسلمان ہو جاؤ۔“ راجا نے کہا ”مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ بند پہلے بندوں کی طرح کثرتِ بارش سے نہیں ٹوٹے گا۔“ آپ نے فرمایا ”ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے ، آزمائش کرو۔“

آپ نے آسمان کی طرف نگاہ کی ۔ اسی وقت ابر چھا گیا اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی ۔ دم کے دم میں جل قبول ہو گیا ۔ بانی تالاب کے بند پر سے گزر گیا مگر بند پر مطلق اثر نہ ہوا ۔ راجا یہ کراست دیکھ کر دلک رہ گیا ، مگر اپنی خفشت مٹانے کے لیے بولا کہ آپ نے میرے ساتھ یہ بڑی چوٹ کی کہ بیٹوں کو علی الاعلان ذبح کرا دیا ، جس سے میری سحت توہین ہوئی ۔ اب آپ کو چاہیے کہ بیٹوں کو فوراً زندہ کر دیں ورنہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لیں ۔ میرا صاحب نے جواب دیا ”تمہیں یاد ہوگا تم نے ایک درویش روشن علی کی آنکلی کٹوا دی تھی ۔ تم اس درویش کی آنکلی جڑوا دو ، میں تمہارے ہل زندہ کر دوں گا ۔ لیکن اگر تم نے اس کی آنکلی درست نہ کی تو یاد رکھو کہ تم کو بھی آسمان نہیں ملے گی ۔ میرے ساتھ غازیوں کا لشکر ہے ۔“ بالآخر جنگ کی ٹہنی ۔ لشکر اسلام کے سردار سید شہاب الدین تھے ۔ مجاہدین نے زور کر کے قلعہ ”سبل گدھ“ فتح کر لیا ۔ راجا اور اس کے دواون فرزند جنگ میں کام آئے اور ہندو بھاگ نکلتے ۔ اس اثنا میں راجا کے خورشوں میں سے ایک عورت سراسیمگی کے عالم میں ادھر ادھر گھبراتی پھر رہی تھی ۔ حضرت میرا کی دفعہ اس پر نگاہ پڑی ۔ آپ کا تقویٰ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ نا محرم عورت کو دیکھتے ہی آپ کو شرم آگئی اور آپ نے جلدی سے اپنے منہ پر نقاب ڈال لی ۔ یہ مولع ہا کر کافروں نے چاروں طرف سے آپ پر یورش کی اور شہید کر ڈالا ۔ رجب کی اٹھارہویں کو یہ واقعہ بھی آیا ۔ روشن علی درویش نے بھی خوب دائر شجاعت دی اور جام شہادت نوش کیا ۔ علیٰ ہذا آپ کے ساموں سید تقی و سید تقی نے بھی شہادت پائی ۔ ان کا واقعہ اُنس وجب کو ہوا ۔

کلیں کے بعد یہ قصہ اردو میں جت مقبول ہوا ۔ مختلف لوگوں نے اس پر رسائل لکھے ؛ مثلاً ”نارا گدھ کی لڑائی مع جنگ نامہ“ میرا سید حسین“ جسے شیخ وزیر حسین ناچر کتب ، محلہ گڑھیا ، دہلی نے چھاپا ۔ مال طباعت اور مصنف کا نام درج نہیں ۔ تعداد صفحات ۸ ۔

ایک اور رسالہ موسوم بہ ”نارنگہ شہد کی چڑھائی ، سبل گدھ کی لڑائی“ من تصنیف دوست محمد خان متخلص بہ دوست نقشبہ نویس اجمیری ، مشین پریس آگرہ میں طبع ہوا ۔ مال طباعت تحریر نہیں ۔ تلاش سے ایسے اور وسائل بھی دریافت ہو سکتے ہیں ۔

روشن علی فقیر کا قصہ ، جو اوپر مذکور ہوا ، اگرچہ ضمنی طور میں 'راسا' سے مختلف ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ یہی روایت ہے جس پر 'راسا' کے بیانات کا دار و مدار ہے ۔ 'راسا' میں آرائشی حصہ اس سے حذف کر دیا گیا ہے ۔

تثلیث رسالہ :

یہ حصہ ، جو تاریخی بیانات کی تردید و تنقیص کرتا ہے ، صرفاً درکاری محاوروں کی ایجاد ہے ۔ اس میں کراٹ کا جس قدر عنصر ہے وہ اسی ماخذ کی طرف باری رہائی کرتا ہے ۔ میران سید حسین کا ایک بڑا لشکر لے کر میدان سے روانہ ہوتا ، سلطان محمود کا الخ غاں یا الک غاں (الخ غاں؟) کو اپنی فوج دے کر ان کے ساتھ کرنا ، میران کے لشکر کی تعداد کا ساٹھ ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل تک پہنچ جانا ، اسے خط و خال ہیں جو صرف میران صاحب کی عزت و عظمت کا حکمہ ہارے قلوب پر بٹھانے کے واسطے کارفرما ہیں ، جن میں اصلیت کا کوئی شائبہ نہیں ۔ خود سلطان محمود اپنے کسی حملے میں اتنی بڑی فوج لے کر افغانستان کی بلندیوں سے ہندوستان کے میدانوں میں نہیں اترا ۔ جنگی قطعہ نظر سے اس کا حملہ "سومناٹ سب سے شان دار کارنامہ ہے لیکن اس پورش میں بھی اس کی فوج کی تعداد میران صاحب کی فوج کی تعداد سے ایک تہائی بھی نہ تھی ۔ ہارے نزدیک سارا قصہ الف سے لے کر بے تک بے سرو پا ، باوہ و واپی ہے ۔ راجا یرتھی ہت کے قلعے کی بندی سات کوس ہے ۔ اس بندی پر وہ روشنی کرتا ہے جو بخارا میں روشن علی کو نظر آتی ہے ۔ وہ اس کی نفی میں بخارا سے چل کھڑا ہوتا ہے ۔ راجا کے حکم سے اس کی انگلی کاٹی جاتی ہے ۔ وہ اپنی فریاد لے کر مشہد مقدس سید ابراہیم محدث کے فرزند میران سید حسین کے پاس پہنچتا ہے ۔ میران ، جو نہ کسی ملک کے والی ہیں نہ کسی والی ملک کے فرزند ہیں ، اس کی فریاد پر لبیک کہتے ہیں ۔ مشہد کے ذکر سے ہمیں خیال ہوتا ہے کہ قصہ ، بہت ممکن ہے ، شیعہ حلقوں میں اختراع ہوا ہو (مؤرخ فرشتہ نے سید حسین مشہدی کو شیعہ بیان کیا ہے) ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ روشن علی غزنی ، بخارا اور ہندوستان کو چھوڑ کر مشہد کا رخ کرتا ۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا ۔ میران صاحب ایک لشکر جہاز لے کر ہندوستان آئے ہیں ۔ مجاہدین کا یہ

لشکر کسی قدر لا آہالی ہے کہ برابر رامت اجمیر جانے کی بجائے اول راجا چٹال سے سمرکہ آرا ہوتا ہے۔ (ہمیں تو غریب راجا کا کوئی قصور معلوم نہیں ہوتا)۔ زان بعد اس کے فرزند ملتان کے راجا اند سے زور آزمائی کرتے ہیں۔ شکر ہے کہ سندھ کا ارادہ ملتوی ہو گیا ورنہ سندھوں کی بھی شامت آ جاتی۔ ملتان سے رغبت ہو کر مجاہدین ہائی پت آ کر تھمتے ہیں اور راجا چند ہال کو زیر و زبر کرتے ہیں۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ہندوستان کے مؤرخوں نے ہائی پت کی اس عظیم الشان جنگ کا، جو میرا صاحب نے لڑی، کہیں چرچا تک نہیں کیا۔ اب بنظر مستقیم یہ لشکر ہشکر پہنچتا ہے اور ہندوؤں کا مقدس تالاب ایک جینپٹر قلم، بلکہ ایک جینپٹر نیزہ، حضرت میرا کی کرامت کی یادگار بنا دیا جاتا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ راجا چٹال کون ہے اور محمود کے عہد میں ملتان کا راجا اند کہاں سے آ گیا؟ مؤرخین کا بیان ہے کہ محمود کے عہد میں ملتان پر ملاحدہ کا قبضہ کیا اور محمود ان کے آخری حاکم ابوالفتح کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور ملتان پر اپنا قبضہ جا لیا۔ قصے میں اند کو چٹال کا فرزند بتایا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قصے کے بالیوں کو یہاں سہو ہو گیا ہے۔ چٹال غالباً جے پال ہے اور اند، اند پال ہے جو جے پال کا فرزند تھا۔ اسی قسم کی ایک اور غلطی قصے کے بانیوں نے وہاں کی ہے جہاں الخ خان کو الخ یا الہک خان مرقوم کیا ہے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اتنا بڑا لشکر ایک درویش کی، جو انکلی کٹہ کر شہیدوں میں داخل ہوا ہے، کئی انکلی کا بدلہ لینے کے لیے ۵۰۰ میں ہمدان سے روانہ ہوتا ہے اور تیرہ سال خاک چھانٹنے کے بعد سنہ ۵۰۰ میں اجمیر پہنچتا ہے۔

قصے کے واضعین پر عہد کی خصوصیات اور اوضاع و اطوار سے واقف نہیں تھے، ورنہ سید شہاب الدین کو چودہ ہزاری لکھنے کی غلطی کے مرتکب نہ ہوتے، کیونکہ یہ دو ہزاری، پنج ہزاری اور دہ ہزاری مناسب اکبری ایجادات سے ہیں۔ اسی طرح روشن علی نام کی ترکیب ہرگز قدیم نہیں۔ روشن علی، گلشن علی، دلدار علی وغیرہ طرز کے نام گیارھویں صدی ہجری میں رواج پائے ہیں اور ہزارا کی بجائے ہندوستان میں زیادہ مقبول ہیں۔

کلیں کا بیان ہے کہ اجمیر کے دو راجا ہیں؛ ایک برتھی پت جو سلطان محمود

غزلوی اور میراں سید حسین کا معاشر ہے ، دوسرا برٹھی راج جو سلطان شہاب الدین اور خواجہ معین الدین چشتی کا ہم عصر ہے ۔

بے سرو پا واقعات کے اس الجھجھے موت میں ہمیں صرف کام کا ایک تاریخی معلوم ہوتا ہے اور وہ میراں سید حسین ہیں ۔ صوفیوں کے تذکروں میں ان کا نام میر سید حسین خٹک سوار ہے ۔

غزنیہ الاصلیاء :

”غزنیہ الاصلیاء“ میں ، جو صوفیوں کے حالات میں ایک معتبر تالیف ہے ، مرقوم ہے کہ وہ سادات مشہد سے اپنے آبائی سلسلے کے مرید ہیں ۔ اپنے حال کے انقضا کے لیے دنیا داروں کی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ سلطان معزالدین محمد بن سام کی معیت میں یہ بہت شہادت ہندوستان آئے ۔ فتح پور کے بعد ، جب شاہ نے قطب الدین ایبک کو دہلی میں متعین کیا ، میر حسین خٹک سوار کو بھی اس کی وفات میں چورڈا ۔ قطب الدین نے انہیں اجمیر کا حاکم مقرر کیا ۔ اجمیر میں انہیں شیخ معین الدین حسن سجزی کے ساتھ بڑی عہدیت ہو گئی اور آپ کی صحبت میں اپنا اکثر وقت گزارتے ۔ چونکہ اکثر ہندو میر حسین کی ترغیب و کوشش سے ، شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر ، دائرۃ اسلام میں داخل ہوتے تھے اس لیے ہندوؤں کو آپ کے ساتھ عداوت قلی پیدا ہو گئی ۔ وہ آپ کی گھات میں رہتے اور موقع کے منتظر تھے ۔ جس دن سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کی خبر شہر میں پہنچی ، اسی دن آپ کی فوج ، جو قلعے میں رہا کر رہی تھی ، مضائقہ میں جا چکی تھی اور آپ قلعہ (تالوا گڑھ) میں صرف چند آدمیوں کے ساتھ تھے ۔ دشمنوں کو رات کے وقت موقع مل گیا ۔ وہ ہجوم کر کے چڑھ دوڑے اور میر ہمدوح کو مع ان کے متعلقین و نوامین کے شہید کر دیا ۔ صبح ہونے پر جب یہ اطلاع شہر میں پہنچی ، خواجہ معین الدین اپنے مریدوں کے ساتھ قلعے میں تشریف لائے اور آپ کی تجہیز و تکفین کی ۔ بقول صاحب ”معارج الولاہ“ آپ کی شہادت سنہ ۶۱۰ھ میں ہوئی (غزنیہ الاصلیاء ، ص ۲۵۳ - ۵۵) ۔

اب ظاہر ہے کہ میراں سید حسین مشہدی المشہور بہ خٹک سوار ایک

محالات ہے۔ مشکل یہ آتی ہے کہ ہزاری تاریخ کے معلوم و مشہور مانخذ روشن علی اور اس کی کئی انکلی کے قصے سے بالکل لاواقف ہیں، جس سے یہ قیاس لگانے کی کافی وجہ پیدا ہو جاتی ہے کہ روشن علی کا اسماء بہت بعد میں وضع ہوا ہے۔ اگر اس میں کچھ بھی قدامت ہوتی تو کم از کم صوفیہ کے تذکروں میں کہیں نہ کہیں اس کا ضرور ذکر آ جاتا۔

جواہرِ فریدی :

”جواہرِ فریدی“ تصنیف ۱۰۳۳ھ میں سید حسین مشہدی کا ذکر شیخ معین الدین کے تامل کے سلسلے میں ملتا ہے۔ چنانچہ :

”ہم ثبوت پیوستہ کہ حضرت خواجہ اول بار از اجیہ بہ دہلی رفت و باز آمد ایشان را تامل واقع شد و آن چنان بود کہ سید وجیہ الدین مجد مشہدی کہ عثم سید حسین مشہدی، داروغہ غلطہ اجیہ بود، دختری داشت، در کمال غفلت و عصمت بہ بلوغ رسیدہ، سی خواست کہ در حیالہ کسی بزرگ زافہ در آرد۔ هیچ کس را درغور کمال و لائق حال نمی یافت کہ بدو پیوندی فرماید۔ اکثر درین تامل و افکار می مالد۔ ناگاہ شبی از شبہا حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ را در خواب دید کہ می فرمایند : ”فرز لدم وجیہ الدین اثبات از حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم چنین است کہ دختر عفت نشان خود را یا خواجہ معین الدین چشتی بپار و در حیالہ او در آو۔“ سید وجیہ الدین مذکور حسب الارشاد دختر خود را بہ حضرت ایشان نکاح کرد۔“

(ص ۱۶۲، جواہرِ فریدی، وکٹوریا پریس، لاہور، ۱۳۰۱ھ)

تقریباً ہی بیان کتاب ”چشتیہ چشتیہ“ تصنیف غلام الدین ثانی برناوی قالیف سنہ ۸۱۰۶ھ اور ”روضہ انطاب“ از مجد ہولاق، مؤلفہ سنہ ۸۱۱۲ھ، نیز ”مفتاح العارفین“ از عبدالفتاح بن مجد نعان میں ملتا ہے، جس سے ثابت ہے کہ شیخ معین الدین نے مہراں سید حسین خٹک سوار کی چچا زاد بین بی عصمت دختر وجیہ الدین مشہدی سے نکاح کیا تھا۔ چنانچہ شیخ معین الدین کے تامل کی داستان معروض بحث میں نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ سید حسین خٹک سوار خواجہ معین الدین چشتی ولی الہند کے معاصر ہیں۔

مولس الارواح :

اسی نقطہ نظر سے جہاں آرا یکم بنت شاہ جہاں بادشاہ کی تالیف ”مولس الارواح“ سے ایک القباس ذہل میں درج کیا جاتا ہے :

”حضرت پیر دستگیر وقتی کہ متوجہ اجمیر ہوئے ، از لاہور بہ دہلی رسیدند و چند گاہ در آنجا اقامت نمودند ۔ چون از دہام و ہجوم خلق پر اوشان بسیار شد بہ جالبہ اجمیر متوجہ گشتند و در آن مقام سعادت فرجام اگر چہ فی الجملہ رونق اسلام بود اما کفار فجار غلبہ داشتند ۔ سلطان قطب الدین خلعت داروشکر آن خلعہ شریفہ را بہ سید حسین کہ در عرف ایشان را خنگ سوار میگویند ، فرمودہ اودہ ۔ سید مذکور عطیہ تقوم سعادت لزوم حضرت پیر دستگیر را دولت عطا فی دانستہ ہمیشہ در صحبت فیض بخش آن حضرت بسر می برد و از برکت مقدم شریف آن حضرت بیشتری از کفار نامدار آن دیار را بہ تشریف ایمان و اسلام مشرف گردانید و ہر کس کہ ایمان نمی آورد بہ طریق جزئہ لذر و نیاز حضرت پیر دستگیر می فرستاد ۔ چنانچہ تا این وقت رسر فرستادن لذر و نیاز اولاد آن ہا بہ روضہ متبرکہ آن حضرت پر حال است و ہر سال بہ زیارت روضہ متبرکہ آن حضرت می آیند و سر نیاز پر آن آستان قدسی نشان می نهند ۔“

سیر الاقطاب :

اوپر کی روایت میں اس وقت تک کوئی گنجائش اور تضاد و تحالف نہیں لیکن کتاب ”سیر الاقطاب“ میں ، جو سنہ ۵۶۰ھ میں بہ ہمد شاہ جہاں بادشاہ تالیف ہوئی ہے ، اس کا مصنف شیخ الہ دہا بن شیخ عبدالرحیم بن حکیم ہوا روایت ہذا کو بالکل نیا بیج دے دیتا ہے ، جس سے واقعات میں بہت کچھ الجھن اور پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے ۔ شیخ الہ دہا اپنے بیان کا کوئی حوالہ نہیں دیتا مگر کہتا ہے کہ جب شیخ معین الدین مدینہ رسول میں حاضر ہوئے ، ایک روز مبارک کے پاس آپ پر عجیب حالت طاری ہوئی ۔ گلیا دیکھتے ہیں کہ آپ

دوبار رسول میں حاضر ہیں۔ مصنف کے اصل الفاظ نقل کرتا ہوں :

”دہند کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں فرماید کہ معین الدین ! تو عین دین مافی و لیکن ترا بہ ہندوستان باید رفت ، در آنجا مقامی است اجیر نام ، آن جا از فرزندان سید حسین نام بہ نیست غزوہ و جہاد رفتہ بود ۔ اکنون او شہید شدہ است و باز آن مقام بدست کفار آمدہ بہ عین قدومت در آنجا اسلام آشکار خواہد شد و کانران مقبور گردند ۔ پس آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتاری بدست خواجہ داد و فرمود کہ دوین نگاہ کن تا بدینی و بدائی کہ ترا کجا باید رفت ۔ حسب التحکم خواجہ در اتار نظر کرد ، از شرق تا غرب آن چہ بود ہمہ بدید و شہر اجیر و کوہ ہای او بہ خوبی نظر کرد اتباس فاصہ نمود و استمداد ازان درگاہ رشک عرض طلب نمودہ متوجہ ہندوستان گردید و ہنگی چہل مرد ہمراہی اختیار کردند تا بعد چندگاہ بہ ہندوستان تشریف اریزان فرمود ۔“

(ص ۱۲۴)

گویا اس ہدایت و بشارت کے زیر اثر آپ ہندوستان تشریف لائے۔ سید حسین سے مصنف کی مراد وہی سید حسین جنگ سوار ہیں۔ گویا یہ ابتدائی کوشش ہے جس میں سید حسین کو شیخ معین الدین سے اہم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اس روایت کے اس حصے سے ، جو زیادہ تر وقایہ و کرامت و سحر و طلسم سے تعلق رکھتا ہے ، اعراض کر کے کہتا ہوں کہ جب شیخ اپنے چالیس ہمراہوں کی سمیت میں اجیر پہنچ کر اتاساگر پر ٹھہرتے ہیں ، اس وقت ایک شخص آکر آپ کو (بالفاظ مصنف) اطلاع دیتا ہے :

”انقصہ چون آن حضرت بہ اتاساگر سکونت نمود ، شخصی بعرض رسانید کہ یا حضرت ! این ہاں مقام است کہ میر سید حسین خنک سوار و حمد اللہ علیہ وقتی کہ بہ تسخیر این دیار آمدہ بود دوین جا بسو می برد و این حوض را ہاں مرتضوی التصاب بنا نمودہ ۔ حضرت خواجہ فرمود ، الحمد للہ تعالیٰ کہ ہر ملک برادر خود متصرف شدہ ۔“ (ص ۱۲۵)

اس کے بعد مصنف شیخ معین الدین کے تاہل کے سلسلے میں اسی قدیم روایت کو دہراتا ہے اور خود سید وجہ الدین کو اجیر کا حاکم بیان کرتا ہے :

”میر سید وجہ الدین مشہدی در اجیر حاکم بود ۔ دختری داشت

ہاگ و ہارما، بری عصمت نام - چون بہ حد بلوغ رسید پدرش می خواست کہ در نکاح شخصی در آرد۔“ (ص ۱۳۴)

بالآخر شیخ معین الدین سے بری عصمت کا نکاح ہوتا ہے :
 ”پس عقد نکاح بستند و بری عصمت را کہ وی عمدہ میر سید حسین خنک سوار رحمتہ اللہ علیہ است بخاتمہ آوردند و بعد ہفت سال ازین واقعہ آن حضرت رحلت نمودند۔“ (ص ۱۳۵)

”سیر الاقطاب“ کے متعلق مجھے یہ بھی کہنا چاہیے کہ شیخ معین الدین کے تعلق میں یہ تالیف کئی سالوں کی واضح ہے؛ مثلاً اسے ہال جوگی اور شادی دیو کا افسانہ - اس تالیف میں اور بھی ایسا مواد ہے جو اس سے اقدم تالیفات میں نہیں ملتا، لیکن ان امور کی تفصیل ہماری موجودہ بحث سے خارج ہے - ہمارے لیے اس قدر جاننا کافی ہے کہ مصنف سید حسین خنک سوار کو بچانے شیخ معین الدین کا معاصر ماننے کے شیخ سے اقدم ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے - اور سید کو ایک نئی تحریک جہاد کا بانی اور شہید بتاتا ہے بلکہ نہایت ہوشیاری سے یہ تصد خود شیخ معین الدین کی زبان سے ادا کرتا ہے -

پھر حال اس روایت کی ابتدائی شکل وہ ہے جو ہم ”سیر الاقطاب“ میں دیکھتے ہیں اور تکمیل یافتہ شکل وہ ہے جو ’راسا‘ اور حکیم کے منظوم رسالے میں نظر آتی ہے -

تذکرۃ الابرار والاشوار :

مزید تلاش سے واضح ہوتا ہے کہ روایتِ ہذا اپنی قدیم تر شکل میں ہندوستان سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ افغانستان سے اور سلطان محمود سے منسوب ہے، نہ میرزا حسین خنک سوار سے - اخوند درویشہ لنگرہاری ان مشہور علما سے ہیں جنہوں نے سولہ صدی ہجری کے اواخر میں، اپنی مجاہدانہ جد و جہد اور عالمانہ وعظ و تذکیر سے، افغانستان میں زیرِ روشنائی کی مذہبی تحریک کو رواج عام میں آنے سے روک دیا تھا۔ موصوف اپنی قابلِ قدر تصنیف ”تذکرۃ الابرار والاشوار“ میں اس روایت کی قدیم شکل بالفاظِ ذیل حوالہ قلم کرتے ہیں :

”آوردہ اند کہ یکی از مسلمانان در ہند رشتہ بود - زنی را دید کہ چہرات می فروخت - انگشتی را آوردہ تا چشد - زنِ کافر در حال دیکچہ

را پر زمین زد و شکست و فریاد بجاکم کالر رسانیدہ کہ مسلمان جغرات
 سرا سردار ساخت ، لہوڈ باللہ من کفر ہم ۔ بعد از انصاف کالرائہ ایشان
 مصلحت آن دیدند کہ انگشت مبارک آن مسلمان را ببردند ۔ آن مسلمان
 عرض حقارت اسلام و مسلمانان را درمیان ہند و ہندوان حضرت سلطان
 محمود غازی رسانید ۔ آن زمان بر سلطان فکر این مہم اسلام فرض شد ۔
 بعد از اہتمام لشکر و تہیہ عسکر حضرت سلطان از راہ کابل بہ ہند
 درآمدہ چند بار در محاربہ کفار فتح یافتہ ، آخر الامر کفار مغلوب نمودہ
 سلطان شکست یافتہ باز بولایت و مملکت خود رسیدہ ۔ آخر الامر مصلحت
 آن دیدہ کہ چون مردم افغانان مسلمانان اہل سنت و جماعت اند و مردم
 باہیت و طائفہ باشجاعت و ملایت اند ، ہمراہ گیرد ۔ پس چنان کہ رسم
 افغانان است ہر کہ بہ طریق عجز و حقارت در خانہائی مذکور ایشان
 در آید و دیگ ایشان را پر دیگدان ہار کند ۔ ایشان تمام اولی جان و مال
 بازند تا مہم آنکس را کفایت کنند ۔ سلطان نیز ہدین روش بجای آورد
 و بعد ازان از اولی افغانان چہارہ ہزار سوار و چہارہ ہزار پیادہ ہمراہ
 شدہ و یگان یگان زن و ہمراہ خود ساختہ ہمہ افغانان را قاعدہ است در
 مہمی کہ با زنان روند ، البتہ خودہا را بہ کشتن قرار دہند و لبت گریز و
 فرار نہ کنند ۔ و اگر مہم میسر شود جان جا آبادان شوند و مردم آن
 حدود را گم سازند ، بعضی را بہ کشتن و بعضی را بردہ کنند و بعضی
 را رعیت عاجز سازند ۔ پس از راہ نشان چند درآمدند تا بہ توفیق اللہ
 تعالی فتح ہند میسر شد ۔ ازان بعد افغانان دو ہند مالدند ، بعضی در
 قندہار مالدند و بعضی بہ ہند رفتند و بعضی باطراف دیگر ہریشان شدہ ۔
 ”تذکرۃ الابرار“ عہد جہانگیر بادشاہ کی تاریخ ہے ۔ اس عہد میں یہ
 روایت مذکورہ بالا صورت میں مشہور ہے ۔ درویش چراغ علی کا نام اس روایت
 میں مذکور نہیں ۔ راوی کا صریح مقصد افغانوں کے کلاں عزت میں طرۃ التخت
 لگانا ہے ، نہ حضرت تخت سوار کی شہرت کو منظر عام پر لانا ۔

رسالہ اسرائیلیہ :

یہی روایت ”رسالہ اسرائیلیہ“ میں بھی ملتی ہے جو اطفالوں کے دعویٰ
 بنی اسرائیلیت کے سلسلے میں ایک تفتیش ہے ۔ یہ رسالہ میجر بربرٹ ایلمورڈ سین
 کمشنر و سپرنٹنڈنٹ اخلاص قسمت پشاور کی فرمائش پر مولوی محمد علی خاں نے
 ۱۹۲۷ء میں تالیف کیا ہے ۔

مصنفین ”طبقات اکبری“ و ”منتخب التواریخ“ کے مقابلے میں ابوالفضل
 کا میران صاحب کے حوالہ متکرانہ روئے اسلام کے حوالہ اس کی عام بد اعتقادی کی
 روش کے عین مطابق ہے ، مگر میران صاحب کے ماننے والوں کی کسی زمانے میں
 کسی نہیں تھی ۔ خواجہ صاحب کے بعد وہ اجمبر کے سب سے بڑے ولی مانے
 جاتے ہیں ۔ ہر سال رجب کی ۱۶ سے ۱۸ تک ان کا عرس رہتا ہے ، جس میں
 ہزاروں مرد عورت زیارت کو آتے ہیں ، نفوس چڑھاتے ہیں ، مرادیں مانگتے ہیں ۔
 ہندو بھی شریک ہوتے ہیں ۔

میران صاحب کی درگاہ :

میران صاحب کی درگاہ کا دروازہ بلند دروازے کے نام سے موسوم ہے جو
 غالباً اسمہ ہاسٹل ہے ۔ اس کی بلندی چولیس فٹ اور چوڑائی ستر فٹ ہے ۔ یہ
 دروازہ اسماعیل قلی خاں نے ۱۹۲۶ء میں پمپ اکبر تعمیر کرایا تھا ۔ ”کاخہ دلکشا“

سے یہ حسابہ اجمہ تاریخ برآمد ہوتی ہے ، جو ذیل کے قطعے میں درج ہے :

پمپ بادشاہ آسان لہرو پنام ملک و ملت ظہر یزدان

جلال الدین محمد اکبر آن شاہ کہ دارد در نکین ملک سلیمان

ہندین درگاہ کہ ہجیر کعبہ آمد سوادش عین نور و نور اعیان

بنا فرمود ابن ابوان عالی کریم الذات اسماعیل قلی خان

و ”کاخہ دلکشا“ تاریخ اتمام اگر خواہد کسی سی پامد آسان

جلال الدین اکبر بادشاہ ، ایک خاص حصہ ”عرس تک“ حضرت خواجہ
 معین الدین چشتی کے ساتھ کمال عقیدت رکھتا تھا اور ہر سال آپ کے مزار کی
 زیارت کے لیے اجمبر آیا کرتا تھا ۔ اس تقریب سے کئی مرتبہ میران صاحب کے
 مزار پر بھی حاضر ہوا ہے ۔

کنج شہدا کی چار دیواری وزیر خاں نے یہ عہد جہانگیر ۵۱۰۲۲ میں کھڑی کرائی۔ درگاہ میں دو دیگیں ہیں۔ پہلی دیگ خود جہانگیر کی بنوائی ہوئی ہے۔ دوسری ”ملا“ مداری کی یادگار ہے جو غالباً وزیر ریاست گوالیار تھا۔ اس دیگ پر یہ قطعہ کندہ ہے :

صرف زر ”ملا“ مداری کرد در تعمیر دیگ
باد لاش در جہان روشن بہ مثلر آفتاب
بختور سہتہ اکھے چندش بمودہ اعظام
گفت هاتف سالر تاریخی جہان شد فیض باب

”جہان شد فیض باب“ مادہ تاریخ ہے جس سے ۵۱۲۶۶ برآمد ہوتے ہیں۔ مزار پر جو عبارت مع کتبہ وکلس طلالی ہے، اعتبار خاں خواجہ سرا نے جہانگیر کے عہد میں بنوائی ہے، جیسا کہ قطعہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے :

شاہنشاہ زمانہ جہانگیر بادشاہ

کالدر زمانہ اوشدہ آسودہ دل جہان

سالر دہم ز عہد جلوسر مبارکش

شد فتح ملک رالا ازان شاہ کاسران

وئی کہ اندر اجمیر آن شاہ کنج بخش

برگشت زر نشستہ بد لز فتح شادمان

بود از ہزار افزون بہت و چہار سال

گیتی ز عدل و دادش چون روضہ چنان

بر روضہ مقدس مہد حسین کرد

ابن ہجرۃ ز صدق و صفا اعتبار خان

معلوم ہوتا ہے کہ مرہٹوں نے اپنے اقتدار کے دور میں میراں صاحب میں خاص دلچسپی لی ہے۔ روضہ شریف کے غریب میں سات در کا دالان سنگ مرمر کا، جو نہایت خوش وضع ہے، کتابچی راقو سیدھیا نے ۵۱۲۲۶ میں تیار کرایا۔ اس کی تاریخ تعمیر اس قطعے سے برآمد ہوتی ہے :

معدنر نور منبع اسرار ہست درگاہ شاہ خٹک سوار
ساخت دالان کہ ہست رشک چہشت راقو کتابچی سیدھیا بہ وقار

”رشکِ بہشت“ مادہ سال ہے۔ دو سال کے بعد اسی کتابھی راؤ نے احاطہ بھی تیار کرایا جس کا قطعہ تاریخ یہ ہے :

کتابھی راؤ چون کردہ بنای مکان پر نضا بر کتور محکم
ہی تاریخ جسم گفت حائف احاطہ تا قیامت باد دایم

دیگر مقامات پر درگیں :

چان اس قدر اور عرض کیا جاتا ہے کہ میرا صاحب کی شہرت قلعہ تارا گدہ اور اجمیر تک ہی محدود نہیں بلکہ دور دور پہل ہوئی ہے۔ راجپوتانہ گزٹیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نام پر ایک درگہ چنور میں بھی تعمیر ہوئی ہے۔ ایک درگہ شہر یوندی کے قلعہ والی چاڑی سے ملحق مغربی چاڑی پر موجود ہے ، جسے یوندی کے کسی معتقد راجا نے بتوایا تھا۔ سرکاری رپورٹ کا بیان اجمیر کے اس چلے مسلمان حاکم کے تعلق میں نہایت غیر ذمہ دارانہ اور گمراہ کن ہے ، مگر چونکہ اس کو سرکاری حیثیت مل گئی ہے اس لیے اوروں نے بھی اعتبار کر کے اس کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ ”نارٹھ انڈین ٹولس اینڈ کولریز“ (شمالی ہند کے تعلقات و استفسارات) کے ستمبر ۱۸۹۱ء کے پرچے میں ، صفحہ ۱۰۵ پر ، بذیل نمبر ۷۰۲ و یہ عنوان ”میرا صاحب جادوگر“ ہیں روایت عیناً نقل ہوئی ہے۔

گیت میرا مید حسین :

ذیل میں ایچ۔ اے۔ روز کی تالیف ”ہنجاب کے قبائل اور اقوام“ جلد اول ، صفحہ ۶۶۶ سے ایک گیت ، جس کا عنوان ”گیت میرا مید حسین ولی“ ہے ، درج کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گیت گزشتہ صدی میں بہت مقبول تھا و ہو عذا :

شیخ	میرا	بزرگ	تھے	دانا
میرا	مید	حسین	نال	جا پڑھا دوکانا
شیخ	صاحب	لیلی	مسلاہ	
خاصی	ہوشاک	منگانی		
چیرا	ہرا	تھا	جانبہ	
ہکا	ہرا	کمر	سے	بھاری

ہری ڈاب تلوار نال جی
 سو کمر بیچ لٹکانی
 گیندے کی کھال پر ہرا بھول جی
 روغن کی چمکے سیاہی
 خاصہ کٹار پر ظالم دھار جی
 کوتھی مینے کی ہری لٹکانی
 لکٹے ہرے بھرے تھے لڑکشی
 تیں من چانو چنرائی
 نیزہ ہرا ہری تھی بیرق (بیرق)
 ہری بھونڈی سی نال جہاں نالی
 خان کا گھوڑا مار سب زین ہرا جی
 اور سر کالھی ہری مہاشی
 ہرا پوش اور ہنکتر پوش جی
 اور میران کے سنگ چٹے سو سیاہی
 میران اٹھنے اسوار جنگ کے اوپر
 سانگ ہری فوج بتائی
 کالر پت لڑک تھے تھوڑے
 میران سید حسین سیدھے کہے گھوڑے
 میران نے سیدھے کہے گھوڑے
 باجے طیل اور لٹکوریے
 علی رخ علی رخ کمر کے جوڑے
 رن میں لڑنے نارا سورے
 میران کی چلی حال اسواری
 فوجوں گڑ ہڈ بویں حال
 لیا تینے کو نکال
 لڑنے آہا میں سہال
 رن میں بھلا ہے گللال
 رن کی منو یس تیاری

رن میں ہونے لگی قزول
 بیٹے رجبوتان ماری گولی
 ایسی بھی جیسے ہولی
 رکتوں میں چولی
 چھوٹ رکت تھری پھکاری
 اٹھی آندھی تو گدہیر
 اڑتی رہتا چون عیر
 چھوٹے بلچھی اور تیر
 ڈوبا لوہو میں شریر
 وہاں بڑا جدہ اک بھاری
 رن میں کودا ایک شیخ
 مولیٰ رکھتا اس کی ٹپک
 تارا منکھ آیا دھکھ
 اس نے بلچھی ماری بھیک
 تارا نے سمٹ ساٹک جب ماری
 زخم شیخ ابو نے کھایا
 اور ان کو مولیٰ نے بچایا
 سونے لیغے کو لکھا
 کٹ تارا کو گرایا
 راجا کے لگا زخم قن کاری
 گئی کافر کی چان
 اور چلتا دوزخ کے درمیان
 لڑا میراں کا جوان
 ہوا مولا سہروان
 راجا کی بھاگ گئی فوج ماری
 خبردار خبریں دیں
 راجا جس عرض ہے مہری
 کھیت رکھا میراں جس کے ہاتھ

دھن دھن مید اور حادثات
 لڑنے گزری ساری رات
 کھس پلکارے نے بات
 راجا کی کھونکھٹ لوج کھا گئی ساری
 جب تارا مارا گیا
 میرا فتح مگری مگر تار
 شہر بھئی برتھی راؤ کو
 سن اتھی کھائی پھٹاڑ
 کوئی لاوے لوتھ الٹا کے
 یوں حکم آپ راجا مگر
 راجا فرملاوے
 بھائی کو بلاوے
 آئی رے بھائی
 مانو بات بہاری
 تارا مارا جاوے
 لا تجھے لاج آوے
 آئی رے بھائی
 ٹوٹی ہانہ بہاری
 نہیں اوتار لیں گے
 اس جگت مہانے
 بار بار جنموں نہیں مہاری
 اس زندگی سے ہے مرنا خامیا
 ارے آئی رے بھائی کرو حال تیاری
 راجا سن لیجے مجھے حکم دیجے
 گروں جانے دن میں کروں مار بہاری
 راجا فرمایا ڈنکا دلواوا
 آئی من کر فوج صٹ کر ساری

آئے راجپوت و گتھے راجا
 ہیں گے قبل اسوار بڑے بڑے چہترداری
 ہاتھوں ہتھیار راجا آپ صاحب
 نوکش تیر تلوار اور ڈھال کاری
 دیا ٹوپ سر پر لیا پن بکتر
 راؤ کمر کے بیچ میں کھوشا کٹاری
 راجا آپ تیرا لاؤ ہاتھی میرا
 جس پر چھول کنجن کی ہے جھلکاری
 کشنا چڑھا ہتھ ہاتھی کی
 اور کمر کودا میگل امواری
 کشنا ہاتھی اور چڑھا
 یاد سمجھو گھر گرا
 تھا وہ حصہ میں بھرا
 ہولا آگے کو بڑھا
 راجا لیے کلک لوچ دل بھاری
 من میں یاد سمجھو کو کرے
 جب کشنا ہاتھی اور چڑھے
 بھائی کا بدلا لیجو جائے کے
 یوں حکم آپ راجا کرے
 ابرہی بات کرے بھائی سے
 تم جائے توک کو مارو
 اس کو مارو اس کی لشکر لونو
 یوں راجا جواب تھکڑو
 کشنا بات کہی بھائی
 جو بدھنا لکھا لیلہ رو
 قسمت کے لکھے ہوں گے سو ہی

جو رجا آپ کرتارو
 راجا بے بقی نہیں سمجھے دین رے
 وہ راجا بڑا کن وارو
 اس کے سہس ہاتھی کور میں
 سنگ بے شمار اسوارو
 بڑی بڑی توپیں راجا جتواوے
 لیے کینچیں ہان سب نیازو
 راجا پہنچا جائے کٹک دل اندر
 جہاں لوتھیوں کی بڑے گراو
 چہل اور گدہ سرے رے رے
 اوروں شہیدوں کا نام سانگ جائے کاڑ
 راجا پہنچا آن جہاں تھا میدان جی
 اور ہاتھی پر سے کشنا کھڑا لٹکارو
 اے سلطان میرا سلطان نو کہا مان
 کہوں نہ لڑو آن جی
 جن نے مارو یہ ہارو
 خبردارو خبریں دق
 کھڑے کہیں میراں سے حال
 دن میں مروں طبل بھر سے بجانے
 سنو زہد علی کے لال
 خبردارو جاسوس نے خبریں دیں
 اجی اجی میراں آیا چڑھ راجو
 چڑھے حال لٹکار کے آپ میراں
 ہے گا خنگ چڑھ نے کا دن آجو
 میراں نے فرمایا خنگ کو منگایا
 جس پر زین کنچن کی شکل ماجو
 چڑھیں شہاب اور اسپ بھاری
 چڑھیں روسی علی اور ایران ساری

چڑھیں حال لنگار کے دین کا جو
 میرا پنچے آن جہاں تھا میدان جی
 گئے بھاگ کایر جب ہمت ہاری
 جہاں دن کھسیا گاڑا سید وہیں ٹھارا
 بھڑے سورے سورس کے کایر بھاگے
 راجا پنچا آن جہاں تھا میدان جی
 اور ہاتھی ہر سے کھڑا کشنا لنگارے
 میرا کھڑے سر مکہ دیتے جواب
 شیر سر مکہ آتے کیا رہے کپڑ میں تلہ
 میرا گھو دیکھ راجا کہنے لاکا
 ابھی ہے ہالی عمر نادان
 مکھے کو پھر جائیو تو کہا ہارا مان
 لو کہا مان میرا سلطان جی
 جہاں لالہ جان گویا
 میں ماروں تمہیں لاج آتے مجھ کو
 ہوں راجا جواب سناہو
 میرا کلموں مکہ جھڑیں بھول جی
 میرا سن کے بات مسکایا لو
 راجا تجھ کو ماروں تیرے گلہ کو لوٹوں
 اے نہیں دین لہی کا مانو
 اتنا سخن سنا راجا نے
 وہ غصہ جوڑ دل کھائو
 راجا نے اپنی فوج کو لیا ہلانے
 راجپوت راڑ کیا رانو
 میں بڑی چوہان بندبلا
 رہے ان کے بیچ لے چانو
 میرا کو چاروں طرف سے لیا گھیر گئے
 جسے بدلی میں چاند چھپائو

میں کہاں تک صفت گزروں سیدوں کی
 جن کی شاکیں جگت بکھالو
 جس وقت میراں پکڑیں شمشیر کو
 راجا کی ساتویں صورت گھلھالو
 پکڑ شمشیر لیے دست میں
 سورن کے بیچ میراں کھرو
 ارے راجا کشنا من لیجو
 سو حال کلمہ مکھ سے بھرو
 ارے راجا کشنا لیٹا مان کہا
 پڑھو حال کلمہ میراں فرمایا رے
 راجا من ہارے غصہ جی میں کھاوے
 اُن نے اپنی فوجوں کو بلوایا رے
 راجا حکم کہتا توہیں داغ دینا
 دھواں دھار دھار سرمائیاں رے
 عشق فلک توہیں چھوڑیں دن تن
 دھن دھن جن ناں کر کے گولہ آئیاں رے
 کانا کھٹا کر کے ہوائی توہاں چھوڑیں
 جسے کھٹک اور سور بچایاں رے
 تن من کافر چوگور وہاں تو گولی برسے
 جسے اندر پرست جہر لایاں رے
 میراں سید حسین لیے کہاں دستوں
 غصہ کر کر کے کڑکالیاں رے
 میراں کے تیر چھوٹے آکے رن میں لوٹے
 سانا لاناں کر کے وہ بہن لالیاں رے
 لا کا تیغا چائے من کے کلہر بھاگے
 ٹوٹے قبر التواروں جہن لالیاں رے
 نیزہ کھود پکتر وہاں تو گولی گٹ گٹ
 لاگا تن میں زخم وہ بھل کالیاں رے

سور پیر لڑے رن کے درمیان جی
 اور چھاتی سے چھاتی ایڑکالیاں رے
 جوگن لال کارے شبہو سالک گارے
 وہ کٹار اوپر نوبت آہاں رے

پرتھی راج ، پرتھا بائی اور راول صمر سی کے فرامین و احضاد

چند تحریروں کی نقابیں ”نلاشر ہندی خطوطات“ کی سالانہ رپورٹ بابت
 سنہ ۱۹۰۰ء ، مرتبہ جناب شیام سندو داس ی۔ اے ، آرہری میکرٹری ناگری
 ہرجاوتی سبھا بنارس ، شائع کردہ گورنمنٹ یو۔ پی ، طبع الہ آباد ، سنہ ۱۹۰۳ء
 سے ماخوذ ہیں۔ ان کے متعلق جناب مرتبہ کا دعویٰ ہے کہ یہ تحریروں
 پرتھی راج ، اس کی بہن پرتھا بائی اور بیٹوں رانا صمر سنگھ کے فرامین ہیں ، جو
 اچارج رسیکیس کے نام جاری ہوئے ہیں۔ یہ اچارج اس زمانے کا ایک طبیب تھا
 جس کو پرتھی راج نے اپنی بہن پرتھا بائی کی راول صمر سنگھ کے ساتھ شادی کے
 موقع پر جہیز میں دیا تھا۔

ان فرامین میں ہے ، جن کی مجموعی تعداد دس ہے ، میں نے چھ کا انتخاب
 کر لیا ہے۔ نفلوں کے علاوہ ان کا ترجمہ بھی چاں دے دیا ہے۔ ان میں تین
 پرتھی راج کے ہیں ، جن پر اس کی سہر بھی مع سمت ۱۱۲۲ درج ہے جو غالباً
 اس کی گدی نشینی کا سال ہے۔ ایک پروانہ پرتھا بائی کا اور دو پروانے
 صمر سنگھ کے ہیں۔

”پرتھی راج رانا“ میں جو تحریر ہکرمی سمت دیا گیا ہے ، وہی سمت ان
 فرمانوں اور پروانوں میں بھی موجود ہے ، جو ہکرمی سمت سے نوے اکانوے سال
 کم ہے۔ چنانچہ اسی سمت کی تائید میں پنلت وشنو لال موہن لال پنٹھا نے (جن کا
 تبصرہ آگے آتا ہے) ان فرامین کو سب سے چلے شائع کیا تھا۔ شیام سندو داس
 ان کے مفاد میں پنٹھا جی ان کو اتھ وکرمی سمت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

جس طرح 'راما' کے بیانات غیر تاریخی اور خیالی ہیں اسی طرح یہ قرابین بھی وضعی اور جعلی ہیں۔ برتھی راج کا زمانہ سمت ۱۲۳۶ - ۵۹ ہجری ہے اور راول سمرنگھ کا زمانہ سمت ۱۳۳۰ - ۵۸ ہجری ہے۔ چونکہ ان میں پوری ایک صدی کا فاصلہ ہے اس لیے برتھی راج کی بن کی شادی سمرنگھ سے نہیں ہو سکتی۔ اور رسیکوس کا وجود بھی، جو برتھا کے جہیز میں دیا جاتا ہے، فرض ٹھہرتا ہے۔

ان فرامین کا غلط برتھی راج کے عہد کا نہیں ہے بلکہ مروجہ خط سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ ان کی زبان بھی جدید ہے۔ چلے اروائے میں یہ الفاظ مسلمان ہیں :

دائے (دہیز، جہیز)، مالکی، چنانہ (زنانہ)، بروہر (برابر)، چاکر، جا کھاری (جمع خاطر)، پروانا (بروانہ)۔
تیسرے فرمان میں یہ الفاظ ہیں :

ہندوستان (ہندوستان)، نکھت (نخت)، ہک (حق)، ماہت (ماہت)، اولاد، جا کھاری (جمع خاطر)۔

چوتھے میں :

کھاس (خاص)، روکا (رقعہ)، پاجر (حاضر)۔

پانچویں میں :

ہجور (حضور)، کھاس (خاص)، روکا (رقعہ)، کاگد (کاغذ)، ہکم (حکم)، تاکید۔

چھٹے میں :

ہندوستان (ہندوستان)، نکھت (نخت)، دوا، آرامن (آرام)، روہا (روہید)، کھرچا (خرچہ)، کھجائن (خزانہ)، ماہ (معاف)، ہکم (حکم)۔

ساتویں میں :

آوادان (آبادان)، جا کھاری۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ الفاظ رواجِ ہند کے ماتحت آ کر مقامی شکل بلکہ بعض اوقات نئے معنی اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً دہیز کا 'دایجا'، 'معاف' کا ماہ، آرام کا 'آرامن' بن جاتا۔ 'تاکید' بہ معنی شتابی، 'ہجور' (حضور) رؤسا و راجگان کے لیے خطاب اصطلاح ہے۔ 'روہید' سکتے کے معنوں میں بہ حیثیت اصطلاح اکبر کے عہد

سے ملتا ہے اور سنہ ۷۷۴ جلوس غروب آگرہ کے سکنے میں پہلی مرتبہ نمودار ہوتا ہے۔ اس کی عبارت ہے :

طرف اول :

”غورداد ۷۴۴ الہی ، روہیہ ، غروب آگرہ۔“

طرف دوم :

”اللہ اکبر چٹل جلالہ۔“

”رقعہ خاص“ مغلوں کے غنیمت میں خاص اصطلاح تھی ، جس سے مراد بادشاہ وقت کا اپنا دستخطی وقت ہوتا تھا ۔ ”سہی“ (صحیح) پھر مغلی عہد کی یادگار ہے ۔ جو فرامین حکمران وقت کے مصدقہ ہوتے تھے ان کی بیشانی پر صاف علامت صحیح بنا دیا جاتا تھا ۔ ہندی میں تقلیداً ”سہی“ لکھا جانے لگا ۔

”زمانہ“ راجپوتی حرم سرا کے واسطے اسی وقت استعمال میں آیا ہوگا جب مسلمانوں کی تقلید میں راجپوتوں نے پردے کی رسم اختیار کر لی ہے ۔ ”ہائی صاحب“ کی ترکیب بالکل جدید ہے ۔ ”صاحب“ کا یہ استعمال زمانہ حال سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہی حالت ”کا“ اخراجات اور ”کا“ علامت مستقبل کی ہے ۔

ذیل میں ان فرامین کی اردو نقل اور ترجمہ دیا جاتا ہے :

”سہی“

(۱)

سوہتی سری سری چتر کوٹ سہاراج دھراج تپ راج سری سری راول جی
سری سمری جی بیٹا تو دائیا آچارچ لھا کر ریسکس کس سے ۔ تھانے دلی سون
دایجے لایا ۔ اٹھے راج میں اوکھد تھاری لیوے گا ۔ اوکھد اوپرے مالکی تھانکی
ہے ۔ او چنانا میں تھارائیس والال او دوجو چاوے گا ۔ نہیں اور تھاری دلی میں
ای جی ہر مالٹھے ہودھان پروہر کارٹڑ دیوے گا اور تھارائیس کا سپوت کہوت
وے گامی نے گام گوڑو اٹھے راج میں کھائیا ہالیا جائے گا اور تھارا چاکر
گو ڈاکو ناسو کوٹھار سون ملا جائے گا اور تھوں جا کھانری راجو ۔ سوئی میں
راج تھان بادجو ۔ اٹھے پرو اناری کوئی النکون کرے گا ۔ جی نے سری ابکانش
جی کی اٹھے ۔ دوے پنچولی جانی داس ست ۱۱۳۹ کالی ہدی ۳ ۔

ترجمہ : صاحب الحکم سری سری فرمانروائے چٹوڑ سہاراج دھراج سری

سری راول جی سری سمری جی آچارچ ریسکس کھیں دلی سے جہیز میں لانے ۔

اس حکومت میں تمہاری دوا لی جائے گی۔ دوا خانے پر تمہارا قبضہ رہے گا۔
 وٹانے میں تمہارے خاندان کے سوا کوئی دوسرا نہیں جا سکتے گا۔ جیسے دلی میں
 تمہاری نشست وزیر کے برابر تھی، اسی ضابطے کے مطابق جان رہے گی اور تمہارے
 خاندان کے افراد خواہ لائق خواہ نالائق سب کی حیثیت برابر رہے گی اور سب کو
 گاؤں گھوڑے مرحمت ہوں گے۔ تمہارے ملازموں اور گھوڑوں کی چندی سرکاری
 کوٹھیوں سے ملا کرے گی۔ ہر طرح خاطر جمع رکھو۔ موضع موئی میں اپنا
 گھر بار باندھ لو۔ جو شخص اس پروانے کی نافرمانی کرے گا، اس پر سری
 ایکنگ جی کی لعنت ہو۔ ذرا دیر پہلے پنچول چانکی داس مورخہ کالک بدی

۳ ستمبر ۱۱۳۹ء

(۳)

سری

پوروسے دیش میں پت

برتھی راج دلی نریس

سموت ۱۱۳۲

یسا کہ مد ۳

سہی

سری سری تم مہتم راجا تم دھرا چنم پستھام۔ راج دھانم سنبھری نریس
 یورپ دلی تکھت سری سری مہتم راجم دھراجنم سری برتھی راج سوسنھام اچارج
 ویسکس دھنترنم اہرن تم کو ہائی سری پرتھو کو رن کے ساتھ ہتھیوسے چترکوٹ
 کو دیا۔ تمہارا ہنک چھووان کے راج میں ثابت ہے۔ تمہاری اولاد کا سہوت
 کہوت ہوگا جو چھووان کی بولی آوے گا۔ چنم کو بھائی میں طرح سمجھے گا۔
 تمہارا کا دین نہیں گلے گا۔ تم جا کھالری سے ہائی کے آتم رنچو۔ ہوئے سری
 مکھ دوسے پنچولی ہل من راہ کے۔

ملک الشرق

برتھی راج

والی دہلی ستمبر ۱۱۳۲ء

یسا کہ مد ۳

صحیح

ترجمہ : از سری سری راجہ* راجگان سری برتھی راج والی دہلی دارالسلطنت راجہ* راجگان سالیہر مشرق ہند۔ بنام اجارچ ریسکس دھنوتتر۔ چونکہ تم کو بائی سری برتھو کور کے ساتھ چھوڑ میں چٹوڑ دیا گیا ہے، لہذا تمہارا حق سرکار چوہان میں ثابت ہے۔ تمہاری اولاد کا بہت کھوت جو بھی چوہان کی ڈبوڑھی پر آئے گا، اس کے ساتھ بھائی کا سا سلوک کیا جائے گا۔ تمہارے اعزاز میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ تم دل جمعی سے بائی کے ساتھ رہنا۔ برسات پچھولی پڑمن راہ سمت ۱۱۳۳ اساتھ سد ۱۳۔

(۴)

پورے دیش میں بت

برتھی راج دلی ٹریش

سمت ۱۱۲۲ یساکھ سد ۳

صحیح

سری سری دتین مہاراجم دھیر جنم سری سری برتھی راجم کی آگیا بوجھے۔ اجارچ بھد۔ ریسکس نے چتر کوٹ بوجھے۔ آبا سری کا کا جنم مہا... ہوئی جیسے سوکھاس روکو بالجنے اہاں باجر دیجے سمت ۱۱۳۵ چیت بد ۷۔ ملک الشرق

برتھی راج والی دہلی

سمت ۱۱۲۲ یساکھ سد ۳

صحیح

ترجمہ : سری سری راجہ* راجگان دہلی سری سری برتھی راج کا فرمان پہنچے۔ اجارچ بھائی ریسکس کو چٹوڑ پہنچے۔ یہاں سری کا کا جی کو بڑی تکلیف ہو گئی ہے، لہذا تم اس رقمہ* خاص کے بڑھتے میں یہاں حاضر ہو جاؤ۔ سمت ۱۱۳۵ چیت بد ۷۔

(۵)

سری سری چتر کوٹ بائی صاحب سری برتھو کنور بائی کا بارنٹر کلم سونی

اچارج بھائی ریسکیس جی بیچ جو۔ ایرن سری دلی سون بھائی سری لنکری راو آ آہے جو سری دلی سون وی ہجور کو وی کھاس روکا آو ہے جو ماروی بد اروا کی سیکھ دی ہے۔ نے دلی کا کا جی دے کھدے جو کا (گد باپت) چلا آجو۔ تھانے ما آگے حالرو پڑے گا۔ تھان کے واسطے ڈاک بیٹھی ہے۔ سری ہجور... ہ ہکم دے گھدے جو تھے تاکید سون آجو۔ تھارے مندر کو ویلو کا مارتھ ابار — کرانگا دلی سون آ آہا جے کران کا اور تھے سوہرے دن آٹھے آنکھ سو۔ سمت (۵) ۱۱ چیت مد ۱۳۔

ترجمہ : چنڑ کی بانی صاحب سری برتھو کنور بانی کا سلام۔ سوئی کے اچارج بھائی ریسکیس جی کو معلوم ہو اس کے بعد سری دلی سے بھائی لنکری راو آیا ہے۔ نیز دہلی سے حضور کا خاص رقعہ پہنچا ہے۔ چنانچہ مجھ کو بھی دلی پہنچنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ دلی میں چچا جان کے زیادہ تکلیف ہو گئی ہے۔ لہذا یہ کاغذ پڑھنے ہی چلے آنا۔ تمہیں ہم سے چلے وہاں پہنچنا ہوگا۔ کھارے واسطے ڈاک بیٹھ گئی ہے۔ سری حضور بھی حکم دے گئے ہیں کہ تم شتاپی سے آؤ۔ کھارے مندر کے پیاء کی رسم مجھے ابھی ادا کرنی تھی۔ اب دہلی سے واپسی پر ادا کی جائے گی۔ اور تمہیں صبح پیاں دن غروب ہو۔ سمت (۵) ۱۱ چیت مدی ۱۳۔

(۶)

سری

ہوئے دلش سہی ہت

پرتھی راج دلی نریش

سمت ۱۱۲۲ ویکاکھ مد ۲

سہی

سری سری دالین سہاراجن دھراجن بندوستھانم راجم دھانم منہیری نریش ہووب دلی نکھت سری سری سہانم راجم دھرا جمن سری پرتھی راج موساتھنم اچارج ریسکیس دھنتری ایرن تم نے کا کا جی تم کی دوا کی آرام ابھو جن کے روجن میں روکھ روایا (۵۰۰) تمہرے آ ہاتھی گھوڑے کا کھرچا سوا آویں گے۔

کہہ جائے۔ ان کار کوئی ساف کریں گے۔ جن کو لبر کو کے انھنکری ہوویں گے سہی۔ دووے ہکم پل منہ رام۔ سمت ۱۱۳۵ ورکھے ساڑھ سد ۱۳۔

ملک الشرق

برلھی راج والی دہلی

سمت ۱۱۲۲ ولساکہ سد ۳

ترجمہ : لز سری سری سہاراج دھراج برلھی راج والی دہلی تھت کہ ساہیہری راجگان مشرق ہندوستان بنام اپاراج ریسکیس دھتر۔ تم نے چچا جان کا علاج کیا ، الہیں آرام آ گیا۔ اس کے الہام میں ہانچ ہزار روپے نقد عطا کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمہارے ہاتھی گھوڑوں کا خرچ خزانے سے علیحدہ ملے گا۔ جو شخص اس عطیے کے اجرا کی مخالفت کرے گا ، دوزخ نصیب ہوگا۔ برسات ہندت راہ۔ سمت ۱۱۳۵ ورکھے ساڑھ سد ۱۳۔

(۷)

سہی

سری سری چترکوٹ سہاراج دھراج تھے راج سری راور جی سری سری سرس جی وچنا نو۔ دائما اپاراج ٹھا کر ریسکیس کسی سے گم موئی رو کھیڑو ٹھانے ہائی دو ، لوگ بھوک سون دیا ، آوادان کرچیو ، جا کھاتری سے آوادان کرچیو۔ تمہارے ہے۔ دوپے گھوا مکھن ڈالہ سمت ۱۱۳۵ جیٹھ سد ۱۳۔

صحیح

ترجمہ : حسب الکھم سہاراج دھراج والی چتوڑ راول جی سری سری سرس جی۔ اپاراج ٹھا کر ریسکیس کو معلوم ہو ، موضع موئی کا کھڑا تم کو معافی میں دیا۔ رعیت اور پیدوار سمیت دیا۔ اس کو خوب آباد کرو اور پوری دل جمعی کے ساتھ آباد کرو۔ تمہارا ہی ہے۔

دوپے گھوا مکھن ڈالہ ، سمت ۱۱۳۵ جیٹھ سد ۱۳۔

☆☆☆

آتشیں اسلحہ

’راسا‘ کو جدید تصنیف ماننے کے لیے ایک ذلیل ہارے پاس یہ بھی ہے کہ اس میں متعدد مقامات پر توپ و تفک ، گولوں گولہوں ، گولندازوں ، زہروں اور پتھال ولبہ کا ذکر کثرت سے ملتا ہے ، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قالیف ایک ایسے زمانے کی یادگار ہے جب آتشیں آلات پتھستان میں عام استعمال میں آ رہے تھے ۔

اہلیٹ کا بیان :

پیشتر اس کے کہ اصل کتاب سے ان آلات کی مثالیں مذکور ہوں ، اہلیٹ کا ایک بیان ، جو اس سلسلے میں ہے ، چاہا نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔ وہ کہتا ہے :

”اگر ہم عصر ہندو بھاٹ ، چند ہر یقین کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ توپ کے گولے ان اہام میں مستعمل تھے ۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ متاخرین کے مذاق کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لیے ، کسی نے ان عبارتوں میں تحریف و الحاق کر دیا ہے ۔ قنوج کھٹ کے ایک سو پچاسویں چھند میں تانائرخاں ، شہاب الدین کو مسلح ہونے اور آتشیں اسلحے کے تیار رکھنے کے واسطے کہتا ہے ۔“

اس چھند میں اہلیٹ کو فارسی لفظ ’آتش‘ پر شبہ ہوتا ہے ورنہ باقی عبارت اس کے نزدیک پرانی ہے ۔

دو سو ستاونویں چھند میں توپوں اور ان کی آواز کا بیان ملتا ہے جو دور دور تک سنائی دیتی ہے ۔ اہلیٹ اس عبارت کو ’زمانہ‘ حال کی تحریف تسلیم کرتا ہے کیونکہ اس میں توپ کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔

چار سو سولہویں چھتہ میں رائے گووند کا قتل ایک زنبورک کے ذریعے سے ہوا ہے جس کو اہلیٹ شعر نال کا مرادف مانتا ہے اور حاشیے میں اضافہ کرتا ہے کہ مسٹر یسز، جنہوں نے چھتہ کا خاص مطالعہ کیا ہے، جب انکستان آئے، ان سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ عبارتیں ان کے مخطوطے میں نہیں۔ (اہلیٹ کی تاریخ، جلد ششم، ص ۶۴، ضمیمہ از اہلیٹ ہڈیل ”ہندوستان میں ہارود کا قدیم استعمال۔“)

اہلیٹ کا بیان ’راسا‘ کے کسی مخطوطے پر مبنی ہے۔ یہ عبارتیں ممکن ہے کہ یسز کی نگاہ سے بچ گئی ہوں۔ اہلیٹ کے زمانے کے بعد ’راسا‘ بنارس میں طبع ہوا ہے اور یسز کے علی الرغم یہ عبارت ’راسا‘ میں موجود ہے۔

’راسا‘ میں توپ اور ہندوق کا ذکر :

’راسا‘ میں کافی مقامات پر توپ و ہندوق وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ اہلیٹ کا یہ خیال کہ یہ عبارتیں ممکن ہے کہ الحاق ہوں، باری منجیدہ توجہ کا مستحق نہیں۔ ذیل میں ’راسا‘ کی داستانوں سے بعض ایسی مثالیں منقول ہیں جن میں انہیں اسلحے کا ذکر موجود ہے :

(۱) میواتی مغل کتھا (داستان ہشتم) :

پتھاری دھاری آتس آنت

سور رور اکروڑے

(ص ۲۵۵، ج ۴، چھتہ ۳۲)

(۲) میواتی مغل کتھا (داستان ہشتم) :

قیر ٹیک ترواری نیچہ لکڑے آراورن

(چھتہ ۳۵، ص ۲۵۶، ج ۴)

(۳) اننگ پال سے (۲۸ ویں داستان) :

ناری گوری آتس کوٹ پارس ہرکاٹے

(چھتہ ۶۰، ص ۱۲۵، ج ۸)

(۴) حسین کنہا (نویں داستان) :

چلے دھربان سو سڑوے ڈھٹھ
اگیں ہنہ تاری ابھول کرٹھ

(چھند ۱۰۲ ، ص ۳۰۳ ، حصہ چہارم)

(۵) حسین کنہا (نویں داستان) :

چپ خاں گچ گھمسی ڈنبر
پتھناری گربان انبر

(چھند ۱۲۵ ، ص ۳۰۸ ، حصہ چہارم)

(۶) بھولا رائے سے (بارہویں داستان) :

ا گہٹان کبان سستراہن
سر سر کبابے تیراہن

(چھند ۱۵۱ ، ص ۳۰۲ ، حصہ پنجم)

(۷) بھولا رائے سے (بارہویں داستان) :

ایے ایے گئے لہ سورنر دکھ بھانک دہو
جہورا پتھر سوں پھر بھارتھ وٹ تیر

(چھند ۲۳۵ ، ص ۵۰۸ ، حصہ پنجم)

(۸) سلکھ جلد (تیرھویں داستان) :

بھی ون رنگ سرتگی بھیری
دھری پتھناری چھتیس او بھیری

(چھند ۳۳ ، ص ۵۲۵ ، حصہ پنجم)

(۹) ہدساوئی سے (بیسویں داستان) :

بال بال تال پتھال
تیک تیر سرب سچتے

(چھند ۵۳ ، ص ۶۳۸ ، حصہ ششم)

(۱۰) ششر ورتا ورتن (بیسویں داستان) :

سرتاوک بندوک
تہرت جن تہسن ردرچتے

(چھند ۵۲ ، ص ۷۶۶ ، حصہ ہفتم)

(۱۱) شہر ورتا ورتا ورتا (جیسویں داستان) :

لب راجن ترنگ تھی
گہی دلف آبک سو کشم

(چھند ۶۲، ص ۷۶۸، حصہ ہفتم)

(۱۲) شہر ورتا ورتا ورتا (جیسویں داستان) :

گرہ کری لہک سوراج
مرک چھٹی دھر چٹے

(چھند ۶۷، ص ۷۶۹، حصہ ہفتم)

(۱۳) شہر ورتا ورتا ورتا (جیسویں داستان) :

دل ستوہ ج چٹے تہک گہی ٹکر لچ

(چھند ۶۱، ص ۷۶۸، حصہ ہفتم)

(۱۴) ربواٹ سے (۲ ویں داستان) :

بہناری گور جنیور گون
دھنوں ہالہ ابھتی رکھ

(چھند ۷۱، ص ۸۶۸، حصہ ہفتم)

(۱۵) ربواٹ سے (۲ ویں داستان) :

نار گوری جنیور
کوہک بران اکھان
گجشی بھگ ہرتھی راج
جت کرہوا اکو لاتن

(چھند ۱۲۷، ص ۹۰۸، حصہ ہفتم)

(۱۶) اتنگ ہال سے (۳۸ ویں داستان) :

چھٹے نال گولا ہوائی اچھنکن
لکھتر منوں جانی آئے نہنکن

(چھند ۱۱۸، ص ۹۳۵، حصہ ہفتم)

(۱۷) گھگھر کی لڑائی (۲۹ ویں داستان) :

دلی اپنی آکھیٹ چلھی
کونہ کیان پتھاری

(چھند ۳ ، ص ۹۳۵ ، حصہ نہم)

(۱۸) گھگھر کی لڑائی (۲۹ ویں داستان) :

سواکیں پتھاری اہار سجن
رتن دھکھت کالر دور ہوجن
تن پتھ ہزار او مت چلے
چھے رت جھولت کوری ٹھلے

(چھند ۱۶ ، ص ۹۳۸ ، حصہ نہم)

(۱۹) کانگڑہ چدہ پرستار (۳۵ ویں داستان) :

پے گے رتھ چترنگ
گوری چنور لاری سرلگ

(چھند ۵ ، ص ۱۰۳۶ ، حصہ نہم)

(۲۰) درگا کیدار سمیو (۵۸ ویں داستان) :

چھٹیں پتھاری دوء دل کوم ڈہو متہ گچی
اوڈیں آنس چہار چہارہ دھوم دھوندھر سچی

(چھند ۲۲۷ ، ص ۱۵۳۳ ، حصہ سیزدہم)

(۲۱) جنگم کنھا (۶۰ ویں داستان) :

دھری چھٹی روڈ ٹیک متپ
پکے ویا وی ورا

(چھند ۵۳ ، ص ۱۵۷۲ ، حصہ چہار دہم)

(۲۲) قنوج سے (۶۱ ویں داستان) :

لکھ گولنداج (گولہ الداز)
لکھ اک لال بھرجتے

(چھند ۳۵۲ ، ص ۱۶۳۲ ، ج ۱۳)

(۲۳) قنوج سے (۶۱ ویں داستان) :

قبر ہنگ سر اور جیت گت لوند گران
پردائی تہاں لرن کون حکم مانگے چہو آن

(چھند ۱۸۵۲ ، ص ۱۸۶۱ ، حصہ شانزدہم)

(۲۴) دھیر ہنڈیر پرستار (۶۳ ویں داستان) :

ہرے ہیر کنھی رن جیت لولھی
ہرے بندھ کندھن ہنن نار چوٹی

(چھند ۲۵۲ ، ص ۲۰۶۸ ، حصہ سیزدہم)

(۲۵) بڑی لڑائی (۶۶ ویں داستان) :

چنیور بھور ہتھناری بھار
آس (آٹلی) چرت او بھوت پار

(چھند ۹۲۳ ، ص ۲۲۶۲ ، حصہ نوزدہم)

میں ہنوفر طوالت صرف انہی مثالوں پر قناعت کرتا ہوں۔ اہلیٹ نے صرف قنوج سے میں ان آلات کے ذکر سے یہ خیال کر لیا کہ کسی نے مذاق حال کے ساتھ تطابقیہ دینے کے لیے ان ہنفس مقامات میں یہ تبدیلی کر دی۔ لیکن اگر اس سکو یہ معلوم ہوتا کہ تمام کتاب میں آتش فشاں آلات کا مذکور آنا ہے تو ہمیں یقین ہے کہ وہ کسی اور نتیجے پر پہنچتا۔

اس موقع پر قدرۃً ہمارا ذہن اس سوال کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ ہندوستان میں آلاتِ آتش بازی کا کس عہد سے رواج ہوتا ہے؟ یہ سوال اگرچہ مختصر ہے مگر حقیقت میں اس کا جواب بغیر ایک لمبی تحقیقات کے، جو کتبِ نوارخ و لغت کی ورق گردانی سے تعلق رکھتی ہے، نہیں دیا جا سکتا۔ صفحات ذیل اسی تحقیقات پر مبنی ہیں۔

مغربیوں کا بیان :

مغربی مورخین بارود کی ایجاد کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ قدیم اہلِ ہند و ہند و چین و روما غالباً اس مصالحے سے واقف تھے کیونکہ ان کی تصنیفات سے کسی ایسے مصالحے کا پتا چلتا ہے۔ ورجل کی کتاب "ایبڈ" کا اقتباس، جس میں ایلنس کے بادشاہ کو چوبیس نے برق و رعد کی تقلید کے جرم میں مار ڈالا ہے،

اس عیسے کی تائید میں نقل کیا گیا ہے۔ 'ٹائین کیسیس اپنی 'تاریخ روما' میں 'کالیکلا کے ذکر میں' بیان کرتا ہے کہ اس نے ایسی ایجاد کی تھی جس میں برق و زعد کی خاصیت تھی اور جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ فلاسٹریس دوسری صدی عیسوی کا مصنف ہندوستان کے دوائے میں رہنے والی کسی قوم کے ذکر میں گویا ہے کہ اگر اسکندر اعظم ان کے ملک پر لوج کشی کرتا تو کیوں فتح نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ یہ لوگ میدانِ جنگ میں آکر اپنے دشمنوں سے لڑنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ شہر کی دیواروں پر سے طوفان اور مائعہ باری کے فزیمے سے ان کو برباد کر دیتے ہیں۔ بقول اہلنسن، منو جی نے آتشیں تبروں کے استعمال کی ماعت کی ہے۔ آئین چٹو میں مرقوم ہے کہ رئیس کو کسی خدع آمیز آلہ یا زہری اسلحہ یا ٹوپ اور پتھوں یا کسی اور قسم کے آتشیں حربوں سے جنگ نہیں کرنی چاہیے۔ اس فقرے میں آتشیں حربہ سنسکرت لفظ 'اکئی استر' کا اور ٹوپ 'نست آگہنی' کا بقول بالہیڈ ترجمہ ہے۔ یہ ایسا حربہ تھا جس سے سو سو آدمی دفعتاً ہلاک کیے جا سکتے تھے۔

کھلیس کا بیان ہے کہ دریائے سندھ کے قریب و جوار میں رہنے والے لوگ ایسا تیل تیار کرتے تھے، جو گہڑوں میں بھر کر لکڑی کی عارت پر پھینکا جاتا تھا جس سے آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے اور صرف مٹی ہی سے بچہ سکتے تھے۔ وہ صرف بادشاہ کے لیے تیار کیا جاتا تھا اور دوسرے آدمیوں کو اس کے رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اہلین، ایک اور مصنف، اس آئینہ میٹال کے متعلق مزید معلومات دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس تیل سے نہ صرف لکڑی جلتی تھی بلکہ حیوان و انسان بھی جل جاتے تھے اور ہندوستان کا بادشاہ اس کی مدد سے شہر اور قلعے فتح کرتا تھا۔ مشکوں میں بھر کر غنیم کے قلعے کے دیواروں پر ڈال دیا جاتا تھا۔ دروازے جل کر خاکِ سیاہ ہو جاتے تھے۔ فلاسٹریس اس تیل کے متعلق کہتا ہے کہ وہ کسی جانور سے نکالا جاتا تھا اور یہ جانور صرف بادشاہ ہی رکھ سکتا تھا۔ یہ جانور غالباً سگرچہ ہے۔

ہم ہندوستان میں ایک آئینہ بہت تبر کے استعمال کا بھی مذکور پڑھتے ہیں جو ہانسی کی نال سے پھینکا جاتا تھا۔ 'جمل التواریخ' میں، جو کسی سنسکرت کتب سے ۱۱۲۶ ع میں عربی میں ترجمہ ہوئی ہے، راجا پال کے قصے میں لکھا

ہے کہ برہمنوں نے راجا کو ، جب کشمیر کی فوجیں چڑھ آئیں ، یہ مشورہ دیا کہ مٹی کا ایک ہاتھی بنا کر اپنی فوج کی ہراول میں رکھئے ۔ الفرض جب کشمیر کی فوج آئی ، ہاتھی بھاڑا اور اس کے شعلوں سے کشمیری فوج کا بڑا حصہ ہلاک ہو گیا ۔ چندوں کے خیالات سے بھی پایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں لڑھکئے والے گھوڑوں کا بھی لڑائی میں ، جب زمین موافق ہوتی ، استعمال تھا^۱ ۔

فردوسی کی روایت :

ابراہی روایت سے پتا چلتا ہے کہ ان متحرکہ گھوڑوں سے سکندر اعظم نے فورہندی سے جنگ کے وقت کام لیا ہے ۔ فردوسی نے ’شاهنامہ‘ میں یہ قصہ یوں لکھا ہے کہ جب فورہندی کو سکندر کی لشکر کشی کی اطلاع ملی ، وہ فوج لے کر مقابلے کے واسطے نکلا ، جس میں سب سے چلی صف ہاتھیوں کی تھی ۔ سکندر سے کہا گیا کہ ہاتھیوں کی جنگ بڑا کٹھن کام ہے ۔ گھوڑا چڑھے ان کا مقابلہ توں کر سکتے ۔ ہاتھی گھوڑے کو سوار سمیت سونڈ سے اٹھا کر دور ہینک دیتا ہے ۔ اس پر سکندر نے اس جانور کی شکل دریافت کی ۔ لوگوں نے اس کی تصویر کاغذ پر اتار کر بتائی ۔ اس نے حکم دیا کہ موسم کا ایک ہاتھی بنایا جائے ۔ جب اس کو ہاتھی کا اندازہ ہو گیا ، اس نے مجلس مشورت منعقد کی ۔ روسی ، ایرانی اور مصری لوہار ہٹوائے گئے ۔ انہوں نے حسبِ ہدایت ایک بھونٹ گھوڑا اور سوار لہجے کا تیار کیا ۔ غول کی درزیں میخوں سے بند کیں اور گاڑی کے ذریعے سے چلایا ۔ غول میں تخت سیاہ بھر دی گئی ۔ سکندر نے یہ آلہ پسند کیا اور حکم دیا کہ اس بھونٹے کے ایک ہزار گھوڑے تیار کیے جائیں ۔ ایک ماہ کے اندر یہ گھوڑے تیار ہو گئے ۔ جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا ، آہی گھوڑوں کو غنیم کے ہاتھیوں کے مقابل رکھا گیا اور ان میں آگ لگا دی گئی ۔ جب گھوڑے بڑھانے لگے اور ہاتھیوں تک پہنچے تو ان کی سونڈیں آگ سے جلنے لگیں ۔ ہاتھی واپس بھاگے ۔ اندر سے سکندر کی فوج نے حملہ کر دیا ۔

۱۔ یہ بیان ایبلٹ کے مضمون سے ماخوذ ہے ۔ (تاکید)

فور کو شکست ہو گئی - چنانچہ فردوسی کے اشعار بھی نقل کر دیے جاتے ہیں :

چو آگاہ شد فور کاوند سپاہ

گزین کرد جا از دور رزم نگاہ

بدشت اندرون لشکر انبوه گشت

زمین از پیل چوں کبوتر گشت

سپاہی کشیدند بر چار پیل

پس پشت گردان و دور پیش پیل

ز هندوستان نیز کار آگہان

برفتند نزدیک شاہ جهان

بہ گفتند او را بسی رزم پیل

کہ او اسپ را ہنگند بر دو میل

سواری نیارد برابر شدن

نہ چون شد بود روی باز آمدن

کہ خرطوم او از ہوا ہرتر است

ز گردون مہ او را زحل یاور است

بہ فرطاس بر پیل ہنگشتند

بہ چشم چہاں جوی ہنگذاشتند

بہ فرمود تا فیلسوفان روم

یکی پیل کردند پیش ز موم

چنین گفت کاکنون بہ ہا کیرہ رای

کہ آرد یکی چارہ این بجای

لشتند دالہ ہزروہاں ہم

ہمی چارہ جستند از پیش و کم

یکی انجمن کرد ز آہنگران

ہر آنکسی کہ بودند از ایشان سران

ز روسی و مصری و از ہندوسی

ہزوں ہوں مردان چہل ہارس

یکی باری ساختند آهنین
 ساری ز آهن ز آهنش ژان
 به میخ و به سی درزها دوخته
 سوار و تن و باره افروخته
 بگردون همی راند پیش سپاه
 درونش پیاکند لغت سپاه
 سکندر بدید آن پسند آمدش
 خردمند را سودمند آمدش
 به فرمود تا زان نژون از هزار
 ز آهن بکردند اسب و سوار
 ازان ابرش و بور و خنگ و سپاه
 که دیده است هرگز ز آهن سپاه
 سر ماهره کار شد ساخته
 وزو چاره گر گشت پرداخته
 از آهن سپاهی به گردون براند
 که جز با سواران جنگی نماند
 چو اسکندر آمد به نزدیک فور
 بدید این سپه آن سپه را ز دور
 خروش آمد و گرد رزم از دوروی
 برقتند گردان برغاش جوی
 باسپ و بخت الفز آتش زدند
 همه لشکر نور بر سر زدند
 از آتش برافروخت لغت سپاه
 به چشید ازان کاهچین بد سپاه
 چو پیلان بدیدند از ایشان گریز
 برقتند با لشکر از جای نیز
 ز لشکر برآمد سراسر خروش
 به زخم آوریدند پیلان به جوش

چو غرطوسہا شان بر آتش گرفت
 بماندند ازان پیل بانان شکست
 همه لشکر هند گشتند باز
 مان ژانہ پیلان گردن فراز
 سکندر ہر لشکر بدیشان
 ہی تاخت برسان بادِ شان

(شاعنامہ ، جلد سوم ، ص ۶۵ ، بمبئی سنہ ۱۲۷۵ھ)

مغربی محققین کو پورا پورا شبہ ہے کہ سکندر اعظم کو ہندوستان میں کسی نہ کسی آتش حرقے سے ضرور سامنا کرنا پڑا ہے کیونکہ کونٹس کریش مورخ کے ایک فقرے سے اس قسم کا مطلب مفہوم ہوتا ہے ۔ بعض مصنفین اس رائے پر مبنی ہیں کہ قدیم ہندوؤں کے پاس گرجنے والی اور چمکنے والی کاپی ضرور تھیں ۔ اس میں شک نہیں کہ ’سہا بھارت‘ ، ’ہری ونس‘ اور ’سری بھاگوت‘ وغیرہ تصنیفات میں آتشیں حربوں کا تذکرہ ضرور ملتا ہے ۔

میں اس موقع پر پروفیسر ولسن کی رائے بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں ۔ وہ کہتے ہیں کہ :

”یہ سوال کہ آیا قدیم ہندو ، بارود یا اس قسم کے بھڑک اٹھنے والے مصالحے سے واقف تھے ، تاریخی لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے ۔ ان کی طبی تصنیفات سے ثابت ہے کہ وہ بارود کے متفرق اجزاء سے ضرور واقف تھے کیونکہ یہ اشیا ان کے ہائی کثرت سے ہائی جاتی تھیں ، مگر ہم صرف اس بنا پر کہ اس کے متعلق کسی واضح بیان سے دو چار نہیں ہو سکتے ہیں ، اس کے وجود سے انکار بھی نہیں کر سکتے ، کیونکہ ہزارا علم ان کے ادبیات کے متعلق ابھی تک ناقص حالت میں ہے ۔“

ادھر ایملٹ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ کسی نہ کسی قسم کا آتشیں حربہ ہندو قدیم میں ضرور رائج تھا جو بھڑک اٹھنے والا تھا اور اس کی آتش گیری کا وقت اور طریقہ استعمال کرنے والے کی مرضی پر موقوف تھا ۔ قصہ مختصر ایسے متحرک آئے استعمال ہوتے تھے جو دروازوں ، عمارتوں اور دیگر آلات سے ہوست ہو سکتے تھے اور فاصلے سے ان میں آگ لگائی جا سکتی تھی ۔ ظن غالب ہے کہ ضرور ، جو باروت کا جزو اعظم اور اس کے بھڑکنے کا موجب ہے ، اس ترکیب

میں شامل تھا ۔ ہرحال یہ تباہی کا آگہ صحیح تاریخی دور کی آمد سے قبل ہی رواج سے جا چکا ہے اور یہ تسلیم کرنے کے واسطے ہمارے پاس کافی وجوہ ہیں کہ مسلمانوں کے حملے کے وقت صرف ایسے عرق آئے معلوم تھے جو سادہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ رال یا لفظ کے اجزاء سے مرکب تھے ۔

یہ بعض اور اسی قسم کے دیگر حالات ، جو ”ٹائمز انسائیکلو پیڈیا“ اور ایلیٹ کے مذکورہ بالا مضمون میں محفوظ ہیں ، ہمیں اس عقیدے پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ ہندو قدم میں ہاروت کا رواج تھا یا اس کی نفوذی طاقت سے اہل ہند واقف تھے ۔ اگر ان کے پاس کوئی آتش آگہ تھا تو وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ضائع ہو چکا ہوگا کیونکہ مسلمان فتوحات کے دوران میں ، جس میں ہندو اور مسلمان فوجیں ہندوستان میں سرگرم آراہتی ہیں ، کسی ایسے غیر معمولی آگے کا ذکر نہیں ملتا ، جس سے مسلمان نا آشنا تھے ۔ ہندو اگر کسی مصالحے سے واقف تھے تو کیا ضروری ہے کہ وہ بارود ہو ۔ ظنِ اغلب ہے کہ وہ نفت ہو جس کے چشمے ہندوستان کے مختلف مقامات میں پائے جاتے ہیں ۔

مسلمانی عہد :

لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ہم مسلمانی عہد کا جائزہ لیں جس کے متعلق ہماری معلومات زیادہ یقینی اور قطعی ہیں ۔

مسلمانوں نے اپنی جنگوں میں الہی آلات سے کام لیا جو ان ایام میں عام طور پر رائج تھے ۔ جنگ کی تاریخ میں حصار کشائی پر زمانے میں ایک مشکل مسئلہ رہا ہے ، جس کی عقدہ کشائی کی ہر عہد میں کوشش کی گئی ہے ۔ بیسیوں آگے اور کلین ایجاد ہوئیں ۔ من جملہ ان کے منجنیق ، دھابہ ، کیش ، عترادہ ، چرخ ، خرک اور رعد تھے ۔ نفت کا عام رواج تھا اور جب تک لوہے ہندوق نے آکر دستور جنگ میں انقلاب پیدا نہ کر دیا یہی آلات مسلمانی عہد میں برابر استعمال میں آئے رہے ۔ منجنیق کے علاوہ پھلی چاروں اصطلاحیں فارسی میں رائج ہیں ۔

منجنیق :

آلاتِ قلعہ کشائی میں منجنیق کا استعمال نہایت قدیم ہے ۔ قدیم یونانی اسے استعمال میں لائے ہیں ۔ ان سے ہولالہوں اور امراہالیوں نے اخذ کی اور پھر دنیا

کی دیگر اقوام میں پھیل گئی۔ عرب اس کی ایجاد بحرود کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ سنہ ۲۰۰ ق۔ م میں حزمہ بادشاہ حیرہ نے اس سے کام لیا ہے۔ جب رسول اللہؐ نے طائف کا محاصرہ کیا، طفیل ابن حد دوسری ہت خانہ ذی الکفین کے انہدام کی غرض سے بھیجا گیا۔ چار دن بعد اپنے چار سو آدمیوں کے ساتھ واپس آ کر مع منجیق و دہاہہ رسول خداؐ سے ملحق ہو گیا۔

محاصرہ مکہ :

سنہ ۵۷۲ میں، جب یزید کی فوجوں نے مکہ کے محاصرہ کیا، "نارنج طبری" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر دو منجیقیں نصب کی گئی تھیں۔ چلی خانہ کعبہ پر اور دوسری صفا و مروہ پر۔ منجیق انداز مسلک حبش کا رشتے والا ایک حبشی تھا۔ ماہ صفر میں تمام مہینے سنگ اندازی جاری رہی۔ ۳ ربیع الاول کو آگ لاق گئی جس کو روٹی کی گٹھڑیوں میں رکھا گیا اور گندھک بھی رکھ دی گئی۔ اب گٹھڑیاں منجیق سے کھمبے میں پھونکی گئیں۔ غلاف کعبہ میں آگ لگ گئی اور جل گیا۔ دیوار سیاہ ہو گئی اور کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگ کو بجھا سکنا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ جب روٹی کے پلندے میں آگ لگا کر پھینکا جا رہا تھا تو کل بکڑ گئی اور پلندہ منجیق ہی پر چلتے لگا۔ محاصرین نے بہت کوشش کی کہ آگ بجھا دیں مگر ممکن نہ ہوا۔ یہ اسی روز کا واقعہ ہے جس روز شام کو یزید کا انتقال ہوا۔

منجیقِ عروس :

حد بن قاسم نے جب سنہ ۵۶۴ میں ذیل پر حملہ کیا، اس کے پاس ایک منجیق تھی جس کا نام 'عروس' تھا۔ اسے کام میں لانے کے واسطے پانچ سو آدمی درکار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس قسم کی منجیقوں کا نام 'عروس' رکھ دیا گیا۔

منجیقِ ارمالوس :

آپ ارسلان سلجوق (سنہ ۴۵۵ھ - ۵۶۵ھ) اور ارمالوس تیسرے روم کی جنگ میں، جس میں قیصر گرفتار ہوتا ہے، روسیوں کے پاس ایک عظیم الشان منجیق

تھی جس پر بارہ سو آدمی کام کرتے تھے۔ وہ آٹھ حصوں میں منقسم تھی اور اس کی بازبرداری کے لیے ایک سو چالیس درکار تھے۔ اس منجینی سے ایک سو سے زائد وزن کا پتھر پھینکا جاتا تھا۔

چینی منجینی :

چنگیز کی اولاد میں منگوقاآن سنہ ۱۲۶۰ء (۱۲۵۸ء) میں اپنے عہد سلطنت میں، سلاطین کی طرف ہلاکو کی پیش قدمی کے وقت، چین میں اپنا آدمی بھیج کر وہاں سے منجینی استاد اور لفظ انداز بلواتا ہے۔ چنانچہ اس کی خدمت میں ایک ہزار چینی خاندان منجینی سازوں کے پہنچے ہیں جو ہلاکو کے ساتھ جاتے ہیں۔ عطا ملک جوئی اپنی تاریخ میں رقم بردار ہیں :

”و بچالغ غنای اہلچی را بہ طلب استادان منجینی و نقطہ اندازان روان کردند۔ از غنای یک ہزار خانہ غنای منجینی آوردند کہ بہ زخم سنگ سورخ سوزن را منقذہ جمل می ساختند و لبرہای منجینی با حکام بی و سریشم استوار کردہ چنانکہ چون از حفیض عزم اوج کنت راجع نکردند۔“
(ص ۳۷، جہان کشای جوئی، جلد سوم)

ملک طالب منجینی :

جب قویلائی خان (سنہ ۱۲۵۷ء - ۱۲۹۴ء) کی نوجوانی نے چین کے شہر سائیانفو کا محاصرہ کیا، لشکر کی تمام کوشش شہر کی تسخیر میں ناکام رہی۔ اس موقع پر بھاری منجینوں کی ضرورت تھی جو مغولی لشکر میں ناپید تھیں۔ اس وقت ملک طالب منجینی ساز نے، جو دمشق اور بعلبک سے آئے تھے، اپنے فرزندوں ابوبکر و ابراہیم و محمد کے ساتھ بڑی منجینیں لہاں کیں۔ رشید الدین فضل اللہ کا بیان ہے :

”و پیش ازان در غنای منجینی فرستہ بزرگ نہود و این ملک طالب منجینی ساز کہ از بعلبک و دمشق آئیا رفتہ بود و فرزندانش ابو بکر و ابراہیم و محمد متعلقان او هفت منجینی بزرگ فرستہ کردند و روی بہ فتح آن شہر نہادند۔“
(ص ۵۱۳، جامع التواریخ، طبع بلوچی)

ملک کامل کا منجینی :

ہلاکو ۶۵۰ - ۶۶۳ (۱۲۵۶ع - ۱۲۶۵ع) نے جب ایران کی طرف پیش قدمی کی ، اس کے لشکر میں ہزار خانہ دار منجینی سازوں اور نطف اندازوں کے تھے ۔ مہافارین کا جب اس کی فوجوں نے محاصرہ کیا تو کہا جاتا ہے کہ ملک کامل والی مہافارین کے پاس ایک ماہر کامل منجینی تھا جس کی لشاہ بازی سے مغولی فوجوں کو سخت نقصان پہنچا تھا ۔ مجبور ہو کر انہوں نے پسر الدین لولو کے منجینی کو ، جو اپنے فن میں یکتا مانا گیا تھا ، بلوایا ۔ اس نے قلعے کی منجینی کے مقابلے میں اپنی منجینی نصب کر دی ۔ دونوں استادوں نے یک وقت پتھر چلائے جو ہوا میں آ کر ٹکرائے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گر پڑے ۔ مورخ مشہور خواند میر کے الفاظ ہیں :

”ملک کامل را منجینی بود کہ از زخم سنگ او رخنہ در بنای زندگانی
سپاہ اہل خان می افتاد و مغولان در دلع او چارہ جوی گشتہ منجینی
پسر الدین لولو را ، کہ او نیز مہارت کامل حاصل داشت ، طلب نمودند ۔
چون آن شخص باردوی پشوت رسید ، منجینی در برابر منجیق شہر
نصب کرد و آن دو استاد بیک بارسنگ ہا از منجیق کشاد دادہ ۔ ہر دو
سنگ در قضای ہوا چم بازخوردہ ریز و ز شد ۔ مردم الدرون و بیرون از
حادثہ آن ہر دو ہنرمند متعجب گشتند ۔“

(حبیب السیر ، ص ۵۷ ، جزو اول از جلد سوم ، طبع بمبئی ، ۱۸۵۷ع)

موصل کے منجینی :

غازان خان نے سنہ ۵۹۹ھ میں فتح کرمان کے وقت موصل سے منجینی استاد بلوائے جنہوں نے شیراز میں تین زبردست منجینیں تیار کیں ۔ یہ منجینیں لے جا کر قلعہ کرمان کے گرد لگا دی گئیں اور برج شاہ ملک کے گرنے سے قلعہ مسختر ہو گیا ۔ اس کی تفصیل ”تاریخ و مصافحہ“ میں ، جس کی عبارت سے بعض قارئین حلف کر دیے گئے ہیں ، حسب ہذا ہے :

”حکم یرایع شد تا از موصل استادان منجینی را کہ صاحب مہارت ...
و قلعہ کشا بودند تعین کردند و بہ شیراز آمدند و سہ عدد منجینی

بروج ہیئت چوڑا کفّہ شہاب طغاب قریب دادند و عازم کرمان
شد۔ پس مدت دہ روز مستجلان مجلس کارزار بفلاخ منجیق
اہل کرمان را عہی سنگ انداز دو صورت انداز تعلیم کردند۔ پیرسنگی کوہ
فرسای کلہ قلہ قلعہ را می شکستند و اجزای حصار را دز زلزلہ می آورد
و ولولہ چون غروشدن رعد در نہاد سکان می انداخت تا برج
شاہ ملک را کہ بابرچ حمل خیال مسامتہ می بست ہاترولہ زمین موازی
گردانیدند۔“ (ص ۴۳۳)

حصاروی منجیق :

غازان خان کے اصر قلعہ شاہ لوہین نے جب قلعہ دمشق کا محاصرہ کیا ،
غازانی لشکر میں ایک مشہور منجیق تھا ، جس کا نام حصاروی تھا ۔ حاکم
دمشق نے ، جو حصاروی کے کمال سے واقف تھا ، اس کے سر کے لیے ایک ہزار
دینار کے انعام کا اظہار دے دیا ۔ اس انعام کے حاصل کرنے کے لیے اہل قلعہ
میں سے ایک شخص ، قلعے سے نکل کر بہ تبدیل لباس ، مغلوں کے لشکر میں داخل
ہوئا ہے اور ایک رات موقع پا کر حصاروی کے گھر میں گھس جاتا ہے ۔ جیسے
ہی حصاروی گھر میں قدم رکھتا ہے ، اس کا سر کاٹ کر اور لے کر قلعے میں پہنچ
جاتا ہے اور انعام موعود حاصل کر لیتا ہے ۔ ’وصاف‘ کی عبارت یہ ہے :

”امدادی منجیق حصاروی نام در علم جسر الثقل کامل و ماهر شدہ
النزام محمود کہ از چوب صورتی مینی از معنی و الفت ما فیہا و تخت ،
کہ در عرف لغت منجیقش خوانند ، ہرکار کند و نعلہ را ہلانی مستحق و
مستخلص گرداند ، بہ تحصیل و ترتیب انشاب و آلات مشغول گشت و
از دیک شد کہ عمل باتمام رسد ، حافظہ قلعہ مردی زہرک جہانبدیدہ بود
و دقت صنعت و حداقت آن شخص درین حرفت معلوم داشت ۔ باقوم خود
مشاورت پیوست کہ احوال یورین منوال است کہ اگر او ستیز نماید اجزای
کوہ ہمالیات سنگ منجیق زیر و زار ہل و زلزلہ کند و این قصہ ہنگامان
را محقق است ۔ ہرکس کہ برای استفای ناموس عصمت اسلام و استفای
مشوہات در عرصات یوم انعام شر او را متدفع گرداند جبرہ زر کہ محسوسات

ہم ہزار دہزار اورا باشد از زمرۃ الشیاع شخصی صاحب شعارت بود
 از بالای قلعه ہم شیب آمد و متفحص کلو و منتہز زمان اقتدار شد . شی
 مفاصۃ خود را مجهول وار در محالہ او الداحت و دو گوشہ مخفی بود .
 استاد کہ استاد امل ہر عمل کردہ بود ، بحالہ معاودت سی کند . ہای در
 خانہ نہادن ہان بود و زخم ہر مقل غوردن ہان . چنانکہ مقتضی تہور و
 بیباکی باشد سر اورا ہر میفارد عورت و اطفال خلقلہ و لغیر کتان اوہا کارد
 مسلول قصد فراو سی کند ہا دوسر ، یکی سرخوش بہ سلامت ہانہ
 بردوش و یکی سر دشمن ہریدہ از گوش تا گوش ، ہم قلعه مراجعت سی
 کند . ساکنان قلعه شغلہ ہم قلعه افلاک سی رسانند و در ہای سری
 ہزار دہزار ہا ہزار آفرین نثار کردند و سر او را ہر سر لیزہ از
 سر ستیزہ برافراشتند ۔“

حصہروی کی موت نے قلعه دشمنی کو مغلوں کی دست برد سے بچا لیا اور وہ
 عامرہ چھوڑ کر چلے گئے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک ماہر منجینی اپنے کمال فن
 کی بنا پر ، ان اہام میں فلعوں کی تباہی و بربادی کے لیے ، کس قدر خطرناک
 ثابت ہو سکتا تھا ۔

فتح عکہ :

سنہ ۷۰۶ھ میں ملک الشرف والدر مصر نے فرنگیوں سے طرابلس فتح کر کے
 عکہ کا رخ کیا ۔ ہم شہر بھی فرنگیوں کے قبضے میں تھا ۔ اہل قلعه کو اپنی فوج
 اور جنگی ذخائر پر بڑا ناز تھا ۔ نصیب ہر سے ملک الشرف اور مسلمانوں کو گالیوں
 دینی شروع کر دیں اور مذہبی پیشواؤں کی تبریک کے بعد منجینیوں سے گولہ باری ،
 لاوک اندازی اور تیر باران کرنے لگے ۔ آگ اور نقط کے قارورے بھیجئے ۔
 چنانچہ توصاف :

”برج و رج دعاء جائلیق و لعب عہاد منجینی و رشق لاوک و ہلارک و
 چرخ دور ہر تاب و قذف قواریر نقط و آتش ہر تاب معجب و مراتب
 شدند ۔“

ایک دن فرنگیوں نے جنگ کے دوران میں ، انتہائی قساوت سے کام لے کر ،

ایک مسلمان قیدی کو ، جو مدت سے ان کے ہاں قید تھا ، پتھر کی جگہ منجیق میں رکھ کر حاضرین میں پھینک دیا ۔ اس کی لاش ، جس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے ، مسلمانوں کی فوج کے درمیان گری ۔ ملک الشرف کو قلعہ والوں کی اس وحشیانہ حرکت پر سخت طیش آیا اور اس نے قسم کھا لی کہ جب تک قلعہ فتح نہ کرے گا ، دم نہ لے گا :

”ناگہ بروزی در اثنای محاربت آن مدایر اسیری را از مسلمانان کہ در حیرت اید می داشتند بغرض سنگ در منجیق نہادہ برتاب کردند ۔ هنوز دو قطعی ہوا بود کہ ابدانی او کالمہن المتفوش ، متلاشی گشت ۔ بعد ازان ملک الشرف را از مشاہدہ آن حالت و خوف پر استخفاف و جسارت ایشان ناظرہ حفاظت بیاد عصیت دین افروختہ شد ۔ بمؤکدات ایمان و شداد موافق ہمسک جست کہ تا خاک عکہ بر باد فنا ندد و بآب تیغ آتش تہر در ایشان نزلہ دست از محاربت و ہای از مشاہرت کشیدہ ندارد ۔“

(ص ۳۵۱ ، وصف)

چنانچہ اس نے قلعہ زنوں کو حکم دیا کہ کئی موقعوں پر لقب لگائیں جو خندق سے گزر کر فصیل کے ہاتھں تک پہنچ جائے ۔ حفر شدہ مقام میں مٹون کھڑے کر دیں اور ٹکڑیاں بھر دیں ۔ ادھر اس نے حکم دیا کہ لکڑی کے مربع مستطیل کھر یا خانے تیار کریں ۔ ان کے چبے لگا دیں اور سیڑھیاں چاروں طرف جا دیں اور چھت کی گائے کی کھالوں سے پوشش کر دیں تاکہ تیر اور پتھر اس پر کارگر نہ ہوں ۔ ان خالوں میں تیر اندازوں اور لفظ اندازوں کو بٹھا دیا اور کشتیوں کی طرح دھکیل کر آگے بڑھایا ۔ اس کے بعد حکم ملا کہ ہر فوجی ایک ایک گوبرہ ریت بھر کر لائے ۔ توپوں کی گنتی دو لاکھ ہوئی ۔ ان کی ریت سے خندق باٹ دی گئی ۔ ان اسور کو سرانجام دینے میں باون دن لگے ۔ اس وقت تک قلعہ زن بھی اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے ۔ جمعہ کی شب کو قلعہ میں آگ دی ۔ قلعے کی دیوار اور برج زمین پر گر پڑے ۔ مصری فوجوں نے دھاوا کیا اور قلعہ فتح ہو گیا ۔

(ص ۳۵۱ - ۳۵۲ ، وصف)

منجیق گردان :

قلعہ مہنتی کے محاصرے کے وقت امیر تیمور اپنے خیمے سے نکل کر ، بغیر نصیبر ، قلعے کا معائنہ کرنے لگا ۔ قلعے میں ایک گھومنے والی منجیق نصب تھی۔ جیسے ہی امیر باہر آیا ، اس منجیق سے ایک پتھر امیر پر پھینکا گیا۔ پتھر آکر شاہی خیمے کے بالکل قریب کرا اور لڑھک کر خیمے میں چلا گیا۔ امیر کو محصورین کی اس بے باکی پر سخت طیش آیا۔ اسی وقت قلعے کو امرا پر تقسیم کر کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ بس منجیقین قلعے کے چاروں طرف لگا دی گئیں۔ ان میں سے ایک اسی مقام پر لگتی جہاں پتھر آکر کرا ہوا۔ اس منجیق سے جب چلا پتھر پھینکا گیا ، سیدھا جا کر قلعے کی منجیق کے لگا ، جس سے وہ ٹوٹ گئی۔ شرف الدین یزدی نے اس واقعے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

” دورانِ حال صاحبقران ہی حال احتیاط قلعہ می فرسود بہ منجیق گردان کہ در میان آن ساعت بودند و بر آنرا خستہ سنگی گران از هوای بنی و طغیان بحالب آن حضرت انداختند و آن سنگ بہ نزدیک خیمہ خاص پر زمین خورد و ازان جا لغزیدہ بالندرون خیمہ افتاد۔ شعلہ ششم خسروانہ ازان جرات و بی باکی برافروخت و برلیغ قضا مقاصد و ریالت کہ اطراف قلعہ را بر امرا پیش کردہ حصار را سرکز وار در میان گیرند۔ چادوان بمانک ستان قلعہ کشای بامثالہ امر مبادرت نموده بہت منجیق از جوانب حصار نصب کردند۔ ازان جملہ یکی در میان موضع کہ سنگ ایشان نرود آمدہ بود و اول سنگی کہ ازان انداختند بہ نیروی دولت قاہرہ بر منجیق اندرون آمد و آن را بر ہم شکست و امثال چنین اتفاقات از اظہر اشارات نصر عزیز و فتح مبین تواند بود۔“ (ص ۲۸۳ ، جلد دوم ، ظفر نامہ ، طبع کلکتہ)

منجیقوں کی شکل :

منجیقوں کا ذکر اگرچہ تاریخ میں کثرت سے ملتا ہے مگر ان کا مفصل بیان میری نظر سے نہیں گذرا ، جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ ان کی شکل و شبابت کیا تھی اور کس طرح کام کرتی تھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے کوئی ایسا بیان نہ مل سکا۔ ہم اس عہد سے اس قدر دور نکل آئے ہیں کہ اس

زمانے کی ادنیٰ ادنیٰ شے ہمارے لیے ایک معنی کا حکم رکھتی ہے ۔

النکئی لاہوری :

لاہور کے شاعر ابو عبد اللہ روزہ ابن عبد اللہ النکئی نے ، جو سلطان مسعود شہید غزنوی (۴۲۰ - ۴۴۰) کے عہد کے شاعر ہیں ، چند آیات متعجب کی چیستان میں ، جس کا ان ایام میں کافی رواج تھا ، حوالہ قلم کیے ہیں ۔ ان اشعار سے اس کمال کے بعض خط و خال معلوم ہوتے ہیں اور ہوا حلبہ ذہن میں نہیں آتا ۔ النکئی کا بیان ہے کہ ایک طرف سے وہ لردیان ہے ، دوسری طرف سے شیطان کے پاؤں کی طرح چمکی ہے ۔ زانو نرجہ کہان کی طرح کشادہ ہے جس میں ہاتھی کی سی سونڈ لٹک رہی ہے ۔ دو آہنی دالت ہیں جو دیو کے پاؤں میں جڑے ہیں ۔ سونڈ میں سینکڑوں رسیاں لٹک رہی ہیں ۔ لوگ جمع ہو کر ان رسیوں میں سے ایک ایک رسی پکڑ لیتے ہیں ۔ گویا رسیوں کے کھینچنے سے لیلیٰ دہائی جاتی ہے اور پتھر پھونکا جاتا ہے اور ہر شخص دہشت سے کانپنے لگتا ہے ۔ چیستان یہ ہے :

چہ چہرامت آن کہ یک سو لردیانست

دگر سو راست همچون پای شیطان

سر زانو ہسان نرجہ

ازو آویختہ خرطوم پہلان

دو بیشک آہتین بینی سر او را

زدہ آن بیشک را بر پای دیوان

بر آن خرطوم وی حد زلف بینی

ہمی بر تافتہ چون زلف جانان

چو عاشق بندو البوہ گردند

بگیرد ہر یکی یک زلف را زان

بیتلازد یکی سندان محکم

شود ہر کس ز بیم و هول لرزان

(لیاب الالباب ، جلد دوم ، ص ۵۸)

لغتہندی :

لغتہندی "صبح الاعشیٰ" میں لکھتا ہے :

"آلاتِ حصار مختلف قسم کے ہوتے ہیں ۔ ان میں ایک کا نام منجنیق ہے
 پنجہ میم و سکونہ لون و فتحہ جیم و کسر لون دوم و سکونہ یا اور آخر
 میں قاف"۔ ابن الحوالی کا بیان ہے کہ میم کا کمرہ ہے اور یہ بھی کہا
 ہے کہ اس کی شکل واؤ کے ساتھ منجنوق اور منجیق، نون ثانی کی
 جگہ میم کے ساتھ بھی ہے ۔ یہ عجیب لفظ ہے گو لکنہ عربی الفاظ میں
 جیم اور قاف جمع نہیں ہوتے ۔ اس کی جمع مجانیق اور مناجیق آتی ہے ۔
 جوہری نے اس کی اصل من چہ لیکھا بتائی ہے ۔ ابن قتیبہ "کتاب
 معارف" میں اور ابو ہلال المعسکری نے "اوائلی" میں لکھا ہے : "یہ
 ایک چوڑی آلہ ہے جس کے دونوں پایوں کے مابین ایک لمبا شہنیر
 ہے جو سر کی طرف سے بھاری اور پاؤں کی جانب سے ہلکا ہے ، جس
 میں منجنیق کا ہلہ ، جو پتھر پھینکتا ہے ، لٹکا ہوتا ہے ۔ گھومنے پر اس
 کا پائیں حصہ اس کے بالائی حصے سے بلند ہو سکتا ہے ۔ پھر اسے ایک
 دم سے چھوڑ دیتے ہیں جس سے ہلکا حصہ ، جس میں ہلہ ہوتا ہے ، بلند
 ہو جاتا ہے ۔ اب پتھر ہلے سے لٹکتا ہے اور جس چیز کے لٹکا ہے اسے
 برباد کر دیتا ہے ۔ جن چیزوں سے منجنیق مرکب ہے ، یہ ہیں : لوالب
 (کہانیاں) ، رمیان جن کے ذریعے سے منجنیق کو گھومنے میں کم بالائی
 حصہ نیچے آ رہتا ہے اور تنک الدازی ہوتی ہے" ۔

(ص ۱۳۶ ، الجزء الثانی)

شاہد صادق :

"شاہد صادق" میں محمد صادق امجدانی ، جو شاہجہان کے عہد کا مصنف

ہے ، منجنیق کا ایک مختصر مابیان حصہ ذیل دیتا ہے :

وہ کہتا ہے کہ زمانہ مابین منجنیق آلاتِ حصار گیری میں سب سے
 اہم آلہ تھا ۔ اس کی شکل توازن کی طرح ہوتی ہے ۔ ایک ہلڑے کو پت بھاری
 کر لیا جاتا ہے ۔ ہلکے ہلڑے میں پتھر رکھ دیا جاتا ہے اور رسیوں کے ذریعے

سے زمین کے برابر قائم رکھا جاتا ہے تاکہ بھاری ہلڑا اویلا چلا جائے۔ اب
رسان ایک دم کاٹ دی جاتی ہیں، جس سے بھاری ہلڑا زمین پر آ رہتا ہے اور ہلکا
ہلڑا اویلا ہو جاتا ہے، اور جو پتھر اس میں رکھا ہوتا ہے، دور جا کر گرنا ہے۔

مکدنِ اسلام :

یہ دونوں بیان، میں سمجھتا ہوں، مختلف ساخت کی منجھنیوں سے تعلق
رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بیان ”تاریخِ مکدنِ اسلام“ جرجی زیدان سے منقول ہے
جو غالباً مغربی ذرائع سے ماخوذ ہے :

”یہ لکڑی کا میڈھا بھڑ ہے جس کے سرے پر ایک گوبہن نما چیز لٹک
رہی ہے۔ اس میں پتھر رکھ کر بھڑ کو تسوں کے ذریعے پیچھے کی
جالب کھینچتے ہیں۔ بھڑ کے اچھے ایک مضبوط کمان لگی ہے۔ جس
وقت کمان پوری طرح دب جاتی ہے، بیکایک اسے چھوڑ دیتے ہیں اور
وہ بھڑ زور کے ساتھ، آگے کو جھکے ہوئے، ایک مسطح تختے پر جا
گرتا ہے اور پتھر نکل کر دور جا پڑتا ہے۔“

(تاریخِ مکدنِ اسلام، ص ۱۹۴، ترجمہ از مولوی عبد حلیم،
طبع روز بازار اسٹرس)

منجھنی کی اقسام :

کتاب ”آداب الحرب“ میں منجھنی کی کئی قسمیں بیان ہوئی ہیں : (۱) منجھنی
عروس، جو چاروں طرف مارتی ہے۔ (۲) منجھنی دیو، جو غالباً اپنے ڈبل ڈول
کی کلائی کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے۔ (۳) منجھنی غوری دار۔ (۴)
منجھنی روان، جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہو سکتی تھی۔ مصنف کا
بیان ہے :

”و منجھنی پر انواع است : منجھنی عروس، و آن چہار سوی بتوان
اتصاحت و منجھنی دیو و منجھنی غوری دار و منجھنی روان۔“

(ص ۱۸۱)

لفظ ”منجھنی“ کو عام طور پر ایرانی الاصل مانا جاتا ہے، مگر فردوسی کے

اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی داستانوں میں ان آلات پر کام کرنے والے بالعموم روس اور عیسائی ہوتے تھے۔ 'منجیق' کا قافیہ، تمام شاپناے میں بالانضمام 'جائلیق' لایا گیا ہے۔ جائلیق موجودہ انگریزی لفظ کیتھولک کا ہم اصل ہے۔ فردوسی اس کا استعمال بمعنی 'ترسا' و 'منجیق' کرتا ہے۔ بہاری فرہنگیں اس کے معنی 'پیشواے ترسایان' بتاتی ہیں، جو معنی شاپناے میں نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ میں بعض مثالیں شاپناے سے نقل کرتا ہوں :

نترسد ز عترادہ و منجیق لکھیاں لہابد ووا جائلیق

(ص ۱/۵۶)

نیامد برین بارہ بر منجیق ز اسونر تور و دم جائلیق

(ص ۲/۱۹۷)

دو صد بارہ عترادہ و منجیق نہاد از برش ہر سوی جائلیق

(ص ۲/۲۵۷)

برآورد پیدار دل جائلیق بران بارہ عترادہ و منجیق

(ص ۲/۲۵۵)

سکندر ہر سود تا جائلیق یارند ارابہ و منجیق

(ص ۳/۶۷)

بدو ساخت از چار سو منجیق یای آمد آن بارہ جائلیق

(ص ۳/۷۱)

یاراست بر ہر سوی منجیق ز گردان روم آنکہ بد جائلیق

(ص ۳/۱۱۱)

مغربی ذرائع :

منجیقوں سے متعلق ایک بیان، جو مغربی ذرائع سے لیا گیا ہے، ناظرین کی دلچسپی کے خیال سے چاہا اضافہ کیا جاتا ہے :

یہ آلات، ان کی ساخت میں ضمنی اختلاف یا قوتِ عمل میں کمی بیشی کے اعتبار سے، مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اصولاً دو قسم میں ترتیب دے جا سکتے ہیں : ایک تو فلاخن والے - دوسرے بڑی قسم کی آڑی کمان والے - پہلی قسم میں عترادے اور منجیق شامل ہیں۔ دوسری قسم میں چرخ اور

اس کے مشابہ آلات - قدیم 'ہالستا' ہڈانہ خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو ، قرونِ وسطیٰ کی لاطینی میں اس سے کسی نہ کسی قسم کی کہاں چرخ مراد تھی - بھاری قسم کے چرخوں کو مختلف ذرائع سے گردش دی جاتی تھی ؛ مثلاً چرخوں کے ذریعے سے ہا دلدانے دار چرخ کے ذریعے سے - ان آلوں سے پتھر یا سسے کے گولے پھینکے جاتے یا ٹبر نالوک - یہ آلے اس طاقت سے چلتے کہ لکڑی کے ستون میں چھ ایچ گھس جاتے ، لیکن جنگ میں ان کا عمل اتنا آہستہ ہوتا کہ لمبی کہاں سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا ، جن سے ان کے ایک وار کے مقابلے میں پانچ چھ مرتبہ کام لیا جا سکتا - اس قسم کے بڑے آلے لکڑی ، فولاد اور اکثر اوقات سینک کے بننے ، جن کی کہاں تیس فٹ لمبی ہوتی - ڈیونور کا قیاس ہے کہ اس آلے سے نصف کلوگرام وزن کا ٹبر آلہ سو سالہ کر تک پھینکا جا سکتا ہے ۔"

منجہتی قسم کے آلات میں ایک طولانی گاڑم شہتیر ہوتا جو کنڈے کے پاس سے ایک مضبوط سکر ضروری شکل کے کھونٹوں پر جھولنا - شہتیر کے بالائی سرے میں ایک گوبین لٹکتا ہے جس کا سرا ایک کڑے میں مضبوط بندھا ہے - دوسرا سرا ایک بھندے کے ذریعے ایک اپنی کنڈے کے ساتھ لٹکا ہے جو شہتیر کے سرے پر ہے - اس کے چلانے کے واسطے جو طاقت درکار ہے ، اس کے لیے یا نو آدمی کام دیتے ، جو شہتیر کے سرے والی رسیوں کو پکڑ کر زور کرتے یا بھاری ہاسنگ کا وزن ، جو شہتیر کے سرے پر لٹکتا ہوتا ، فوراً چھوڑ دیا جاتا ، اگر ہاسنگ کا استعمال کیا جاتا ، شہتیر کا لمبا سرا چرخوں کے ذریعے سے نیچے جھکایا جاتا - گوبین ایک فونگی میں ، جو اس کے واسطے مہیا تھی ، آ جمع ہوتا اور پتھر یا گولہ اس میں رکھ دیا جاتا - اس وقت ہاسنگ باندھی ہو جاتا جو کھینکے کے ذریعے سے قابو میں رہتا - لہجی کھینچنے پر ہاسنگ نیچے آ رہتا اور شہتیر فلائین کے ساتھ بلند ہو جاتا - بلند ہوتے وقت جیسے ہی ایک خاص موقع پر پہنچتا ، گوبین کا بھندے والا سرا کنڈے سے نکل آتا اور گوبین چھوٹ جاتا - گولہ نکل کر اپنے آساج کی طرف روانہ ہوتا - خاطر خواہ تہجد حاصل کرنے کے لیے گولے کو اپنی انتہائی رفتار حاصل کرنی چاہیے - اس کو ۵۰ درجے کے زاویے پر رہا ہونا چاہیے - یہ مقصد مشین کے مختلف اجزاء ، نیز گولے کے وزن کے باہمی تناسب سے حاصل ہوتا ہے ، جس کے لیے بلاشبہ اتکل پتھر روایتی قواعد قرونِ وسطیٰ کے

مہینوں میں رائج تھے۔ معمولی گولہ ایسے پتھروں کا ہوتا جن کو احتیاط کے ساتھ گول کر لیا جاتا۔ بعض وقت ٹول پتھر سے کام لیا جاتا۔ رات کے وقت ان پتھروں کے ساتھ روشن شتابہ لگا دیا جاتا تا کہ اس کی روشنی میں نشانے کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ بعض وقت لوہے کے سرخ انکارا ٹکڑے، پگھلی دھات کی بالڈیاں یا روغن نفت کے قارورے یا مڑی اور گندی آلابی بھینکی جاتی کہ قلمے کی ہوا متعفن ہو جائے۔ کارڈنل اوکٹیون نے سنہ ۱۶۸۹ء میں موڈیا کے محاصرے کے وقت، شہر میں گدھے کی لاش بھینکی تھی۔ فروئیسارٹ کی تاریخ میں سنہ ۱۶۸۰ء میں ٹھن لی اوہک کی تسخیر کے موقع پر ایسی کئی مثالیں نقل ہوئی ہیں جس میں محاصرین نے اپنی منجیقوں سے مردہ گھوڑوں اور دیہگر جانوروں کی لاشیں شہر کی ہوا مسموم کرنے کے واسطے بھینکی ہیں۔ اسی مورخ کے ہاں ایک اور مثال ملتی ہے جس میں قلمے اوپروخ کے بدقسمت قاعد کو، محاصرین نے بالندہ کر اور وہ خط جو اس کے پاس تھے اس کے گلے میں لٹکا کر، منجیق سے اس کو قلمے میں پھینک دیا جہاں وہ اپنے دہشت زدہ ساتھیوں کے درمیان گر کر مر گیا۔

بعض منجیقوں میں ہاسنگ تابیوں کے صندوق یا خانے کی شکل میں ہوتا، جس کو پتھر مٹی وغیرہ سے بھر کر شیشی کے بھاری حصے کے ساتھ لصب کر دیتے۔ ایسی کل کا نام غالباً منجیق ہے۔ باقی کالوں میں ہاسنگ علیحدہ چول پر لٹکتا رہتا۔ ایک تیسری شکل اور بھی تھی جس میں دونوں ترکیبیں کام دیتی۔ فرق اتنا تھا کہ چلی قسم کا نشانہ زیادہ صحیح ہوتا، دوسری کی مار زیادہ ہوتی۔ لیکن ایسی کالیں، جن میں ہاسنگ کی جگہ انسانی طاقت سے دھیان کھینچنے میں کام لیا جاتا، بھاری گولے چلانے سے عاجز تھیں، اگرچہ نسبتاً زیادہ سرعت سے کام دے سکتیں اور مختصر چمات کی بن سکتیں۔

شاہ نیولین سوم، فرانس وسطی کے بعض مصنفین کی عبارتوں سے، اس فوجی پر چنچا ہے کہ منجیق ”لڑبوشے“ کے مشابہ تھی لیکن ہلکی ساخت اور ہلکی مار کی، مگر اس میں بھی شک نہیں کہ نوعیت کے لحاظ سے منجیق کا اخلاق اس قسم کی تمام کالوں پر ہوتا ہے۔

میرینو سنوڈو کے نزدیک لاطینی زبان کا لفظ مشینا (مشین) منجیق کا مترادف ہے، اگرچہ جس مشین کا اس نے بیان دیا ہے، حقیقت میں لڑبوشے سے

ماخوذ ہے جس کے معنی چادو کا کرتب ہیں۔ یہ لفظ بازیگر کے شعبے کے معنی دیتے لگا۔ ماقول صدی عیسوی کے قریب اس کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ جنگی کلوں کے ساتھ ہونے لگا۔ مشرقیوں نے اسے 'منجینی' اور 'مجارنی' بنا لیا اور فرہنگس نے 'منگونا' اور 'منگولیا' کی شکل میں اختیار کر لیا۔

شاہ نپولین مذکور الصدر نے شہزادی کے زمانے میں، ان آلات جنگ کے سلسلے میں، نہایت دلچسپ تجربے کیے ہیں۔ اس نے ایک ٹریپوھے بنوایا، جس کے شتوں کا طول تینتیس فٹ لو ایچ اور ہاسٹک تین ہزار تین سو پونڈ (قریباً اکتالیس من) تھا اور چول سے لٹکنے والا ہاسٹک چھ ہزار چھ سو پونڈ۔ اس کے انتہائی زور کا ماحصل یہ تھا کہ چوبیس کلو گرام لوہا ایک سو اکتالیس گز کیا اور ساڑھے بارہ ایچ کا گولہ، جو ریت سے بھرا تھا، ایک سو اکتالیس گز تک جا سکا۔ ہر لشاہہ چلانے پر کل میں خرابی آتی گئی اور جیسا کہ شاہزادے کی خواہش تھی، ہاسٹک کو آٹھ ہزار کلو گرام یا سترہ ہزار چھ سو پونڈ تک بڑھا دینا ناقابل عمل ثابت ہوا۔ یہ امر صریح تھا کہ یہ مشین کافی بیماری ساخت کی نہ تھی مگر ذمہ دار السراف نتائج پر بالکل مطمئن تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کلوں پر مہارت حاصل کر لینے اور نہایت وزنی لٹھوں سے ان کے تیار ہونے پر وہی غیر معمولی کڑواہٹ حاصل کیے جا سکتے ہیں جو زمانہ وسطی کے منجینیوں کی یادگار ہیں۔

لاحظہ میر نے کسی مشرقی مصنف کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک منجینی سے چار سو من کا گولہ پھینکا گیا تھا۔ یہ وزن کسی حالت میں آٹھ سو پونڈ سے کم نہیں مانا جا سکتا، بلکہ کمہوں زیادہ ہے۔

اسٹیل کا پلان ہے کہ جینوا والوں نے قبرص کے خلاف ۱۴۷۳ ع میں جو سامان جنگ بھیجا تھا، من جہا بڑی کلوں کے ایک کا نام 'مٹروجا' تھا جس سے بارہ سے اٹھارہ ہینڈروٹ بالغاطر دیگر ہونے سترہ من سے پچیس من تک کا گولہ پھینکا جا سکتا۔ ۱۴۴۶ ع میں وٹس والوں نے جب شہر زلوا کا محاصرہ کیا، ان کے منجینی ماسٹر فرانسسکو ڈیل ہارٹے نے شہر میں تین ہزار پونڈ کے وزنی گولے پھینکے۔ اس موقع پر ماسٹر صاحب بقوائے: "لو آپ اپنے دام میں عیاد آ گیا" خود اپنی مشین کا شکار بن گیا۔ یعنی جب وہ کھڑا ہوا اپنی کل کو دوست کر رہا تھا، وہ چل گئی اور ماسٹر اس کی جھپٹ میں آ کر شہر میں پہنچ گیا۔

بعض کلاں بڑی عظیم الجثہ ہوتی تھیں اور ان میں سامان کی سہ اندازہ مقدار

صرف ہوتی تھی۔ عکۃ کی آخری سطح پر ذکر میں ابوالفدا کا بیان ہے کہ ایک منجیق حمص کی فرج کے سپرد تھی، جس کا سامان سو گاڑیوں پر لٹا۔ ان میں سے ایک گاڑی خود مؤرخ موصوف کی سپردگی میں تھی۔ رچرڈ شیر دل کے ایک قدیم الصائے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بیڑے میں ایک منجیق اتنی بڑی تھی جو ہارے ایک جہاز میں آتی۔ سینٹ لوئی، شاہِ فرانس نے دریائے نیل پر چوبیس منجیقیں مسالوں سے اپنی چلی فتح کے وقت چھینی تھیں۔ ان کی تہوں سے اس کے تمام لشکر کے گرد کٹھنگھرا یا کٹھرا تیار ہو گیا تھا۔

بعض وقت ان کالوں سے بڑی تعداد میں کام لیا جاتا۔ ول برٹوین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وینس سے جو بڑا قسطنطنیہ پر حملہ کرنے گیا تھا، من جملہ دیگر آلاتِ قلعہ کشائی کے، اس میں تین سو عترادے اور منجیقیں تھیں۔ ۱۲۹۱ء میں عکۃ کی تسخیر کے وقت، بقول مغربی حصار کے گرد بالوے منجیقیں مسالوں نے نصب کی تھیں، مگر ابوالفرج کی روایت ہے کہ تین سو تھیں۔ اگر فرنگیوں کے قول پر اعتبار کیا جائے تو تمام کالوں کی تعداد، جن میں چھوٹی بڑی مشینیں شامل ہیں، چھ سو چھاسٹھ تک پہنچتی ہے جن کی منجیقوں سے ایک ایک قطار (ٹیرڈ سن) کا ہنگہ اس سے بھی وزن گولہ پھینکا جاتا تھا۔

منجیقوں کی شدید گولہ باری کا اندازہ اس جنگی کارروائی کے بیان سے ہو سکتا ہے، جو فرامیسوں کے خلاف دریائے نیل پر مصریوں سے ظہور میں آئی اور جس کی طرف اوپر بھی ایک ایسا ہو چکا ہے۔ شاہِ فرانس کا مقصد تھا کہ دریائے نیل کی ایک شاخ پر ہشتہ یا بندہ بالادہ دیا جائے۔ اس نے ہند کی حفاظت کے واسطے گرگیج اور سرکوب تیار کر لیے تھے، جس پر تیر اندازوں کی جماعت بٹھا دی گئی تھی اور ان کی امداد میں عرادوں کی قطار قائم کر دی گئی تھی۔ جین شیر سارا سین، شاہی میر سامان کا بیان ہے کہ جب مسالوں پر منکشف ہوا کہ ان کے خلاف کیا اقدام ہو رہا ہے، انھوں نے ہماری مشینوں کے مقابلے میں ایک بڑی تعداد منجیقوں کی کھڑی کر دی اور ہمارے ہشتے اور سرکوبوں کو برباد کرنے کی غرض سے اس کثرت سے سنگ اندازی کی کہ ہم حیران رہ گئے۔ انھوں نے تیر بربانے، پتھر چلانے اور کہاں چرخ سے تیر پھینکے۔ انھوں نے تیر اور آتشِ لفظ کی بھرمار شروع کر دی۔ العرض ہماری کالوں اور ہمارے آدمیوں کو، جو بندہ پر کام کر رہے تھے، اس قدر دق کیا کہ جس کا دیکھنا

اور سنا نہایت دہشت ناک تھا ۔ ان پر پتھر ، لیزے ، تیر اور لفظ کی بارش سینہ کی طرح جاری رکھی ۔

دہابہ :

اب میں باقی اصطلاحات پر نظر ڈالتا ہوں ۔ دہابہ ایک متحرک آلہ تھا جسے پہیوں کے ذریعے سے چلاتے تھے ۔ اس کی چھت کھالوں یا سرکے میں تر شدہ نمڈوں سے ڈھکی ہوتی تاکہ آگ سے محفوظ رہے ۔ کچھ لوگ اس کے اندر بیٹھ جاتے اور کچھ اسے دھکیل کر لے چلتے ۔ یہی وقت اس سے فصیلوں پر دھاوا کرتے اور بعض وقت قلعے کی دیواروں کے انہدام میں کام لیتے ۔ اس کا سرا نوک دار ہوتا تاکہ دیواروں میں شکاف کر سکے ۔ محصورین مدافعت میں آگ پھینکتے اور چٹی لکڑیوں یا سرکٹوں کے پشمارے اس پر ڈالتے تاکہ دہابہ اور اس کے پناہ گزین چل جائیں ۔

"دہابہ" کو فارسی میں "غرگ" کہتے ہیں ۔ بعض وقت اسی وضع کی کشتیاں تیار کی جاتیں جن سے دریائے جیگون میں کام لیا جاتا ۔

خجند پر جب چنگیزی فوجوں نے یورش کی ہے ، وہاں کالسر تیمور ملک ، دریائے جیگون کے اسی حصار میں ، جہاں دریا دو شاخ ہو کر بہتا ہے ، مقابلہ کرتا ہے ۔ امیر موصوف پر روز کشتیوں میں بیٹھ کر غنیم کے حصاروں کا جواب دیتا ۔ کشتیاں ، جو اس کے پاس تھیں ، خاص قسم کی ساخت کی تھیں ۔ ان کی چھت اور بازوؤں کی پوشش نمڈے کی تھی جس پر سر کے میں گندھی مٹی کا خلائ چڑھا دیا گیا تھا ۔ کشتیوں کے بازوؤں میں کھڑکیاں تھیں ۔ ان کشتیوں پر تیر ، نقط اور آگ کا مطلق اثر نہیں ہوتا ۔ تیمور ملک ایک عرصے تک دشمن کے مقابل ڈالتا رہا ۔ عطا ملک کی عبارت حسب ذیل ہے :

"و او دوازده زورق ساخته بود سر پوشیده و برمد تر گل بہ سرکہ معجون اندودہ و درجہا دو گزاشتمہ پر روز بانداد جانی شش روان می شد و جنگ های سخت می کردند و زخم تیر بران کارگر نبود آتش و لفظ و سنگ ہا کہ در آب می ریختند او فرا آب می داد و بہ شب شیخوں می بود ۔ خواستند تا مضرت آن دفع کنند دست نداد ۔"

(ص ۱۷ ، جہان کشای جوینی ، جلد اول)

کبش :

یہ دہائے سے ملتا جلتا آہ ہے ۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ اس کا سر مینڈھے کے سر کے مشابہ اور آگے کو نکلا ہوتا ۔ مینڈھے کا سر نکڑی یا لوہے کی موٹی پتلی میں لٹکا ہوتا اور پتلی دو رستہوں میں ، جو دہائے کی چھت میں چڑی ہوئی چرخوں پر کھنچا کرتی تھیں ، لٹکا کرتی تا کہ اس کے کھینچنے میں آسانی ہو ۔

عترادہ :

یہ چھوٹی قسم کی منجنیق ہے اور فارسی ادبیات میں منجنیق کے ساتھ ساتھ مذکور ہوتی ہے ۔ فرہنگ ہر الفضاائل تالیف سنہ ۸۸۴ھ میں لکھا ہے : ”عترادہ همچو مغربی کہ بدان سنگ از حصار اندازند“ ۔ ”شرف نامہ“ احمد منیری“ مؤلفہ سنہ ۸۸۷ھ میں مرقوم ہے : ”عترادہ منجنیق خورد“ ۔ اور موجودہ لغتوں میں مذکور ہے : عترادۃ آہ جنگ خورد تو از منجنیق“ ۔ اس آہے کا استعمال بھی قدیم معلوم ہوتا ہے ۔ ”آداب الحرب“ میں اس کی چار قسمیں بیان ہوئی ہیں ۔ پہلی عترادۃ یک روی ، جس سے صرف ایک ہی سمت میں سنگ اندازی کی جائے ۔ دوسری عترادۃ گردان ، جو گھوم سکے ۔ تیسری عترادۃ خلفہ ، جو صرف ایک جگہ قائم ہو ۔ چوتھی عترادۃ روان ، جو ایک مقام سے دوسرے مقام تک حرکت کر سکے ۔ فردوسی ، امدی اور نظامی کے ہاں یہ لفظ ملتا ہے :

فردوسی :

سکندر بہ فرمود تا جاثلیق بیارند عترادہ و منجنیق

امدی طوسی :

پہر گوشہ عترادۃ پر ساختند ہمہ دیگ رخشنده را انداختند

نظامی گنجوی :

لہ عترادۃ برگرد اورہ شناس نہ از گردش منجنیقش ہراس

چرخ :

چرخ ، سخت کھان کو کہتے ہیں ۔ مثال میں فردوسی کا یہ شعر :

شغال آمد آن چرخ را بر کشید بڑہ کرد یک بارہ اندر کشید

اس کے علاوہ تیر اندازی کا بھی آلہ ہے۔ تاریخوں میں 'تیر دست' اور 'تیر چرخ' بعض موقعوں پر ساتھ ساتھ ملتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چرخ، کمان سے علیحدہ آلہ ہے۔ مصورین و محاربین دونوں اس سے کام لیتے ہیں۔ عطا ملک جوینی کے یہ قلمے قابلِ غور ہیں :

(در ذکر فتح نیشاپور بردست مغول) "روز سیم از برج قراقوس جنگ سخت می کردند و از باره دیوار تیر دست و تیر چرخ می ریختند۔"

(ص ۱۳۷ ، جہاں کشای جوینی ، جلد اول ، طبع یورپ)

(ذکر فتح اخلاط بردست جلال الدین منکبرفی) "و بماتیق و آلات دیگر از تیر چرخ و فقط تریب دادند و الدرون شہر ہم بکار ساختن حرب مشغول شدند۔ از چالین منجیق برکار کردند و تیر دست و تیر چرخ چون تگرگ ریزان گشت۔"

(ص ۱۷۵ ، جلد دوم ، جہاں کشا)

چرخ ، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ، چپے یا چرخے سے چلنے والی کمان ہے اور جنگوں میں قابلِ قمر آلہ ہے۔ تاریخوں میں بے شمار موقعوں پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ جب چنگیز یوں نے نیشاپور پر حملہ کیا ہے ، اس وقت تین ہزار چرخ اور تین سو منجیق اور عترادے شہر کی دیواروں پر موجود تھے مگر مصورین ہست بار چکے تھے۔ چنانچہ عطا ملک کا قلمہ ذیل :

"اعالیٰ نیشاپور چون دیدند کہ کار جد است و این قوم نہ آئند کہ دیدہ بودند باز آنکہ سہ ہزار چرخ بر دیوار بارہ برکار داشتند و سی صد منجیق و عترادہ نصب کردند و از اسلحہ و فقط درخور این تعبہ دادہ کماست را ہای ہست شد و دل از دست برفت۔"

(ص ۱۳۹ ، جلد اول ، جہاں کشا)

ہامیان کی یورش کے وقت چنگیز خان کا ہوتا ، چغتائی کا فرزند تیر چرخ سے مارا جاتا ہے :

"ناگہ از سمت قضا کہ قضای کل آن قوم بود تیر چرخے کہ مہلت نداد از شہر بیرون آمد و بیک ہسر چغتائی رسید کہ محبوب ترین افراد چنگیز خان بود۔"

(ص ۱۰۵ ، جلد اول ، جہاں کشا)

امیر تیمور کی جنگوں میں بھی تیر چرخ موجود ہے۔ چنانچہ شرف الدین قلمہ

اونیک کی فتح کے وقت لکھتا ہے :

”حضرت صاحب قرآن فرمود کہ آسرای تومان ہر گنہ بہ سیدہ خود
استادہ منجیقہا تریب گردند و جائز اسباب حصار از عتراءہ در عدد
قبر چرخ آمادہ داشتہ کورگہ و نقارہ فرو کوفتند۔“
(ص ۶۹۶ ، ظفر نامہ ، جلد اول ، طبع کلکتہ)

دقیق کے ہاں شاہنامے میں قبر چرخ مذکور ہے :

اس الجملش آمد یکی قبر چرخ چہن آمدہ بودش از چرخ برخ
(ص ۸ ، جلد سوم ، شاہنامہ ، طبع بمبئی ، سنہ ۱۲۷۵ھ)

فردوسی نے چرخ اور کبان چرخ دونوں شکلوں میں لکھا ہے ۔ چنانچہ :

اس منجیق افروں رویان ابا چرخ ہا تک بستہ میان

(ص ۲۵۷ ، جلد دوم ، شاہنامہ)

شعر ذیل میں فردوسی اس کی آواز کا بھی ذکر کرتا ہے ، اگرچہ صاف واضح
نہیں کہ اس کا مقصد چرخ کی گھومنے کی معمولی آواز ہے یا ایسی آواز جو کسی
آتش گیر مصالحے کے بھڑکنے سے پیدا ہو :

ز بانگ کبان های چرخ و ز دود شدہ روی غورشد تاہان کبود

(ص ۲۵۸ ، جلد دوم)

چوتھی صدی کے مستنصر اول کے شاعر ازرقی کے شعروں سے مفہوم ہوتا ہے
کہ چرخ آتش زنی کا آلہ بھی ہے ۔ اس کے مدوح ، طغان شاہ ، نے سیستان کے
ایک قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا ۔ جب وہ قلعے کے معائنے کے واسطے میدان میں
آیا ، برج پر سے ایک چرخ انداز نے دیکھ لیا ۔ اس نے فوراً ایسے چرخ کو آگ
سے بھر لیا اور طغان شاہ کے آہن پوش گھوڑے پر اس کا تیر چھوڑا ، جو ملک
طغان کے پاؤں سے ایک ہاتھ بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر لگا ۔ وہ شعر یہ ہیں :

ز شدہ برجی لضا را چرخ داری	ملک را دید دو میدان برابر
ز آتش چرخ را بر کرد و بشتافت	کز آتش بند او پاداش و کینر
بزد بر بارہ برگستوان داو	خداک راست رو برگستوان در
ز زخم قبر تا ہی خداوند	بدستی ماندہ بد پا نیز کم تر

(الہمن آرای لاسری)

”فرہنگ شرف نامہ“ قاریف سنہ ۸۷۷ھ اور ”سید الفضل“ میں چرخ کی یہ تشریح دی گئی ہے :

”چرخ ، کہاں حکمت کہ از آلات حصار گیری است و تیر چرخ بدان اندازند“ ۔ ”کہاں حکمت“ کو ”پہاڑ عجم“ میں ایک قسم کی منجلیق بتایا گیا ہے ۔

”فرہنگ جہانگیری“ میں چرخ کو بان یا حلقہ آتش کی مانند کہا گیا ہے ۔
فرہنگ نگار کا بیان ہے :

”چیزی باشد مانند تیر ہوائی کہ از آہن ہسازند و درون آن ہر از باروت کردہ آتش زند و ہر جانب دشمن سر دھند و ہر ہر کس کہ غرود ہلک سازد ۔ النوری در صفت آہان گفتہ :

لہ منجلیق رسد ہر سرش نہ کشکچر

نہ تیر چرخ نہ سامان ہر شدن یوق

یہ بیان فرہنگ نگار کے زمانے کے واسطے صحیح مانا جا سکتا ہے مگر قدیم زمانے کے تعلق میں البتہ صحیح نہیں کیونکہ بارود ان ایام میں موجود نہیں تھی ۔ یہاں تک تو غیریت تھی مگر متاخرین نے اسے بتدوین کے ساتھ شعلات کو کے ہمارے لیے راہ راست سے ہینکنے اور غلط قیاسات قائم کرنے کا سامان فراہم کر دیا ہے ۔ ان کا بیان ہے :

”بمناسبت کہاں و تیر ، قنک را نیز چرخ گویند و گلولہ آن را تیر گویند زیرا کہ چنانکہ کہاں تیر را بقوت جہاتی ہلوی کہاں دار بد دشمن رساند قنک ہم بقوت و نیروی داری آتش کہ باروت باشد گلولہ را کہ بمنزلہ پیکان تیر است بنضم رساند ۔ حکیم ازرق در مدح طغان شاہ در جنگ سیستان و تیر انداختن قنک داری از فراز برج گفتہ ۔“

(فرہنگ انجمن آرای نامری)

شعر میں اوپر نقل کر آیا ہوں ۔ ازرق کے زمانے کے لیے یہ خیال کرنا کہ بتدوین اور گولی موجود تھی ، روایت و ذراعت کے منافی ہے ۔ ازرق نے صرف اسی قدر کہا ہے : ”ز آتش چرخ را ہر کرد و ہشتافت“ جس کی بدیہی توجہ یہی ہے کہ آگ تیر کے ذریعے ہینکنی گئی ۔ قلمی سے محاصرین پر آگ اور قاروہای فقط ہینکنے کا عام دستور رہا ہے ۔ اگر اس چرخ دار نے طغان شاہ پر تیر آتش پست

بھینک دیا تو کیا برج ہے ۔

دیگ :

اگر ہم لغت نگاروں کے بیانات پر اعتبار کریں تو ہمیں مانتا پڑے گا کہ ہندوق تو ہندوق ، توپ بھی قدیم زمانے میں موجود تھی اور رستم کا پردادا نریمان توپ کے گولے سے ہلاک ہوا تھا ۔ دیگ کی تشریح میں وہ لکھتے ہیں :

”دیگ معروف است و بمعنی توپ بزرگ نیز آئندہ است کہ در قدیم الزمان در قلاع و حصار برای حفظ داشته و می گذاشتند و با داروہای آتشین آتپاشند بجای۔ خصم می افکندند و بعضی دراز تر چنانکہ هست و بعضی کوتاه تر ہترکیبی کہ اکنون خم بارہ گویند و بہارہ خم مانند کہ زیر او شکستہ و زیر او قدری باقیست و گلولہ آرا سنگ می کردہ اند ۔ حکیم علی اسدی در گرشاپ نامہ :

یکی دیگ منجر در آن قلعه بود
کہ پیرش بد از سنگ صدمن فرود
بدارو من آن وعدہ آتپاشند
ہمہ روز لا شب نگہداشتند
ازان برج آن سنگ آمد رہا
بدان آتش و دود چون آژدہا
و بارہ من آن وعدہ انداختند
جہان از نریمان پیر داغند

و آن دیگ را دیگ رخشندہ می گفتہ اند کہ از آتش من درخشید ۔
اسدی :

چہ گوشہ عترادہ پراغند
ہمہ دیگ رخشندہ انداختند“

(فرہنگ الفہن آرای نامیری)

شاعر کا مقصد ہے کہ قلعے میں ایک دیگ (منجر ؟) تھی جس کا تیر سو من (فارسی من) کے گولے کا تھا ۔ اس کو بارود سے بھر دیا ۔ رات پڑے وہ گولہ

اس دھک سے آگ اور دھوئیں کے مائلہ چھوڑا گیا۔ اس جیسے ہی قلعے سے توپ چھوٹی، نریمان سے دنیا خالی ہو گئی۔ ان شعروں کا متن میرے نزدیک مشتبہ ہے۔ اگر متاخرین کے ہاتھوں ان اشعار کے متن میں قطع و برباد نہیں ہوئی تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ان میں توپ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دارو، بارود کے واسطے اور رعد، توپ کے لیے متاخر زمانے میں عام استعمال میں آئے ہیں۔ آتش و دود بھی اسی عہدے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ایک بات کی کمی وہ کئی ہے کہ توپ کی گرج کا مذکور نہیں آیا۔ چونکہ یہ تھا بیان ہے اس لیے اس پر بغیر مزید و متواتر شہادت کے بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ایک امر قابلِ گزارش ہے کہ اس روایت کی رو سے نریمان توپ کے گولے سے مارا جاتا ہے۔ شاہنامے میں نردوس نے بھی نریمان کی موت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ رستم جب پیلر علیہ کو ہلاک کر چکتا ہے، زال اس کی جرات پر بہت تعجب کرتا ہے اور نریمان کا انتقام لینے کے واسطے کوہ سینداں روانہ کرتا ہے۔ اس موقع پر شاعر نریمان کی ہلاکت کے متعلق لکھتا ہے:

سرافجام منگی پنداختند جهان را ز چلو بہ پرداختند

(ص ۲۶، جلد اول، شاہنامہ، سنہ ۱۲۷۵ھ)

جس سے ظاہر ہے کہ نریمان کی موت ایک پتھر سے واقع ہوئی تھی جو قلعے سے اس پر گرایا گیا تھا۔

مذکورہ بالا اشعار میں نے ”فرہنگ النہج آرای ناصر“ سے ”گرشاسب نامہ“ مطبوعہ بمبئی سے مقابلے کے بعد نقل کیے تھے۔ اب جب ”گرشاسب نامہ“ کا ایک معتبر نسخہ، جو اواخر نونِ نیم یا ابتدائے قرنِ دہم کا نوشتہ ہے، میری نظر سے گزرا تو میں یہ معلوم کر کے حیران رہ گیا کہ آیاتِ مذکورہ الصدر، جن میں نریمان کی وفات کا تذکرہ ہے، اس نسخے میں موجود نہ تھے۔ اس نسخے کی رو سے فریدون، گرشاسب کی وفات پر، تعزیتی خط مع خلعت نریمان کو بھیجتا ہے۔ ماتم کے اختتام پر خود نریمان دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ فریدون اس کو ’علم اژدہا بیکر‘ اور ’جہان پہلوان‘ کا منصب عنایت کرتا ہے اور سام کو شیر کا دروغی اور ’سپید‘ خطاب دیتا ہے اور سیستان کو رعیت کر دیتا ہے۔ الغرض ہر مومن تک نریمان ’جہان پہلوان‘ اور سام ’سپید‘ رہے۔ عین اس موقع پر ”گرشاسب نامہ“

ختم ہوتا ہے اور خاتمہ کتاب ، جس میں تاریخ تصنیف وغیرہ درج ہے ، شروع ہوتا ہے ۔ یہ اشعار میں چار لعل کرتا ہوں :

سرمد لریمان چو آمد بدیش	بسی عہدہ بخشیدش از گنج خویش
درفشیش داد اژدہانش سیاہ	جہان پہلوان خواندش در سیاہ
دگر شیر پیکر درفشے ہمام	داد و سپہدش فرمود نام
فراوان دگر گوہر و سیم و زر	بہ بخشید شان اسپ و تیغ و کمر
سوی میستان ہر دو را شاد باز	فرستاد و ہنشت ہاکام و ناز
بسی سال آزان پس میان کران	سپید بد این وان جہان پہلوان
از ایشان کنون نام ماندست و بس	بہ گیتی نزیستست جاوید کسی
چو ہستد ز ما سرگ یکبارہ کام	ز تن خاک مانہ ز کردار نام

اس کے بعد چھ شعر دنیا کی بے وثائی کے ذکر میں لا کر شاعر اپنا خاتمہ ہوں شروع کرتا ہے :

شد این داستان بزرگ اسپری	بہ ہیروز روزی و نیک لشتری
ز ہجرت بدور سپری کہ گشت	شدہ چار صد سال و پنجاہ و ہشت

پھر حال اس مظلومے میں نریمان کی وفات کا ذکر نہیں آتا ۔ میرے خیال میں نریمان کی وفات کے مقولہ بالا آیات الحاق ہیں اور اسدی ان کا مالک نہیں ۔

کشکنجیر :

فرہنگ نگاروں نے بھی مالوک 'کشکنجیر' کے ساتھ کیا ہے ۔ اس کے معنی ابھی بڑی ٹوپ یا ٹیپ کہتے ہیں ۔ "فرہنگ جہانگیری" میں اس کی تشریح ہوں مرقوم ہے :

"ٹوپ کلان را گویند کہ بدان دیوار قلعہ بشکند و بندازند ۔ معنی ترکبیر آن 'کوشک' سوراخ کن' است ، چہ 'کشک' مخفف کوشک بود و 'انجیر' سوراخ را گویند ۔"

"انجمن آراء نامری" میں یہ تشریح ملتی ہے :

"کشکنجیر ٹوپ کلان کہ پارسہ دیگ و دیگ دروغندہ نیز گویند ۔"

مگر "فرہنگ بحر الفضائل" میں ، جو سنہ ۸۳۷ھ کی تالیف ہے ، اس کے

معنی "نوعی از منجیق" دے ہیں اور "ہیروز نامہ" ہے ، جو حکیم عمر خیام کی

تالیف ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ کشکنجیر ایک خاص قسم کی نہایت سخت اور طاقت ور کتان ہے ، جس سے حصار شکنی میں کام لیا جاتا ہے ۔ ”نوروز نامے“ کی اصل عبارت حسب ذیل ہے :

”لو وژن کتان ہند ترین شش صد من نہادہ اند و سر آن را کشکنجیر خواندہ اند و آن سر قلعبا را بود ۔ نرود ترین یک من بود و سر آن را ہر کودکان خورد سازند ۔“ (ص ۳۰ ، نوروز نامہ)

منوچہری کے شعر سے بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کا سخت زہ آہ ہے جس کے چلانے میں ایک سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے ۔
و ہر ہذا :

داد جشن سہرگان اسہید عادل دھد

آن کجا تھا بہ کشکنجیر اندازد خدنگ

ہندوستانی فرہنگ نگار ، قبل مغل ، اس کا مختلف بیان دیتے ہیں :

”عُرف نامہ“ تالیف سنہ ۸۷۲ھ :

”کشک الجیر ، یکی از آلات جنگ و آن سنگی است کہ بقوت دواہای آتشین روان کنند ہندش گولہ گویند و کشکنجیر یواو نیز نویسند و معنی تو کبیر آن سوراخ کنندہ کوشک است ۔“

”عہاد السعادت“ مولفہ سنہ ۹۱۹ھ :

”کشکنجیر و کبک الجیر ، کاب مضموم ، یکی از آلات جنگ آتشی است بقوت داروہا روان کنند ہندش گولہ خوانند ۔“

”مزید الفضل“ تصنیف سنہ ۹۲۵ھ :

”کشک الجیر ، یکی از آلات جنگ و آن سنگی است کہ بقوت دواہای آتشین روان کنند ۔“

میرے خیال میں یہ بیان ان فرہنگ نگاروں کے عہد کے واسطے بالکل قابل اعتبار ہے ۔ بارود اس وقت تک عام ہو چکی ہے جس کو یہ مصنفین دواہای آتشین اور داروہا کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ ساتھ ہی ہندی نام ”گولہ“ دیتے ہیں ۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بارود کی نفوذی طاقت معلوم ہونے کے بعد سب سے اول اس کا استعمال گولے اور بان کی شکل میں کیا گیا ہے ۔

فردوسی کے ہاں ایک شعر آتا ہے :

گرفتہ گردان ایران زمین

کابنہای زلیبوری و چرخ کین

اس شعر میں 'کبان زلیبوری' قابل غور ہے جس کی تشریح "ہمارے عجم" میں یوں دی گئی ہے :

"کبان زلیبوری (ب) کبابہ از رنگ کہ بناؤی بندوق و ہترکی ہلتیق خوانند ۔"

اب کیا ہم یہ مان لیں کہ فردوسی کے عہد میں بندوق رائج تھی ؟

تفک :

فرہنگوں میں جو بالغز ہمارے واسطے موجود ہیں ، ان میں تفک بھی شامل ہے ۔ اس کے متعلق مرقوم ہے :

"تفک و تفنگ بالضم و فتح دوم (ب) بندوق و مرکب است از 'تف'

مبدل 'تپ' یہاں فارسی کہ مخفف 'توب' است و 'کف' و 'تک' ہر دو

کلمہ نسبت یا تشبہ چنانکہ در 'موشنگ' و 'دیرلک' و 'توشنگ' و آرا

در ہندی 'تپک' یہاں فارسی خوانند و 'تفل' معرب آست ۔"

میں 'تفک' کی بعض مثالیں بھی عرض کرتا ہوں :

نظیری نیشاپوری :

در مغز تفک زور کنند آتش سودا

آتش ز دھان جوش زلد مار دمان را

از ہول صدای تفک و نعرۂ گردون

سکانر سمنوات گزارند مکان را

(ص ۱۳۸)

"الحسن التواریج" :

ز لیخ و تفک های آہن ستیز

ز ہر گوشہ بازار کین گرم خیز

دیگر

دوان عرصہ از یر مردان جنگ

تفک لعل و خون باد لاله رنگ

یلان از تفک دادہ دلہا زدست
 ز نقل چنان گشتہ بی بادہ مست
 طالب املی :

دم از وفوف تفک انگیت مس نرم
 چرا کہ حجت او گشتہ بی دلیل نرم
 یہ اکبر اور جہانگیر کا زمانہ ہے جس میں 'تفک' بمعنی بندوق زیادہ رائج ہے۔ اس عہد کے بعد اس کا مرادف 'تفنگ' عام ہو جاتا ہے اور 'تفک' متروک ہو جاتا ہے۔
 مقدسین کے ہاں 'تفک' بالکل مختلف چیز ہے جس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو وجہ اشتقاق اوپر مذکور ہے، درست نہیں۔ اس کی معترب شکل 'تفلی' ہے۔
 الوری :

نہ از فراز توان جست حیلہ سرگوب
 نہ از نشیب توان یافت جایگاہ تفق

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی آدہ "حصار شکنی" ہے لیکن قاضی خاں بدر معروف بہ دھاروال، جو اپنی فرہنگ "ادات الفضلا" سنہ ۸۲۲ھ میں تصنیف کرتے ہیں، اس لفظ کی یوں تشریح دیتے ہیں :

"تفک، فی نیزہ کہ بدان غلولہ اندازند، مانند تیر (می رود)۔"

"شرف ناس" احمد منیری "میں ابراہیم بن قوام فاروقی کا بیان ہے :

"تفک، فی نیزہ خالی کردہ کہ بدان غلولہ اندازند۔"

مولانا محمود ابن شیخ خیا "تحفۃ السعادت" تالیف سنہ ۸۹۱ھ میں یوں رقم طراز ہیں :

"تفک، نای مضموم و نای مفتوح، فی خالی یا چوبی خالی کردہ کہ بدان غلولہ اندازند۔"

یہ ان مصنفین کا بیان ہے کہ جو مغلوں سے چلے گزرے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بندوق کا حلیہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایک نے یا ہولے بالاس کا ٹکڑا ہے جس کے ذریعے سے، مٹی کا خشک یا تر لٹخہ چلایا جاتا ہے۔ صاحب "فرہنگ جہانگیری"

نے اس موقع پر مزید تفصیل سے کام لے کر محام کنجشک کو راج کر دیا ہے ۔
وہ لکھتے ہیں :

”تفک ، چوبی بود میالہ تھی بدرازی لیزہ ۔ گلولہ از گل ساخته در آن
نہند و ہف کنند یزور نفس ۔ گلولہ بر جانور کوچک اگر خورد اندازد و
ہندق را ہمشاہت آن تفک خوانند ۔“

ایک فلمی فرہنگ میں ، جس کے نام سے میں ناواقف ہوں ، یہ عبارت
ملتی ہے :

”تفک ، ہضم تا و فتح فا بکال عربی زدہ ، چوبی باشد میان تھی بدرازی
لیزہ کہ گلولہ در آن نہند و ہف کنند تا یزور نفس آن گلولہ بیرون جہد
چانوران کوچک مثل کنجشک بآن یزند و ہندق را ہمشاہت آن تفک
نیز گویند ۔“

گویا تفک دراصل جہوں کے اس کھلونے کا نام تھا جو غالباً گولہ شکل
ڈال کر چلائی جاتی تھی ، جس سے ننھے ننھے جالور شکار ہوسکتے تھے ۔
انوری :

جان غصم از تیر سہرغ الفت بر شاخ عمر
باد لوزان در برش چون جان کنجشک از تفک

(کلیات ، ص ۲۴۳)

امیر خسرو نے بھی انہی مثنوی ”نہ سپہر“ میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے :

سرخ ہنر کہ ہمرد بہ تفک طرفہ سوادست ز غلطہای فلک

میں ایک اور مثال مثنوی ”طواف الفقہاء“ ہے ، جو بعد از فیروز شاہ تغلق

(سنہ ۵۷۲ھ - ۶۰۰ھ) تصنیف ہوئی ہے ، لقل کرتا ہوں ۔ یہ نفسی تالیف مولانا

رکن الدین ، مرید شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی یادگار ہے ۔ اس کے نامہ

حد ثود ہشتم میں ، یہ ڈھلر مسائل صیدہ ، قنیر موصوف لکھتے ہیں :

صید را گو بہ تیر گز پکشد آن حرام است ہیج کس نمشد

ہندقہ لیز مثلر آن داند و و تفک می ژاند بدین مالد

(ف الف)

تفک ان آیات میں غالباً انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جو امیر خسرو

کے ہاں لیے گئے ہیں اور جس کی تشریح ہم اوپر دیکھ آئے ہیں؛ یعنی نے نیزہ -
ہندوہ سے یہاں مقصد ہندوق نہیں ہے بلکہ وہی 'غلّہ' -

ہارود کی لروہج نے 'لنک' میں اہم تبدیلی پیدا کر دی یعنی یہ کہ بجائے
ہانسی کی نے کے لوہے کی نال آگئی اور ہف کرنے کا کام ہارود نے لیے لیا -
گویا ہندوق لنک کی اصلاح یافتہ شکل ہے -

یہاں بھی ایک اور آلے 'ہنک' کا ذکر کرنا چاہیے جو 'تفک' کے مشابہ ہے
بلکہ شاید تفک ہی کا دوسرا نام ہے - یہ ایک نیزہ نما لکڑی ہے جسے طولاً دو
حصوں میں چیر کر ہندوق کی نال کی طرح اس میں گاڑ دم سوراخ کر لیا جاتا ہے
اور ہموار کر کے دونوں نصفوں کو جوڑ لیتے ہیں - جوڑے منہ کی طرف سے گیلی
گولی ڈال کر پھونک کے ذریعے سے بھینکی جاتی ہے - چھوٹے بڑے بلکہ کبوتر
لنک شکار ہو جاتے ہیں لیکن مشق کی ضرورت ہے - خواجہ عہد کے یہ آیات
ملاحظہ ہوں :

یا رب اگرچہ پیش ازین بود مرا دل و جگر
خستہ بہت چنگل بہتہ دلبر ہنک^۲
دست نشانہ ام برین پای کشادہ ام ازان
جستہ زہر دو داسکہ چون گل خازہ از ہنک

ناوک :

اسی کے قریب ناوک ہے - یہ ایک بولی لکڑی ہوتی تھی جس میں رکھ کر
تیر کو ایک خاص طریقے سے چلاتے تھے - اس کی کہاں 'اضی' کہلاتی تھی -
کثرت استعمال سے 'تیر ناوک' کہنے لگے - ناوک کا تیر اور تیروں کے مقابلے میں
بہت چھوٹا ہوتا ہے - صاحب 'مصطلحات الشعراء' کا قول ہے کہ ناوک ایک نئے
ہوتی ہے جس میں چھوٹا تیر رکھ کر اور وہ کہاں میں بند کر کے چلاتے ہیں -

۱- ترکستان کا ایک شہر جو خوب صورت مردوں اور ماہر تیراندازوں کے لیے
مشہور ہے - (مرتب)

۲- ایک علاقے اور شہر کا نام جہاں کی حسین لڑکیاں مشہور ہیں - (مرتب)

کہیں یہ تے لوچے کی بنا لیجے ہیں جسے 'فی ناوک' کہتے ہیں۔ اصل عبارت فارسی یہ ہے :

"ناوک ، مصغر ناو و آن چوبی است میان تہی کہ تیر را دران گذاشتہ ہوضی مخصوص می الدازند و کہان این چوب را تخی گویند و بہکثرت استعمال تیر مذکور را تیر ناوک خوانند اند و این مجاز است ، و این تیر کوچک باشد نسبت بہائر تیرہا ۔ و صاحبہر 'مصطلحات الشعرا' گویند ناوک فی کہ تیر کوچک معروف دران گذاشتہ و بہ زہ کہان بند کردہ کشاد دہند و گاہی آن را از آہن سازند و فی ناوک گویند ۔"

اسباب قلعہ گیری و لقب زنی :

میں نے 'محولہ' صرف بعض الفاظ پر قناعت کی ہے جس میں فربنگ نگاروں نے نئے نئے ہتھیاروں کو پرانے نام دے کر پہارے لیے مقابلے کے اسباب مہیا کر دیے ہیں اور شبہ ہونے لگتا ہے کہ ممکن ہے توپ اور ہندوق قدیم ایام سے موجود ہوں۔ اس لیے اس مسئلے پر کسی قدر اور غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاریخ کی ذوق گردانی سے یہ امر یقین کی حد تک واضح ہو جاتا ہے کہ آتش آلات میں سے اسلاف کے پاس آگ ، تیل اور قنط کے سوا اور کوئی مرکب یا مصالحہ موجود نہیں تھا۔ فردوسی کے زمانے سے لے کر امیر تیمور کے عہد تک ، جس میں چنگیزیوں کے خروج کا زمانہ بھی شامل ہے ، اسباب قلعہ گیری میں کوئی جدید اضافہ نظر نہیں آتا۔ قلعوں کی لقب زنی کا جو طریقہ شاہنامے کے صفحات میں دیکھا جاتا ہے ، وہی طریقہ ہم امیر تیمور کی قلعہ کشائیوں کی داستانوں میں پڑھتے ہیں۔ حصار گیری کی تاریخ میں تیمور کا نام سب سے مقدم آتا چاہے۔ اس کی فوج میں 'سفر مینا' کا عملہ نہایت زبردست معلوم ہوتا ہے اور کوئی قلعہ نہیں جسے اس کی سپاہ نے چند روز میں نہ فتح کر لیا ہو ، مگر اس کے ہاں بھی کسی جدید آلے کا مذکور نہیں آتا۔ اب میں بعض قلعوں کی فتح کا ذکر کرتا ہوں۔

شاہنامے کا بیان :

فردوسی نے شاہنامے میں جو بعض قلعہ کشائیوں کے بیانات دیے ہیں ،

میں سمجھتا ہوں وہ بڑی حد تک اس کے اپنے عہد کے ایسے واقعات کا صحیح مرقع ہیں۔ اس نقطہ نظر سے ذیل کے خیالات ہمارے مطلوبہ سوال پر روشنی ڈالتے ہیں :

جب رستم شہر یداد فتح کرنے جاتا ہے ، اس کا قلعہ جو تور بن فریدون نے تعمیر کیا تھا ، نہایت مضبوط تھا۔ رستم نے اپنی فوجیں قلعے کے چاروں طرف متعین کر دیں اور قلعے پر سخت سنگ باری اور تیر باری شروع کر دی۔ خود رستم نے کہاں ہاتھ میں لے کر ہر اس شخص کو ، جس نے دیوار سے مر باہر نکالا ، ”چن“ ”چن“ کر مارنا شروع کیا۔ اس پر قلعے والے بہت مرسمہ ہوئے۔ اس کے بعد دیوار قلعہ کی تہ میں لقب کھودی گئی اور اس کے نیچے شہنیر لگا دیے۔ ان پر لفظ ڈال دی۔ جب نصف دیوار میں لقب لک گئی تو شہنیروں میں آگ لگا دی گئی جس سے دیوار گر گئی۔ چنانچہ فردوسی :

یہ بارہ زان پس ہکندن گرفت ز دیوار مردم فکندن گرفت
ستونہا نہادند زیر اندرش یالود فقط سیاہ از پوش
چو ایسی ز دیوار دژ کندہ شد بہ چوب اندر آتش پراکندہ شد
فروہ آمد آن بارہ تور کرد ز ہر سو سپہ اندر آمد ہگرد
بفرسود رستم کہ چنگ آورد کھانا و تیر خندق آورد
(ص ۱۹۸ ، شاننامہ ، طبع بمبئی ، سنہ ۱۳۵۵ھ)

ایک اور مثال سنئے ؛ کنگ دژ ارامباب کا قلعہ خاص ہے۔ جب کبھیرو اس کی تعمیر کے لیے آیا ، اس نے اپنی فوجیں قلعے کے گرد جادیں اور ان کے سامنے شیعہوں سے حفاظت کے خیال سے خندق کھدوا دی۔ قلعے کے گرد دو سو عترافے اور منجیق اور دو سو چرخ لگا دیے۔ منجیقوں کے بجھے روس اپنے اپنے چرخ کے ساتھ کھڑے تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دو سو ہاتھی ، شہنیر (چنہیں) فردوسی ستون کے اصطلاحی نام سے یاد کرتا ہے) اپنے جائیں۔ قلعے کی دیوار کے نیچے سرنگ کھودی اور شہنیر جا دیے۔ ان پر فقط سیاہ چھڑک دی۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ قلعے کے دروازوں پر پوش کی جائے۔ اندر ان لکڑیوں اور لفظ میں آگ لگا دی گئی۔ فقط سیاہ کے بھڑکنے سے لکڑیوں نے آگ لے لی اور جل اٹھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف کی دیوار گر گئی اور شگاف میں سے ایرانی

فوجیں اندر داخل ہو گئیں ۔ میں فردوسی کے طویل بیان سے صرف ضروری ضروری ایات نقل کرتا ہوں :

بہ لشکر بہ فرسودہ پس شہریار
 دو نیزہ بہ بالا یکی کٹندہ کرد
 بدان کا شبہ لیرہ پرداختن
 دو صد بارہ عترادہ و منجیق
 دو صد چرخ بر سر سوی بیگان
 بدید آمدی منجیق از برش
 پس منجیق اندرون روسیان
 دو صد پیل فرسودہ پس شہریار
 یکی کٹندہ زبر بارہ درون
 ہراگندہ بر چوب نطف سیاہ
 یکی کٹندہ گردن بگرد حصار
 سپہ را بگردش ہراگندہ کرد
 نیارد ز فرکان کسی تلختن
 نہاد از برش سر سوی جاتلیق
 ز دیوار دژ چون سر بدگان
 چو ژالہ ہی کوفتی بر سرش
 ابا چرخ ہا تنگ بستہ میان
 کشیدن ستون ہا بہ پیش حصار
 بہ کٹندہ نہادند زبرش ستون
 بران گونه فرسودہ نیرنگ شاہ

(ص ۲۵۷/۲)

بہ فرسودہ کا سخت پر سر دروی
 بدان چوب و نطف آتش اندر زدند
 ز بانگہ کان ہای چرخ و ز دود
 ز عترادہ و منجیق و ز گرد
 ز نطف سپہ چوپا بر فروخت
 لگون بارہ گشتی کہ برداشت ہای
 بر آمد خروشدن کارزار
 سوی رخنہ دژ نہادند روی
 جنگ اندر آمد گران لشکری
 ز برشان ہی سنگ بر سر زدند
 شدہ روی خورشید روشن کیود
 زمین لیلگون شد ، ہوا لاجورد
 بہ فرمان یزدان چو ہیزم بسوخت
 بہ کردار کویہ اندر آمد ز جلی
 بہ پیروزی لشکر شہریار
 پیادہ دمان رستم جنگجوی

(ص ۲۵۸/۲)

چنگیزی التاج :

چنگیزی التاج سنہ ۱۱۶۶ء میں مغولستان سے نکل کر توران و ایران ، افغانستان و عراق ، چین و روس میں پھیل جاتی ہیں ۔ ان کے سیلاب کو نہ کوئی لشکر روک سکا اور نہ کوئی قلعہ ۔ لیکن اقوام مغول ، اپنی ظفر مندانہ پیش قدمی کے دوران میں ، نہ کہیں کسی آتش ہار آئے سے دوچار ہوئیں اور نہ خود استعمال

میں لا رہی ، اگرچہ قابل حیرت سرعت کے ساتھ انہوں نے شہروں اور قلعوں کو فتح کیا ہے ۔

قلعہ چند :

مغرب کی طرف ان کے کوچ کے وقت چند سب سے پہلا قلعہ ہے جو ان کے سر راہ واقع تھا ۔ انہوں نے آئے ہی قلعے کا محاصرہ کر کے غرک اور منجیق لگا دیے :

”الشکر ہم کہی غنق و استمداد آن از غرک و لوردیان و غیر آن اشتغال نمودند“ (جہانگشا ، ص ۶۹ ، جلد اول)

اہل قلعہ حیران ہوئے اور شہر کے دروازے بند کر کے فصیل کی دیواروں پر بیٹھ گئے اور چنگیزی الواج کا گمانا دیکھنے لگے اور اچنبھا کرتے رہے کہ حملہ آور قلعے کی بلند دیواروں پر کیونکر چڑھیں گے ۔ مگر جب غنق کے ہل تیار ہو گئے اور میڑمیاں قلعے کی دیواروں کے ساتھ لگ گئیں ، تب ان کی آنکھیں کھلیں اور ایک منجیق لا کر لگا دی ۔ انہیں منجیق سے چلا ہی پتھر چلایا تھا کہ پتھر ہوا میں اٹھ کر اسی منجیق پر آگرا ، جس سے منجیق ٹوٹ گئی ۔ اس اثنا میں حملہ آور سب طرف سے دیوار پر چڑھ آئے اور شہر بغیر کسی کی تکسیر پھوٹے ان کے قبضے میں آ گیا ۔

فتح بخارا :

بخارا کی فتح میں بھی منجیقوں ، عترادوں اور قارورہاے نقط سے کام لیا گیا ہے ۔ چنانچہ عطا ملک جوہنی بالفاظ ذیل رقم کرتے ہیں :

”مردمان بخارا را جنگ حصار راندند و از جالبین نوروہ جنگ بتسید از بیرون منجیقہا راست کردند و کبان ہا را غم دادند و سنگ و تیر پشان شد و از انرون عترادہا و قارورات لظ روان شد“۔

(ص ۸۲ ، جلد اول ، جہانگشا)

خوارزم :

جب خوارزم میں حملہ آور پہنچے ، وہاں پتھر لایاب تھا ، اس لیے شہنشاہ کے درخت ، جن کی وہاں افراط تھی ، کٹ کٹ کر پتھر کی جگہ استعمال کیے ۔

چنانچہ مؤرخ موصوف لکھتے ہیں :

”و بترقیب آلات جنگ از چوب و منجیق مشغول گشت و چون در چوار خوارزم سنگ نبود از درختهای توت سنگها می ساختند۔“
(ص ۹۹ ، جلد اول ، جهانکشا)

لیشا پور :

مرد کی تباہی سے فارغ ہو کر فاطمین نے لیشاپور کا رخ کیا ۔ ہراول میں بہت سی منجیقیں اور دیگر آلات قلعہ کشائی تھیں ۔ اگرچہ لیشاپور سنگستانی علاقہ ہے مگر احتیاطاً کئی منزل سے وہ پتھر مانہ لے کر آئے اور جگہ جگہ البار لگا دیے ، حالانکہ ان کا دسواں حصہ بھی خرچ نہ ہوا :

”و در مقدمہ لشکر بسیار آلات بجائیق و اسلحہ بشادباغ فرستاد و بازانکہ لیشاپور سنگلاخ بود از چند منزل سنگ ہار کردہ بودند و با خود آوردہ چنانکہ خرمن ہا ریختند و عشر آن سنگها در کار نہ شد ۔“

(ص ۱۳۹ ، جلد اول)

باوجودیکہ قلعے کی دیواروں پر تین ہزار چرخ تھے اور تین سو منجیق اور ہتراندے نصب تھے ، اسی قیاس پر دیگر اسلحہ اور نطف کا سامان تھا ، مگر لیشا پوری ان کی جنگ کا ڈھنگ دیکھ کر بہت ہار بیٹھے ۔

قلعہ الموت اور کہان کاؤ :

ہلاکو خاں نے سنہ ۶۵۴ھ میں قلعہ الموت کا محاصرہ کیا ۔ چرخ و بجائیق کے علاوہ ، جن میں پتھر کی جگہ درخت ، کاک کاٹ کر پونٹکے کئے ، ہم ایک تہی چیز ’کہان کاؤ‘ کا ذکر پڑھتے ہیں ، جو چینی استادوں کی ایجاد بنی گئی ہے ۔ اس کا نشانہ ، اگر میں عطا ملک جوینی کی عبارت کو صحیح سمجھا ہوں ، ڈھانی ہزار قدم جانا تھا ۔ ہمارے مؤرخ کا یہ بیان قابل غور ہے و ہوا ہذا :

”و کہان کاؤ را ، کہ اساتذہ غطائی ساختہ بودند ، آج آن مقدار دو ہزار گام ، بران ... خزان ، چون جز آن درمان نداشت ، ہر کار کردند و شیاطین ملاحہ بہ نبال شہب آہای متجندہ بسیار سوختہ گشتند ۔“

(ص ۱۲۸ ، جلد سوم ، جهانکشا جوینی ، گپ میوزیل)

مہرے خیال میں ایک نشانے کا ، بغیر بارود کی امداد کے ، ڈھائی ہزار قدم جانا نہایت دشوار ہے ۔ کیا ہذا کوئی آتش آہ ہے ؟ ہم کہہ نہیں سکتے ۔ یہ قسمی سے مصنف کا بیان اس قدر مختصر ہے کہ ہم کوئی رائے بھی قائم نہیں کر سکتے ۔ پہلے قفرے میں شیطاں کی رعایت سے شہاب اور شہاب کی رعایت سے سوختہ گشتہ لایا گیا ہے ۔ اس فعل کا تعلق بظاہر کبان گاڑ سے نہیں معلوم ہوتا ۔

قرا بغرا :

لیموری جنگوں میں ایک اور آہ 'قرا بغرا' کا نام ملتا ہے ۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ، یہ کوئی ترکی کل ہے ، جو منجیق اور عترادہ کی وضع کی معلوم ہوتی ہے ۔ نظام الدین شامی کے ہاں یہ لفظ سب سے پہلے مہری لفظ سے گزرا ہے ۔ چنانچہ :

"اشارت فرمود تا منجیقها و عترادہای متعدد ساختند و قرا بغراہا را ترتیب دادند و نردبانیہا را راست کردند در طرف بالای قلعه پناہی از سنگ و چوب آغاز کردند و فرمان شد کہ چنان بلند بر آورند کہ بر قلعه ایشان نگاہ کنند۔" (ذکر قلعه براس از گرج)

"مطلع السعدین" سے دو مثالیں منقول ہیں :

"تاریخان بہ طرف شرق شہر کہ بہ دروازۂ سعادت موسوم است ، فرود آمدند و عترادہ و قرا بغرا و منجیق ترتیب دادند۔" (ص ۶۵۰)
 "و حضرت صاحبقران از برابر در قلعه بہ طرف پشت قلعه نقل نرسود و منجیق و عترادہ و قرا بغرا و نردبانیہا مرتب ساختند و دران محل کہ منزل ہایون یعنی پشت قلعه بود ملجور از سنگ و چوب چندان (بلند) برآوردند کہ در قلعه نگاہ می کردند۔"

(ص ۸۹۸ ، فتح قلعه گرجستان)

معلوم ہوتا ہے کہ قرا بغرا یورپ میں بھی پہنچ گیا ہے جہاں اس کا نام ہکڑ کر "کراہکا" اور "کلاہرا" بن گیا ہے ۔ کرنل یول ، مرتب "مفرنامہ" مارکو پولو" اس کو بڑی قسم کی منجیق بنانے ہوئے گویا ہے کہ "ترک اور عرب اسے 'قرا بغرا' کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ یہ نام یورپ میں 'کراہکا'

(Crabaga) اور 'کلابرا' (Calabra) بن گیا۔ مریٹو سنوڈو اول الذکر نام لانا ہے۔ ولیم آف ٹیوڈیلا آخر الذکر نام لکھتا ہے، جب سائمن ڈی مولٹ نورٹ کیپر نے الیجینسز کے خلاف ان کا استعمال کیا۔" (ص ۱۶۸، جلد دوم)

قلعہ 'توشیز' :

منجنتوں اور عترادوں سے صرف قلعے کی دیواروں میں شکاف ڈالنے کا کام لیا جاتا۔ نقب زنی میں دیواروں کی جڑوں کھوکھلی کر کے خالی جبکہ ستون لگا دیے جاتے اور لکڑیوں کا البار رکھ کر اور نقطہ ڈال کر آگ لگا دی جاتی، جس سے دیوار لیچے آ رہی۔ تیمور کی بیوہوں میں یہی طریقہ عام ہے اور اس کی تاریخ میں نقب زنی کے واقعات کثرت سے نظر آتے ہیں، جن کی مورخین نے کسی قدر تفصیل بھی دی ہے : مثلاً قلعہ 'توشیز' کے محاصرے کے وقت، جب منجنتی اور عترادے نصب ہو چکے، تیمور نے نقیبیوں کو حکم بھیجا کہ قلعے کی خندق کاٹ کر اس کا ہانی نکال دیں اور دیوار کی بنیاد میں نقب لگائیں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا :

"سہدہمان کاردان بر حسب فرمودہ منجنتہا بساختند و عترادہا راست کردہ برافراختند و ارمان شدہا قنبجیان چیرہ دست نقب در خندق بریدہ آن را از آب خالی ساختند و در زیر حصار نقبا بنیاد انداختند۔" (ص ۳۶۶، ظفر نامہ، جلد اول، شرف الدین یزدی، کلکتہ)

قلعہ 'ازبیر' :

تیمور کے عہد میں نقب زنی، قلعہ کشانی کی ایک اہم شاخ بن گئی ہے، جس کی نظیر قدیم تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک اور مثال سنئے جو قلعہ 'ازبیر' کی تسخیر کے وقت "ظفر نامے" میں ملتی ہے :

"و چون قنبجیان نقبا بریدہ و سنگہا بیرون آوردہ برج و بارہ حصار

۱۔ ال بی جن سیس : بارہویں اور تیرہویں صدی میں جنوبی فرانس کا ایک مرتد فرنگ جو رومن چرچ کا مخالف تھا اور جس نے ہادریوں کی اخلاقی خرابیوں کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ (مرتتب)

و ابر سر چو بہا گرفتند حکم قضا مضا بدور یافت و قہار را بہ ہیبت لفظ آورد
 اباشند آتش زدند ، دیوار ہای قلعہ چون پست و ازون غالدان سرنگون
 شد و بسیاری از کفار یا دیوار حصار بر خاک خبت و خسار افتادند ۔“
 (ص ۳۵۳ ، جلد دوم ، ظفر نامہ شرف الدین)

قلعہ تکریت :

بعض نقب زن کی تفصیل ”مطلع السعین“ اور ”ظفر نامہ“ میں ملتی ہے ۔ مثلاً
 قلعہ تکریت کے محاصرے کے وقت ، جب متحقیق اور عترادے قلعے کے محاذ میں
 لگ گئے ، حکم ہوا کہ چالیس نقبیں قلعے کی فصیل میں لگائی جائیں ۔ ہر ہر نقب
 ایک ایک امیر کے سپرد ہوئی ۔ نسخہ تفصیل یوساطت جبکہ تواچی لشکر میں
 تقسیم ہو گیا (تفصیل اسماء امرا حذف کی جاتی ہے) ۔ نقب زن ، نقب زن کرتے
 اور تواچی مٹی ڈھونڈتے ۔ امیر تیمور بار بار غیب منگواتا کہ کون سی نقب کہاں
 تک پہنچی ۔ ایک نقب جلال باورچی اور یان توجین کے حصے میں آئی ۔ انہیں
 ۳۵ گز پتھر کاٹنا پڑا ۔ عجوب مقامات پر ستون کھڑے کر کے لکڑی اور لفظ سے بھر
 دیے ۔ ایس تاریخ شب چہار شبہ کو آگ دے دی ۔ قلعے کی دیواروں کا اکثر
 حصہ زمین پر آ رہا ۔ بقیہ صوفی نے جس برج میں نقب لگائی تھی ، محکم و کمال
 ڈھے گیا اور دشمن کے ایس آدمی اس کے ساتھ کام آئے ۔ امیر کا پھر فرمان آیا
 کہ فصیل کا باقی حصہ ، جو ابھی کھڑا ہے ، بذریعہ نقب کرا دیا جائے ۔ جو برج
 الہ داد اور امان شاہ کے متعلق تھا ، بذوالدین نے بنیاد سے کھود کر کرا دیا ۔
 میں ان مؤرخین کے اصل الفاظ یہاں نقل کرتا ہوں :

”روزی همت بہ تسخير حصار برآوردند و عترادها نصب کردند و
 منجنقها بر الماخند و خاتهای آن خایان بزعم سنگ خراب ساختند ۔“

(ص ۶۳۸/۲)

[”چهل نقب مقرر شد و هر نقب به عہدہ امیری کردہ“] ”تواچیان
 بر حسب فرمان زمین بخش کردہ بموجبہ تفصیل بر لشکریان قسمت
 کردند و جبکہ تواچی نسخہ تفصیل بمردمان رسانید و بکار نقب مشغول
 گشتند ۔“

(ص ۶۳۹/۲)

[”شب و روز جاغویان بہ نقب کنند و لشکران ہذا ک بیرون آوردن و آن را ہکار فرمودن مشغول بودند و حضرت صاحب قرآن ہر ساعت می پرسید کہ ہر نقبی بہ کجا رسیدہ . . . و یکہ نقب بعدہ جلال پاورچی و بیان فوجین بود و ایشان می و پنج گز سنگ بریدند۔“] ”وہرجا کہ مجھ ساختہ بر سر ستونہا داشتہ بودند از ہمہ و نطفہ پر کردند و شب چہار شبہ بیستم آتش زدند :

ز نطفہ سبہ چوہا بر فروخت
ستونہا سراسر ہمہ پاک سوخت
ز بس دود کاندہ فراز از فرود
سبہ شد بہ یکہ بارہ چرخ کبود
چنان دود شد سوی گردون بہ تلب
کہ شد چشم ہای کواکب پر آب
نگون بارہ گشتی کہ برداشت پای
بہ کردار کویہ افروز آمد ز جای

و اکثر دیوار ہای قلعہ بر زمین افتاد و برجی کہ بقی صوفی خالی کردہ بود بہ کشتی منہدم شد و بہست کسی از دشمنان بجز انقاد . . . حکم جہان مطاع نفاذ یافت و دیگر دیوارہا کہ ماندہ بود از اطراف و جوانب نقب زدہ مجھ ساختہ و بینداختند ۔ برجی کہ سرکار الہ داد و امان شاہ بود ، بدر الدین از بیخ پر کندہ بینداخت ۔“

(ص ۶۵۳ ، ظفر نامہ از شرف الدین یزدی ، جلد اول)

قلعہ حلب :

قلعہ حلب کی تسخیر کے موقع پر نقب سے کام لیا گیا ہے ۔ مولانا نظام الدین شامی لکھتے ہیں کہ عہدہ نقب زنی حسب الحکم رات بھر میں غندق کو چھلتی کی طرح سوراخ دار کر کے اور پانی بہو کر کے خاک ریز تک پہنچ گیا اور قلعے

۱۔ فلاہین کی عبارت ”مطاع السعین“ سے منقول ہے ۔

کی بنیاد میں ، جو سنگ خارا کی بنی تھی ، سرنگ لگائی شروع کر دی ۔ چنانچہ ان کی عبارت ہے :

”لشکر را اشارت کرد تا پیرسون خندق نزول کردند و بزعم تبرہ گزاشتند کہ کسی از دشمنان سر از اوچ بیرون تواند کرد و عملہ چاغورکن را فرمان شد تا یک شب حوالہ خندق را چون غریالی -وراج کردند و از آب گلشتہ بر روی آن خاک ریڑ چون کبک بر دویدند و در تک قلعہ کہ بہ سنگ خارا استوار کردہ بودند ، لقب آغاز نہادند ۔“ (ص ۲۲۷ ، نظر نامہ ، جلد اول ، مرتبہ فلکی لاہور ، سنہ ۱۹۳۸ ع) میں جنوبی طوالت صرف انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ۔

ملجور :

قلعوں کی تسخیر کے واسطے عموماً ایسے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جو ان کے ماحول اور مقامی کیفیت کے مناسب ہوں ۔ تیمور نے بعض حالات میں ’ملجور‘ سے کام لیا ہے ۔ ملجور وہی ہے جسے ہم ’دھس‘ اور ’دمدھ‘ کہتے ہیں ۔ یہ ایک بلند تعمیر یا چبوترہ ہے جو لکڑیاں ایک دوسرے پر ’چن کر تیار کیا جاتا ہے ۔ جوف میں پتھر اور مٹی بھر دیتے اور ’چتے جاتے ہیں ۔ حتیٰ کہ چبوترہ قلعے کی دیوار سے بلند ہو جاتا ہے ۔ پھر اس پر سے سنگ باری کرتے ہیں ۔ قلعہ اولیک کی حصار بندی کے وقت ، جب منجنیقیں اور عترادے کامیاب ثابت نہ ہوئے ، تیمور ملجور کی تیاری کا حکم دیتا ہے ۔ اس کے لیے فوجی دور و دواز مقامات سے دواخت کاٹ کر لاتے ہیں اور ملجور بناتے ہیں ۔ میں شرف الدین کے ”نظر نامے“ سے ایک عبارت نقل کرتا ہوں :

”برلیغ لازم الاتباع بہ نفاذ پیوست کہ دو مقابل حصار ملجور سازند . . . و بعد ہرچہ تمام لر آن چویہا را برہم بر نہادند و لشکریان میان آن را بہ سنگ و چکی بر می کردند و بر می آوردند تا ملجور تمام شد و از حصار ایشان بلند تر آمد ۔ چنانچہ بر قلعہ مشرف بود :

جو ملجور سرکوب شد یا حصار بہ گردوں برآمد دم کلزار
کروہ بہ بر سر ملجور جو دیوای چوشان برآمد بشور

و از بالای ملجور کہ ہا کلاخ قاعد و قصر ہور برابر ساختہ بودند و ازان
منجیقہا کہ از اطراف و جوانب حصار بر فروختہ بودند چندان سنگ
بر ہوای آن قلعہ بران گشت۔“ (ص ۹۷ ، ظفرنامہ ، جلد اول)

قلعہ دمشق :

میں قلعہ دمشق کی فتح کی ایک اور مثال سنا کر اس بیان کو ختم کرنا
چاہتا ہوں :

قلعہ دمشق نہایت مضبوط اور مستحکم تعمیر ہوا تھا ۔ اس کی دیواریں
بنیاد سے لے کر چوٹی تک بھاری بھاری پتھروں کی بنی تھیں ۔ اس کی
خندق بس کڑ چوڑی اور تیس کڑ گہری تھی ۔ قلعے میں سامان جنگ
بڑی مقدار میں موجود تھا اور محافظ فوج بے شمار تھی ۔ جب قلعے کے
گرد تیموری افواج آ گئیں ، تیمور کے حکم سے حسب ضابطہ مستمرہ
امیر زادگان ، میرانشاہ ، شاہرخ ، سلطان حسین ، پیر محمد ، خلیل سلطان و
دیگر امرا نے بزرگ امیر شیخ نور الدین ، امیر شاہ ملک ، برندوق اور
امیر سلطان نے اپنے اپنے دستوں سے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اپنے اپنے
علاقے مقرر کر کے قب زنی اور منجیق اندازی میں مشغول ہو گئے ۔
خندق کے گرد لکڑی ، پتھر وغیرہ کا ایک حصار کھڑا کر لیا ۔ قب زتوں
نے انتہائی مستعدی کے ساتھ کام شروع کر دیا ۔ قلعے سے فارورہائے لفظ
ور پتھروں کی بارش ہونے لگی اور تیر و ٹاوک مینہ کی طرح برسنے لگے
لیکن ان جوانوں نے مطلق پروا نہیں کی ۔ سپرہیں سر ہر لے کر آگے
بڑھتے اور نظروں کی جگہ مقرر کرتے اور منجیقیں لگا کر سنگ باری
کرتے جس سے قلعے والے ہلاک اور عمارتیں تباہ ہواں ۔ جب نقیب تبار
ہو چکیں ، صاحب قرآن نے آتش زنی کا حکم دیا ۔ چلے قلعے کے مغربی
برج پر آگ دی ، جس سے برج زمین پر آ رہا اور دیوار میں بیت بڑا
شکاف پیدا ہو گیا ۔ حملہ آور اس شکاف کے راستے سے دھاوا کرنا چاہتے
تھے کہ اتنے میں نصف دیوار اور کونے جس سے گرد کے دال بادل عودار
ہو گئے ۔ حملہ رک گیا ۔ اہل قلعہ نے اس سہلت سے فائدہ اٹھا کر رخنے

کو بند کر دیا۔ امیر نے حکم دیا کہ دوسری فہیوں میں آگ لگا دی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سمت کی دیوار منہدم ہو گئی۔ مصہورین اس قدر غائب ہوئے کہ قلعے کا دروازہ کھول کر باہر آ گئے اور اسان مالک لی۔ اس کے بعد باقی سرنگوں میں بھی آگ لگا دی گئی اور دمشق کا عظیم الشان قلعہ تودہ خاک بن گیا۔ تباہی و تہمت ۵۸۰۳ء کا واقعہ ہے۔

ذیل میں نظام الدین شامی کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے :

”قلعہ بود در غایت حصانت و نہایت استواری، بنای وی از زیر تا بالا بہ سنگہای عظیم برآوردہ بغایت بلند و اعتدائی ساختہ و غندق فراخ گردوی دروغور می گزرد عرض بیست گز ضخیماً . . . حکم نازل شد تا امیرزادہ میران شاہ جہادر و امیر زادہ شاہ رخ جہادر و امیر زادہ سلطان حسین جہادر و امیرزادہ پیر محمد جہادر و امیر زادہ غلبہ سلطان جہادر و از اسرای بزرگ امیر شیخ نور الدین و امیر شاہ ملک و برندوق و علی سلطان پیرامون قلعہ بہ ترتیبی کہ مقررست فرود آمدند و سرکارہا تعیین کردہ بہ لقب زدن و متجنیق ساختن مشغول شدند و از چوب و سنگ و تورہا حصار گرد خندق برآوردند۔ حملہ و چالغورگان بھدی کہ بالا تر ازان تصور نتوان کرد، ہنگام مشغول شدند [و سنگ ہای عظیم را با آتش می تافتند و سرکہ بران می ریختند و بہ سیتین شکستہ پیرون می آوردند و بارہ و برج ہا را بر سر چوب می گرفتند] و ہر چند از بالای قلعہ تارورہای نطف و جنگ می انداختند و نیرو ناوک بر مثال باران می باریدند، این اسرای نامدار و جوانان کارزار ازان ہانک نہادند و تورہا در سرکشیدہ پیش می رفتند و سرہای قتب تعیین می کردند و متجنیقہا از اطراف پربای کردہ جہریک سنگ کہ از کفہ متجنیق روانہ می شد خلقی ہلاک می گشت ہا عمارت خراب می شد . . . سلطان حسین جہادر و التون بخشی کہ بر جانب برج غری قلعہ بودند حملہ را فرمودند تا آتش در انداختند۔ برج عظیم از قلعہ دمشق فرود افتاد و راہی بزرگ در حصار پدید آمد۔ جہادران لشکر

۱۔ قلابوں کی عبارت میں ۴۴۳، جلد دوم، ظفر اللہ شرف الدین یزدی سے منقول ہے۔

خواستند کہ در حصار در آید ، لاکہ لیمہ دیگر از دیوار بفتاد و گرد و شہازی عظیم برآمد و لشکریان باز نشستند ۔ اہل قلعہ فرصت دیداد و آن رخنہ را باز محکم گردانیدند ۔ . . باز امیر صاحب قرآن فرمود تا در قلعہ آتش اندازند ، چنان کردند ۔ یک طرف حصار یک بار فرود آمد ۔ اسرا و بزرگان قلعہ از سر ضرورت بیرون آمدند و در مقام اتقیاد و فرمان برداری دروازہ کشادند و کلیدھا بھشی آوردند ۔ . . و دو ہالی قلعہ کہ ماندہ بود ہم آتش انداختند تا قلعہ بدان عظیمی چنان خراب شد کہ اثری زان باقی نہاند ۔“ (ظفر نامہ ، ص ۳۳۳ - ۳۳۴)

گزشتہ ہیئت سے ضرورت سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ قلعہ زلی کے وقت مغولی اور تیموری عساکر صرف آگ اور نطفہ سے کام لینا جانتے ہیں ۔ پہلی ہتھیار گرم کر کے سرکہ ڈال کر ٹوڑتے ہیں ۔ اگر ان کو بارود کی نفوذی طاقت اور اس کی شفت استمداد کا علم ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ وہ اس مصالحے سے کام نہیں لیتے ۔ بارود اگرچہ تیمور کے عہد سے ایک صدی قبل سے رائج تھی مگر لہادی لحاظ سے اس قدر طاقتور نہیں کہ قلعہ زلی میں لفظ کو پٹا کر اس کی جگہ لے لیتی ۔

آتش بار آلات اور تیمور :

تیمور کو خال خال موقعوں پر آتش بار آلات سے مدد ملتا تھا ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ابتدائی حالت میں ہیں اور کسی قابل لحاظ نتیجے کے موثر نہیں ۔ اس کے مورخ ان کو لعب یا کھلونے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں ۔ ہندوستان وہ مقام ہے جہاں ان آلات کو اس نے پہلی بار دیکھا لیکن اس کے متعلق آئندہ ۔ دوسرا موقع دمشق میں پیش آتا ہے ۔ اس کا تعبیر یہ ہے :

امیر تیمور دمشق کے محاصرے کے وقت جب بار دوم اپنا اہلچل بھیجتا ہے ، برخلاف اول دمشق اہلچل کی خوب آؤ بھکت کرتے ہیں ۔ اس ملک میں آتش بازی اور رعد اندازی کا چت رواج تھا ۔ اہلچل کو مرعوب کرنے کے لیے آتش بازوں کی جماعت اس کے سامنے لائی گئی ۔ تیمور کے درباری مورخ نظام الدین شامی لکھتے ہیں :

”بغلاف گزشتہ مقدم اہلچل را باعزاز ہشی آمدند و مراسم تعظیم و

بزرگ داشت بیا آوردند ۔ و درین میانہ رعد اندازان و چرخ کشانان و ناوک زنان و آہہ اژین جنس مردم باشد برو عرض می کردند و بھی دانستند کہ اژین قبیل بیشتر از ده ہزار مرد کار آزمودہ در اردوی امیر صاحب قرآن هستند ۔“

(ص ۲۳۱ ، ظفر نامہ ، جلد اول)

شرف الدین یزدی اسی واقعے کے ذکر میں یوں رقم برداز ہیں :

”چون فرستادہ ہائشان رسید ، ہر خلاف گزشتہ معزز او را با عزاز و اکرام بیش آمدند و مراسم ترجیب و تعظیم بجا می آوردند ۔ و چون دران دہار آتش بازی و رعد اندازی بسیاری ورزند و آن را بیش ایشان وقعی هست غالبہ اژان طالبہ مردم را جمع آوردند و دو نظر او می گزراہند و آن را اظہار قوت و شوکتی تصور می کردند ۔“

(ظفر نامہ ، جلد دوم ، ص ۳۱۶)

یہی موقع ”سطح السدین“ میں یوں مرقوم ہوا ہے :

”مشایان فرستادہ را بہ خلاف گزشتہ معزز داشتہ مراسم اکرام و شرائط احترام بجا می آوردند و جماعت آتش بازیان و رعد اندازان و چرخ کشانان و ناوک زنان کہ بیش ایشان قدری دارد و این لعب را دران دہار می ورزند ہر پہلچی عرض کردند و ندانستند کہ اژین قبائل بیشتر از ده ہزار مردان کار آزمودہ جنگ دادہ در اردوی ہاہون ہودند ۔“

(ص ۷۸۳)

ان عبارتوں میں آتش باز سے مقصد آتش بازی بتانے والا نہیں ہے بلکہ وہ شخص جو آلات آتش فشاں سے جنگ کرے ۔ اس میں شک نہیں کہ توپ و ہندوق مراغش اور ہسپاہیہ ہے ، جو ان کی ولادت گاہ ہیں ، نکل کر مشرق و مغرب میں رواج پائی ہیں ۔ اور مصر و شام مشرقی ممالک کے مقابلے میں ان سے پہلے واقف ہو چکے ہیں ، مگر تیمور کے مورخوں کا یہ دعویٰ کہ دس ہزار سے زیادہ آتش باز تیمور کی فوجوں میں تھے ، ہمیں احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیے کیونکہ اس کی تاریخ میں اس جماعت کا ذکر صرف گنتی کے چند مقامات پر آتا ہے اور وہ بھی زیادہ تر دوسروں کے تعلق میں ۔

رعد و کبان رعد :

تیموری جنگوں کے دوران میں ایک نئے آلے 'رعد' کا ذکر آتا ہے ۔ یہ لام نظام الدین کے 'ظفر نامہ' میں ، جو یہ حکمر تیمور سنہ ۸۰۳ھ میں تصنیف ہوتا ہے ، سب سے پہلے ہمیں ملتا ہے ۔ اس کے چلانے والے کو 'رعد انداز' بیان کیا گیا ہے ۔ شرف الدین کے ظفر نامے میں 'کبان رعد' بھی آیا ہے ۔ رعد ، جیسا کہ اس کے تسمیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے ، کوئی بلند آواز گولہ یا آگ ہے اور یقیناً تازہ ایجاد ہے ، کیونکہ تیمور سے قبل کی تاریخوں میں اس کا مذکور نہیں آتا ۔ نظام الدین شامی کے ہاں صرف تین چار جگہ ملتا ہے ۔ شرف الدین کے ہاں متعدد مقامات پر موجود ہے ۔ ممکن ہے کہ رعد آتش آگ ہو مگر ان مورخین نے اس کے متعلق کوئی تصریح یا اشارہ نہیں کیا ، اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ وہ قطعاً شکن آگ ہے ، کیونکہ عترائے اور متجیق کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر آتا ہے ۔ اہل لغت رعد کا ترجمہ ٹوپ کرتے ہیں لیکن تیموری مورخین کے بیانات سے اس قول کی کوئی تائید یا تردید نہیں ہوتی ۔ البتہ "مطلع السعدین" کے ایک جملے سے ، جو سلطان بابر کے ساتھ جنگ کے موقع پر آتا ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ کبان رعد کوئی آتش ہار آگ ہے ۔ چنانچہ :

"و چند زنجیر قبل دمان کہ از غنایم هندوستان بر درگاہ پادشاہ جہان ستان بود . . . ہمہ ہسلحیا و جیباہا آراستہ ، تیر اندازان و آتش بازان پر بالای آن دست بہ تیر لاک و کبان رعد کشودہ ، در آثار جلالت کمال شجاعت نمودہ ۔"

اس فقرے میں 'کبان رعد' کا تعلق صریحاً 'آتش بازان' کے ساتھ ہے مگر تیمور کے قدیم اور معتبر مورخ نظام الدین شامی کے ہاں یہ فقرہ دراصل یوں ہے :

"و چند زنجیر قبل دمان کہ ہر خرطوم دمار از ہر بیان پر آوردندی و دقدان کیتہ بر سہنہ دشمن رسانیدندی ہسلحیا و جیبا آراستہ و تیر اندازان و آتش بازان پر بالای آن دست بہ تیر و لاک و تقط اندازی کشودہ ۔"

(ص ۲۰۷ ، ظفر نامہ)

شرف الدین کے ظفر نامے سے نظام الدین کی تائید ہوتی ہے ۔ چنانچہ :

"و چند زنجیر قبل شکوہ سند کوہ مانند کہ از بقیہ غنایم هندوستان

باردوی نظر مکان بودند عہدہ را کجیم انداختہ و با اسلحہ و اسباب جنگ مکمل ساختہ و بر بالای سر یکی کبان دساران حکم انداز و لفظ اندازان آتش باز جنگ را آمادہ گشتہ ۔“ (نظر نامہ ، ص ۱۰۰ م)
 ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ اصل جملے میں ”لفظ اندازان“ تھا جسے ”مطلع السعیدین“ نے ”کبان وعد“ کے ساتھ بدل دیا اور اس طرح ہم ایک ایسی مثال سے ، جو ”کبان وعد“ کو آتش آلہ ثابت کرتی تھی ، محروم ہو گئے ۔
 یہاں وہ جملے درج کیے جاتے ہیں جن میں نظام الدین شامی نے لفظ ”وعد“ استعمال کیا ہے :

” (الطبر قلعة لوزیک) امیر صاحب قران فرمود تا منجنقہا ترتیب کنند و وعد و عترادہ و غیر و چرخ آمادہ گردانند ، چنان کردند ۔“

(ص ۱۵۵ ، نظر نامہ)

” (شہر دمشق) اما امرا و لشکریان کہ در قلعه بودند بمذات آن انتظار نمودہ مخالفت می ورزیدند و وعد و لاوک و منجنیق و عترادہ کلومی فرسودند و ایر می انداختند ۔“

(ص ۲۳۴ ، نظر نامہ ، سنہ ۱۹۳۷ ع)

ان نفروں سے تو واضح نہیں ہوتا کہ وعد کوئی آتشی آلہ ہے ۔ بالمشقی سے اس تقنی میں شرف الدین بھی ہماری گوئی امداد نہیں کرتا ۔ اس نے اپنے ظفر نامے میں ، جو سنہ ۸۷۲ھ میں شاہ رخ میرزا کے حکم سے تالیف کیا ہے ، متعدد موقعوں پر وعد اور وعد اندازوں کا ذکر کیا ہے ، مگر اس کی اطلاع یہی نظام الدین کی طرح مبہم ہے ، بلکہ ایک فقرے سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کبان وعد متجنیق کی طرح کوئی آلہ ہے جس سے پھینکنے کا کام لیا جاتا ہے ۔ اس کے لیے مجھے ایک واقعے کا ذکر کرنا چاہیے جو تیمور کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے ۔ وہ یہ ہے :

ازمیر سمندر کے کنارے ایک قلعہ تھا جس پر لڑکی قابض تھیں ۔ جب تیمور فتح روم سے فارغ ہو کر اس طرف پہنچا ، مسلمانوں نے لڑکیوں کے جوہر و تعدی کی شکایت اس سے کی ۔ امیر نے قلعے کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا ۔ قلعے والوں کی امداد کے لیے ایک بڑا جہاز سمندر میں آیا ۔ ازمیر اس وقت لک مفتوح ہو چکا تھا ۔ تیمور نے اہل جہاز

کی تعویف کے لیے حکم دیا کہ مقتولین کے سر کہاں رعد میں رکھ کر
جہاز میں بھیجے جائیں تا کہ اہل جہاز کو ان کا اہتمام معلوم ہو جائے ۔
شرف الدین لکھتا ہے :

”اشارت علیہ صدور یافت کہ از سرهای گہران کہ بہ تیغ
غیرا از تن جدا شدہ ، چندی بہ کہاں رعد سوی کشتی اندازند و
رعد الدازان سری چند بجانب ایشان انداختند و بعضی در کشتی افتاد
و چون آن کور دلان بہ چشم سر سر ہم چشان خود مشاہدہ کردند
خائف و خاسر باز گشتند ۔“ (ص ۷۷ ، جلد دوم)

مجموعۃ الصنائع کا بیان :

لیکن ”مجموعۃ الصنائع“ کے بیان سے ، جو اس عہد سے بہت بعد کی تصنیف
ہے اور ہندوستان میں لکھی جاتی ہے ، مفہوم ہوتا ہے کہ کہاں رعد یقیناً کوئی
آتشیں آلہ ہے ، جس میں تیلے کے ذریعے آگ دی جاتی ہے اور گولی یا گولے
بھیجے جاتے ہیں ۔ یہ تو ہندو یا توپ کا حال ہے ۔

۱۔ مصنف کا نام میر یحییٰ بتایا جاتا ہے (فہرست النہا آفس) ۔ بعض حکیم فیلسوف
مغربی کی طرف منسوب کرتے ہیں جو درست نہیں ۔ فہرست اسٹورٹ میں
زین العابدین مرقوم ہے ۔ زمانہ تصنیف نامعلوم ہے ، مگر اس کا ترکی ترجمہ
سنہ ۱۰۶۵ھ (۱۶۵۵ء) کا نوشتہ (فہرست وایا ، جلد دوم ، ص ۵۲۵)
موجود ہے ۔ ”مجموعۃ الصنائع“ کا ایک نسخہ (سنہ ۱۰۳۳ھ کی کتابت) کتاب
خانہ بودلی میں محفوظ ہے ۔ اس لیے کوئی تعجب نہیں اگر دسویں صدی ہجری
کی تالیف ہو ۔ کتاب اگرچہ ہندوستان میں تصنیف ہوئی ہے مگر اس کے
مآخذ قدیم معلوم ہوتے ہیں ؛ مثلاً بارود کو ”داروی کہاں“ لکھا ہے ۔ آتش باز
جن سے بعض نسخے منقول ہیں ، زیادہ تر مصری ، شامی ، ہندادی اور
خوارزمی ہیں ۔ علی ہذا آتش بازی کی اصطلاحیں قدیم معلوم ہوتی ہیں ؛ مثلاً
غوطہ خوارکہ ، زرجک ، موہک ، ولبورک ، گردانک ، خرک ، ریسانک اور
طونک اندر فنی وغیرہ ۔ ان کے عیار دانک اور مثال میں دیتا بھی اسی
عقیدے کا مؤید ہے ۔ (حاشیہ لاف)

روغن اسکندری :

اس رسالے کا نامعلوم مصنف روغن اسکندری کے پیشکنے کی ترکیب بتاتے ہوئے ، جو شہدہ قسم کا آتش گیر ہے اور جس سے دشمن کے قلعے اور شہر کو آگ لگائی جا سکتی ہے اور کسی طرح بچھائی نہیں جا سکتی ، تحریر کرتا ہے :

”دواعیہ کردن روغن اسکندری کہ آتش در قلعا و شہرها (الکیرد) پاولد ، آہن و ازو غلولہ سازند گرد کہ میان او خالی بود کہ مقدار دو صد درم ازین روغن یا بیشتر دران گنجد و سوراخی درین غلولہ باشد بہ قدر آن کہ روغن مذکور دروہر کردہ قبیلہ نیز دران سوراخ رود و فی غلولہ بقایت استوار باشد چنانکہ آن را در کبان رعد نہند و قبیلہ نیز در میان سوراخ غلولہ نہند و سوراخ رعد را قبیلہ نہند و روی بہ شہر دشمن کنند و آتش در قبیلہ رعد زخند ۔ بہ بھرد رسیدن غلولہ دران قلاع آتش در الدروہ بہ روغن غلولہ رسیدہ باشد و آن روغن ہا از غلولہ آلودہ شود . . . و شہر دشمنان سوختہ شود ۔“

روغن اسکندری وہی چیز معلوم ہوتی ہے جسے انگریز یونانی آگ (گریک فائر) کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ عربوں کے حملہ فسطاطیہ کے وقت روسیوں نے یونانی آگ کے ذریعے سے کامیاب مدافعت کی ہے ۔ قیصرۃ روم جو نسطہ استعمال کرتے تھے ، باوجود تلاش کسی کو معلوم نہ ہو سکا ۔ وہ گویا ان کا قومی راز تھا ۔ ایک مصنف کی رائے میں یونانی آگ کے اجزاء یہ تھے : صنوبر کا رسا ہوا گوند ، گندھک اور افط ۔ ہرالر لیکن صرف دو اجزاء بتاتا ہے ، شورہ اور گندھک ۔ ایک اور مصنف کی رائے ہے : لید کا کوئلہ ، نمک ، گندھک ، رال ، لوہان ، کافور اور حبشہ کی اون جن کو ملا کر اہلا جاتا ہے ۔ دہنو اور مادے کی تحقیقات کی رو سے یہ مادہ محرقہ ایک مرکب تھا گندھک اور گوند اور چربی کی قسم کی جلتے والی اشیا کا ۔

ماسب ”مجموعۃ المنال“ کے نزدیک روغن اسکندری کے اجزاء یہ ہیں : لفظ فارسی ، مند روس ، طلق مکاس ، روغن نے ، سب کو لے کر ایک دیکھی میں رکھ کر ، جس کا منہ خام کر دیا جاتا ہے ، دو دن برابر گرم کنور میں رکھا جاتا ہے ۔ پھر باقی کی آگ میں دن بھر پکایا جاتا ہے ۔ پختے پھر بڑا روغن کے بعد

دیگچی کا منہ کھول دیتے ہیں اور روغن قابل استعمال ہو جاتا ہے ۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس روغن کے دو درم دشمن کا شہر پھونک دینے کے لیے کافی ہیں ۔ آگ کو جس قدر بچھانے کی کوشش کی جائے گی ، اتنی ہی اڑے گی ۔

مغربی مصنفین کا بیان :

مغربی مصنفین کے بیان کے مطابق روغن اسکندری (یونانی آگ) مشرقی یورپ میں ۶۷۳ء کے قریب معلوم تھا جب سلطنتِ اوائل میں کافی مین کس ، فلسفی نے یونانیوں کو اس کا استعمال سکھایا ۔ خود اس نے اس مرکب کا علم عربوں سے حاصل کیا ۔ یہ روغن مغرب میں نہایت دیر کے بعد پہنچا ہے اور اس کے استعمال کے خلاف مذہب اور جوان مردی کے نام پر اعتراض بھی ہوئے ۔ ایم ریناد نے اپنی تصنیف ہیلونک ڈیس کروسیڈز میں اس آتش مرکب کی متعدد اقسام قیسری صلیبی جنگ کے ایک مورخ ابن الاثیر کے قلم سے دی ہیں ۔ اس مورخ کا بیان ہے :

”عجب عیسائیوں نے عکسے کا محاصرہ کیا ، شہر میں ایک دمشق شخص طاقت میں امداد دینے کی غرض سے آیا ۔ محاصرین نے چوبی منارے تیار کر لیے تھے ۔ شخص مذکور نے ہاتھوں میں نفل اور دیگر اجزاء بھر کر ان مناروں پر پھینکے ۔ ان کے ساتھ چولکہ سلگتا شتاہ نہیں تھا ، اس لیے عیسائیوں کو ان سے نقصان نہیں پہنچا ۔ اس پر یہ لوگ ہنسے اور محصورین کا مذاق اڑانے لگے ۔ اس اثنا میں دمشق نے اس آتش گیر مادے کو منارے پر پھیل جانے کا موقع دیا ۔ اس کے بعد اس نے ایک جلتا شتاہ پھینک دیا ۔ دم کے دم میں تمام منارے میں شعلے پھڑک اٹھے ۔ احراق اس قدر شدید اور وسیع تھا کہ عیسائیوں کو منارے سے اترنے کا موقع بھی نہ ملا ۔ الغرض تمام سیاحی ، ان کے ہتھیار اور گنبد آگ کا ڈھیر بن کر رہ گئے ۔ سنہ ۱۲۵۰ء میں عیسائی ہالی کے راستے ڈشیا کی طرف بڑھ رہے تھے کہ دشمن ان کی مزاحمت کے واسطے آگے بڑھے ۔ یہ مسلمان اپنے جہازوں میں سوار عیسائیوں کے مقابلے کو آئے اور ایک نہایت سخت بھری جنگ شروع ہوئی ۔ تیر اولوں کی طرح برس رہے تھے ۔

آخر ایک سخت جنگ کے بعد مسلمانوں کی طرف سے لفظ الدازی کی وجہ سے عیسائیوں نے ، جو ریخ اور بھوک سے بالکل تھک چکے تھے ، ہزیمت پائی ۔ ایک خط میں ، جو ارل آف کارنوال کو اس کے دیوان نے تحریر کیا ہے ، اس غوری جنگ کا ذکر ، جس میں صرف ایک آدمی بچا تھا ، بدیہی الفاظ ہوا ہے : ”مسلمانوں نے عیسائیوں پر روغن اسکندری بھینک کر ان کے بہت سے جہازوں کو جلا دیا اور جہازوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس طرح ان کو نفع حاصل ہوئی ۔ غریب عیسائی یا غرق ہوئے یا قتل ہوئے یا جلا دیے گئے۔“

فادے اور ریناد :

کپتان فادے اور ایم ۔ ریناد نے اپنی تصنیف میں یہ رائے دی ہے کہ فرانسیسی شہزادوں کی قسطنطنیہ میں ستاون سال کی حکومت کے زمانے میں ، جس پر ۱۲۰۳ع میں ان کا قبضہ ہو گیا تھا ، روغن اسکندری کا راتو ان لوگوں کی نظروں سے ، جنہوں نے علم کیمیا میں کسی قدر ترقی کر لی تھی ، غفلت نہیں رہ سکتا تھا ۔ مشرق میں آتش انگیز آلات کا استعمال نہایت راسخ اور مستقل بن گیا تھا ۔

رسالہ ”حسن الروماح“ :

یہ آلات بے شمار السام کے ہیں ۔ اسی صدی کے ایک عربی رسالے میں ، جو تالیف مذکورہ بالا میں ایم ۔ ایم ۔ ریناد اور فادے نے شائع کیا ہے ، ان آلات سے متعلق نہایت عجیب و غریب اطلاع ہم کو ملتی ہے ۔ یہ رسالہ یوں اور بھی دل چسپ بن جاتا ہے کہ اس میں خاص خاص آلوں اور کالوں کی شکلیں بھی دی ہیں ، اگرچہ یہ کسی قدر بے ہوشی ہیں ۔ فنر جنگ کے اس رسالے سے ، جو ”حسن الروماح“ کی تالیف ہے ، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گیرھوں صدی کے عرب ، آتش گیر سرکبات کا چار مختلف طریقوں سے استعمال کرتے تھے ۔ مادہ ہالہ سے پھینکنے یا پھروں کی پٹیوں میں لمبیہ کر دینے جن کے ذریعے سے وہ دشمنوں پر حماء کرتے ، یا نلکیوں کے ذریعے سے آتش نشانی کرتے ، یا جلنے مصالحے کو ٹیروں اور برجوں کے

ذریعے سے بھیجکتے ، نیز بڑے الجزوں کے ذریعے سے ، جو مغربیوں کے 'ٹریبونٹ' اور 'سنگوے' کے مشابہ تھے ، ان آتش افکن آلات میں شیشے کے قارورے ، آگ کی بالٹیاں ، آگ کے کھر (?) ، جنگی گرز ، نقطہ بار صلاحیں (پیکاربان) ، جنگی نیزے ، بھول بوجھے ، گرز والے نیزے ، غطائی تیر والے نیزے ، تیرنے ، تیر منجیق ، تیر چینی ، عراقی بالٹیاں ، ہلیجہ کے مرہبان ، شام کی بالٹیاں (یہ چاروں منجیق کے ذریعے سے بھیجکے جاتے ہیں) بھٹنے والے آتشیں حقے ، سہم غطائی ، پیالے وغیرہ شامل ہیں ۔

قارورے اور گلی ظروف ، جو ہاتھ سے یا کاروں کے ذریعے سے بھیجکے جاتے ، ایسی ساخت کے تھے کہ جیسے ہی وہ اس نشانے پر ، جس تک ان کا پہنچانا مقصود تھا ، پہنچتے ہیں ، ان کے اندر کا مصالحہ چاروں طرف پکھڑ جاتا ہے اور آگ ، جو نشانے کے ذریعے سے پہنچا دی گئی ہے ، فوراً ہر طرف سے ان اشیا کو کھیر لیتی جو اس کی رسائی میں ہیں ۔ ایک سہابی ، جس کے سر پر گرز آتشیں توڑا کیا تھا ، بعد ایک خطرناک قسم کے سیٹال مادے میں نہا گیا اور سر سے پاؤں تک شعلوں میں اپٹ گیا ۔ شعلے ایسے خطرناک تھے کہ کوئی چیز ان کو بچا نہیں سکتی تھی ۔ Massue de Guerre کے بنانے کی ترکیب ابھی بیان کی ہے کہ شیشہ گڑ سے ایک گرز بنواؤ ۔ پھر وہی معمولی مرکب تیار کرو اور آگ لگا کر اسے رابر خدا میں دشمن پر توڑو ۔ ایسا کرتے وقت ہوا کے جھولنے سے چھانہات ضروری ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ شعلے لوٹ کر تم کو جلا دیں ۔

ایک نیزے میں آتش بازی لگی ہے ، چنانچہ یہ نیزہ دشمن کو بھول کے ساتھ زخمی کرتے ہی جلا بھی دے گا ۔

اس عبارت سے ہم یہ سمجھتے کہ یہ آتشیں ہتھیار فاصلے سے زخمی کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا ۔ اسی طرح آتش بالٹیاں اور بڑے قامت کے دیگر ظروف کا لباس کیا جا سکتا ہے ۔ (یورپ میں قدیم جنگی لباس اور ہتھیار ، ص ۱۶۱ اور ۳۷۷ ، جلد اول ، از جان ہیورٹ)



ہندوستان

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ہندوستان کی تاریخ کا جائزہ لیں اور اس ملک کے جنگی کارناموں کو اپنی تحقیقات کا مرکز بنالیں۔ غزنوی دور میں منجیقوں اور نبط کا مذکور اگرچہ بہت کم ملتا ہے مگر جنگوں میں ان کا استعمال یقینی ہے۔

قلعہ ہالسی :

مسعود غزنوی (۴۶۱ھ - ۴۷۱ھ) نے جب قلعہ ہالسی کا محاصرہ کیا ہے ، ابو الفضل بیہقی کی روایت ہے کہ عروس ، جو منجیق کی ایک خاص قسم ہے ، قلعے پر لٹائی گئی اور پانچ جگہ قلب زنی سے کام لیا گیا۔ چنانچہ :

”و لشکر منصور عاصم غلامان سرائی داد بدادند و (بر) قلعہ ہم چنیں عروس برکار بود و آخر سبج گرفتند پنج جای و دیوار فرود آوردند و بہ شمشیر آن قلعہ بستند۔“

(تاریخ بیہقی ، ص ۶۶۵)

حصار برتر :

خود کے حصار برتر کی تسخیر کے وقت بھی مسعود ان ہی آلات سے کام لیتا ہے :

”لشکر را فرمود تا ہر چہار جانب فرود آمدند و عند شب کاری ساختند و منجیق می نهادند۔ چون روز شد امیر بر نشست و پیش کار رفت و بہ نفس عزیز خویش و منجیقہا برکار کرد و سنگ روان کردند و سبج گرفتند از زیر دو برج کہ برابر امیر بود۔۔۔ و سنگ بہ منجیق با تیر پار شد۔۔۔ وقت نماز پشین دیوار بزرگ از سنگ منجیق بفتاد و گرد و خاک و دود آتش برآمد و حصار رخنہ شد و محوریان آن جا بر جوشیدند و لشکر از چہار جانب روی برخند آورد۔“

(ص ۱۲۲)

حصارِ اکرہ :

ہندوستان کی یہ خصوصیت ہے کہ اہلِ قلعہ محاصرین پر کثرت سے آگ برساتے ہیں جو برجوں میں تیار رہتی ہے۔ سیف الدین محمود بن ابراہیم غزنوی (سنہ ۴۵۱ھ - ۴۹۲ھ) اپنی اہالتِ ہند کے زمانے میں، حصارِ اکرہ پر حملہ کرتا ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جی مشہور شہرِ اکرہ ہے۔ خواجہ محمود سعد ملتان لاہوری نے ایک قصیدے میں اس یورش کا ذکر کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ سیف الدین کی فوجوں نے قلعے کو سب طرف سے محصور کر لیا اور منجیق اندازی شروع کر دی۔ قلعے سے محصورین حملہ آوروں پر آگ بھیجتے جن کے شعلے متحرک ستارے معلوم ہوتے اور جو سوار قلعے کے قریب جانے کی چرات کرتا اس کے گرد آگ کا ڈھیر جمع ہو جاتا۔

سپہ چو دائرہ پہچید گرد حصن حصین

محمود حصن ازو ہم چو لفظہ برکار

زہر چہار طرف سنگِ منجیق روان

برو چنانکہ سوی چرخ دعوتِ ابرار

ہر آتشی کہ اینداختند از کینکر

چنان محمودی کز چرخ گولکب سبار

ہر آن ساری کاندہ میانِ آتشی رفت

اگرچہ بودی آتشی بد گرد او بسیار

برون شدی چو براہیم از دل آتشی

بگردش آتشی سوزندہ می شدی آبار

ملتان :

چنگیزی اسیر قربائے تشری، سلطانِ جلال الدین کی تلاش میں، دریائے سند عبور کر کے، بعض قلعے مستخر کرنا ہوا، ملتان آدھکا۔ ملتان میں منجیقوں کے لیے پتھر نہیں ملا اس لیے ملتانویوں کی حشری فوج لٹکاوٹی۔ لٹکڑی کے بیڑے تیار کرائے۔ اُن پر منجیق کے پتھر لدوا کر دریا میں بہا دیے اور انہیں منجیق پر رکھ کر قلعے پر بھینکا گیا :

”و در مولتان سنگ نبود بہ لرسود تا ازان جا حشر برانداد و از چوب
عمدها ساخت و بہ سنگ منجیق بر کرد و بر آب انداختند ۔ چون آن جا
رسید منجیق برکار و از بارہ ہزار ہینداخت۔“

(ص ۱۱۲ ، جلد اول ، جہانگشا)

لاہور :

چنگیز خاں کے جانشین اوکٹائی ناآن کے سر لشکر ، طاغر چاند نے قلعہ لاہور
منجیقوں کے ذریعے تباہ کیا ہے ۔ منہاج سراج لکھتے ہیں :

”مدنی ار در شہر لوهور چنگ قائم گشت و لشکر مغل بر اطراف حصار
لوهور منجیق ہسار نہادند و بارہا غراب کردند و بدان بقدار کہ ملک
قراغنی رادست داد مقام محمود و جہاد کرد۔“

(ص ۲۹۳ ، طبقات ناصری)

غلاموں کے خاندان میں سلطان شمس الدین التمش (سنہ ۶۰۷ - ۶۲۳ھ /
۱۲۱۰ - ۱۲۳۵ع) ایک اولو العزم اور بلند حوصلہ سلطان ہے ، جس نے اپنی
فتوحات سے دہلی کی سلطنت کو بہت وسیع کر دیا ۔ اس نے راتھنبور ، منڈور ، آج
اور گوالیر جیسے مضبوط قلعے فتح کیے ۔ ان قلعوں کی تسخیر میں ، ہم یقین
کرتے ہیں ، آلاتِ حصار کشائی برابر استعمال ہوئے ہیں ، اگرچہ مورخوں نے ان
کا ذکر نہیں کیا ۔ اس فروگزاشت کی تلافی عہدِ شمس کی ایک نادر تالیف ہے
ہوئی ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے ۔

کتاب آداب الحرب و الشجاعت

بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ شمس الدین کے عہد میں کتاب ”آداب
الحرب و الشجاعت“ ہندوستان میں تالیف ہوئی ہے ۔ اس کے مصنف شریف محمد ابن
منصور ابن سعید ملقب بہ مبارک شاہ معروف بہ فخر مدثر ہیں ۔ ان کی ایک اور
تالیف ”مسلک الکتاب“ کا دیباچہ سر ڈینی سن راس نے بنام ”نارنج فخر الدین
مبارک شاہ“ طبع کر دیا ہے ۔ ان کا زمانہ آخری دورِ سلاطین غزنویہ سے لے کر
التمش کے عہد تک محیط ہے ۔ ان کا اکثر وقت ہندوستان میں گزرا ہے اور کوئی

تعجب نہیں اگر ہندوستان زا ہوں ، کیونکہ ہندوستانی امور کے متعلق ان کے ہاں کافی اطلاع ملتی ہے ۔ سندھ ، ملتان ، لاہور اور ہشاور کے متعلق بھی ان کے ہاں اشارے موجود ہیں ۔

”آداب العرب“ ، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ، ضوابط و آئین جنگ کے موضوع پر مرقوم ہوتی ہے ، جس میں گھوڑوں کی شناخت ، ہیوب و عات و معالجت سے لے کر ہر قسم کے اسلحہ ، لشکر ، عرض لشکر ، نقل و حرکت ، فرودگاہ ، طالبہ و جاسوس ، شیطان و کمین گاہ ، میدان جنگ ، صفوں جنگ ، مقابلہ و مبارزت ، طریق حرب ، سپاہ حشری ، فضیلت جہاد ، قواعد غنیمت ، جزاء و خراج ، جنگ حصار ، فتح و ظفر ، حار سپاہ ، خطا و سزا ، خدعت حرب وغیرہ وغیرہ مسائل پر تفصیل کے ساتھ رائے زنی کی گئی ہے ۔ کتاب ایک سادہ مگر دلچسپ پیرایہ بیان میں لکھی گئی ہے ، جس کو موقع بہ موقع فارسی حکایات بالخصوص سلاطین غزنہ کے قصوں کے اہراء نے اور بھی قابل قدر بنا دیا ہے ۔

سوار :

سوار کے واسطے مصنف گویا ہے کہ اس کا ہاتھ ہر قسم کے ہتھیار پر صاف ہونا چاہیے ! یعنی شمشیر ، نیزہ ، عود ، قیر و کان ، لالچ وغیرہ ۔ اس کی پوشش میں جوشن ، خود ، غفان ، زرو ، ہذاطاق ، زوسین و آہین اور ساعدین و ساقین ہوں ۔ لشکر میں علامت یعنی پرول ضروری ہے ۔ کوچ کے وقت طیل یا موبق کی پہلی آواز پر سوار کو ہوشیار ہو جانا چاہیے ، دوسری آواز پر گھوڑا زین کر کے اور ہتھیار بالادہ کر تیار رہے اور تیسری آواز پر سوار ہو جائے ۔ کہتا ہے کہ سپاہی کو چوگن بازی ، نال (پنہر) اٹھانا ، کشتی اور زور آزمائی کرنا ، جنگِ مُشت یعنی یو کسنگ (گھونسے بازی) ، فلاخن چلانا ، لت بازی (بندہ بازی) ، چکر الدازی اور کند کا استعمال جاننا ضروری ہے ۔ جب ہتھیار استعمال کرنے سے تھک جائے تب کشتی لڑے ۔ اگر حریف کشتی میں بھی مغلوب نہ ہو ، جنگِ مُشت یعنی گھونسے بازی شروع کرے اور چوٹ جسم کے لازم حصوں پر لگائے ، تاکہ اس کی ہلاکت یقینی ہو ۔ فلاخن کے متعلق اس کی رائے ہے کہ اگرچہ یہ چاروں اور دریاہوں کا ہتھیار ہے لیکن اگر اس میں پوری پوری مشق ہم پہنچائی جائے

نو دشمن کو حکم یہ ہلاک کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ پتھر گنیٹی یا سید و دل پر لگے۔ انسان اگر اس فن میں مہارت پیدا کر لے تو کبھی اس کا نشانہ خطا نہیں کر سکتا اور نہ کوئی شخص اس کے مقابل ٹھہر سکتا ہے۔ رات کے وقت آواز پر اس کا نشانہ مارا جا سکتا ہے۔ فلاخن، خود اور جوشن کو بھی توڑ دیتا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو، آخر حضرت داؤدؑ کا ہتھیار ہے۔

چکتر :

چکتر کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ظاہر کھیل معلوم ہوتا ہے مگر جب کوئی اس کے چلانے میں کمال پیدا کر لیتا ہے، قادر انداز ہو جاتا ہے تو فاصلے سے انسان کی گردن اڑا سکتا ہے۔ چکتر گول فولاد کا آلیے کے برابر ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس کے وسط میں ایک سوراخ ہوتا ہے جس میں ہاتھ اور بازو چلا جاتا ہے۔ بیرونی حصہ تلوار کی دھار کی طرح تیز ہوتا ہے۔ بھینکنے وقت سوراخ کو گرفت میں رکھتے ہیں۔ جب بلندی سے لچے آتا ہے، ہر چیز کاٹ ڈالتا ہے۔ اگر دشمن غافل ہو، خواہ کسی سمت سے چلایا جائے، گردن اڑا دے گا۔ ہاری رائے میں چک یا چکتر خالص ہندوستانی ہیدوار ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ان ایام میں اس کی مودمدی دیکھ کر غالباً مسلمانوں نے اختیار کر لیا ہے۔ فی زمانہ صرف سکھوں میں رائج ہے۔

تیر :

تیروں کے سلسلے میں کہتا ہے کہ مختلف مواقع کے لیے مختلف تیروں اور ہیکانوں کی حاجت ہے۔ رزہ کے لیے ہیکان مایہ پشت اور غلولہ ہو۔ یں ہیکان، جوشن کے واسطے کام دے گا۔ متفرق ڈھالوں مثلاً سپر چوبیس، سپر شوشک، سپر نے نیزہ، سپر جج، سپر کورگ اور سپر خدنگ کے لیے ہیکان مودمدی لازمی ہے اور تیر برتائی۔ حصار کے واسطے ہیکان غلولہ و مایہ پشت و سد سو۔ قر۔ عفتان و بغلق و برگستوان جامی کے لیے ہیکان بیلک۔ سپانخی برگ ید و قنابی و بط ہائے اور برگستوان آہنی کے حق میں تیر خدنگ یا کاک۔

کبان :

کبانوں کی کئی قسمیں شہار کی ہیں : یعنی چابی ، خوارزمی ، پروانچی ، غزنوچی ، لاہوری ، کروری ، ہندوی ، گوبی وغیرہ ۔ کبان چابی بہت سخت ہوتی ہے اور ماوراء النہر میں رائج ہے ۔ خوارزمی کا خانہ چھوٹا اور گوشے دراز ہوتے ہیں اور ثالث گھوڑے کی کھال کی ، جس کو بغیر ٹٹے بالدھتے ہیں ۔ یہ ثالث موتی ہوتی ہے ۔ اسی طرح خدک بھی موٹا ہوتا ہے مگر پھل باریک ۔ اس سے زخم اچھا نہیں آتا اور تیر بھی لہزش کے ساتھ جاتا ہے ۔ پروانچی ، غزنوچی ، لاہوری اور کروری کبانیں تبرانداز ہند کرتے ہیں ۔ کبان گوبی ، چاڑی علاقوں کے علاوہ سیری ، الباران اور ہروج میں مستعمل ہے ۔ چاڑی بکروں اور شکاری جانوروں کے سینگوں کی ہتی ہے ۔ لکڑی بالکل نہیں لگاتے ۔ دبکھنے میں خوش آہند ہوتی ہے ۔ ثالث بھی بالی کی چھال کی ہوتی ہے ۔ اس سے تیر زیادہ فاصلے پر نہیں جاتا لیکن قریب سے کاری زخم لگتا ہے ۔ ہندی تیر اکثر شاخ دار ہوتا ہے ۔ جب وہ کسی کے لگتا ہے اور پھل جسم میں گھس جاتا ہے تو شاخوں کی وجہ سے اس کا ٹکانا بڑی زحمت کا موجب ہوتا ہے ۔ طائرہ یہ کہ پھل زبردار ہوتا ہے ۔ پہاڑیوں کا پیکان ہڈی کا ہوتا ہے ۔ یہ لوگ مردہ گائے بھنس اور گدھے کی ہڈی کی ہڈی لے کر گدھے کے پیشاب اور گندی نجاست گاہوں میں ڈال دیتے ہیں ۔ یہ یاد رہے کہ ہر روغنی ہڈی زبردار ہوتی ہے ۔ غرض ایک مدت تک بڑا رکھنے کے بعد اس کے نوک دار پیکان ترائے جاتے ہیں اور بیچ میں بٹھا دیتے ہیں (و در کزہ نہند) ۔ جب چلانے لگتے ہیں ، اس کا سرا ایسے موقع سے لگاتے ہیں کہ اس سے کوئی لکڑا جدا ہو سکے ۔ جب یہ پیکان کسی کے لگتا ہے یا اس کا دھڑہ گوشت میں رہ جاتا ہے ، حائپ کے زہر کا ماحول خواص رکھتا ہے ۔ گھاؤ چیر کر اس کی تلاش کرنی پڑتی ہے ، خواہ قتل کے برابر ہی کیوں نہ ہو ۔ بعض نبات ہوتی ہے جسے جری (جڑی) کہتے ہیں ۔ اگر وہ میسر ہو اور لگائی جائے تو آدمی جلد اچھا ہو جاتا ہے ، مگر آنے سال اسی موسم میں ، جب تیر لگا تھا ، زخم آلا ہو جاتا ہے اور بہت دکنہ بیگنا بڑتا ہے ۔ زخم کھانے کے وقت اگر چھاپہ یا لہسن کھلا دیا جائے تو موت یقینی ہے ۔ جڑی کے ذریعے سے علاج اسی وقت تک ممکن ہے جب تک مریض کے ثالث اور ہڈی کالے نہ پڑ جائیں ۔ اگر ان میں سیاہی دوڑ

گئی تو پھر جان بڑی کی امید نہیں ۔ اس پیکان کا نام "بندھانی" ہے ۔

مادوراء النہر ، خراسان اور عراق میں اکثر و بیشتر تیر خدنگ و تیر ید وائج ہیں ۔ تیر خدنگ زیادہ فاصلے پر نہیں جاتا البتہ تیر ید اپنی سیکی کی بنا پر سیدھا جاتا ہے ۔ اگر زور کا زخم لگے تو تیر ٹوٹ جاتا ہے ۔ مگر تیر کلک سب سے ہلکا ہوتا ہے اور کاری زخم لگاتا ہے ۔ اس کے لیے لڑس ہے کہ تیر ہکا اور جوش دہا ہوا ہو بلکہ قالب میں دہایا اور ہل نکالا ہوا ۔ تیر انداز اگر ماہر ہو ، کمان بلند ہو اور شست ہیرام بھی جانتا ہو تو اس کا تیر لوہے کے بیچے اور فولادی خود کے بھی ہار ہو جائے گا ۔

تلوار :

تلوار کی بے شمار اقسام ہیں : مثلاً چینی ، روسی ، خزری ، روسی ، فرانسی ، بھائی ، سلطانی ، شامی ، عراقی ، ہندی اور کشمیری ۔ ان میں سے مصنف تلخ ہندی :

۱۔ ہندی تلواروں کی اقسام پر مصنف نے جو کچھ لکھا ہے ، اس پر کتاب "الجواهر فی معرفۃ الجواهر" لیبرونی (طبع حیدرآباد دکن ، سنہ ۱۳۵۵ھ) کی بعض عبارتوں سے کچھ روشنی پڑتی ہے ۔ اس کتاب میں ایک باب "فی ذکر العبد" ہے ۔ اس میں صفحہ ۳۵ پر لیبرونی کہتا ہے کہ ہندوستانیوں سے بڑھ کر کوئی قوم جواہرات کے اقسام اور اسباب سے واقف نہیں ہے ۔ آگے چل کر لکھتا ہے : "ولا بأس ان نذكر ما عرفناه من جهة ذوي البصر بجواهر السيوف مستفادة من الهند ، و اشرف انواعه و اشرفها سيمي بلارك ۔ و منہ سبوتهم النفيسة و خناجرهم الثمينة و يزعمون ان حديدہ يسبك من رمل احمر في نواحي كنوج ، يذوبون بالتكرار البارد فان دلقه لا يصلح الا للصاغة و هو ماء هناك يعتقد تكتارا و الدلية في هذا الجوهر الابيض من لونه على اسودها ، و نوع منہ يسمى و دعتا بطبع بالمولتان من البيضات الهندية ، و نوع يسمى مون يضرب ايضا بالمولتان من تلك البيضات . . . و نوع يسمى باغري (نسطہ باغري) [اس کے بعد باغري کی تین قسموں کو گنا ہے اور لکھا ہے] و ثالث الانوان باغري كل سيف لا جوهر فيه و هذا الاسم يطلق عليه من غير حقة ، و نوع يسمى بجايا و يشبه باغري (بلیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کو سب سے بہتر مانتا ہے جو کٹ اور جوہر کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں: ہرالک، تراوتہ، روہیا، منبر، مان گوہر اور ہرسکس جسے موج دریا بھی کہتے ہیں اور جس بہتر مانی گئی ہے۔ یہ تلوار بادشاہوں کے ہاں بھی ایک سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہنس اور السام بھی ہیں یعنی باہری، سورمان، تورمان۔ ہرالک، تراوتہ، روہیا اور موج دریا ہندوستان کے سوا کہیں نہیں ملتیں۔ تہ ان کے کٹ کو دوسری تلواں پہنچتی ہیں، کیونکہ یہ تلواں خشک ہیں اور باقی تلواں چرب ہیں۔ خراسان و عراق کی تلواں اکثر باہری قسم کی ہیں۔ خوب جوہر دار نہیں ہوتیں اور صدمہ پہنچنے اور مارنے کی حالت میں کم ٹوٹتی ہیں۔

ہندوستان میں ایک اور قسم کی تلوار ہوتی ہے جسے 'تباہ' کہتے ہیں۔ وہ نرم لوہے، تانبے اور چاندی کی ملاوٹ سے بنی ہے۔ چاندی کی وجہ سے اس کے جوہر چمکے ہوتے ہیں۔ اس تلوار کا گھاؤ کم بھرتا ہے۔ ہرالک، تراوتہ، مان گوہر، ہرسکس اور منبر، سلاطین کی کمر اور رکاب کی تلواں بننے کے قابل ہیں۔ سورمان اور تورمان افغانوں میں رائج ہیں۔ ہندوستان میں دوبائے سندھ پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الانہ یثقی قید صور حیوانات و اشجار وغیرہا۔

پس ہرالک، بلاشبہ 'ہلارک' ہی کی ایک صورت ہے۔ 'روہن' اور 'روہیا' فولاد کو کہتے ہیں۔ 'مان' ممکن ہے وہی ہو جس کو بیرونی 'مون' کہتا ہے۔ 'مون' بتوں پر وقیم کرلگو، ہندی میں ٹھوس کے معنوں میں ہے۔ 'تجلیا' اور 'موج دریا' میں کچھ علامت ضرور معلوم ہوتا ہے۔ باہری یا باہری بیرونی کے تسخروں میں اس طرح ضبط نہیں ہوا کہ شک باقی نہ رہے۔ "آداب الحرب" میں یہ لفظ باہری ہے۔ (یہ حاشیہ مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم نے مضمون زیر نظر پر اورینٹل کالج سیکرین میں شائع ہونے وقت لکھا تھا)۔ مرتب

۱۔ لیکن اسدی اپنے "گرشاسپ نامے" میں، جو شدہ شدہ میں تالیف ہوتا ہے،

کہتا ہے:

ازان آہن لعل کون تیغ چار ہم از روہنی دم ہرالک ہزار
[غالباً یہ حاشیہ بھی مولوی محمد شفیع صاحب سے تعلق رکھتا ہے]۔ مرتب

کرور کے قریب ایک قلعہ ہے جو کورج کہلاتا ہے ۔ وہاں کے لوہار بڑے استاد ہیں ۔ ان کا تلوار بنانے کا یہ دستور ہے کہ فولاد کے دو ٹکڑے لیے کمر انہیں خوب گرم کر لینے ہیں ۔ پھر ایک کو صیقلی طرف سے ، دوسرے کو الٹی طرف سے گرم کرتے ہیں اور مٹی میں خام کر کے بیٹی میں رکھ کر ایک دن رات آگ دیتے ہیں ۔ دونوں ٹکڑے پگھل کر ایک دوسرے کے ساتھ ہوست ہو جاتے ہیں ۔ اب مٹی سے نکال کر تلوار بناتے ہیں اور صقل دے کر 'دارو' میں بچھا لیتے ہیں ۔ اس کے جوہر کھجور کے پتوں کی طرح نکل آتے ہیں اور نہایت اعلیٰ ہوتے ہیں ۔ سارے راتا اور ٹھا کر (تھکر) اور سردار ہاتھوں ہاتھ اس کو لیے جاتے ہیں ۔ اس تلوار کا زخم گہرا آتا ہے ۔

للاجوری :

'للاجوری' ترکوں کا ہتھیار ہے ۔ جو لوگ نیزے سے اور تلوار سے ، ایسے ہتھیار کے ساتھ ، جنگ کرنے کے عادی ہیں ، ان کے واسطے سوزوں ہے ۔ ایسے ٹیڑھا یوں بنایا جاتا ہے کہ زخم چوڑا آئے ۔ اس کچی سے کھاؤ گہرا اور کٹھلا لگتا ہے ۔ اگر نیزہ کام نہ دے ، اس حربے سے نیزے اور تلوار کا کام لیا جا سکتا ہے ۔

لاچخ :

'لاچخ' شاہی حربہ ہے ۔ دوست اور دشمن دونوں کے کام کا ہے ۔ دوست کے لیے سہرا لاچخ اور دشمن کے لیے لاچخ کا سر جو تلوار کی طرح کام کرتا ہے ۔

دشہ :

'دشہ' عیاروں ، جان بازوں اور چوروں کا ہتھیار ہے ۔

کتارہ :

'کتارہ' (کٹار) ہندوؤں ، شہیدوں اور غماروں کا ۔

شل (سیل) :

’شل‘ (سیل) و ژوبین ہندوؤں اور افغانوں کا آلہ ہے ۔ جو لوگ تلوار اور شل و ژوبین ساتھ رکھتے ہیں ، جب دیکھتے ہیں سیل اور ژوبین کاربرآری نہیں کرتے ، تلوار سے کام لیتے ہیں ۔

اہل کش :

اہل کش و نیم لیزہ ، بادلوں کے حربے ہیں اور ان لوگوں کے جو سپر چیچ (چھچ) اور سپر گردہ رکھتے ہوں اور قلعوں کے دروازوں پر متعین ہوں ۔
نیزہ اور خشت اور دور ہاش شاہی محافظوں (جان داروں) کے ہتھیار ہیں جو بادشاہ کی محافظت پر مقرر ہوتے ہیں اور دشمنوں سے بچاتے ہیں ۔

لیزہ :

لیزہ ’ٹرکوں اور عربوں کا ہتھیار اور فوری ہتھیار ہے کہ ہاتھ میں لئے ہی کام دے سکتا ہے ۔ برگستون پوش - واروں کے کام کا ہے ۔ بحرین میں خط قام ایک گاؤں ہے ۔ نیزہ غلطی اس کی طرف منسوب ہے ۔ عراق و خراسان میں ید کا نیزہ بتا ہے جو سپک ہونے کی وجہ سے سواری اور حلقہ ربائی کے واسطے مناسب ہے ۔ لڑائی میں ہتھیار جتنا ہلکا ہوگا ، اتنا ہی اچھا کام دے گا ۔ اس لیزے سے زخم تو خاصا آئے گا مگر آدمی کو زمین سے اٹھا لینے کے کام کا نہیں ۔ ٹوٹ جاتا ہے ۔ ہندوستان کے ہالسی کے نیزے کو کوئی لیزہ نہیں پہنچتا ۔ نور ہالسی جو ٹھوس ہوتا ہے ، مطلب کا نہیں ۔ لوچ دار اور بھاری ہوتا ہے اور سوار کو پریشانی آٹھانی پڑتی ہے ۔ مادہ ہالسی جو ہولا اور ہلکا ہو ، بڑے کام کا ہے کیونکہ اس میں لوچ مطلق نہیں ہوتا ۔ سوار لیزہ بازی کے فن میں اگر طاق ہے اور جنگوں کے تجربے کر چکا ہے ، اس کے لیے سوار کو زہن سے اور پیادے کو زمین سے اٹھا لینا کچھ مشکل نہیں ۔

اس کا قول ہے اگر کسی کے پاس تمام ہتھیار ہیں اور تلوار موجود نہیں تو وہ شخص نیم مسلح ہے ۔ اگر تلوار پاس ہے اور باقی اسلحہ نہیں تو کچھ ڈر نہیں ۔

قلعہ کشائی :

قلعہ کشائی کے واسطے یہ چیزیں درکار ہیں : زینہ ، کھجور کے رستے ، معمولی رستے ، بھنگ کے رستے آنکڑے والے ، خرک ، منرس ، دہ سردہ ، منجھتی ، عترادہ گرداں ، عترادہ خفتہ ، دیوار کن (سابل ؟) ، آشکلی آہنی ، زنجیر ، کدال ، نیزہ سرد کبر ، سپر چچ ، نیزہ دلدانے دار ، بھڑی ، ستون وغیرہ ۔ اور محسورین کے لیے ان اشخاص اور اشیا کی ضرورت ہے : دانش مند ، مؤذن ، طبیب ، منجم ، باورچی ، کبان کی ثالث بنانے والا (زہ تاب) ، نیرگر ، کبان گر ، بڑھئی ، زہ ساز ، زمین ساز ، اویار ، چیلانکر (لوہے کے چھوٹے اوزار : چاقو ، چھری ، قینچی وغیرہ بنانے والا) ، چرخ کر (سبیل گر) ، جتر اچ ، حجام ، درزی ، گدھیا ، چولاہا ، بورہ فروش ، کھپار ، دھوی ، نعل بند ، تمدکر ، موی تاب ، غسٹال ، گور کن ، حلال خور ۔ ان کے علاوہ طبیل ، علم ، فقاہ ، ڈھول ، کلسہ زن (فازچی) ، قرم (بوق) ، جھانجھ ، طبل باز ، ڈھول والا ، ڈھولکیا ، بنگاجی ، چوبک زن (چونکی) ، چوب یا ڈانکا لگانے والا ۔ اور تیر ناوک ، تیر غدرک ، تیر سلطک ، تیر جوال دوز ، تیر دانگ سنگ و نیم دانگ سنگ ، کبان ، زنبورک (نومی از پیکان سر تیز) ، نیم چرخ ، چرخ ، کشکجبر ، منجھتی ، عترادہ گرداں و عترادہ خفتہ ، منجھتی کے گولے ، سنگ دست اور سنگ فلاخن ۔ علانیٰ ہذا آٹا ، گیہوں ، تجو ، لکڑی ، چراغ کا تیل ، پلینہ ، شعلہ ، دھوٹ ، گوشت ، سکھایا ہوا گوشت (قنبد) ، سری ، ہائے اور بے شمار لکڑی اور تیروں کے سرکنڈے اور لوہے کی بڑی تعداد ہونی چاہیے ۔ اور مستجہائے دولای (سالہ و انداو ؟) ، دیوار کن (سابل) ، کانٹے بھنس کا چمڑا اور زنجیریں جن کے سرے برکانا یا آنکڑا لگا ہو (زنجیر یا سرکڑک) کہ لکڑی اور سرکنڈے کے گٹھے ان میں باندھ سکیں اور خرک پر ڈال دی تاکہ خرک اور خرک کے آدمی جل جائیں ۔ اور ریت اور پتھر کے چوٹے اور بھاری سلیں ، موش ڈنبا (؟) ، وزنی پتھر اور چکی کے باٹ فصیل اور کنکروں پر رکھیں ۔ لوہے کی میخیں جن کے دونوں سرے نیز ہوں ، آدہ آدہ سپر اور سپر سپر بھر کی اندازاً ۔ ہر طرح کے مسالے (حواج) جن کی ضرورت باورچی خانے میں ہوتی ہے : مثلاً کھٹائی ، شیرینی ، ٹھنڈائی (برودھا) ، اچار اور انویہ اور کبان کی ثالث کے واسطے کانٹے کے پٹھے اور انکشتانے ، کینڈے کی ڈھالیں (سپر کرک) اور سپر سوشک ، آر (خفجہ ؟) ، خدنگ ، منجھتی

کی رستیاں اور پتھر ڈھونے کے واسطے ٹوکڑے اور کھانچے ، فلاخن اور شیلو (؟) اور نیبر ؟ (البر = سنڈاسی) اور سب قسم کے موسیقی کے ساز اور مطرب کہ چہرے چوکی کے واسطے گائیں ۔ اور جوشن ، خود ، خفتان ، بھلطاق اور برگستوان ، گدو (سلاح جنگ) ، لوہے کے بڑے کندگیر (کنفلزہا) چلنے تیل کے واسطے کہ ان کے ذریعے سے تیل کرایا جائے ، کچی اینٹیں و دہل کچ و سنے و کڑہ (؟) اور ایسی چیزیں کہ اگر کہیں شکاف (خلل ؟) پڑ جائے تو فوراً دوست کرا دیا جائے ۔ و سختیا ہر کال کشتہ (؟) اور شہتیر (خرنیرہا) ۔

فخر مدبتر ، اس کے بعد محصورین کو عام ہدایات دیتا ہے کہ جب غنیمت حصار کے قریب آئے ، اس کے ساتھ سخت کلامی یا بہودہ گفتگو نہ کی جائے اور نہ کالیاں دیں ۔ قلعہ خواہ کتنا ہی نااہل تسخیر کیوں نہ ہو ، پوری پوری نگرانی رکھیں اور چوکسی رہیں ۔ راتیں جاگ کر کاٹیں ، فصل اور شگافوں کی خبر رکھیں ، دروازوں پر بھروسہ نہ کریں ، رات کے وقت قلعے کی کنجیاں اپنے قبضے میں رکھیں اور ہر رات چہرے داروں کو ایک برج سے دوسرے برج میں بدلتے رہیں ۔ ممکن ہے کہ بیرونیوں نے ان کے ساتھ ساز باز کر لیا ہو ۔ کڑی نگرانی کرنی کہ دشمن کو دیوار کھودنے یا قلعہ لگانے کا موقع نہ مل سکے ۔ رات میں کئی بار قلعے کے دروازوں کو ہر چہرہ خود دیکھا جائے ۔ دروازوں اور سپاہیوں کے ساتھ ، جن کا چہرہ دروازوں پر لگا ہو ، سہرائی سے پیش آئیں اور انعام و اکرام کا امدوار کریں ۔ منجنیق اور عترادہ اندازوں کو خلعت اور صلہ دیتے رہیں ۔ ٹاوک اور جوال دوڑ فلول مصرف میں ضائع نہ کریں اور لڑائی کے وقت کام میں لائیں ۔ اہل قلعہ میں سے کسی نے باہر والوں کو تیر و ٹاوک سے ہلاک کیا ہو تو خلعت و انعام دیں ۔ اگر دروازے پر لڑائی ہو تو فصل و خندق سے باہر نہ جائیں اور دروازہ خالی نہ چھوڑیں ۔ دروازوں پر لڑائی کے دن دل چلے اور بہادر سپاہیوں کو ستر کر دیں اور ہر طرح کا ہتھیار یعنی تیر و کباب ، نیزہ ، نیم نیزہ ، ٹمک (ڈولین) ، پل کش ؟ اور گردہ ؟ (گردہ - گرد) ، سپر چیچ اور سپر قواخ (قراخ ؟) وغیرہ سپا رکھیں ۔ تیر اندازوں ، ٹاوک اندازوں اور نقط اندازوں کو ہمیشہ قلعے کے دروازوں پر مستعد رہنے دیں ۔ دن رات جنگ کی دھن میں لگے رہیں حتیٰ کہ خدا یہ ہلا سر سے لال دے ۔

حصار اور محاصرین کے تعلق میں جو کچھ اوپر مذکور ہوا ہے ، کئی موقعوں پر اس میں آجی نے علامتِ استفہام سے کام لیا ہے ۔ ان اشکالات کے حل کرنے سے میں عاجز ہوں ، اس لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ مصنف کی عین عبارت بھی یہاں درج کر دوں تاکہ قارئین کرام مصنف کا اصل مفہوم معلوم کر سکیں :

”و اقلہ در حصار کشادن باید اینست : نردبان و لیفن و ریشانی و کنب
 سر جنگال و خرک و سہترس (سٹرس ؟) و دہ مردہ و متجنیق و عترادہ
 اروان (روان ؟) و عترادہ خفتہ و دیوار کن و آتش کش آہن و بند و
 کاند و لیژہ مردگیر و سپر جچ کردہ و لیژہ سر دندانہ دار و تختہای
 زیادتی و استونا ۔ و آج درویشان را باید : دالشی مند و موذن و طبیب و
 منجم و طباشخ و زہ تاب و تبر گر و کمان گر و دروگر و زراد و سراج و
 آہنکر و جہانگر و چرخ گر و چترج و حجام و درزی و پنبہ زن و جولاہا
 و نقاشی و کلال و گادز و نعل بند و تمدگر و موی تاب و غسال و
 حقار و کنتاس و دیگر طبل و سلم و دماسہ و مدھل و کاسہ زن و بوق
 و صنج و طبل باز و دماسہ ای و دھل زن و بوق و چوبک زن و دیگر
 تبر کلک و تبر ناوک و غدیرک و ملخک و جوال دوز و دانک سنگ ۱ و
 کبان و زنبورک و نیم چرخ و چرخ و کشک لغیر و متجنیق و عترادہ
 گردان و خفتہ و سنگ متجنیق و سنگ دست و فلاخن و دیگر آرد و
 گندم و جو و دیگر چوب دیگر از ہر جنسی بسیار ، و روغن چراغ و ہلہ و
 مشعلہ و چراغ دلہا زیادتی و گوشت و قدید و سر گوشت و ہاجہ قدید ،
 ہیزم بسیار و تی بسیار کہ اگر تیر نماند ، تیر سازند و آہن بسیار و
 مسجہای دولای و دیوار کن و خام کاؤ و گاؤشی و زنجیر ہا سر کڑک ،
 اگر کڑک نبد و پشتوارہ تی تا ہیزم را دران سخت کنند و بر خرک
 فرو روند تا خرک و آنکس کہ در زیر خرک باشد بہ سوزہ و ریگ (و)

تختهای سنگ و تختهای گران و موش ذنبها و سنگ های گران که سر دیوار و کنکرها نهند و آسیا سنگها و چکنیها لرعب ؟ و سیخ های آهنین هر دو سر نیز در لباس نیم من و یک من و از حواش آبی بطیخ بکار شود از هر چنسی از ترشی و شیرینی و برودها و آچارها و ادویه و دیگر پی گاو بیعت کبان و زه کبان و الکشتوانه بسیار و سپر کرگ و موشک و خلج و خدنک و رشتهای زیادی از جهت منجیق و گواره و کپاره از جهت سنگ کشیدن و فلاح و شیلوا ؟ و نیر ؟ و جمله سازها و مطربان که از جهت پاس داشتن سیاح کنند و دیگر جوشن و خود و خفتان و غلطاق و برگستوان و گزر . . . و از جهت روغن کفلیز های آهنین بزرگ به سبب روغن چوشیده که افزود ریزد و خشت خام بسیار و اهل کچ و نی و کره و چیزی که اگر چای فلک (کذا) افتد ، در حال راست کنند و سخت هابر کال کشته و خر تیرها .

و چون شخصی نزدیک حصار آید البته باو نگویند و دشنام نزنند و خدای را بسیار یاد کنند و درکار هیچ تقصیر نه کنند و غافل نباشند ، اگرچه حصار نیک حصین باشد ، باطن و تبار بهتر دارند و همه شب بیدار باشند و پیوسته دیوارها و ریختها (ملاحظه ؟) بکنند و بر دربانان اعتماد نه کنند و کلید قلعه بستانند شبها و خود نگاه دارند و هر شب پاسبانان را از برجی به برجی دیگر فرستند که شاید از بیرون برایشان راست نهاده باشند و در پاس داشتن غفلت نه کنند تا ایشان از دیوار کنند و لقب کردن نه پردازند و هر شب چند بار بر درهای قلعه بروند و احتیاط کنند و دربانان و سرهنگان ، که برادر باشند ، تلفف نمایند و امیدوار تربیت و اعلم کنند . و منجیق و عتراده اندازان (را) تشریف و صلت دهند و ناوک و جوال دوز ؟ پیوده خرج نکنند و بوقت هنگام جنگ خرج کنند و هر که از درون کسی را از بیرونیان تیر و ناوک زند ، تشریف و صلت دهند و اگر جنگ بیرون در باشد از پس اضیل و خندق بیرون نروند و در خالی رها نه کنند و بر در سرهنگان و نقیبان چند مردانه روز جنگ نصب کنند و درها را به سلاح از تیر و کبان و نیزه و نیم نیزه و مک و پیل کش و گرده و سپر جیج و سپر تواخ (فراخ ؟) آراسته دارند

و لیر اندازن و ناوک اندازان و لفظ اندازان پیوستہ ہر سر در ہای قلعه مرتب دارند و شب و روز دل در کار جنگ مرتب دارند تاغدادی تعالیٰ آن شر دفع گرداند۔“ (ص ۱۷۹ و ۱۸۰)

عہدہ شمس کے اس مفصل بیان سے جو ”آداب الحرب“ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس عہد میں آتشیں آلات (از قسم توپ و ہندوق) کا استعمال ہندوستان میں نامعلوم تھا۔

جلال الدین خلجی :

جب جلال الدین خلجی قلعہ راتھنیور کی تسخیر کی نیت سے جاتا ہے، اس کے استعکافات دیکھ کر یہ رائے قائم کرتا ہے، جسے ہم برنی کے الفاظ میں درج کرتے ہیں :

”دہم کہ ابن حصار دست نمی آید تا چندین مسلمانان در گرفتن ابن حصار کشتہ نمی شوند و بہ نمن دہ ہم چنین حصار خود را قدا نمی کنند و در نہ ماباطھا و بر آوردن ہاشیب و بستن گرگیج و ہر رفتن حصار کشتہ نمی شوند۔“ (ص ۲۱۳، تاریخ فیروز شاہی)

سلطان محمود معاصرہ ترک کر کے واپس لوٹ جاتا ہے لیکن اس کا جانشین علاء الدین بالکل غلط طبیعت اور رائے کا انسان تھا۔ وہ اپنے اہم سلطنت میں ہندوستان کے اکثر نامی قلعے فتح کرتا ہے، جن میں راتھنیور، چٹوڑ، دھار، سیوانہ، چالور اور وارنگل قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں اگرچہ تقریباً انہی آلات سے کام لیا جا رہا ہے جو اور ممالک میں عموماً رائج ہیں اور حصار گیری کا تقریباً وہی طریقہ ہے لیکن یہاں بعض امیا کے نام غلط ملتے ہیں؛ مثلاً امیر غمرو کی تالیف ”غزائی الفوج“ میں متجنیق کے لیے عروس اور مغری، ملجور کے لیے ہاشیب اور سنگ کے لیے غضبان اور کردہ۔ اس ملک میں قلعے کی دیواروں سے آگ پہنکتے کا جو طریقہ ہے، دیگر ممالک میں کم نظر آتا ہے۔

علاء الدین خلجی و حصارِ ولتہنپور :

جب علاؤ الدین خلجی حصارِ ولتہنپور کو محصور کرتا ہے ، اہلِ قلعہ نے تمام برجوں میں آگ جلا رکھی ہے ۔ جنوں میں غنیم کا آدھی دیوار کے قریب جاتا ہے ، اس پر آگ ڈال جاتی ہے ۔ آگ کے ڈار سے محاصرین قلعے کی دیوار کے قریب نہیں ہٹسک سکتے ۔ رات کی پوربوں سے وہ ہاشیب تیار کرتے ہیں ۔ اس پر مغری نصب کر کے سنگ باری شروع کر دیتے ہیں ۔ وجہ سے ماہ ذوالقعد تک محاصرہ جاری رہا ۔ ”غزائن الفتح“ میری اس اطلاع کی نٹھا ساغذ ہے ۔ اس کے ہمیں قرعے مختلف حشو و زوالہ ڈھل میں درج کیے جاتے ہیں :

”ہندوان زحلی در ہر دہ برجی آتش پرا فروغند ۔ چون استعداد اطفای آن سپہا نکشند بود ، مسلمانان آب خورش نگاہ می داشتند ۔ غریبہا پر خاک می کردند و ہاشیب می بستند ۔ چون ہاشیب از بلندی بہ برج مغری حصار پیوست و مغری های سلطان در بینی کوهسارہا خرطوم برآورد ۔ ہر کروہہ برسان گرد کوهی سوی ان قلعہ ملحد روان گشت ۔ ہر روز لیک اختران اسلام در پایان ہاشیب الجہن می شدند و جنگ سلطان پیش می بردند ۔ دلاوران چرام صولت در چہان آتشی سمنگر وار می رفتند ۔ عرادلہای درون آشکارا سنگ الداز می کردند و غضبان های سلطان سنگ ساز شان می کرد ۔ سنگ های گران پر سر حصاریان مانند زالہ می بارید ۔“ (ص ۵۷ - ۵۶ ، غزائن الفتح ، مسلم ہونیورسٹی)

حصارِ لشک :

حصارِ لشک کی تسخیر کے وقت بھی ہم جی صورت حال مشاہدہ کرتے ہیں ۔ اس موقع پر کٹ گہرہ اور ساباط و گرگیج کا بھی ذکر آتا ہے ۔ جب قلعے کا محاصرہ ہوتا ہے ، لشکر قلعے سے اس قدر فاصلے پر ہے کہ قلعے والوں کی آگ اور نفل سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے ۔ اس کے بعد ملک کانور شب خون سے محفوظ رہنے کے لیے لشکر کے گرد کٹھہ گہرہ (حصارِ چوبیس) تیار کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ دوسرے دن منجنیقیں نصب ہوئیں اور ساباط اور گرگیج یعنی دھن اور دھن سے مرائب ہوئے ۔ قلعے کے گرد جو ہائی کی خندق تھی ، اس کو پاٹ دیا گیا ۔ اب

ارادہ ہوا کہ ایسی چوڑی پاشیپ تیار کی جائے جس پر سو آدمی صف باندھ کر چل سکیں۔ مگر ایسی پاشیپ کی تیاری کے واسطے بہت وقت درکار تھا، اس لیے فیصلہ ہوا کہ پہلے ایک حملہ کر کے اہل قلعہ کی طاقتِ مدافعت کا اندازہ کر لیا جائے۔ (غزائے الفتوح، ص ۹۳ - ۱۰۲)

علاء الدین کڑے سے تخت نشینی کے واسطے دہلی آئے وقت روزانہ باغ من سونے کے بہن ایک ہانکی منجینیق کے ذریعے سے لوگوں میں پھینکواتا، تاکہ رکھا یا میں اس کو بردلعزیزی حاصل ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں، اردو کی ضرب الشل ”ہین ہرنا“ غالباً اسی واقعے پر مبنی ہے۔ برنی کا بیان ہے :

”فرمان چہ سلطان علاؤ الدین جالب دہلی میں آمد، منجینیق خورد جبک و نقلی ساختہ بودند کہ ہر روز پنج من اختر زو در ہر منزلے کہ سرایردہ سلطان علاؤ الدین ہر می آمد، بد وقت ازول در ہش دہایز در منجینیق میں نہادند و ہر نظارگیان ہرتاب میں کردند و خلق اطراف گرد میں آمد و آن اخراہا میں چیدند۔“ (ص ۳۳۳، تاریخ بیروز شاہی)

علاء الدین در آمد مغل کے انسداد کے لیے قدیم قلعوں کی مرمت کے ساتھ ساتھ پنجاب میں جدید قلعوں کی تعمیر کا حکم دیتا ہے اور پھر کار انسروں کو قلعہ دار مقرر کرتا ہے، اور ہدایت کرتا ہے کہ قلعوں کے واسطے منجینیق اور عترادے کثیر مقدار میں بنائے جائیں اور ہوشیار عداہ ان کے لیے ملازم رکھیں۔ چنانچہ برنی کا قول ہے :

”فرمان داد تا در رام آمد مغل کوتوالان معروف و ہوشیار نصب کردہ لرمود تا منجینیق و عترادہ بسیار سازند و مفردان ہرمنہ را چا کر گیرند و اسلحہ از ہر بابہ موجود دارند۔“ (ص ۳۰۲، تاریخ بیروز شاہی)

آلخ خان و حصار ارنگل :

جب آلخ خان یعنی سلطان ہمدانی بہ زمان غیاث الدین (سنہ ۷۲۰-۷۴۰ھ) حصار ارنگل فتح کرتے جاتا ہے، اسبابِ قلعہ گیری میں مغربی اور عترادوں کا اہم مذکور ملتا ہے۔ برنی کی عبارت ہے :

”و لشکر باہتمام تمام در حصار گیری مشغول شد و در حصار گاہین و حصار سنگین ارنگل جمعیت ہندوان بسیار گرد آمدہ بود و استعدادہا

درون بردہ از طرفین مغربی و شرقیہ دوکار آئندہ و ہر روز لشکر را
 یا دروایان جنگ های سخت می شد۔“ (ص ۳۶۶ ، تاریخ فیروز شاہی)
 اسی عہد میں جب ارنگل پر دوبارہ فوج کشی ہوئی ، قلعہ بالفاظ مصطفیٰ
 ”بزمیر تیر فلوک و سنگ مغربی“ فتح ہوا ۔

ہد بن تغلق :

غیاث الدین کے جانشین ، سلطان ہد بن تغلق کے عہد میں ابن بطوطہ
 یہ سیلر سیاحت ہندوستان آتا ہے ۔ دہلی کی فہرست کے تذکرے میں لکھتا ہے :
 ”شہر کی فہرست تمام دنیا میں بے نظیر ہے ۔ اس کا عرض گیارہ ہاتھ
 ہے ۔ اس میں گولہڑیاں اور سکنات بنے ہوئے ہیں ، جن میں چوکیدار
 اور دروازوں کے محافظ رہتے ہیں اور محلے کے کھیتے بھی ، جن کو اتیار
 کہتے ہیں ، فہرست میں بنائے ہوئے ہیں ۔ منجھنق اور لڑائی کے سامان
 (اور عاوانت) بھی انہی گوداسوں میں بھرے ہوئے ہیں۔“
 (ص ۳۹ ، سفرنامہ ابن بطوطہ ، ترجمہ از ہد حسین ، رفاہ عام پراس
 سنہ ۱۸۹۸ء)

یہی سیاح ہد بن تغلق کی سفر سے دارالسلطنت میں مراجعت کے بیان میں
 گویا ہے :

”بعض دفعہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ہاتھیوں پر تین یا چار
 چوٹی جھوٹی منجھنق (واعلة) چڑھا دیتے ہیں اور ان کے ذریعے سے دہنار
 اور درہم لوگوں میں پھینکتے ہیں اور یہ بکھیر شہر کے دروازے سے
 شاہی محل کے دروازے تک ہوتی ہے۔“ (ص ۱۰۳ ، ایضاً - سفرنامہ)

اسی ہد بن تغلق کے عہد میں ، جب تغلق خاں نے گولکیر (دکن) کے قلعے
 کا محاصرہ کیا ہے ، مولانا عباسی اس کا حال ”فتوح السلاطین“ میں یوں تحریر
 کرتے ہیں :

چو خان معظم دوران دژ رسید

یکی دائرہ کرد او بر کشید

نو گوئی کہ بر گرد البرز کوہ

زدہ نیمہ ابرایان با شکوہ

چو خان کرد هر سو النکی تعین

گرفته پیر سو هزارے زمین

برآورد هر سو یکی منجلی

بنون می شد آن دژ پیردم عراق

بیک سو دوانید ثابت خان

بدان تا بود لشکری را امان

به بستند گرگچ به مرکوب کوه

بر ایشان که بدخواه گردد شوه

دگر سو گرفتند نقی نمان

همی رفت لشکر پفرمان خان

به شش ماه بد آن سپاه گزین

به پیرامن کوه صحرا نشین

دوسه جای آن کوه پشکانند

پی جنگ هر سو رمی پالند

(ص ۶۲ ، مرتبه ذاکتر آغا مهدی حسین)

حصار بیدر :

حصار بیدر کے محاصرے کے وقت میں مصنف لکھتا ہے :

اس از حقہ لشکر آنجا رسید

علی شد سر حصن کنگهر رسید

ہاں روز پیرامن آن حصار

النکی گرفتند مردان کار

همی رفت غولی پیر صبح و شام

بازر حصار از تنہ خاص و عام

یسی منجلی از درون و بیرون

سری سوده بر گیشہ قبل کون

همه پلته گیران ثابت کنند (نهاد؟)

کمر بسته هر شام و هر بامداد

گروه بسی بی خطا می زدند

بگونی سر سوی را می زدند

یارید هر روز باران تیر

برآمد بر شب ز هر سو تقیر

نیایی به بستند از هر طرف

شد از لیر هر کنگره چون هدف

محضر بدان حصن تا پنج ماه

همی رفت خوبی به یکه و گاه

(ص ۳۷۶ ، ایضاً)

کبرگه :

کبرگه کا خامره بود بیان هوا چه :

یک سوئی دژ منجینی نهاد

که سنگش بر آن روی گردون نهاد

هر آن سنگ کز پلته او بیست

یکی برج ازان حصن سنگین شکست

دویمه چار عشارده بر گرد او

چو کرده بر آن لشکری جنگجو

سر سوی را بی خطا می زدند

بدان حصن سنگ بالا می زدند

همان قطب ملک شد بنیت مند

دساید هر کنگری را گزند

ز بیم خدنگش که می کرد خون

کم آورده کس سر ز کشتگر برون

(ص ۵۳۰ ، ایضاً)

فیروز شاہ :

ہمد بن لعلی کے جانشین ، سلطان فیروز شاہ کے عہد میں بھی منجیق اور عترادے حسب معمول استعمال میں آ رہے ہیں ۔ چنانچہ شمس سراج عقیق نے لکھا ہے :

”از ہر دو جانب عترادہ و منجیق داشتہ ہا تیر و ناوک جنگ حصار پیش گزشتہ ۔“ (ص ۱۵۰ ، تاریخ فیروز شاہی)

حسن بھٹی :

مؤرخ فرشتہ نے سلطان علاء الدین حسن بھٹی کے فرزند کے بیاء کے ذکر میں لکھا ہے کہ گاہرگے میں کئی سوتھوں پر منجیقین قائم کر کے ان کے ذریعے سے مختلف میوے شہریوں پر بکھیرے گئے تھے ۔ چنانچہ اس کی عبارت ہے :

”اور حسن آباد گاہرگہ چند جا منجیقہا نصب کردند و انواع ثقلات و حبوبات کہ متعارف ہندوستان است پر آن گذاشتہ بر مردم شہر می پاشیدند ۔“ (ص ۷۸ ، جلد اول ، تاریخ فرشتہ ، طبع نولکشور)

شرح سکندر نامہ :

مولانا نظام الدین ، شاگرد و سرید شیخ ابان اللہ ہالی بی ، متوفی ۸۹۵ھ ،

اپنی شرح سکندر نامہ میں عترادہ وغیرہ کی شرح میں لکھتے ہیں :

(۱) ”عروس و عترادہ ، نوعی از منجیق اند ، چنانچہ در عرب خانہ“

پادشاہ اسلام شاہ انواع کہاں اند ۔ بعضی دہ سیری گولہ و بعضی

منی گولہ می اندازند ۔ آن چنان منجیق کم اند ۔ . .

(۲) ”خربستک ، سنگ بزرگ و مدور کہ در کہاں بزرگ رود و از منجیق

کلان اندازند ۔

(۳) ”در بلد ستارگانو خواجہ احمد رومی استاد کہاں ذوق کار گولہ پرکار

بود و کئی بلام شیر شاہ ساختہ ۔“

تعجب نہیں اگر یہ آخری بیان توپ کا ہو ۔

آشہازی

امیر خسرو :

ہندوستانی مصنفین میں امیر خسرو چلے شخص ہیں جن کے ہاں آشہازی کا ذکر آتا ہے ، اگرچہ آشہازی ان کے عہد سے قدیم ہے ۔ جس طرح ہمارے زمانے میں بارود ، جس کو قدیم زمانے میں دارو کہا جاتا تھا ، آشہازی کا جزو اعظم ہے ، بارود کی دریافت سے قبل نطفہ اس کی جگہ استعمال میں آ رہی تھی ، جو کہ خسرو کے ایک قصیدے کی تشبیہ ہے ، جو جلال الدین فیروز شاہ (۶۸۹ - ۷۱۵ھ) کی مدح میں ہے ، معلوم ہوتا ہے ۔ قصیدے کے اشعار یہ ہیں :

شبِ بارات ہری چہرہ یار نطفہ انداز

یہ نطفہ ہر نفسی کرد سوزش من ساز

ہر آہ در دل بودہ است نطفہ روشن کرد

یہ ہر ذمی کہ فرو خورد ازان لہر دمساز

ز آب زرو مژہ نطفہ او ہمی گشتم

دل آہ من آتشی ہمی گرنتہ است ہاز

ز آتشی کہ زد الدو وجود من کاغذ

ز سینہ آہ ہوائی یہ چرخ ولتہ فرار

وی او چہ چرب ہمن کرد چہر سوختم

چو بچ فرود ہمی خورد بقدرہ زان طنناز

بسا کہ گشت دلم چون نعلیہ گردان

بسوزد دل زان حریفہ آتشی ہاز

ازو بلند پر بلند لمپتان زان رو

کہ بافتند ز ہر تار سوزش رشتہ دراز

سرا ز سینہ همی رات جان و بس می دید
 کہ زہر پوست همی داد طبل او آواز
 نہ من یکی کہ بازی ہزار خانہ بہ سوخت
 ز شعلہ بازی آن کودکان فقط انداز
 شد از چراغ جہانی چو آتشین دریا
 دولہہ کشتی چوین درو شیب و فراز
 بساعت خلق بہر خانہ کشتی چو بیانت
 خبر ز دست چو دریای شاہ بندہ توار
 چراغ خانہ شامی جلال دلیا و دین
 کہ آفتاب فلک را ہنور اوست نیاز
 ستارہ کوکبہ فیروز شاہ کاغذ او
 بستر عجب شد از نور رای محرم راز
 امیر خسرو نے اپنے شہر آشوب میں ذیل کی دو رباعیاں "دو بہت آتش باز"
 لکھی ہیں :

آتش بازم کہ آتش است آب رخش
 سوز دل نظاری از تاب رخش
 از بس کہ رخ اوست فروزان چو ماہ
 شب روز شود ز نور مہتاب رخش
 ولہ

آتش بازم اگر بدانی این است
 کل ریز چار زندگانی این است
 کردہ است چو آسمان سرگردان
 ہل دار ہلای آسانی این است

ان اشعار میں بعض اقسام آتش بازی کے یہ نام ملتے ہیں : کشتی ؟ ، ہوائی ،
 فتنہ گردان ، لعبت ، چراغ ، مہتاب ، گریز اور آسانی ، جو سب کی سب نقطہ
 ہستی ہیں ۔ دارو (بارود) خسرو کے عہد میں ہندوستان میں رائج نہیں معلوم ہوتا ۔
 امیر بار بار الفاظ فقط اور لفظ انداز استعمال کر رہے ہیں ۔

شمس سراج عقیف :

آتش بازی کا ذکر شمس سراج عقیف کی "تاریخ فیروز شاہی" میں بھی آتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق (۵۵۲ھ - ۵۹۰ھ) شب برات کے موقع پر آتش بازی کا خاص طور پر اہتمام کرواتا تھا ۔ ہمارا مؤرخ لکھتا ہے :

"در پانزدہم شبہ ماہ شعبان خسرو جهان درون کوشک فیروز آباد ہوائی ہا کل ریز عنبر یز می باخت ۔ درین کار چون تابعداران اہل تبار کوشی می گشت ۔ چون شب برات نزدیک رسیدی شب سیزدہم و چہار دہم و پانزدہم بازہای بسیار موجود می گردانیدند و در کوشک نزول فیروز آباد برای رہا کردن بازی شب برات چہار انگ متعین می شد ۔"

(ص ۳۶۵)

تیر آتشیں :

ہم سراج طور پر نہیں کہہ سکتے کہ فیروز شاہ کے عہد میں بارود کا رواج ، آتش بازی میں ، ہو چلا تھا مگر بعض امور سے استدلال ہو سکتا ہے کہ اول تو اسی عہد میں ولہ اس کے عنقریب بعد بارود سے کام لیا جا رہا ہے ۔ شمس سراج عقیف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فیروز شاہ ، شکار سے فارغ ہو کر ، پرہ شکنی کا حکم دیتا ہے ، اس وقت پرہ کے وسط سے ایک تیر آتشیں بطور علامت اختتام شکار چھوڑا جاتا اور لقارے شہنائیاں وغیرہ بجائی جاتیں تاکہ پرہ کی فوج کو شکار کے ختم ہونے کی اطلاع مل جائے :

"چون خواستی کہ پرہ بشکند و دکار باقی ماندہ را بگیرند بر حکم فرمان شہنشاہ روی زمین بک تیر آتشیں دریاں پرہ می گزاشتند ، دھلپا یا شہنائیاں می نواختند ۔"

(ص ۳۲۵ ، تاریخ فیروز شاہی)

اب یہ تیر آتشیں کیا تھا ؟ آیا کوئی گولہ تھا یا ہوائی ؟ بقیر تفصیل معلوم ہوئے کچھ جیس کہنا چا سکتا ۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہ آتش بازی کی قسم کی کوئی چیز ہے جو غالباً رات کے وقت چھوڑی جاتی ہے اور آج کل میں چنچ کر روشن ہو جاتی ہے ۔ مولانا رکن الدین ، صاحب "طرفة الفتھا" کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ آتشیں تیر ، آلات جنگ سے ہے ۔ باب الجہاد میں انہوں نے مختلف

جہادوں کا ، جو جہاد میں استعمال ہوتے ہیں ، ذکر کیا ہے ۔ من جملہ اور اسلحہ کے تیر آتشیں اور تفک کا نام بھی لیا ہے ۔ چنانچہ :

تیر و زوین و گرز اندازند جانِ ناپاک شانِ ہدف سازند
منجنیق و عراده آرازند آتشیں تیر نیز ہکشایند
سنگ ها در فلاحن اندازند ہاکمند و تفک ہہ پردازند

(ص ۲۷۰ - ۷۱ء)

یہ آتشیں تیر ، جس کی مجاہدین کو ضرورت ہے ، یقیناً کوئی آلہ جنگ ہے ، جس طرح کہ تفک ہے ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ میدان جنگ میں اس چڑیاں مارنے والے آلے تفک سے ، جس کا ذکر گزشتہ سطور میں آچکا ہے ، کیا کام لیا جا سکتا ہے ۔ ان ہندوق کے معنی مناسب معلوم ہوتے ہیں ۔

اسی عہد میں داستانِ امیر حمزہ کی ایک جدید فارسی اشاعت ہندوستان میں تیار ہوئی ہے ۔ اس قالب میں کافی ہندی الفاظ اور محاورے آئے ہیں ؛ مثلاً تفک و جیل ، جوگ ، ڈھک ، چہر اور جنگ (جہاز) وغیرہ ۔ یہ کتاب غالباً ہنگامے میں لکھی گئی ہوگی ۔ اس کے بعض جملے ملاحظہ ہوں :

(۱) "ہس عمر تفک ہکشید و غلولہ در دھان انداخت و پرچشم سوار آن

چنان زد کہ یک چشم کور کرد ۔"

(۲) "آئش شیشہ و غلولہ" تفک ۔"

(۳) "دست در شیشہ" قلع انداخت ۔"

(۴) "و عمر شیشہ" لغت زدی ۔"

ان مثالوں میں تفک اور تفنگ پر ہندوق ہی کا گہان ہو سکتا ہے ۔

رعد الداز و تفک الگن :

جب امیر تیمور ہندوستان آتا ہے اور دہلی میں سلطان ناصر الدین محمود سے جنگ کرتا ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کے بادشاہ کی فوج میں ایسی جماعت موجود تھی جو آئش نشان آلات سے مسلح تھی اور ہاتھیوں کے برابر کھڑی تھی ۔ تیمور کا مؤرخ ، نظام الدین شامی ، اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :

"ہمد و یست زنجیر لیل جنگی چون دہلای جوشان و ابر خروشان آراستہ و

تختہا پر پشت پیلان پیراستہ و رعد اندازان و نقش انگنان در جنب صف
پیلان استادہ و بر ہر پہل چند تاوکہ انداز نشستہ۔“

(ص ۱۹۰ ، نظر نامہ)

اسی موقع کو شرف الدین یزدی اپنے ”نظر نامے“ میں یوں بیان کرتے ہیں :
”و عمدۃ المظاہر ایشان پیلان گروہ پیکر بود کہ چون دریای خروشنہ
از بادِ سیاست پیہوش آمدہ ہمہ را بسلاح و کجیم مرتقب داشتہ و بر
دندانہای ستون کردار شان و شہنای زہر دار استوار کردہ و بر پشت
پشتہ مثال ہر یک از چوب تختہای مہوط محکم ساختہ و بر ہر تختی ازان
چند تاوکہ انگن و چرخ انداز در مکن مکن کشیدہ نشستہ و نقش داران و رعد
اندازان در چہلوی صف پیلان آبادہ جدال و قتال استادہ۔“

(جلد دوم ، ص ۱۰۰)

یہ رعد انداز اور نقش انگن کون ہیں ؟ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ۔
ممکن ہے کہ ہاں یا جملہ ہیبتکشی والے ہوں یا بدعتیوں کی کوئی جماعت ہو ۔
وعدہ انداز اگرچہ بعد میں توپچیوں کے لیے استعمال ہوا ہے مگر اس وقت اس لفظ کو
یہ معنی نہیں پہناتے جا سکتے ، اگرچہ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ رعد انداز
کوئی ایسا گروہ ہے جو کسی ایسے آلے سے مسلح ہے جس کے ہیبتکشی سے آواز
پیدا ہوتی ہے ، جیسا کہ لفظ رعد سے گمان ہوتا ہے ۔ رعد اور نقش اس وقت ایسے
آلے نہیں معلوم ہوتے جو جنگوں میں فیصلہ کن ثابت ہوں ۔ ان کی حیثیت
زیادہ تر سماجی معلوم ہوتی ہے ۔ تیموری مؤرخین ان کو کھیلوں کے نام سے یاد
کرتے ہیں ۔

غولہ خوار :

آتش بازی کے سلسلے کی ایک اطلاع مولانا محمد بن قوام بن رستم المعروف
بہ کٹری کی ”ارہنگہ بحر الفضائل“ (تالیف سنہ ۸۳۷ھ) سے دی جاتی ہے ، جو لفظ
”غولہ خوار“ کی تشریح میں ملتا ہے :

”غولہ خوار ، سماجی آتش بازی کہ ہر اندازان میں سازندہ و ذر آب
گذازدند و در غولہ خوار دو دارو ہر می کشند ۔ یک دارو ہفت سوختن
بالا می آید و دیگر دارو ہفت سوختن غولہ می خورد ۔ و غولہ خوار

پازگی فی است مقدار هوائی فاما آن فی بغیر دم است دران فی دو دارو
 می اندازند - یک دارو هوائی و یک دارو دیگر نرم است - بوقت کھوتن یک
 تسو هوائی را دارو پر می کنند دیگر تسو نرم دارو کفنی می کنند - همین
 طریق هر دو دارو دران فی پر می کنند و درخواہد پلیٹہ می - سوزند - هر
 وقتی کہ دارو ازان هوائی می سوزد آنکہ غوطہ می خورد و هر وقتی کہ
 دارو نرم می سوزد آنکہ بالای آب می آید ، مثل و مانند تماشہ آب
 بازیگران کہ در آب می کنند ، همین طریق است - پیدا هم می شود و پنهان
 هم می شود - آن را نام غوطہ غوار گویند -“ (ص ۱۶۷)

برقندازان سے مراد جی آتش باڑ ہیں - 'دارو' بارود کے لیے استعمال ہوا ہے -
 یہ ایک صاف حوالہ ہے جس میں بارود کا ذکر آتا ہے -

کارخالہ آتش بازی دکن میں :

اگر مؤرخ فرشتہ کے بیان پر اعتبار کیا جائے تو ہمیں ملتا پڑے گا کہ توپ
 اور جندوق محمد شاہ بن علاء الدین چمن شاہ (سنہ ۷۵۹ھ - ۷۷۷ھ/سنہ ۱۳۵۸ -
 ۱۳۷۵ع) کے عہد میں ، دکن میں پہلی بار رائج ہوئی ہیں - چنانچہ لکھا ہے کہ
 جب شاہ مذکور ونام پٹن کی یورش سے واپس آ رہا تھا ، تنگی اس کے لشکر پر
 کوچ کے وقت قبر و قننگ کا مینہ برساتے ہوئے ، بلکہ خود محمد شاہ کا بازو گولی
 سے زخمی ہوا - اس کی سوسمندی دیکھ کر بادشاہ نے اپنی فوج میں کارخالہ
 آتش بازی کی ترویج کی اور روسیوں اور فرانکوں کو ملازمت میں رکھ کر ہتھوڑیاں
 کو السر مقرر کیا اور بڑا توپ خانہ مرتب کیا - فرشتہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :
 ”سلطان محمد شاہ یہ صلاح خان محمد عمل کردہ پیرامون اسطیر قلعہ لہ
 گردید و فرامین مطاعہ بجمع قلاع و محاذک محروسہ مرسول داشتہ توپ و
 ضرب زن بسیار طلب کردہ و کارخالہ آتش باڑی را ، کہ پیش ازان در
 دکن میان مسلمانان شائع نبود ، محل اعتقاد ساختہ مرکزی آن را بہ
 مقرب خان ولد صفدر خان سیستانی ، کہ از امرای معتد بود ، رجوع فرمود
 و جمیع روسایان و فرنگیان ، کہ ملازم آن سوکب منصور بودند ، تابع
 مقرب خان شدہ توپ خانہ بزرگ ترتیب یافت -“

(ص ۳۹۰ ، جلد اول ، فرشتہ ، نول کشور)

ہمارے نزدیک آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں روسیوں اور فرنگیوں کی ہندوستان میں آمد ناقابلِ قبول ہے۔ فرنگیوں میں سب سے پہلی قوم، جو ہندوستان میں آئی ہے، برنگالی ہیں، جو دسویں صدی ہجری کے آغاز میں آئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر فرشتہ کو سہو ہو گیا ہے۔ پہنچوں میں اسی ہجہ شاہ کے جانشینوں میں ایک اور ہجہ شاہ (سنہ ۸۶۸ - ۸۸۷/سنہ ۱۴۶۳ - ۱۴۸۲ء) ہے۔ یہ ظاہر حالات یہ زمانہ ہندوستان میں توپ و بتوق کے رواج کے واسطے سوزوں معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ فرشتہ کو ان دونوں سلاطین میں التباس پیدا ہو گیا ہو کیونکہ کشمیر میں بتوق کی اشاعت کے متعلق مورخ مذکور سلطان ژبن العابدین (سنہ ۸۲۶ - ۸۷۷ء) کا نام لیتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے :

کشمیر میں 'جب' آتش باز :

”در عصر سلطان، 'جب' نام آتش بازی پیدا شد کہ چشم روزگار پیش ازان ندیدہ بود و او در فن آتش بازی اختراعات کردہ کہ مردم حیران ماندند و در کشمیر تفنگ او پیدا کرد و داروہا ساخت و ہنرہا نمود و مردم را تعلیم داد۔“ (ص ۳۳۳، جلد دوم)

جب نویں صدی ہجری میں بتوق کی اشاعت کشمیر میں ہوتی ہے تو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے کے قریب ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی اس کا رواج ہوا ہوگا۔ اگر دکن میں نوپ آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں آچکی ہے تو کیا وجہ ہے کہ دہلی، مالوے اور گجرات وغیرہ کی تاریخوں میں اس کا مذکور نہیں آتا، اور نہ جنگوں اور نہ فتحوں کے محاصروں میں مؤرخین اس سے کام لیے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔

گجرات :

تاریخ گجرات کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گجرات میں توپ و تفنگ کا رواج نویں صدی ہجری کے چلنے ربع میں ہو رہا ہے۔ ”سمرات سکندری“ کے بیان کے مطابق جب سلطان احمد شاہ ۸۱۶ھ میں شہر احمد آباد، آباد کرتا ہے، اسی سال بعض مخالف امرا مثل مؤید الدین و بدر علا و سنی خان

و رن مل راجہ اہلر دوبارہ ہفاوت کرتے ہیں اور قصہ سوراسہ کے قلعے کے استحکام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ سکندر بن منجھر کے الفاظ ہیں :

”اہلر علا و مؤید الدین و سستی غاں و رن مل راجہ اہلر جمعیت نمودہ
از اہلر کہ بہ پنج کردہی قصہ سوراسہ واقع است ، نزول نمودند و در
استحکام قلعه سوراسہ مشغول شدند و غندق عقیق گرد قلعه کشیدند و
بارہ را توپ و تفنگ تعبہ کردند۔“

(ص ۲۸ ، مرآت سکندری ، طبع فتح الکرم ، بمبئی ، ۱۳۰۸ ع)

یہ پہلا موقع ہے کہ گجرات کی تاریخ میں توپ و تفنگ کا ذکر آتا ہے مگر
حیرت ہے کہ مورخ مذکور گجرات میں ان آلات کی ترویج کے متعلق ایک حرف
بھی نہیں کہتا ۔

اسی تاریخ میں ایک اور موقع پر ، جب سلطان علاء الدین محمود خلجی والہ
مالوہ ، ۸۵۵ھ میں گجرات پر لشکر کشی کرتا ہے اور سلطان ہور کا محاصرہ کرتا
ہے ، توپ و تفنگ کا پھر ذکر ملتا ہے ۔ چنانچہ :

”چون بہ لاجہ سلطان ہور رسید ، ملک علاء الدین بن سہراب ، کہ از
طرف سلطان قطب الدین حاکم آن جا بود ، دروازہ قلعه را بر روی او
بستہ ، بہ جنگ توپ و تفنگ پیش آمد و تاہفت روز محاصرہ کشید۔“
(ص ۵۱)

لودھیوں کا زمانہ :

احمد یادگار کی تاریخ سے یہ اطلاع ہم کو ملتی ہے کہ لودھیوں کے زمانے
میں یہ آلات استعمال میں آ رہے تھے ۔ سلطان بہاول لودھی نے ۸۵۵ھ میں دہلی
پر قبضہ کیا ۔ اس کے دوسرے سال یعنی ۸۵۶ھ میں سلطان محمود شرقی جون پوری
نے دہلی کا محاصرہ کیا ۔ بہاول پنجاب میں تھا ، بروقت نہ آ سکا ۔ محاصرین نے
قلعے میں اس قدر چھپائے آتشیں ہتھیار کہ اہلر قلعه کے لیے اٹھنے گھبروں کے
صحن میں چلتا پھرتا دشوار ہو گیا ۔ بہارا مورخ لکھتا ہے :

”و مردم قلعه کار از دست رفتہ دیدند و لشکر ثبات (ساہاٹ) و گرگج
برآوردہ حقہای آتش بازی چنان در قلعه می انداختند کہ مردم درون

را ہارای آن نبوده کہ در صحن خانہ بگرداند۔“

(ص ۱۱ ، تاریخ شاہی ، ”مرتبہ“ حافظ ہدایت حسین ، ۱۹۳۶ء)

جب چلول کی فوجیں احمد خان بھٹی ، والد سندھ کی فوج سے ، جس کا السر نورنگ خان تھا ، مشغول ہو گئیں ، اسی تاریخ میں نورنگ کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے :

”اکثری از سپاہ سلطانی از لیغ نورنگ خان دو نیم شہ از اسب افتادند

ناکہ گولہ زہورک برو خورد و نورنگ خان را نیز دو نیم نمود۔“

(ص ۲۱)

ابراہیم لودھی اپنے باپ کے امرا کے قتل کے لیے ایک مکان تیار کراتا ہے ، جس کے قتل خانے میں خفیہ طور پر ہارود سے بھرے تھیلے رکھوا دیے گئے تھے۔ ان تھیلوں کے متعلق احمد یادگار لکھتا ہے :

”ہمکنہ“ بعض حساد بھیت او و بعضی امرای دیگر ایوان ساختہ و در

زیر او تہ خانہ نمودہ۔ بعد دو ماہ کہ تہ خانہ خشک شدہ بہان

بد خریطہای دارو پر ساختہ۔ بعد از آن بہان ”جہنہ و چندی امرای دیگر

کہ بدیع آن حملہ ساختہ بود از قید خلاصی نمود۔“ (ص ۵۷ ، ایضاً)

اسی ابراہیم کے عہد کا ایک اور واقعہ ہے ، جس میں بالٹی امرا کی فوج کا ہاتھی ، ہندوک کی گول سے زخمی ہو کر اپنی فوج کو روندنے لگتا ہے۔ اس موقع پر مصنف لکھتا ہے :

”ناکہ ہلی جنگ آور کہ بروی اسلام خان بودہ لنگی از طرف سپاہ

سلطان بر پیشانی نمودہ برگشتہ بر فوج خود افتاد۔ باعث قتل سپاہ

غالفان گردید۔“ (ص ۷۷ ، تاریخ شاہی)

بعض برنگالیوں کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ ان کی آمد کے وقت ہندوستان

کے سواحلی علاقوں میں توپ و ہندوک کا استعمال عام تھا۔ دسویں صدی ہجری

میں توپ خانہ ، جنگوں کے اصفیے کے واسطے ، ایک فیملہ کن وسیلہ بن چکا تھا۔

باہر کا توپ خانہ :

یہ توپ خانہ تھا جس کی مدد سے سلطان عالم نے اسماعیل صفوی کو ہزیمت

دی اور اسماعیل صلی نے شہابی خان کو بہاد کیا ۔ ان واقعات نے باہر بادشاہ کو توپ خانے کی سودمندگی کا بڑا معتقد بنا دیا تھا ۔ چنانچہ ہانی ہت کے میدان میں ابراہیم لودھی سے جنگ کے واسطے وہ ایک زبردست توپ خانہ لایا تھا ۔ توپوں کی تعداد آٹھ سات سو تھیں ۔ توپ خانے کا افسر استاد علی قلی تھا ، جس کو حکم ملا کہ اراہوں یعنی توپ کے ریکاروں کو ، روم کے دستور کے مطابق ، گانے کے چمڑے کے رستوں سے ، زنجیر کے بجائے ، بالندہ دے اور دو دو توپوں کے درمیان چھ سات توپوں کی جگہ چھوڑ دے تاکہ لڑائی کے وقت ہندو تہی ان کی آڑ میں قنک اندازی کر سکیں ۔ ابراہیم کے مقابلے میں باہر کی فوج نصف تھی نہ تھی مگر توپ خانے نے اس کو صریح تفوق دے دیا تھا اور اسی کا اثر تھا کہ جس مقام پر ابراہیم مارا گیا تھا ، وہاں باج چھ ہزار ہتھانوں کی لاشیں پائی گئیں ۔ ہانی ہت کی جنگ کی تاریخ اسی عہد کے کسی ہندی شاعر نے یوں دی ہے :

لو سے اوپر بڑھا ہتیا ہانی ہتہ منہ بہار تہ ویتا
چوالہی وجہ شکر وارا باہر جتسا ابراہیم ہارا

شیر شاہ کی ہلاکت :

سنہ ۱۵۵۲ء میں قلعہ کاندھار کے محاصرے کے وقت ، حقانے آتش بازی میں آگ لگ جانے سے ، شیر شاہ بادشاہ کی ہلاکت واقع ہوتی ہے ، جس کی تفصیل احمد یادگار نے بالفاظ ذیل دی ہے :

"شیر شاہ وقتہ در نواحی قلعہ فرود آمد و قلعہ را محاصرہ نمود و مورچہاں پر امرا تسمت کرد و مرادہ و منجیق درکار آمد ۔ در ساعتی ثبات و ہستہ گر گنج تاکید نمود و لشکر از ہر طرف چون مار حلقہ ہستہ در سامان جنگ شد ۔ روسی خان بہ سرنگ موجود ساختہ و بفریبہای دارو پر کرد ۔ ۔ ۔ ۔ کار نزدیک رسیدہ کہ قلعہ مفتوح شود ، بہ تقدیر اللہ تعالیٰ قصہ عجب العجائب و حادثہ غریب الغرائب بظہور آمد ۔ و آن چنان بودہ کہ جلال خان جلو ثبات بلند ساختہ توپ آن چاہادہ و کار پر مردم قلعہ چنان لنگ ساختہ کہ کسی را یارای آن نہادہ کہ در صحن خانہ بگردد ۔ چون ہشاہ عالم غیر رسید کہ جلالی خان چنان تردد بمودہ کہ از طرف او

قلعہ یافتہ بادشاہ اُن جا آمد و چلال خان را محسین نمود۔ جای کہ بادشاہ و شیخ عبدالجلیل و احمد خان بی ایستادہ بردند حقبا را آتش داندہ درون قلعہ می انداختند۔ ناگاہ قلعہ بدیوار غور و شکست و دوسیان حقبا افتاد۔ آتش در گرفت۔ بادشاہ و این ہر دو کہ ایستادہ بودند، نیم سوختہ گشتند۔ بادشاہ را در ہالکی انداختہ در خرکہ آوردند، در غم جفراٹ نشانند۔“

اکبر کا ٹوپ خالہ :

ایرانفضل ٹوپ خانے کو قتل و کلابد سلطنت کہتا ہے اور سچ بھی ہیں ہے۔ اکبر نے آتش خانے کے معاملے میں خاصی دلچسپی لی ہے اور ٹوپوں کا جس قدر ذخیرہ اس کے ہاں جمع ہوا تھا، سلطنت عثمانیہ کے سوا اور کبھی نہیں سنا گیا۔ بعض ٹوپیں اکبر کے ہاں اس قدر بڑی تھیں کہ ان سے بارہ بارہ من کا گولہ پھینکا جاتا تھا۔ ان ٹوپوں کے کھینچنے کے واسطے کئی کئی ہزار بیل اور متعدد ہاتھی درکار تھے۔ ٹوپ خانے کا انتظام عہد اکبری میں نہایت معقول بیانے ہر تھا۔ سینکڑوں آفسر اس کارخانے میں مامور تھے۔ بعض ٹوپیں خود اکبر کی ایجاد تھیں۔ ان میں یہ وصف تھا کہ سفر کے وقت ان کے پرزے علیحدہ علیحدہ کر دیے جاتے تھے اور ضرورت کے وقت آسانی سے جوڑ دیے جاتے تھے۔ اس کی ایک ایجاد یہ تھی کہ سترہ ٹوپیں صرف ایک فیتلے سے سر ہو سکتی تھیں۔ گجنال بھی اکبر کی اختراع ہے جسے ایک ہاتھی لے جا سکتا تھا۔ لرنال بھی اکبری مستحدثات سے ہے جسے ایک آدمی لے جا سکتا تھا۔ اس دور اندیش بادشاہ نے ٹوپوں کا بڑا ذخیرہ ہر ہر صوبے میں جمع کروا دیا تھا۔

ہندوق کی تیاری کا طریقہ :

برائے زمانے میں ہندوق کی نال میں لوہے کے چار قطعے درکار تھے۔ بعض اوقات لوہے کی لمبی چادر کو لے کر گول کر کے اس کے دونوں لبوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جاتا تھا۔ مگر ایسی ہندوقیں خوفناک نہیں۔ چلانے وقت اکثر پھٹ جاتیں۔ اکبر نے اس غامی کو یوں رفع کیا کہ لوہے کی چادر لے کر اس کے لبوں کو کاغذ کی طرح ایک دوسرے ہر چسپاں کرا دیا اور پھر انہیں آپس

میں جوڑ لیا۔ بتدوق کی نال بالشت سے لیے کر دو گز تک لمبی ہوتی تھی۔ سوا گز لمبی نال والی بتدوق 'دشانک' کہلاتی تھی۔ اس کی کولہی کی وضع بھی اور بتدوقوں سے مختلف تھی۔ بعض ایسی بھی تھیں جو صرف کھولنے کی حرکت سے اٹھنے کے بلبر آگ لے لیتیں۔ بعض بتدوقوں کی گولیاں تیر نما ہوتی تھیں۔ اکبر کے زمانے میں استاد حسین بتدوق ساز اپنے فن میں کامل مانا گیا تھا۔ نال کے واسطے لوہا تیار ہونے پر اپنے اصلی وزن کا نصف رہ جاتا تھا۔ اس پر اصلی وزن اور نقصان شدہ وزن کی اصلی تعداد الگ الگ لکھ دی جاتی۔ لوہے کے اس پارچے کو اصطلاح میں 'لول' کہا جاتا تھا۔ شاہی ملاحظے کے لیے 'لول' محل سرا میں بھیج دیا جاتا تھا۔ پھر حسب الحکم اس میں بڑا یا چھوٹا سوراخ بنایا جاتا۔ گولی کے وزن کے لحاظ سے سوراخ تیار کیا جاتا۔ بڑی گولی کا وزن پچیس ٹانک اور چھوٹی گولی کا پندرہ ٹانک ہوتا تھا۔ پچیس ٹانک کی گولی چلانے کے عام لوگ عادی نہیں تھے۔ صرف بادشاہ چلا سکتے تھے۔ جب نال میں سوراخ ہو گیا، شاہی ملاحظے کے لیے دوبارہ حرم سرا میں بھیجی گئی۔ اس کے بعد اُسے کندے پر چڑھایا گیا اور نال میں تھپی حمیے تک بارود بھر کر کئی مرتبہ اس کو چلایا گیا۔ اگر آزمائش میں قابل اطمینان نکلی تو بادشاہ کے معائنے کے واسطے بھیج دی گئی۔ واپس پر اس کا دھالہ تیار ہوا۔ پھر یہ امتحان کیا گیا کہ گولی سدھن لگتی ہے یا نہیں۔ اگر گولی نشانے پر نہیں لگتی تو گرم کر کے نال کو خاص شکجے میں رکھ کر سدھا کیا جانے کا۔ اس کے بعد نقش و نگار بنانے کے واسطے سوہان گر کے پاس جانے کی۔ کندے کی لکڑی بادشاہ خود پسند فرماتے۔ اس وقت نال پر سے وزن کے ہندسے مٹا دیے جاتے۔ ان کے بجائے کاریگر کا نام، مقام، تاریخ، مہینہ اور سال کندہ کر دیا جاتا۔ اب گز اور گھوڑا تیار ہوا۔ یہ بتدوق سادہ کہلاتی۔ بادشاہ امتحاناً چار گولیاں اس سے چلاتے۔ جب مذکورہ بالا مراقب طے کرنے کے بعد، دس رنگین بتدوقیں تیار ہو جاتیں، تب طلاق کوٹ کا کلم کرتے کے بعد شاہی چیلے کے سپرد ہو جاتیں۔

اکبری دور سے پیشتر بتدوق کے صیقل کے متعدد اوزاروں اور آدمیوں کی ضرورت پڑتی تھی، مگر بادشاہ نے ایسا چرخ ایجاد کیا تھا جسے 'دولاب غالمہ' کہتے تھے۔ یہ ایک ہیل سے چلتا اور بہت کم وقفے میں سولہ بتدوقیں بڑی آسانی سے صیقل ہو جاتیں۔

اکبر نے سپہنوں ، ہنوتوں اور دنوں کے لیے الگ الگ ہندوقیں رکھ چھوڑی تھیں اور جس ہندوق سے جو شکار اس نے مارا ، اس کی تفصیل مع تاریخ ، میر شکار لکھ لیا کرتا ۔ چنانچہ ایک خاصہ ہندوق ’سنگ رام‘ نامی ہے ، جو ماہ نروزی یا مارچ سے منسوب تھی ، اکبر نے گیارہ سو جانور شکار کیے تھے ۔

جہاں الدین برناوی اور ہندوق سے شکار :

اگرچہ اکبر کے ہاں ہندوقوں کی تیاری بڑے اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہے لیکن اطراف ہند میں ان کا رواج اور قبول عام اکبر سے بعد کی باتیں ہیں ۔ غنوم علاء الدین ، صاحب کتاب ”چشمہ ہشتہ“ غنوم جہاں الدین برناوی متوفی سنہ ۸۰۳ھ کے ذکر میں صاف تصریح کرتے ہیں کہ برناوہ ضلع منظر نگر اور اس کی لواح میں غنوم جہاں الدین چلے شخص ہیں جو شکار میں ہندوق کا استعمال کرتے ہیں ۔ بلکہ ان کے شکار کا ایک قصہ بھی لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں عوام الناس ہندوق کی آواز سے ناواقف تھے ۔ اگر کہیں سن لیتے ، نہایت خائف ہوتے ۔ لکھنے میں شیخ ایک دن شکار کو گئے ۔ کچھ کسان جنگل میں گھاس کاٹ رہے تھے ۔ غنوم نے ہندوق چلائی ۔ گولی قریب سے جو نکلی ، وہ دہل گئے اور سمجھے کہ کوئی شے ان کے جسم کے پار نکل گئی ہے ۔ فوراً زمین پر دواڑ ہو گئے اور سمجھ لیا کہ مر گئے ۔ غنوم ان کے پاس گئے اور ان کی تسلی کی ۔ مصنف کی اصل عبارت یہ ہے :

”و آن یزرگوار در استعمال ابن نوع شکار (اکبر سے شکار کی طرف اشارہ ہے) ملحق مدید اشتغال داشت ۔ بعد ازان بہ طرز دیگر عزم بر گماشت کہ آن ہنگ بہ شکار تفنگ آہنگ ہی درنگ نمود و در اندک فرصت درین شیوہ چنان بلاغت حاصل فرمود کہ بدن مد کمتر کسی را ابواب رسیدگی کشود ۔ و گویند کہ در آن زمان غیر ابن دودمان درین دیار ازیں قسم شکار هیچ کس مطلع نبود بلکہ نام تفنگ ہم نداشتندی و اگر اتفاقاً آواز تفنگ در گوش اہل ازیں نوالی افتادی ، ترسیدی و لرزیدی و اتان و خیزان راہ فرار پیش گرفتی ۔“

منقول است کہ روزی چند روستائی ہی الشیاء گیاه می تراشیدند ۔ ناگاہ آوازا

خارجیدنِ ہندوق در صندوقِ مسامعِ آن یابانان رسید۔ بمقتود شہیدنِ صوتِ آوازِ موتِ وحشتی و مہیتی در دلہای خوف و رعبی در جانہای آنہای چنان غالب و مستولی شد کہ بر غورِ رویِ زمینِ جایا افتادند۔ ہر جایی غلبیدنِ گرفتند و لرزہ در اندامِ ہر یکی پدید آمد و ساعتی ہی خود و ہی ہوش ماندند۔ بعد از رقالتِ بازِ نالہ و زاری آغازِ نہادند۔ پس آن عیادِ این ہمہی بمحاشای احوالِ آنہا از بعدِ دیدہ ترسب رسیدند و پرنیدند کہ ای پلرانِ این چہ حالتِ است و کدامِ درد و پیرویِ سختِ پیشِ آمدہ است کہ چنین ہی لرزایِ رویِ دادہ است۔ آن دھاقین از رویِ بقیہِ جوابِ دادند کہ چہ می پرسید از حیاتِ نویدِ شدیم و در فُسرۃِ مردگانِ داخلِ شدہ افتادہ ایم۔ باز استفسارِ کردند کہ باریِ حقیقتِ این مرضِ ظاہرِ کنید و روشنِ بگوئید تا علاجی و تدبیریِ کردہ شود۔ ہر ہمہ گفتند کہ ناگاہِ بلایِ عظیم و ابتلائیِ فہیمِ بر سرِ ما نازل شد۔ نمی دانیم کہ از رعدِ بشکست و یا صاعقہ و آتشِ بارہ از فلکِ افتادہ و در شکمِ ما آمد گزارا شد و از جانیِ دیگرِ بدر رفت، مہروحِ افتادیم۔ پس آن (حضرتِ غنبدیہ گفتند کہ جراحاتِ در بدنِ شما کجا است بنائید تا مرہمِ و دارویِ صحتِ نمودہ آید چون در اعضایِ آن خائفانِ لیکوِ تنخصِ کردند، هیچ نیافتند۔ این حکایتِ ازانِ ہنکامِ مثلِ مالہ۔“

مصنفِ مذکورِ اپنے عہد (سنہ ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶) کے دہائیوں کی باخبری کا اکبر کے عہد سے مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

”ان زمانِ گنوارانِ چنین نادان و ترسناکان بودند۔ اسروژ اہلِ بوادی در ہر وادیِ حکمِ انداز و برقِ اندازِ چالہاز و لغہ برداز با سرود و سور در دھقان و تربات پیدا آمدند و اسپِ ہرأ والدہ اند۔“ (ص ۳۱۷)



ج — بصره

جیمز ٹاڈ

’راما‘ کو علمی دنیا میں روشناس کرنے کا سہرا جیمز ٹاڈ کے سر پر ہے جو گزشتہ صدی کے چلنے والے راج میں مغربی راجپوتانے کی ریاستوں کا پولیشنگ ایجنٹ تھا۔ یہ ٹاڈ ہی تھا جس نے ان ریاستوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان عہد نامے مرتب کیے۔ راجپوتانے کے قیام کے زمانے میں اس نے راجپوت حکمران خاندانوں اور ان کی قدیم تاریخوں میں گہری دلچسپی لی اور ہر قسم کا تاریخی سرمایہ اسناد و نوامین و کتب، ہاتھوں، برہمنوں اور جیشوں کے منظوم و غیر منظوم رسائل، لائبریری، پتھر اور سنگی کتبوں کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کر کے اس کی بنیاد پر ۱۸۲۹ء میں ”تاریخ و حقیقات راجستھان“ ۴ دو ضخیم جلدوں میں شائع کی۔ یہ کتاب اب تک معیاری ہائے کی تالیف سمجھی جاتی ہے اور انگلستان و ہندوستان میں کئی بار چھپ چکی ہے۔ ٹاڈ کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ جہاں اس نے مسلمانوں کے ساتھ ملازمہ دشمنی کا اظہار کیا ہے، وہاں غوثیہ کی حد تک راجپوتوں کی طرف داری کی ہے، بلکہ راجپوت رؤسا کی یہ بے جا حمایت ہی تھی جس کی بنا پر گورنمنٹ اس کو بے اعتدالی کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔ چنانچہ اس کے اختیارات میں کمی کر دی گئی اور دوسرے سروں کو اس کا شریک بنا دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے تنگ آ کر اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ ٹاڈ نے اپنی تاریخ میں، راجپوتوں کی مداحی کے جوش میں، مغربی اصول تحقیقات کو بالائے طاق رکھ کر، ہر قسم کے معتبر و غیر معتبر ذرائع سے کام لیا ہے، خصوصاً ہندی ادب کی اس شاخ سے جو ہاتھوں کے دماغ و قلم کی یادگار اور تاریخی نقطہ نظر سے ناکارہ محض ہے۔ مگر وہ اس معاملہ کو مادی تاریخ کے سلسلے میں نہایت بیش قیمت اور قابل قدر خیال کرتا ہے۔ چونکہ ان تالیفات میں سوائے

James Tod. - ۱

Annals and Antiquities of Rajasthan. - ۲

جنگوں اور قتل و غارت کے منصوبوں کے اور کچھ نہیں ہوتا ، اس لیے اس قسم کے اعتراض کے جواب میں یہ صفائی پیش کرتا ہے کہ :

”ہم چھریز ایک جنگ ’جو قوم کے لیے لکھی جاتی تھیں ، اسی لیے ان کے مصنف ملکی معاملات اور زمانہ‘ امن کے مشغلوں اور دھندوں کی طرف التفات نہیں کرتے ۔ صرف عشق اور جنگ ان کا دل پسند موضوع ہے ۔ البتہ چند جو ہندوستان کے چوٹی کے بھائیوں میں سب سے مقسم ہے ، اپنے دیباچے میں کہتا ہے کہ میں نظام سلطنت کے قوانین ، صرف و نحو اور انشا پردازی کے قواعد اور ملکی سیاسیات کی خاموشی و داخلی حکمتِ عملی کی تعلیم دوں گا ۔ چنانچہ اس نے اپنی تصنیف کی مختلف داستانوں میں موقع بہ موقع ان عنوانوں پر دفتر بند و سوغلت کھولا ہے “ ۔ آگے چل کر ہمارا مصنف اضافہ کرتا ہے کہ : ”اگرچہ ان بھائیوں کے کارناموں میں بعض خامیاں ہیں ، تاہم ان میں سے ہمیں واقعات و کوائف ، مذہبی آرا اور رسم و رواج کی خصوصیات کے متعلق بڑی قیمتی اطلاع دستیاب ہوتی ہے ۔ اور چونکہ یہ اسرارِ بلاورادہ زبانِ فلم سے روشنی پاتے ہیں اس لیے ان کو ایسی تاریخی شہادت تسلیم کیا جاسکتا ہے ، جو ہر قسم کے شبہ سے بری ہے ۔ برہمنی راج کی رزمیہ تاریخ میں چند نے اپنے آقا کی معرکہ آرائیوں کے بیانات میں اکثر جغرافیائی اور تاریخی تفصیلات دی ہیں ، جن کا وہ عینی شاہد ہے ، کیونکہ وہ اس کا دائمی رفیق تھا ، اس کی شہرت کا نقیب تھا ، اس کا رفیق تھا ، بلکہ بے عزتی کی موت سے محفوظ رکھنے کی خاطر اس کی موت کی سازش میں شریک ہونے کا ناشاد فرض بھی اس کو ادا کرنا پڑا ۔“

بھائیوں کے منظوم کارناموں کے متعلق اس لڑات متفائدہ رائے کے ساتھ ٹاڈ اپنی تاریخ شروع کرتا ہے اور خاصہ سے لے کر خاتمے تک ان سے استفادے کا کوئی موقع فروگزاشت نہیں کرتا ۔ اس غلط روی نے اس کی تالیف کو تاریخ کی بجائے افسانہ بنا دیا لیکن مصنف کو اس امر کا احساس تک نہیں ہوا ۔ مذکورہ بالا اقتباس میں نے اس کے دیباچے سے دیے ہیں ۔ ’راما‘ کے متعلق اس کی تفصیلی رائے ذیل میں عرض ہے ، اسے بھی دیکھ لیجیے :

”چند کی تالیف اس عہد کی عسوسی تاریخ ہے ، جس میں مصنف ہو

گزرا ہے ۔ ان ایک کم ستر کتابوں سے ، جو ایک لاکھ چوبیسوں پر شامل ہیں اور برتھی راج کے کارناموں کی المیہ خواہ ہیں ، راجپوتانے کا ہر عالی مرتبہ خاندان کچھ نہ کچھ اپنے اسلاف کی تاریخ معلوم کر سکتا ہے ۔ اسی لیے ہر ایسا قبیلہ ، جو راجپوت کہلانے جانے کا مستحق ہے ، اس تصنیف کو اپنی قابل قدر خاندانی یادگاروں میں شمار کرتا ہے ۔ اس کے ذریعے سے اسے اپنے قدیم نبرد آزما ہرکھوں کا سراغ ملتا ہے جنہوں نے کرمان کی گھاٹیوں میں دربانے خون میں شنوری کی ، جب جنگ کے بادل کوہ ہماچل سے اٹھ کر ہندوستان کے وسیع میدانوں پر چھا گئے تھے ۔ برتھی راج کے سرکوں ، اس کی شادیوں اور اس کے بے شمار طاقت ور باج گزاروں ، ان کی واجدعالیوں اور نسب ناموں کا ذکر چند کی تالیف کو ، یہ حیثیت لازمی و جغرافیائی دستاویز ، نہایت قیمتی اور بیش بہا دستاویز بنا دیتا ہے ۔ اس کے علاوہ اساطیری روایات اور ملکی رسم و رواج کا قابل قدر سرمایہ بھی اس میں شامل ہے ۔ اس شاعر کا گہرا مطالعہ عزت و حرمت کی منازل کی طرف ہواوی رہبری کرتا ہے ۔ "راسا" کے معاملے میں پرانم بھاٹ بھی میرے گرو کی نصیحت علی کے قابل تھے ۔ جیسے جیسے وہ میرے سامنے پڑھتا جاتا ، میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرتا جاتا ۔ اس طرح تیس ہزار چھندوں کا ترجمہ تیار ہو گیا ۔ جس زبان میں یہ کتاب لکھی گئی ہے ، اس سے واقفیت کی بنا پر بعض اوقات میں نے ایسا خیال کیا ہے کہ میں نے شاعر کی اصلی روح کو پا لیا ہے ۔ لیکن میری جسارت ہوگی اگر یہ کہوں کہ میں اس کی روانی اور آب داری اخذ کرنے یا اس کی تلمیحات کو پورے طور پر فہم کرنے میں کامیاب ہوا ہوں ۔ البتہ میں اس امر سے واقف تھا کہ شاعر کن لوگوں کے واسطے لکھ رہا ہے ۔ اس کے مشہور عالم تصنیفات اور جذبات روزانہ ان لوگوں کے منہ سے میرے سامنے لوازم ہوتے تھے جو ان ہی بہادروں کے خلاف تھے جن کے کارناموں کا اس نے اپنی تالیف میں نقشہ کھینچا ہے ۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں فنونِ شعر کا ایک ماہر ، شاعر کے مطالب سمجھنے میں ناکام رہتا ، وہاں میں اپنے نثری

ترجمے میں کلاب ثابت ہوا ہوں۔“ (جلد اول، ص ۲۹۸-۲۹۷)
مراتبہ ولیم کروک، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، سنہ ۱۹۳۰ء)۔

حیرت ہے کہ مغربی دہستان کا یہ تہریت یافتہ فاضل اصل کو نقل سے اور راست کو باطل سے تمیز نہیں کر سکا، ورنہ بھانوں کی روایات کی بے حقیقی اور معمولیت کو بے لقاب کرنا کوئی ایسا دشوار مسئلہ نہیں تھا جس کے لیے بڑی دماغ سوزی کی ضرورت محسوس ہو۔ ان قطعیتات میں کافی سے زیادہ قرائن موجود ہیں جن میں سے کسی ایک کا تتبع ان کی لغویت کی حقیقت واضح کر سکتا ہے مگر جیمز ٹاڈ دانستہ ان سے انکاری کرنا ہے۔ میں بعض ایسے امور پر درج کرتا ہوں :
۱۔ کھومان رائیسا کے حوالے سے ٹاڈ لکھتا ہے کہ ”کالہریج کے بعد کھومان (سنہ ۸۱۲ - ۸۳۶ء) میواڑ کی گدی پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں چتوڑ پر مسلمان حملہ آور ہوئے۔ کھومان نے کلابی کے ساتھ اپنے ملک کی حفاظت کی، ان وحشیوں کو شکست دی، ان کا تعاقب کیا اور ان کے سردار محمود کو گرفتار کر لیا۔“ (ص ۲۸۲ و ۲۸۳)

چونکہ یہ محمود، مشہور فاتح محمود غزنوی سے دو صدی الگ ہے اور اسلامی تاریخ میں اس کا کہیں ذکر نہیں آتا، ٹاڈ نے اس کو رکھ دھندے کا اس طرح حل کیا کہ کھومان مذکور خلیفہ الامون (سنہ ۸۱۳ - ۸۳۳ء) کا معاصر ہے۔ امامون کے باپ، مشہور ہارون الرشید نے اپنے دونوں فرزندوں اسین اور سامون میں سلطنت تقسیم کر دی تھی۔ مشرقی حصہ یعنی خراسان، زابلستان، کابلستان، سندھ اور ہندوستان سامون کے حصے میں آیا تھا۔ مذکورہ بالا رائیسا چتوڑ کے حملہ آور کا آنا زابلستان سے بیان کرتا ہے جس کو ”محمود خراسان پت“ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ لہذا اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ کلاب نے اس موقع پر غلطی سے سامون کے نام کی جگہ محمود کا نام لکھ دیا۔ (ص ۲۸۶)

گویا ٹاڈ صاحب کی تحقیقات عالیہ کی رو سے، خلیفہ امامون، ہندوستان آکر چتوڑ پر حملہ کرتا ہے اور تہر کر لیا جاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں بتاتا کہ آخر کھومان کے اس قیدی کا اقام کیا ہوا ؟

یہ قصہ اگرچہ اغتراج محض ہے اور اس سے زیادہ اس پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں، مگر ہم اپنے قارئین کی رہنمائی کے لیے اتنا اشارہ کر دیتے ہیں کہ وہ صدائے بازگشت ہے ان واقعات کی جو رانا سالکا اور سلطان محمود خلجی

(سنہ ۹۱۶-۹۳۷/۱۵۱۰-۱۵۳۰ع) والی مالوہ کے درمیان روکھا ہوئے ہیں۔ قصہ یوں ہے کہ سلطان محمود، جو سلاطین مالوہ کا آخری تاجدار ہے، اپنے وزیر، مہدی رائے کے روز افزوں اقتدار سے تنگ آ کر ایک روز اپنے دارالسلطنت منٹو سے، جہاں وہ قیدیوں کی طرح زیر حراست رہتا تھا، فرار کر کے سلطان مظفر شاہ گجراتی (سنہ ۹۱۷-۹۳۲/۱۵۱۱-۱۵۲۵ع) کے پاس پناہ لیتا ہے اور اپنی داستانِ غم اُسے سناتا ہے۔ مظفر اس پر قفس کھٹا کر سنہ ۹۲۲ میں مالوے آتا ہے۔ دھار اور منٹو فتح کر کے دوبارہ محمود کو قفس پر بٹھاتا ہے اور اس کی امداد کے لیے آصف خاں گجراتی کو چند ہزار سوار کے ساتھ چھوڑ کر، واپس گجرات چلا جاتا ہے۔ مالوے میں اس وقت مہدی رائے اور سلہدی نہایت طاقتور تھے۔ محمود قلعہ کاگروں کی استرداد کی غرض سے، جس پر مہدی رائے قابض تھا، بڑھتا ہے۔ مہدی رائے اپنی حیثیت پر رانا سانگا کو بلاتا ہے۔ محمود جلد بازی کر کے غنیم کی فوج کے ساتھ بے موقع بیڑ چلا ہے۔ مسالوں کو سخت شکست ہوئی ہے۔ ان کے بیس بڑے بڑے سردار مارے جاتے ہیں۔ آصف خاں پانسو گجراتوں کے ساتھ کھیت رہتا ہے۔ مگر محمود، جس میں غل کم اور جرأت زیادہ تھی، اب بھی منہ نہیں موڑتا اور دس سواروں کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتا ہے اور جب تک زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرنے نہیں جاتا، راجپوتوں کے ہاتھ نہیں آتا۔ رانا سانگا اس کے علاج کا حکم دیتا ہے اور صحت یاب ہونے کے بعد عزت کے ساتھ منٹو بھیج دیتا ہے۔ (تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۲۶۹، نولکشور) واقعات کی اس داغ بیل پر کھومان والہسا کی تعبیر کھڑی کی جاتی ہے، جس میں واضح نے اگرچہ محمود غزنوی کو ٹا کا تھا مگر اٹا صاحب نے اس کی گمان کا رخ بدل کر سامون کی طرف پھیر دیا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سولہویں صدی کی واردات آخر الٹ کر نویں صدی کے اشخاص پر کس طرح چسپاں کر دی گئی۔ اس کا جواب ہمارے نزدیک، ہندی ادبیات کی ابتری کا وہ منوجر ہے جس کے کردار میں تقدیم و تاخیر کا امتیازی رنگ و روغن بآسانی دھل جاتا ہے اور امسال و پار کا فرق اس کے سیلاب میں بہ جاتا ہے۔ جب واقعات کا سلسلہ سال و ماہ کی قید سے ایک بار آزاد ہو گیا، پھر اس کے اجزائے پریشان کو جس شخص کے سر چاہو منڈھ دو۔ چنانچہ میں زیر بحث واقعہ ایک مرتبہ اور، اسی محمود کے پردادا سلطان علاء الدین محمود خلجی

(سنہ ۸۳۹-۸۸۰/۱۰۴۵-۱۰۷۵ ع) والی مالوہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔
میں یہاں ٹاڈ کی روایت نقل کرتا ہوں :

’رانا کومبھا (سنہ ۱۴۳۳-۱۴۶۸ ع) شاہانِ گجرات و مالوہ کے متعدد
لشکروں کو سنہ ۱۴۴۰ ع میں شکست لاش دیتا ہے اور محمود خلجی
کو گرفتار کر کے چنوڑ لے جاتا ہے اور چھ ماہ تک قید میں رکھتا ہے۔
اس فتح عظیم کی یادگار میں کومبھا نے چنوڑ میں منارۃ فتح تعمیر کیا
ہے ، جس پر یہ کلام قصہ لکھا ہے۔“ (ص ۴۳۵ ، ٹاڈ)

منارۃ شک موجود ہے اور اس کے ایک طبقے میں رانا کی فتح کا قصہ بھی
پتھر کے چوکوں میں کندہ ہے۔ مگر کیا یہ امر عجیب نہیں کہ چنوڑ کے رانا مختلف
اوقات میں تین محمودوں کو ہزیمت دے کر قید کر لیتے ہیں ؟ اس مرتبہ ٹاڈ
صاحب نے جس محمود کا ذکر کیا ہے وہ ایک اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہ
ہے جس کا اکثر زمانہ جنگوں اور میدانِ داریوں میں گزرا ہے۔ بقولِ فرشتہ
چونتیس سال اور بہ روایتِ ابن ہول چالیس سال اس نے سلطنت کی۔ اس تمام
عرصے میں اس کے دامن پر صرف ایک شکست کا داغ ہے جو اسے گجرات میں
ملتی ہے۔ اس کے سوا فتح و نصرت ہمیشہ اس کے پرچم پر لہرائی رہی۔
گجراتیوں سے اس کی ٹکڑ ہوئی ، دکن میں یدر تک دھاوے کیے ، شریوں سے
اس کے سرگے رہے ، اجپیر راجپوتوں سے اس نے چھینا ، ہلاؤنی اور کوئٹہ
والے اس کے باج گزار رہے اور مہواڑ پر تو اس نے کئی حملے کیے۔ سنہ ۸۴۶
میں رانا کومبھا زخمی ہو کر بھاگا ہے۔ سنہ ۸۵۰ میں کولبھا پیش کش دے کر
اپنا بیچھا چھڑانا ہے۔ سنہ ۸۵۸ میں رانا کو پھر پیش کش دینی پڑی ہے۔
سنہ ۸۶۲ میں محمود، مہواڑ کا مشہور قلعہ منڈل گڑھ فتح کرتا ہے۔ سنہ ۸۶۳
میں قلعہ کولدی پر قابض ہوتا ہے۔ سنہ ۸۶۶ میں قلعہ کولبھیر تک آیا اور
چلا گیا۔ یہ تفصیل چوہیں نے فرشتہ (ص ۴۴ تا ۴۵ ، جلد دوم) سے لے کر
پہاں پند کی ہے ، اس میں کوئی ایسا موقع نظر نہیں آتا جس میں رانا نے محمود
کو گرفتار کیا ہو۔

(۲) ’واسا‘ کے صنعت میں کئی موقعوں پر فرنگیوں کا ذکر آتا ہے ، جن کے
متمثل کیا گیا ہے کہ وہ شہاب الدین کی فوجوں میں شامل تھے۔ ایک نقاد
پرتھی راج کے عہد میں فرنگیوں کے ذکر سے معاً چونک اٹھتا ہے ، کیونکہ

ہندوستان میں فرانکیوں کی آمد سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہوئی ہے۔ اور کیا ٹاڈ سے یہ اسر غنی تھا کہ اس کے ہم مذہب برٹشلی ، سب سے چلے فرانکی ہیں جو ہندوستان میں اپنا قدم جما رہے ہیں اور بعد میں دوسرے فرانکی آئے۔ فرانکیوں کا ذکر ٹاڈ کی معتبر تاریخ 'راسا' کی قدامت کا پردہ ناٹ کر سکتا تھا مگر وہ اس کی پردہ داری کی کوشش میں ذیل کی الوکھی توجیہ پیش کرتا ہے :

"یہ اجنبی کی بات ہے کہ چند فرانکیوں کو شہاب الدین کی فوج میں ، جب وہ برٹھی راج پر فتح پانے چلا ہے ، شریک بیان کرتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ صلیبی مجاہدین کا کوئی بے قاعدہ یا فراری دستہ ہوگا۔" (ص ۹۳۶)

یہ تاویل ناقابل قبول ہے اور عذر رنگ سے زیادہ وقعت کی مستوجب نہیں ، کیونکہ صلیبی مجاہدین نے ان اطراف میں نہ کبھی قدم رکھا ، نہ تاریخ ہند میں ان کا تذکرہ آتا ہے۔ ان کی واقعہ طلبی شام و بیت المقدس تک ہی محدود رہی۔ (۴) 'راسا' میں ، اسی طرح ، آکشیں اسلحہ توپ ، جفوق ، زنبورک ، پتھال وغیرہ کا ذکر بھی بار بار ملتا ہے جو شہاب الدین اور برٹھی راج کے عہد سے پت عرصے بعد ایجاد ہوئے ہیں۔ یہ اسر بیانے خود ہد گائی دینا کرنے لیے کافی ہے لیکن ٹاڈ اس سے انھاس کرتا ہے۔

(۴) ٹاڈ نے 'راسا' کے حوالے سے لکھا ہے کہ سر سنگھ والی میواڑ نے شہاب الدین سے جنگ کی غرض سے چٹوڑ چھوڑنے وقت اپنے چھوٹے فرزند ، کرن کو اپنا جانشین بنا دیا۔ اس فعل سے اس کا بڑا فرزند ، جو گندی کا وارث تھا ، سخت ناغوش ہوا اور طیش میں آ کر دکن کے شہر بیدر کی طرف چل دیا ، جہاں کے حبشی بادشاہ نے ، جو وہاں کی حکومت پر قابض ہو گیا تھا ، اس کی بڑی آذیت کی۔ (ص ۱۰۰)

قلند بیدر اگرچہ قدیم الہام سے ہے لیکن شہر بیدر جس کا بورا نام احمد آباد ہے ، سلطان احمد شاہ چغتائی (سنہ ۱۴۲۱-۱۴۳۵ع/۸۲۵-۸۳۸ھ) کا آباد ساختہ ہے۔ بیدر کا اس عہد سے چلے ہمیشہ شہر وجود نہیں تھا۔ 'راسا' کے خلاف یہ ایک وزنی اعتراض ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اہم اس بادشاہ کا ذکر ہے جس کو 'راسا' اپنے الفاظ میں 'حبشی بادشاہ' بیان کرتا ہے ، جس سے صاف معلوم ہوتا

ہے کہ وہ مسلمان ہے ۔ دکن میں مسلمانوں کی آمد علاء الدین خلجی (سنہ ۱۲۹۵ء - ۱۳۱۵ء) کی فتوحات کے بعد ہوئی ہے اور حبشیوں کو ملک عنبر و دیگر حبشی امرا کی وجہ سے سترھویں صدی میں عروج حاصل ہوتا ہے ۔ اگر ٹاڈ صاحب راجپوتوں کی قصیدہ خوانی سے ہٹ کر واقعات کو ان کی صحیح روشنی میں دیکھتے تو وہ بعض امور ، جن کو ہم نے اوپر درج کیا ہے ، 'راما' کی معمولیت طشت از بام کر دیتے ۔



اے ۔ کے ۔ فوربز

ٹاڈ کی غیر مستندانہ رائے کے مقابلے میں اے ۔ کے ۔ فوربز کے خیالات بھی 'راسا' کے متعلق یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتے ہیں جو ہمیں سمجھتا ہوں ، حدائق کے ص ۴۷۲ پر ہے ۔

فوربز کو سرزمین گجرات کے ساتھ وہی تعلق ہے جو ٹاڈ کو راجپوتانے کے ساتھ ہے ۔ اس کی مساعی اس خطے کے راجپوت خاندانوں کی تاریخ کے واسطے دیر تک پھول رہیں اور کتاب "راسا مالا" اس کی کوششوں کا نتیجہ ہے ، جو سنہ ۱۸۵۶ء میں چلی مرتبہ شائع ہوئی ۔ بعض تاریخی اسور کے سلسلے میں فوربز نے 'راسا' سے بھی کام لیا ہے ۔ وہ اگرچہ اس کتاب کو جعلی تو نہیں کہتا مگر اس کے بیانات کو صحیح بھی نہیں مانتا اور عموماً اسے کہتا پڑتا ہے کہ اس میں انسانی ضرور ہوا ہے ۔ میں یہاں اس کی رائے کا ترجمہ دے دیتا ہوں ۔

"یہ ضرور ہے کہ ہم چند کی نظم کے متعلق ، اس کی رنگینی و دلاویزی کے باوجود ، بڑی احتیاط کے ساتھ گفتگو کریں ۔ بھاٹ تاریخ نگاروں میں اس کو اول درجے کی شہرت حاصل ہے اور اس کی نظم ان تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ مشغول کی جا سکتی ہے جو اس جماعت کا خاص شیوہ ہے ۔ اس کو ایک سنجیدہ راوی کی حیثیت سے ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا ، البتہ چوہانوں کا بھاٹ کہا جا سکتا ہے ، اگر بادۂ اولھوائی یا کم از کم خاندانی رقابت اور معرکہ آرائیوں کی شراب سے ہدمست نہ ہو گیا ہو ۔ اس کا متن اس قدر مسخ ہو چکا ہے کہ بعض وقت بالکل سہل اور بے معنی بن گیا ہے ۔ مگر جہاں مطلب صاف ہے وہاں اصل عبارت کو ، جو رنگ آمیزی کی تہہ میں لپ دی گئی ہے ، شناخت کرنا نہایت دشوار ہے ۔ یہ ملمع اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ بعض اوقات تمام کتاب کی اصیلت کے متعلق شک پیدا ہونے لگتا ہے ۔ چند کی

روایت کے مطابق بیوم دیو ٹائی ، پرتھی راج چوہان کے ہاتھ سے مارا گیا ہے ، حالانکہ درست یہ ہے کہ وہ پرتھی راج سے بہت برسوں بعد تک زندہ رہا۔ اور موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ 'راسا' میں گجرات کے خاندانوں کے نام بعض ایسے وقائع کے تعلق میں لیے گئے ہیں جو دیکر روایات کی رو سے ان خاندانوں کے بالیوں کے زمانے سے سینکڑوں سال قبل واقع ہوئے ہیں۔

کتاب کے حلال بد ظنی پھیلانے بغیر ، چلے غیر تاریخی بیان کی تاویل یہ فرض کر لینے سے ہو سکتی ہے کہ چند کو اپنے آقا اور ہیرو کی ستائش کری کے لیے بڑا تردد اور اہتمام تھا۔ عینی ہذا دوسرے بیان کے جواب میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا خاندان اگرچہ شاعر کے بیان کردہ زمانے میں موجود نہیں تھے مگر چند کے زمانے میں تو تھے۔ لیکن اس امر کا کیا جواب ہو سکتا ہے اگر مثلاً کہا جائے کہ چند نے پیرمہ کے گویلوں کے جن معرکہ آرا کارناموں کو شہرت دی ہے ، ان کے متعلق یہ ثابت ہو گیا ہے کہ شاعر کے عہد سے تقریباً ایک صدی بعد تک پیرمہ پر کسی 'گویل' کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ ہمیں الدیشہ ہے کہ اس تالیف کے متعلق ، جو چند کے نام سے مشہور ہے ، ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ بحیثیت مجموعی وہ چند کی تالیف نہیں ہے۔ اور اس امر کی دریافت کے بعد بھی اصلی حصے کو نقل سے جدا کرنا یا اس نقل کو کسی خاص عہد کی طرف منسوب کرنا ، بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔“

(راس مالہ ، ص ۲۲۹-۲۳۰ ، جلد اول ، مرتبہ والنس ، ۱۹۲۳ء)



جون بیمز

لسالیات کے عالِ جاء ماہر جون بیمز کا نام 'راسا' کے سچے خادم کی حیثیت سے ایک عرصے تک یادگار رہے گا۔ ان کی مشہور کتاب "ہندوستانی آریائی زبانوں کی تقابلی صرف و نحو" ایک بلند پایہ تصنیف مانی جاتی ہے۔ 'راسا' کے سلسلے میں ان کا نام سر عنوان لکھنے کے قابل ہے۔ بیمز صاحب ان چند علما میں سے ہیں جن کی تحریک پر ایشیائک سوسائٹی بنگال نے اس تالیف کی طباعت کو اپنے طے لیا اور اس کی ترویج کا قرضہ بھی ان کے نام پر لگلا۔ اس کے علاوہ 'راسا' کی داستانوں کے منظوم و منثور تراجم بھی، جو مختلف علمی رسالوں میں شائع ہوتے رہے، ان کے قلم کے منت منت پذیر ہیں۔ بدقسمتی سے ہم ان کی تمام مساعی سے، جو اس عنوان کے ذیل میں عمل میں آئیں، ناواقف ہیں۔ تاہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ چودہ سال تک وہ اس دشت کی سیٹھی کرتے رہے ہیں۔ ذیل میں بعض ایسے مضامین کی فہرست درج کی جاتی ہے جن تک ہماری دسترس ہوئی ہے :

- (۱) برتھی راج راسو کی پہلی داستان کا ترجمہ (ص ۲۶۹-۳۸۳، انڈین اینٹیکوٹری، ۶ ستمبر سنہ ۱۸۵۲ء)۔
- (۲) چند بردانی کے رزمیہ کی پہلی داستان - منتخب حصوں کا ترجمہ (ص ۳۴-۳۷، ج ۱ - س - ب، سنہ ۱۸۵۳ء)۔
- (۳) چند بردانی کی صرف و نحو کا مطالعہ (ص ۱۶۵-۱۹۱، ج ۱ - س - ب، سنہ ۱۸۵۳ء)۔
- (۴) 'راسا' کے پہلے تین چھندوں کا منظوم ترجمہ (ص ۳۱۷-۳۱۹، انڈین اینٹیکوٹری، ۴ اکتوبر سنہ ۱۸۵۲ء، ماہوڈ از ج ۱ - س - ب)۔

کی خاطر سے مزید علیہ حروف کا داخلہ مثلاً ت ، سو ، ہ ، جو معنی کے لباس سے قطعی معترا ہیں ۔

دوسری ایک بڑی دشواری ، جو 'راسا' کے مترجم کو قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے ، یہ ہے کہ اس کے الفاظ انگریزی کی طرح علیحدہ علیحدہ مرقوم نہیں ہوتے ۔ الفاظ کی قطاریں ایک دوسرے کے ساتھ دوش بدوش کھڑی ہیں ، جن کے درمیان کوئی بیاضی نہیں چھوڑا گیا ۔ اب ان الفاظ کی مناسب تقسیم میں کہ ایک لفظ کہاں ختم ہوا اور دوسرا کہاں سے شروع ہوا ، سخت سے سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ ان حقائق پر نظر کرتے ہوئے میں خیال کرتا ہوں کہ میں زیادہ طلبی کا مجرم نہیں مانا جاؤں ، اگر اپنے نقادوں سے یہ التماس کروں کہ مجھے نرمی کے ساتھ یہ اطلاع دے دیں کہ میں کہاں کہاں غلطی کا مرتکب ہوا ہوں ، بجائے اس کے کہ مجھ پر اس زبان سے جہالت کا الزام عائد کیا جائے جس کا میں نے چودہ سال کی صبر آزما مدت تک برابر مطالعہ کیا ہے اور جس کی اشکال پر مجھ کو اپنی اسی قدر دست رس حاصل ہے جتنی کسی اور کو ۔

حال ہی میں مجھے اجمیر کے ایک عیسائی مبلغ کی زبانی معلوم ہوا کہ راجپوتانے کے پیشہ ور بھاٹ بھی اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ چند کی نظم کا عام مفہوم سمجھنے کے سوا اس کے گہرے مطالعے سے قطعاً قاصر ہیں ۔

اس ذہنی ذہالی اور لاہرواہانہ قدیم الفاظ ترکوب کا راز صرف اسی وقت کھل سکتا ہے جب ہماری تحقیقات اس وسیع اور قدیم زبان کے متعلق ، جس کا صرف ایک پہلو 'راسا' واشکاف کر رہا ہے ، مضبوط اساس پر قائم ہو جائے گی ۔ اور اسی مقصد پر نظر رکھتے ہوئے ہم میں سے بعض اپنی فرصت کا وقت اس پر صرف کر رہے ہیں ۔

میرا ذیل کا منظوم ترجمہ بحالت موجودہ شاید قبل از وقت ہے ۔ تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اس کڑھن مہم میں کچھ نہ کچھ امداد کا ثمر ضرور دے گا اور شاید ان اصحاب کے حق میں راہبر ثابت ہو جو زمانہ مستقبل میں تنقید کے اسلحے سے ، جو آج ہمیں نصیب نہیں ،

مسلح ہو کر اس مضمون پر ہاتھ ڈالیں گے ۔ پندرہویں صدی کے علما ہمارے عہد کے مقابلے میں لاطینی اور یونانی السنہ سے بہت کم واقف تھے ، تاہم دلیا اراسمس اور رشلن کی ایک حد تک ضرور محنت ہے ۔ مجھے اور میرے معاصرین کو علم و فضیلت کی میزان میں خواہ کتنا ہی بے وزن کیوں نہ ٹولا جائے مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم ایسی بنیاد کی داغ بیل ڈال رہے ہیں جس پر آئندہ کا فاضل ، جس کو بہتر ذرائع نصیب ہوں گے ، اپنی تعمیر کھڑی کرنے سے اعراض نہیں کرے گا ۔“
(ص ۴۲ ، ج ۱ - ۱ - س - ب ، سنہ ۱۸۵۲ء)

حقیقی علم پرستی کے والہانہ شغف کے ساتھ جب بیز جیسے فاضل کو ’راسا‘ کی بھول بھلیوں کے دلدل میں پا بہ کل دیکھا جاتا ہے تو ہمارا دل اس بدبخت بھاٹ کو کوسنے کو چاہتا ہے ، جس نے یہ گورکھ دھنسا کھڑا کر کے اسے غمی مسامحا کے ساتھ عملِ مذاق کی بنیاد ڈالی ، جس کی لغویوں کے پیچھے اس کی قیمتی زندگی کے چودہ سال قربان ہوئے ۔ قوریز کے اشاروں کنایوں کے باوجود ، پھر صاحب کا رستی کو سائب سمجھ لینا اور لکیر پٹنا بجانے خود ایک معنی ہے ۔ مگر اس زمانے میں سنسکرتین مغرب میں ایک جاہل ایسی لینا ہو گئی ہے جو ’راسا‘ کی پاک دامنی پر ایمان کامل رکھتی ہے ۔



اے . ایف . آر . ہرنلی

ہیز کے ساتھ ڈاکٹر رڈولف ہرنلی قابل ذکر ہیں ، جو جے ۔ ٹرائن کالج بنارس میں مسکوت کے پروفیسر تھے ۔ ڈاکٹر صاحب اپنی گولہ گون فضیلتوں کی بنا پر اپنے عہد کے مستند علما میں شمار ہوتے ہیں ۔ ہندی زبانوں کے علاوہ مسلمانی زبانوں سے بھی واقف معلوم ہوتے ہیں ۔ ایشیائی سوسائٹی بنگال کے معتمد ماہر۔ لسانیات اور ماہر مسکوکات ہیں ۔ لسانیات ہند ان کا خاص موضوع ہے اور یہی ذوق انہیں چند کے آستانے پر کشاں کشاں لاتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے ، ہیز کے ہند ، 'راما' کا ایک حصہ سوسائٹی کے لیے ترقیب بھی دیا ہے اور حواشی وغیرہ بھی کثرت سے لکھے ہیں ۔ لیکن ہندوستانی سے میں اس میدان میں ان کی کلگراری سے ناواقف ہوں ۔ اللہین ایشیکواری میں ان کے دو مضمون میری نظر سے گزرے ہیں ۔ پہلا 'راما' کی ستائیسویں داستان "ریوانٹ پرستو" کا ترجمہ جو جنوری ۱۸۷۳ء میں شائع ہوا ۔ دوسرا "چند کی بعضی عروضی خصوصیات" ، جو اپریل ۱۸۷۴ء میں اشاعت میں نکلا ۔

'راما' کی نویں داستان 'حسین کتھا' پر ڈاکٹر صاحب کا ایک نوٹ ہے جو 'راما' کے بنارس ایڈیشن میں اس کتھا کے اختتام پر نقل ہوا ہے ۔ اس سے چند کی نقابت کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی رائے کا اندازہ اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ان کی غیر غالبہ روش کا پتا لگ جاتا ہے ۔ وہ نوٹ درج ذیل ہے :

"۱۹۵ - حسین خان ، میر حسین خان کا فرزند معلوم ہوتا ہے ، جو شہاب الدین کے حسلہ ہند کا ، جیسا کہ آٹھویں داستان میں بیان ہوا ہے ، ابتدائی باعث ہے ۔ میر حسین ، یا جیسا کہ بد اختلاف شاہ حسین یا حسین خان کہا گیا ہے ، شہاب الدین کا عم زاد (بندھوا) بیان ہوا ہے ۔

یہ ایک ممتاز جنگ 'جو ہے جو غزنین کے دیوار سے تعلق رکھتا ہے ۔ بادشاہ کے پاس چتر ریکھا نامی ایک بڑی زاد محبوبہ تھی ۔ اس کا قصہ دسویں دہائی میں مذکور ہے ۔ یہ حسینہ ، جس کی عمر پندرہ سال تھی ، فنِ موسیقی میں نہایت باکمال تھی اور سلطان کو اس سے بے حد محبت تھی ۔ بالآخر حسین اس پر اور وہ حسین پر عاشق ہو گئی ۔ ایک دن بادشاہ نے حسین کو بلا کر اس کی بے وفائی اور کورنمکی پر ملامت کی ۔ مگر اس کے باوجود چتر ریکھا کے ساتھ حسین کے تعلقات جاری رہے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے غزنین کو غیر یاد کہنا پڑا ۔ حسین اپنے عیال و اطفال ، مال دولت ، نیز چتر ریکھا کو لے لکلا اور بھاگ کر برتھی راج کے پاس لاگور آ گیا ۔ کسی قدر تردد کے بعد برتھی راج اس کے ساتھ بڑی خاطر سے پیش آیا اور اپنی زیر حمایت لے لیا ۔ یہ خبر سن کر شہاب الدین غضب ناک ہوا ۔ اس نے فوراً حسین کے پاس ایک لاصد چتر ریکھا کی طلبی کے واسطے بھیجا اور اس کو ہدایت کی کہ اگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے تو برتھی راج سے حسین کے اخراج کی درخواست کرے ۔ حسین نے چتر ریکھا کی سپردگی سے صاف انکار کر دیا ۔ ادھر برتھی راج نے جواب دیا کہ ایسا شطھی ، جو میری پناہ میں آ گیا ہے ، کسی طرح حوالے نہیں کیا جا سکتا ۔ اس جواب کے وصول ہونے پر شہاب الدین نے ہندوستان پر حملے کی تیاریاں کر دیں ۔ ادھر برتھی راج بھی جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا ۔ آنے والی جنگ میں حسین نے کلہاڑے نمایاں کیے اور مردانہ وار جان دی ۔ چاند رائے نے شاہ کو گرفتار کر لیا اور لڑائی ، برتھی راج کی فتح پر ختم ہو گئی ۔ پانچ روز کے بعد شاہ کو رہا کر دیا گیا ۔ وہ جانے وقت حسین کے فرزند ہارزی کو بھی اپنے ساتھ غزنین لے گیا اور زبان دے گیا کہ ہندوؤں کے خلاف کبھی جنگ نہیں کرے گا ۔ یہ کہنا فضول ہے کہ شاہ نے اپنے قول کا پاس نہیں کیا اور اس شدید عداوت کی آگ ، جو ان واقعات سے اس کے دل میں بھڑک اُٹھی تھی ، برتھی راج کے قتل اور اس کی سلطنت کی کامل بربادی کے وقت تک ہرگز ہرگز ٹھنڈی نہیں ہوئی ۔ بادشاہ

کی گرفتاری ، جو یہاں مذکور ہے ، ان سات گرفتاریوں میں سے ایک ہے جن میں وقتاً فوقتاً پرلہی راج نے شاہ کو گرفتار کیا ہے ۔ اس کی قید کا پہلا موقع حاشیہ ۱۸۷ میں مذکور ہے ۔ دوسری گرفتاری کا یہاں مذکور ہے ۔ چتر دیکھا حسین کی نعلی کے ساتھ زندہ دفن ہو گئی ۔

یہ حسین خاں (غازی ؟) ، جس کا یہاں ذکر آیا ہے اور جسے شہاب الدین اپنے ساتھ غزنی لے جاتا ہے ، اگر حسین کبیر کا فرزند ہے ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں وہ برقی راج کے پاس بھاگ آیا ہے ۔ ان میں حسین کبیر بلاشبہ وہی شخص ہے جسے ”طبقات ناصری“ میں بار بار ناصر الدین حسین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (ترجمہ راورٹی) ، ص ۳۴۳ ، ۳۶۵ و ۳۶۵) ۔ وہ ملک شہاب الدین بد کا خلیفہ اکبر ہے اور یہ شہاب الدین بد ، سلطان شہاب الدین کے باپ ، سلطان بہاء الدین سام کا چھوٹا بھائی ہے ۔ اس لیے حسین کبیر ، جیسا کہ چند نے درست کہا ہے ، شہاب الدین کا عم زاد تھا ۔ ”طبقات“ میں بے شک اس ناصر الدین حسین کے تعلق میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے چچا علاء الدین جہاں سوز کے تخت پر ، جب وہ سلطان منجر سلجوق کی قید میں تھا ، غاصبالہ قبضہ کر لیا اور علاء الدین کے حامیوں نے اس کی رہائی اور واپسی پر اسے قتل کر ڈالا (ص ۳۶۳) ۔ لیکن اس قصے کی تردید ، فعلاً تمام مسلمان مؤرخین کے اس بیان سے ہو جاتی ہے جب وہ علاء الدین کے فوراً بعد اس کے فرزند کا ذکر کر دیتے ہیں (راورٹی کا ذیلی حاشیہ ص ۳۶۳) ۔ دوسرے اس امر کا زیادہ امکان ہے کہ غاصبالہ قبضہ کرنے والا ، ناصر الدین حسین کا باپ (شہاب الدین) بد ہو سکتا ہے ، جو علاء الدین کا چھوٹا بھائی ہے ، نہ خود حسین ۔ اس کی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ ان چاروں بھائیوں میں سے سیف الدین سوری ، بہاء الدین سام اور علاء الدین حسین یکے بعد دیگرے غور کے تخت پر حکم ران ہوئے ۔ اس لیے علاء الدین کے حبس و قید کے زمانے میں قدرۃ چولہا بھائی ، شہاب الدین بد ، غور کے تخت کا حق دار ہو سکتا ہے اور وہی تخت نشینی کے لیے جدوجہد کر سکتا ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف طبقات کو اس موقع پر باپ بیٹے میں التباس ہو گیا، جیسا کہ اور موقعوں پر بھی اس کو نشانہ ہوا ہے (یعنی خیاہ الدین محمد کے سلسلے میں)۔ تیسرے ناصر الدین حسین کے چال چلن کا یہ بیان کہ وہ عورتوں اور گنواروں کا بہت شوقین تھا اور سلطان کے حرم میں سے کئی گنیزوں اور ہالیدیوں کو اپنے تصرف میں لے آیا تھا، (طبقات، ص ۳۶۴) چند کے اس قصے سے، جس میں چتر رکھا کے ساتھ اس کے معاشقے کا ذکر ہے، بہت کچھ مطابقت رکھتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چند نے حسین کے انقلابات زندگی کی رام کہانی صحیح صحیح بیان کر دی ہے۔ ہم یہ بھی اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ صاحب طبقات، نیز دیگر مسلمان مؤرخین، اسی حسین (نیز غوری شاہی خاندان) کے ایک مورث اعلیٰ کا قصہ سناتے ہیں جس کا نام بھی حسین یا حسن ہے۔ وہ ہندوستان بھاگ آتا ہے اور کچھ عرصے تک دہلی میں رہتا ہے (ص ۳۲۲، ۳۲۳ و ۳۲۴)۔ یہ قصہ، غالباً بھولی بھٹکی یاد ہے۔ برتھی راج کے ہاں حسین کے گریز کی، جس کا راوی چند بردائی ہے۔ (ص ۳۲۳، برتھی راج راسا، مرتبہ "موہن لال وشنوال پنڈت، بنارس، سنہ ۱۹۰۳ء)

ڈاکٹر صاحب کے اس نوٹ پر چند کے ارباب خوردہ سرائیہ 'راسا' کا تبصرہ بھی قابلِ شور ہے۔ وہ "حسین کتھا" کے خاتمے میں لکھتے ہیں:

"یہ داستان ہندوستان کی تاریخ میں ہندوؤں کی حکومت کے زوال اور اسلامی سلطنت کے قیام کے اصل اور حقیقی اسباب سے بحث کرتی ہے، مگر تمام مسلمانی تارضوں میں اس صداقت کو چھپایا گیا ہے۔ اسی لیے اس داستان کے بیان کردہ واقعات کا تذکرہ اسلامی تاریخ میں ملنا دشوار ہے۔ چند بردائی اگر یہ داستان نہ لکھ گیا ہوتا تو ہمیں صرف وہی باتیں معلوم ہوتیں جو اسلامی تواریخ میں درج ہیں۔ چند کو اگرچہ برتھی راج اور ہندوؤں کا طرف دار کہا جا سکتا ہے لیکن اس نے مسلمانوں کی طرح مخالف نصیحتوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ ان کے مقابلے میں اس

نے تفصیلی بیانات دیے ہیں ، جن سے سوالیہ غیر متعلقہ کو حذف کر کے ، تاریخی حصہ باقی چھوڑا جا سکتا ہے ۔ جس حسین کی سرگزشتِ حیات اس داستان کا موضوع ہے ، وہ کون تھا ؟ مسلمانی مؤرخ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتے لیکن اس بارۂ خاص میں مغربی علما نے بہت تلاش و جستجو کی ہے ۔ یاد رہے کہ جب خود اس داستان کے ہیرو حسین کا سرِاف اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا تو دیگر جنگ آزمائوں کے اسما و حالات ، جو اس قصے میں مذکور ہیں ، کیوں کر مل سکتے ہیں ۔ اس باب میں زیادہ خاصہ فرمائی کرنے کی بجائے ہم ڈاکٹر ہرنلے کا تبصرہ درج کرتے ہیں جس سے اس حسین کا پتا اور چند کے اس کو سلطان کا رشتہ دار یہاں کرنے کا ثبوت ملتا ہے ۔“ (ص ۲۲۳ ، راسخا)

’راسخا‘ کے مرتبین کے متدعیانہ مکررے بنیاد تبصرے ہر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ۔ ائینہ ڈاکٹر ہرنلے کی تحقیقات ہر ہم سرسری نظر ڈالتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اسلامی تاریخ و روایت سے بہت کم لعلق رہا ہے ۔ اسی لیے چند کی اس خیالی مخلوق ، حسین خاں کی جدوجہد میں ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں ۔ مثلاً :

(۱) چند ، حسین خاں گو میر حسین کا فرزند بتاتا ہے ۔ اول تو باپ بیٹوں کے نام عام طور پر مختلف ہوا کرتے ہیں ۔ دوسرے ایک میر کا فرزند ایک خاں کس طرح ہو سکتا ہے ؟ غور و غزل میں ان اہام میں میر اور خاں کے الفاظ ، اسما کے ساتھ لانے جانے کا دستور نہیں تھا ۔ ’خان‘ ترکی لفظ ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں اور سلطانین ترکستان کا لقب بھی ہے ۔ یہ ایک خانی یا ملوکہ القریسی ہیں جن کے نام کے ساتھ پہلے پہل یہ لفظ استعمال ہونے لگا ہے ۔ مثلاً ایلک خاں ، قدر خاں ، طماچ خاں وغیرہ ۔ خاقانی :

غراخان گر حرم بودی چون کعبہ ملک شاہش

سمرقند اور فلک بودی سپہن اختر قدر خانش

غوربوں میں بہر حال اس لفظ کو یہ حیثیت نہیں ملی ۔

(۲) حسین کی تلاش میں ڈاکٹر کو ’طبقات‘ میں شہاب الدین کا ایک

عم زاد ، ملک ناصر الدین حسین خلف شہاب الدین پد مادینی ، مل گیا اور یہ شخص ان کی قال میں چند کا پیشہ حسین خان بن میر حسین برآمد ہوا ۔ لیکن دونوں کی ولایت کے اختلاف کی طرف ان کا ذہن منتقل نہیں ہوا ۔ نہ انہوں نے اس امر کی پروا کی کہ شہاب الدین اور ناصر الدین حسین کی عمروں میں ، اگرچہ وہ آپس میں عم زاد ہیں ، بڑا فرق ہے ۔ یعنی ناصر الدین ، سلطان شہاب الدین غوری کی قنٹ نشینی سے ، جو سنہ ۵۶۶ھ / ۱۱۷۲ع میں ہوتی ہے ، کم از کم بیس سال قبل قتل کر دیا جاتا ہے ۔ حسین کا زمانہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں اس کے چچا علاؤ الدین جہاں سوز (سنہ ۵۴۵ - ۵۵۶ھ) کے بعض حالات زندگی کی طرف رجوع کرنا ہوگا ۔

(ج) علاؤ الدین غوری جہاں سوز ، ہرام شاہ بن سمود شاہ غزنوی کو ہزیمت دے کر غزنی پر قابض ہوتا ہے اور اس فتح سے اس قدر مغرور ہوتا ہے کہ ملوکِ غور جو اجناس ، سالانہ خراج میں ، سلطان منجر سلجوقی کو ہمیشہ سے ذبحے آئے تھے ، یک قام بند کر دیتا ہے ۔ یہ خود سری دیکھ کر سلطان منجر یہ قصدِ گوشال غور کی طرف بڑھتا ہے اور اوہ پر مقابلہ ہوتا ہے ۔ عین جنگ کے وقت چھ ہزار سوار جن میں ترک ، غز اور خلیج شامل تھے ، علاؤ الدین سے بے وفائی کر کے منجر کے شریک ہو جاتے ہیں ، جس سے غوریوں میں بددلی پھیل جاتی ہے ۔ تاہم وہ لڑتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں ۔ علاؤ الدین پکڑا جاتا ہے اور قید میں رکھا جاتا ہے ۔ بقول نظامی عروضی یہ جنگ ، جس میں خود عروضی بھی شریک تھا ، سنہ ۵۴۵ھ مطابق ۱۱۵۲ع میں واقع ہوتی ہے ۔ سلطان منجر سنہ ۵۴۶ھ / ۱۱۵۳ع میں غزوں کے ہاتھوں اسیر ہوتا ہے ۔ اس لیے علاؤ الدین غوری کی قید کا زمانہ سنہ ۵۴۵ھ و ۵۴۶ھ کے مابین محصور ہو سکتا ہے ۔ یہی زمانہ ہے جب امرا نے غور آئے دن کے فسادات سے تنگ آ کر ملک ناصر الدین حسین کو فیروز کوہ کے قنٹ پر بٹھاتے ہیں (واورق ، ص ۳۶) ۔ لیکن جسے

اس علاؤ الدین کی وابستگی کی خبر پہنچتی ہے ، علاؤ الدین کی کثیرتوں ، جن پر ناصر الدین بد چہرہ متعترف ہوا تھا ، اس کا کام تمام کر دیتی ہیں ۔ سنہ ۵۶۹ (۱۱۵۴ ع) علاؤ الدین کی وابستگی اور ناصر الدین حسین کے قتل کا سال ہے ۔ اس واقعے سے بیس سال بعد شہاب الدین غوری سنہ ۵۶۹ (۱۱۵۴ ع) میں غزلیں کے تخت پر آتا ہے اس لیے ناصر الدین حسین کا غزلیں میں آنا اور چتر دیکھا سے معاشقہ کرنا بالکل ناممکن ہے ۔

(۴) ڈاکٹر صاحب مصنف 'طبقات' سے بدگمان ہیں اور ناراضی امور میں تیاس کو دخل دے کر فرماتے ہیں کہ چونکہ علاؤ الدین کے بعد دیگر مؤرخین اس کے فرزند سیف الدین کا ذکر کرتے ہیں اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب 'طبقات' اس موقع پر غلطی مبحث کر گیا ہے ۔ حالانکہ خود ڈاکٹر کا ماخذ یعنی راوی اپنے ذیلی حاشیے میں صاف کہہ رہا ہے کہ :

"ناصر الدین کا ذکر اگرچہ دیگر مصنفین نے نہیں کیا ، جو علاؤ الدین کے فوراً بعد اس کے فرزند کا ذکر کرتے ہیں ، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ناصر الدین نے پہلے تخت پر قبضہ کر لیا تھا اور علاؤ الدین کی قبہ کے زمانے میں حکومت کرتا رہا ۔" (ص ۲۶۴ ، ترجمہ طبقات)

(۵) یہاں ایک اور اس کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے : ناصر الدین حسین کا ایک چھوٹا بھائی سیف الدین سوری ہے جو اپنے باپ شہاب الدین چد کی وفات پر حکومتِ مادین پر سر افرار ہوتا ہے ۔ اس سیف الدین کی دختر شہاب الدین غوری کے ساتھ بیاہی جاتی ہے (ص ۳۴۴) ۔ یہ واقعہ بھی ہمارے اسی عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ ناصر الدین اور اس کا چھوٹا بھائی سیف الدین بد لحاظ عمر شہاب الدین غوری سے بہت بڑے ہیں ۔

جس طرح کسی شخص کی چیز گم جاتی ہے اور وہ ہر کس و ناکس پر شبہ کی نظریں دوڑاتا ہے ، ڈاکٹر صاحب اس تحقیقات

کے دوران میں اسی قسم کی ذہنیت کا ثبوت دے رہے ہیں ۔
 موصوف نے ہر حسن و حسین پر ، جو غوریوں میں انہیں مل
 سکا ، اپنی مشتبہ نظریں جمادی ہیں ، حتیٰ کہ غوریوں کا
 جدِ امجد بھی ان کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکا ۔ نہ انہوں نے
 کسی کے مال و ستین کی پروا کی بلکہ تمام مسلمان مؤرخین کو
 بھی سہو و نسیان کا شہم بنا دیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ
 دائرہ تحقیق اسی معیار کی ثقافت پیش کر رہی ہے جو چند اور
 اس کی تاریخ میں مشاہدہ کی جاتی ہے ۔



ایف - ایس - گروز

مسٹر ایف - ایس - گروز ، ایم - اے ، بی - سی - ایس ، ایک اعلیٰ ہائے کے نقاد اور "چند" کے ماہر ہیں۔ مختلف علمی رسالوں میں ان کے مضامین اور تنقیدیں چھپی رہی ہیں۔ ان کا ایک مضمون "برلہی راج رسا کے ابتدائی چھندوں کا منظوم ترجمہ مع نقادانہ شرح" ایشیائیک سوسائٹی بنگال کے رسالے (ص ۳۲۹ تا ۳۴۲ ، سنہ ۱۸۷۳ء) میں چھپا ہے۔ مسٹر ریمز کے بعض ترجموں پر ، جیسا کہ اوپر دیکھا جا چکا ہے ، انہوں نے تنقید کی ہے۔ ادھر ڈاکٹر برلہی کے ترجمے پر بھی النین انٹیکویری (ص ۳۳۹ ، دسمبر ۱۸۷۳ء) میں نقد و تبصرہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چند کی نظم کی چستانی اور معنائی کیفیت ، جو صرف ہائندویوں سے مطلق آزاد ہے ، کی پہلی بوجھنے کا شوق ان کے دل کو گدگداتا رہا ہے۔ چنانچہ مسٹر ریمز کے ہم نوا ہو کر یہ بھی کچھ اسی قسم کا راگ الاپ رہے ہیں۔ کہتے ہیں :

"چند کی تاریخ اس حد تک متفق اور یچیدہ ہے اور اس کے جملوں کی ساخت صرفیاتہ قواعد سے اس قدر بے نیاز ہے کہ کوئی نازی ، کبھی بھی یہ یقین نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے معانی کو پا گیا ہے۔ بعض وقت ایک خوش بخاندانہ روشن ضمیری ، عبارت کے صحیح مضمون تک ہماری رہنمائی کر سکتی ہے ، یہ حال ہے کہ ایک چتر عالم دلوں تک اس کے حل کے لیے غلطیاں و بیجاں رہتا ہے۔"

(النین انٹیکویری ، ص ۳۳۹ ، دسمبر ۱۸۷۳ء)

مر جارج گریمر

ان کو لسانیاتِ ہند کا دیوتا کہنا موزوں معلوم ہوتا ہے ۔ ان کی تالیف ”جائزۃ لسانیاتِ ہندوستان“ اور اس کی ضخیم مجلّات ان کے علم و فضل کی شاہدِ عادل ہیں ۔ ۱۸۷۶ء میں انھوں نے مستشرقین کی کانگریس میں مقامِ ویانا ، ہندوستان کے وسطی زمانے کے دیسی ادبیات پر ایک فاضلانہ مقالہ پڑھا تھا ، جو اس قدر مقبول ہوا کہ ایشیائک سوسائٹی ہنگل نے ۱۸۸۸ء میں اس کا ایک خاص نمبر نکالا اور ۱۸۸۹ء میں اس کو کتابی شکل میں ”جدید دیسی ادبیاتِ ہندوستان“ کے نام سے چھاپ دیا ۔ چند کی نسبت فاضل موصوف کی رائے ہے :

”اس شاعر کے کلام کے مطالعے نے مجھے اس کے عاصرِ شاعری کے مداحانہ جذبات سے معمور کر دیا ہے ۔ لیکن مجھ کو شک ہے کہ ایسا شخص ، جو راجپوتانے کی زبانوں سے تمام و کمال واقفیت نہ رکھتا ہو ، اس کو خوشی کے ساتھ پڑھ سکے گا ۔ بہر حال لسانیات کے طالب کے لیے ایک نہایت بیش قیمت دستاویز ہے ۔ کیونکہ مغربی مفتشین کے لیے فی زمانہ آخری ہر اکرت اور قدیم گوڑی مصنفین کے درمیان کی صرف یہی ایک درمیانی کڑی ہے جو اس وقت موجود اور معلوم ہے ۔ اگرچہ موجودہ تالیف کے واسطے یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خالصتاً چند کا کلام ہے ، تاہم یہ یقینی ہے کہ اس کلیات میں گوڑی ادبیات کے سب سے اہم وہ نمونے محفوظ ہیں جن میں خالص اپ بھرنٹی و سورسینی بھاکاؤں کی ترکیبیں چھات کے ساتھ موجود ہیں ۔“

(جدید دیسی ادبیاتِ ہندوستان ، طبع کلکتہ ، ص ۸)

کوی راج میاں داس جی

'راسا' کے یہ مفری نقاد ، جن کی فتاغواں بالآخر تحسین فاشناس ثابت ہوئی ، اس امر سے بالکل غافل تھے کہ اسی شہر کا ایک عالم ، جس میں پیشہ کر ٹاڈ صاحب نے چند کے تیس ہزار اشعار کا ترجمہ کیا تھا ، ایک ایسا مضمون تیار کر رہا تھا جو 'راسا' کی شہرت کو ہمیشہ کے واسطے گہنانے والا ثابت ہوگا ۔ اس سے ہماری مراد کوی میاں داس جی اور ان کا مضمون ہے ، جو ۱۸۸۱ء کے رسالے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں شائع ہوا تھا ۔ یہ مقالہ اس قدر فاضلانہ اور محققانہ تھا کہ 'راسا' کے معتقدین میں اس سے ہل چل مچ گئی ۔ فاضل مضمون نگار نے ، جو فارسی بالخصوص ہندی مآخذ میں وسیع معلومات کے مالک معلوم ہوتے ہیں ، مختلف چاروں نے اس کتاب کی بے حیثی اور بحمولیت کا راز افشا کر دیا ۔ انہوں نے اس پر تاریخی اور لسانی اعتراضات کیے اور اپنے دلائل کو قدیم تاریخوں ، کتبوں اور تالیف ہنروں کی امداد سے مستحکم کیا ۔ یہ مقالہ اگرچہ ایک عرصے تک صدا بصحرا ثابت ہوا تاہم اس سے ایک یہ فائدہ مرتائب ہوا کہ 'راسا' کی طرف سے بدگمانی کے علاوہ وقتہ وقتہ ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہو گئی جو اس کا مطالعہ کوی جی کے نقطہ نظر سے کرنے لگی ۔

ذیل میں کوی میاں داس جی کے بعض دلائل کا خلاصہ تاریخین کورام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :

"یہ مشہور ہندی رزمیہ ، جس کو علمی حلقوں میں برہمی راج چوہان کے درباری شاعر چند بردائی کی تالیف مانا جاتا ہے اور جس میں راجا موسوف کی ولادت سے لے کر موت تک کے حالات درج ہیں ، میری ناچیز رائے میں کوئی اصلی تالیف نہیں ہے ۔ بلکہ چند مذکور کے زمانے سے کئی صدی بعد راجپوتانے کے کسی نامعلوم بھاٹ نے ، اپنی ذات اور چوہانوں کا اعتبار و وقار قائم کرنے کے لیے ، جو اس سرزمین کے اصلی

متوطن نہیں تھے اور نہ راجپوتانے کے رئیسوں میں کسی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ، تیار کیا ہے ۔ یہ نظم کوٹھار یا بیدلا چوہانوں کے کسی تعلیم یافتہ بھاٹ کے زورِ طبع کا نتیجہ ہے ۔ راجگن سبواڑ کی تانوالی میں میانہ کی حد تک اہتمام سے اس کی علتِ غائی صرف یہ ہے کہ لوگ کتاب کے بیانات سے چشم پوشی کریں اور اس کے مبینہ واقعات کی صحت تسلیم کر لیں ، تا کہ راجستھان کے باقی راجا بھی اس کے خلاف معترضانہ لب کشائی نہ کر سکیں :

(۱) اس خیال میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ رزمید راجپوتانے میں تالیف ہوا ہے کیونکہ اس میں ایسے الفاظ اور پینشنیں کثرت سے ملتی ہیں جو ہنگل (برج بھاشا وغیرہ زبانیں) کے برخلاف ڈنگل (مارواڑی زبان) کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ مصنف نے ماگدی یا بھالا بھاشا کی تقلید کی کوشش کی ہے جو اب سے تین صدی قبل تک شاعری کی زبان تھی ۔ اس لیے کثرت کے ساتھ غشہ کا استعمال کیا ہے ، لیکن ماگدی اور سنسکرت سے عدم واقفیت کی بنا پر یہ استعمال غلط کیا ہے ۔

(۲) اس میں جس قدر تاریخیں دی گئی ہیں ، بالکل غلط ہیں ۔ مثلاً برتھی راج کی پیدائش کی تاریخ ۱۱۱۵ بکری ، اس کی قبیلہ کی رسم ۱۱۴۸ بکری ، کھاس کی فتح ۱۱۳۰ بکری ، برتھی راج کا فتوح جانا ۱۱۵۱ بکری اور شہاب الدین سے آخری جنگ ۱۱۵۸ بکری ۔

یہاں ہمیں ان تاریخوں کے تعلق میں کسی قدر بحث ضروری معلوم ہوتی ہے ۔ اس نظم میں ، جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں ، برتھی راج اور شہاب الدین کی آخری جنگ کا سال ۱۱۵۸ بکری دیا گیا ہے ۔ لیکن ”طبقاتِ ناصر“ کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ۵۸۸ھ میں واقع ہوئی ہے جو فی الحقیقت ۱۲۳۸ بکری کے مطابق ہے ۔ اس طرح ’راسا‘ کی بیان کردہ تاریخ ۱۱۵۸ بکری اور ’طبقات‘ کی تاریخ ۱۲۳۸ بکری میں پورے تیس سال کا تفاوت ہے ۔

اب ہم کتابی شہادت سے روگرداں ہو کر ان سنگی کتبوں

کی طرف رجوع کرتے ہیں جو علاقہ "میواڑ" میں برآمد ہوئے ۔ اور ان تالیف پشروں کا بھی ذکر کریں گے جو سوسائٹی کے رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں ۔

پہلا کتبہ موضع "بھولی علاقہ" میواڑ میں ، اوڈے پور سے ایک سو میل کے فاصلے پر ، ہارس لائے کے کنڈ سے جانب شمال ہے اور برتھی راج کے باپ "سجسور دیو" سے تعلق رکھتا ہے ، جس میں راجا مذکور موضع "ہولنا" ہارس لائے کے واسطے وقف کرتا ہے ۔ یہ کتبہ کسی مہاجن نے ۱۲۲۶ ہجری میں تراشا ہے جو ۱۱۶۹ ع کے مطابق ہے ۔ اس میں چوہانوں کا نسب نامہ بھی درج ہے جو سجسور دیو پر ختم ہوتا ہے ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بھاگن بدی سنہ ۱۱۲۶ ہجری تک ، جب یہ کتبہ لگایا گیا تھا ، برتھی راج گدی پر نہیں آیا تھا ۔

دوسرا کتبہ "مینال گڑھ علاقہ" میواڑ کے ایک محل کے شاہی دروازے پر ، کسی بھاؤ برسم کی دھرم سالہ کی تعمیر کی یادگار ہے اور برتھی راج کے عہد اور اسی سال یعنی سنہ ۱۲۲۶ ہجری سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برتھی راج بھاگن بدی اور چیت بدی ۱۲۲۶ ہجری کے درمیان گدی پر بیٹھا ۔

علاوہ برن قسٹوج کے راجا جے چند کے بعد تانجے پشروں جن پر سنہ ۱۲۲۳ ہجری (۱۱۷۷ ع) و ۱۲۵۳ ہجری (۱۱۸۷ ع) ہے ۔ (ملاحظہ ہو رسالہ "ایشیائک سوسائٹی بنگال" ، ص ۳۱۷ ، بابت سنہ ۱۸۷۳ ع)

جے چند سنہ ۱۲۵۹ ہجری (مطابق ۱۱۹۳ ع ، موافق سنہ ۵۸۹ھ) میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے ۔ چونکہ شہاب الدین ، برتھی راج اور جے چند معاصر ہیں اس لیے ہوجہ معاصریت ان کے سنہ میں مطابقت پاتی ہے ۔

(۳) یہاں ان بعض لاطینی مفادطوں کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے جو "برتھی راج راسا" کے اعتبار پر ، راجپوتانے کے تاریخ نگاروں کو ہوئے ہیں ۔

مسلمانوں کے ہاں تاریخ نویسی کا ایک باقاعدہ ضابطہ تھا لیکن ہندوؤں کے ہاں کوئی ایسا دستور نہیں تھا۔ ان میں اگر کوئی رواج تھا تو بس اسی قدر کہ نسب نامے بنائے جاتے تھے۔ تاریخ و قلع کے ذکر اذکار بھائیوں کی کتابوں یا مبالغہ آمیز نظموں میں بہت کم ملتے ہیں۔ یہ اس یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایسی کتابوں میں ذکر شدہ نسب نامے سن ۱۶۰۰ ہجری سے بعد کے تو کسی قدر قابل اعتماد ہیں، سن ۱۶۰۰ ہجری اور سن ۱۴۰۰ ہجری کے مابین کے اکثر موقعوں پر غلط ہیں، لیکن ۱۴۰۰ ہجری سے قبل کے تو یقیناً غلط اور خیالی ہیں۔

جب ”پرثوی راج راسا“ چند کی تصنیف کی حیثیت سے منظر عام پر نمودار ہوا تو بھائیوں اور باادرسوں نے اس کے بیانات کی سند پر بارہویں صدی ہجری میں پرثوی راج کا زمانہ قرار دیا۔ مثلاً ہم کہتے ہیں :

(الف) ”راسا“ کے اس بیان کی بنا پر کہ پرثوی راج کی بہن برتھا کی شادی راول سمرس جی والہ میواڑ سے ہوئی تھی، انہوں نے سن ۱۱۰۶ ہجری راول موصوف کی گندی نشینی کا زمانہ فرض کر لیا اور سن ۱۱۵۸ ہجری اس کی وفات کا۔ اب سن ۱۱۵۸ ہجری کے حالات تطابق دینے کے لیے، جو پرثوی راج کی معیت میں سمرس جی کے مارے جانے کا مفروضہ زمانہ ہے، ان بھائیوں نے اپنی کتابوں میں قیاسی طور پر ان تمام راجگان کے متبن وضع کر کے درج کر لیے جو راول سمر سنگھ اور موکل جی کے درمیان میواڑ کی گندی پر حکمران ہوئے ہیں، جن کی کل ہشتی بیس ہوئی ہیں۔ یہی غلطی دوسری ریاستوں کے لیے بھی مشعدی ثابت ہوئی، چنانچہ اور جبکہ بھی اس کا اعادہ ہوا۔

بازار دعوئے ہے کہ پرثوی راج کی بہن برتھا کا بیٹا سمرسنگھ جی سے بچا جانا قدوق طور پر ناممکن ہے کیونکہ راول سمرسنگھ، پرثوی راج کے عہد سے تقریباً ایک صدی

بعد گزرا ہے۔ اس کی ہمارے پاس یہ دلیل ہے کہ گمبھیری ندی پر، جو چنوڑ کے مشہور قلعے کے پاس سے گزرتی ہے، ایک ٹہل ہے جو اوی سنگھ خلفِ مہاراجا لکشن سنگھ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور مسلمان اسے خضر خان، فرز اللہ سلطان علاؤ الدین (سنہ ۵۶۹۵ - ۵۷۱۵ء) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس کی طرز تعمیر مسلمان فن تعمیر کی تقلید ہے اور چودھویں صدی ہجری کے خانمے کی یادگار ہے۔ اس ٹہل کی کل نو محرابیں ہیں۔ مشرق سے مغرب کی طرف جہانگتے ہوئے اس کی آٹھویں محراب میں ایک سنگی چوکا ہے، جس پر سنہ ۱۳۲۳ھ کا ایک کتبہ راول سر سنگھ کے باپ راول قبیج سنگھ کے زمانے کا ہے۔ ابتدا میں یہ کتبہ کسی مندر کی عمارت سے تعلق رکھتا تھا۔ مندر کا صلبہ ٹہل کی تعمیر کے وقت ادھر منتقل کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ کتبہ بھی اسی کے ساتھ جڑ دیا گیا۔

اور سنے، چنوڑ گڑھ کے محل کے صحن میں دیا ہوا ایک کتبہ خود راول سر سنگھ کے عہد کا برآمد ہوا ہے جس پر سنہ ۱۳۳۵ھ ب درج ہے۔ انہی راول سر سنگھ جی کا ایک اور کتبہ ہے جس کی تاریخ سنہ ۱۳۲۳ھ ہجری ہے۔ ان کتبوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ راول سر سنگھ کا باپ راول قبیج سنگھ سنہ ۱۳۲۳ھ ہجری میں میواڑ کی گدی پر روائی الروڑ تھا۔ اور سنہ ۱۳۳۵ھ اور سنہ ۱۳۴۴ھ ہجری کے درمیان سرسنگھ حکم ران تھا۔ اس لیے برتھی راج کے ساتھ سر سنگھ کے مارے جانے کی تاریخ سنہ ۱۱۵۸ ہجری "راما" بالکل بے بنیاد ہے۔

(ب) اسی سنہ پر جودھ پور کے تاریخ نویسوں نے بھی جے چند کی گدی نشینی کا زمانہ سنہ ۱۱۳۲ھ ہجری فرض کر لیا۔ چونکہ برتھی راج، سنجوگنا دختر جے چند کے ساتھ لیاہا

گیا اس لیے ان میں معاشرت ضروری ہوئی۔ چنانچہ انہیں بھی یہ فاضل سال راجا جے چند اور منظور کے راجا چندا کی درمیانی پشتوں میں قریباً تقسیم کرنے پڑے۔

(ج) اسی طرح جے پور کے بھاٹ بھی اسی غلطی کا شکار بنے۔ انہوں نے سمت ۱۱۳۷ و سمت ۱۱۵۱ ہکری، برجن جی کچھواہا کی گدی نشینی اور وفات کی تاریخیں فرض کر لیں، کیونکہ ’راسا‘ میں اس راجا کو برتھی راج کے ساونتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ تاریخیں ہرگز ہرگز صحیح نہیں کہیں جا سکتیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ برجن، برتھی راج کے ساونتوں میں تھا تو اس کا زمانہ سمت ۱۲۳۸ ہکری کے قریب ہونا چاہیے۔

(د) یہی حالت ہندی، سروہی اور جہلمیر کے تاریخ نگاروں کی ہے جنہوں نے ’راسا‘ کو اپنا خضر وار بنا کر اپنی تاریخوں میں غلط سنیں درج کئے ہیں۔

(م) ’راسا‘ میں برتھی راج کی ولادت کا جو زمانہ دیا ہے، ہندوئیم کے اصول و قواعد کی رو سے سراسر غلط ہے۔ کوی راج جی نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس کی افلاط ہان کی ہیں لیکن چونکہ یہ بیان نجوم کی اصطلاحات سے مبر ہے اس لیے واقعہ نے اس کا ترک کر دینا ہی مناسب خیال کیا ہے۔

(۵) ’راسا کی تصنیف کا زمانہ‘ اس عنوان کے تحت کوی راج موصوف فرماتے ہیں کہ اکبر کے عہد سے قبل کی ہندی تصنیفات میں، جو راجپوتانے میں وجود میں آئیں اور اب بھی موجود ہیں، فارسی و عربی الفاظ کا استعمال نظر نہیں آتا۔ بلکہ وہ سنسکرت، برج بھاشا، ماگدھی اور راجپوتانے کی بھاکاؤں سے مبر ہیں۔ راجپوتانے کے حکمران اکبری عہد میں شاہی دربار میں چنچے۔ چنانچہ اس کے آخری عہد میں مہوڑی اور مارواڑی بھاٹ بھی شاہی دربار میں آنے لگے۔ اس عہد سے راجپوتانے کی شاعری میں عربی فارسی الفاظ کا داخلہ

شروع ہونے لگا۔ ”ہر تھی راج راسا“ پر نظر ڈالتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عربی فارسی الفاظ آٹھ دس فی صدی ملتے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ ’راسا‘ صحت ۱۶۳۰ اور صحت ۱۶۷۰ ہکرمی کے درمیان کسی وقت لکھا گیا ہے۔ اس کی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ ”ہمیر کاوید“ جو صحت ۱۵۳۰ - ۳۲ ہکرمی کی تالیف ہے، ہمیر چوہان اور اس کے بزرگوں کی معرکہ آرائیوں کے قصے بیان کرتا ہے۔ اس تالیف میں ہر تھی راج اور شہاب الدین غوری کے مابین جنگ کی جو تفصیل دی گئی ہے، وہ ’راسا‘ کے بیانات کے مطابق نہیں، نہ ان دونوں نظموں کے بیان کردہ نسب نامے ایک دوسرے سے متفق ہیں۔ یہ امر غوریز غفل ہے کہ ایک معلومی ہائے کی کتاب، جیسی کہ ”ہر تھی راج راسا“ ہے، اگر ”ہمیر کاوید“ سے مقدم ہوتی تو یقینی ہے کہ مؤخر الذکر، تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں اس سے خوشہ چینی کرتی۔

اب میں اس امر کی صراحت کرتا ہوں کہ یہ کتاب صحت ۱۶۳۰ ہکرمی کے بعد لکھی گئی ہے۔ راول سر سنگھ کے نام پر مصنف نے راجپوت میراڑ کی حد سے بڑھ کر تعریف و توصیف کے سلسلے میں بعض تاریخی واقعات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے جن میں سے دو توصیفی جملے قابل ذکر ہیں :

- (۱) سلطان گرینٹر موکھن (-سلطان کو قید کر کے آزاد کرنے والا)۔
- (۲) سلطان مان مان (-سلطان کا محروم ڈھانے والا)۔

چلا اس تاریخی واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں مہارانا سنگ رام سنگھ (راتا مانگا) نے مالوے کے آخری بادشاہ سلطان محمود کو سنہ ۱۵۲۰ء (۱۵۱۸ء) میں اسیر کر کے بعد میں رہا کر دیا تھا۔ دوسرا کتاہ ہے سلاطین گجرات کی طرف جن کو راتا نے شکست دی تھی اور ان کے علاقے کو تاراج کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ’راسا‘ کی تالیف سنہ ۱۵۱۸ء (۱۵۱۷ء) کے بعد کسی وقت عمل میں آئی ہے۔ اور اس میں کثرت سے عربی فارسی الفاظ کا استعمال یہ

ثابت کر رہا ہے کہ وہ ایسے وقت میں وجود میں آئی جب راجپوتانے کے بھاٹ شاہی دربار سے تعلق میں آکر، اپنی زبان میں ان غیر زبانوں کے الفاظ داخل کرنے لگے ہیں۔ اب میں یہ واضح کرتا ہوں کہ اس کی تصدیق سنہ ۱۶۷۰ء سے قبل کسی وقت ہوئی ہے۔

”دلی کنٹرا بوسٹاو“ میں شاعر ایک پیشین گوئی کرتا ہے (III ۳۱) جس کا مقصد یہ ہے کہ سنہ ۱۶۷۷ء ہجری میں چٹوڑ کا مالک دہلی کو فتح کرے گا۔ اس پیشین گوئی سے ظاہر ہے کہ یہ رزمیہ اس تاریخ سے قبل لکھا گیا ہوگا، اور غالباً سنہ ۱۶۷۱ء (سنہ ۱۰۸۰ھ) سے بھی قبل، کیونکہ اسی سال مہارانا امر سنگھ اور شہنشاہ جہانگیر کے درمیان شہزادہ خسرو کی معرفت ایک عہدنامہ مرتب ہوتا ہے۔ اس عہد کے بعد مذکورہ صدر پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس وقت تک والابانڑ میواڑ دہلی کی فتح کا خواب اپنے سر سے نکال چکے تھے، بلکہ رانا پرتاب سنگھ (سنہ ۱۶۵۸ء سے مطابق سنہ ۱۶۰۱ء) کے عہد ہی سے انہوں نے سر منٹانا، دھات کے برتنوں میں کھانا، تلوار بالدھنا، جلوس کے ہچھے تھارہ رکھنا وغیرہ رسوم، اس قسم کے ساتھ ترک کر دی تھیں کہ دہلی پر فتح پائی کے بعد پھر ان کو تازہ کیا جائے گا۔

والابانڑ میواڑ کے شالدار کلونا سے، جو ان سے سنہ ۱۶۳۰ء و سنہ ۱۶۷۰ء کے درمیان زمانے میں ظہور پتھر ہوئے، نیز مہاراجا سنگ رام اور اس کے اجداد کی پیت، رتہ رتہ عوام الناس کے دلوں میں اس قوی امید کے مؤسس ہوئے کہ ایک دن میواڑ کا کوئی نہ کوئی رانا دلی ضرور فتح کرے گا۔ چنانچہ چند کا یہ شعر اسی عقیدے کی صداۓ بازگشت ہے۔“

(ج - ۱ - س - ب سنہ ۱۸۸۶ء)

اس کا جواب ہنٹ موین لال وشتو لال پنڈیا کی طرف سے سنہ ۱۸۸۷ء میں دیا گیا۔ میں یہاں ان کے بعض دلائل حوالہ قلم کرتا ہوں۔

✽ ✽ ✽

پنڈت موهن لال وشنو لال پنڈیا

پہلے دو تین سال سے ایک تشویش میں ڈالنے والا نظریہ ابھی کیا گیا ہے کہ 'واسا' میں دس ویں صدی عربی الفاظ ہائے جاتے ہیں۔ اور چونکہ ہندی کے ساتھ ان زبانوں کے الفاظ کی آمیزش عہدِ اکبری سے شروع ہوتی ہے، لہذا یہ رزمیہ جدید الاصل ہے اور سمت ۱۶۴۰ و سمت ۱۶۵۰ ہجری کے درمیان کسی وقت لکھا گیا ہوگا۔ ہمارے خیال میں یہ ایک شاعرانہ خدادادی ہے جو قطعاً بے بنیاد ہے۔ جو یہ رائے رکھتے ہیں، ہمیں انصاف کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ نہ اس رزمیہ سے واقف ہیں، نہ تاریخی واقعات سے آشنا ہیں۔ ہمارے خیال میں فارسی عربی الفاظ کا ہندی میں التیام ساتویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ چند کے ہاں ان الفاظ کی موجودگی کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ :

(۱) یہ کہنا کہ اس میں عربی الفاظ دس بارہ ویں صدی ہیں، مجالسے سے خالی نہیں ہے۔

(۲) خود شاعر نے الفلاسوفی روپک میں صاف کہا ہے کہ میں قرآن (شریف) کی زبان کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(۳) مصنف لاہور کا باشندہ تھا جہاں اس کی ولادت سے بھی ایک صدی قبل سے آلِ محمود کی حکومت قائم تھی۔ کیا اس مدت میں لاہوری زبان میں مسلمان الفاظ کا آمیز نہیں ہوا ہوگا؟ اور نہ مصنف مسکرت والوں کے اس مغولے پر عامل تھا کہ "بولی (مسلمانی) زبان مت سیکھو، خواہ اس میں تمہاری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔"

(۴) برہمنی راج اور مسلمان سلطنتوں کی حدود ایک دوسرے کے ساتھ مل رہی تھیں۔ ضرورت کے وقت ان میں غلط و کتابت ہوتی تھی۔ سفیر

آئے جانے رہتے تھے۔ آخر یہ لحد و پیام اور سفیروں کی بات چیت منسکرت میں تو ہونے لگی۔

(۵) کیا برٹش راج کی فوج میں مسلمان سپاہی ملازم نہیں تھے یا اس کے علاقے میں مسلمان تاجر اور مشایخ نہیں آتے تھے؟ اس لیے یہ توہم رکھنا کہ اس عہد کی ہندی بالکل خالص ہندی ہوگی اور مسلمان الفاظ کی چھوٹ سے محفوظ، محض خام خیالی ہے۔

(۶) تاریخ کے اوراق اٹھتے۔ تھانے پر ابوالعاس کے حملے کو لیجئے، جو سنہ ۶۳۶ع میں ہوا۔ حجاج ظالم کے وقت سنہ ۱۲ع میں سندھ فتح ہوا۔ داہر مارا گیا۔ اس کا فرزند جسے سنگھ سندھ کے رئیسوں کی ایک جماعت کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ چپ سے اب تک سندھ ایک مسلمان صوبہ بنا ہوا ہے۔ محمود کے مولہ سترہ حملوں پر غور کرو۔ سومات پر اس کی چڑھائی کو لو، جس کی یاد میں لفظ ’ہت شکن‘ گجراتیوں کے کانوں میں ابھی تک گونج رہا ہے۔ گجرات کے ناگرو برہمن آج بھی اپنے آپ کو ’سپاہی ناگرو‘ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ مسلمان سلاطین کے ملازم بن گئے تھے۔ ہارسیوں پر لعناٹ کرو۔ وہ نہایت قدیم زمانے سے اس صوبے میں آسے ہیں۔ کیا ان تمام مؤثرات نے غیر زبان کا ایک لفظ بھی ہندی میں رائج نہیں کیا؟ (۷) برج لال شاستری کی ”تاریخ زبان گجرات“ سے معلوم ہوا ہے کہ اس زبان میں مسلمان الفاظ سنہ ۱۳۵۶ ہکرمی سے داخل ہوئے لگتے ہیں۔ اور اگر ہم اپنی تلاش جاری رکھیں تو مجھے یقین واثق ہے کہ ہم کو یہ پتا مل جائے گا کہ مسلمان الفاظ، جیسا کہ میں اس سے قبل اشارہ کر چکا ہوں، ساتویں صدی سے ہندی میں ملتے لگتے ہیں۔

اب ہم چند کی سراسیمہ کر دینے والی تاریخوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں روپک ۳۵۵ کی طرف رجوع کرنا ہوگا جس کی ابتدا ہے:

ابکا دس میں پنج دہ وکرم ساکھ ائند
(گیارہ سو پندرہ) (ائند ہکرمی سنہ)

اور پورے دوپے کا مطلب ہے کہ اند ہکرمی سمت گیارہ سو ہندہ میں برتھی راج اپنے دشمنوں پر فتح پانے اور ان کے تاراج کرنے کے لیے پیدا ہوا۔ اس شعر میں لفظ 'اند' سب کے لیے بالغ ثابت ہوا ہے۔ یہ ایک مرکب لفظ ہے جس میں 'الف' لایہ ہے اور 'ند' بمعنی نو (۹) ہے۔ اگر ہم سو میں سے نو تفریق کریں تو باقی اکانوے رہتے ہیں۔ اس سے مقصد وہ سنہ ہے جو ہکرمی سمت سے اکانوے یا سوے سال بعد شروع ہوتا ہے، جو ہمیں ہجوسیوں اور بزرگوں کی اس روایت کی یاد دلاتا ہے کہ ہکرماجہت کے دو سنہ تھے۔ ایک جاری ہے، دوسرا نایند ہو گیا۔ کوئلہ کے چندی ذیل جن شاعر کا بیان ہے کہ قدیم زمانے میں دو سنہ تھے۔ پہلا 'سند' جو آج بھی قائم ہے۔ دوسرا 'اند' جو برتھی راج کے رزمہ میں استعمال ہوا ہے۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ سوے یا اکانوے سال کا یہ فرق، جو ان دو سنوں میں معلوم ہوا ہے، ہماری مشکلات کو حل کر سکتا ہے یا نہیں۔ لہذا ذیل میں اس کے امتحان کے لیے 'راسا' کے سنوں کا ایک نقشہ دیا جاتا ہے :

برتھی راج	اند سمت	سند اور اند کا فرق	سند	برتھی راج کی باقی عمر	آخری جنگ کا امتحان حاصل شدہ سال
ولادت	۱۱۱۵	۹۰-۹۱	۱۲۰۵-۶	—	۱۲۵۸-۹
دلی میں آمد	۱۱۲۳	"	۱۲۱۲-۳	۳۹	"
کپوراس کی جنگ	۱۱۳۰	"	۱۲۳۰-۱	۱۸	"
فتوح کا سفر	۱۱۵۱	"	۱۲۵۱-۲	۷	"
آخری جنگ	۱۱۵۸	"	۱۲۱۸-۹	—	"

شعر بالا میں 'اند' کو 'آند' یا الفِ محدودہ پڑھنا ایک قاحش غلطی ہے۔ عوام اس کو 'آند' پڑھ کر سعد اور مبارک کے مفہوم میں لیتے ہیں۔ چنانچہ سہا سہو پادھیا کوئی راج شامل داس جی بھی اسی غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔ سنسکرت کے لغات کی رو سے آند کے معنی دود و تکلیف ہیں۔ یہاں یہ لفظ اسم ہے نہ صفت۔ صرف و نحو کی رو سے بھی آند اور آند میں بڑا فرق ہے اور عروض بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ شاعر اس موقع پر آند کا لفظ لا کر دونوں سمتوں کے دقیق فرق کی طرف ایک لطیف اشارہ کر رہا ہے اور سعد و نس کے دلائل میں نہیں پہنستا۔

آند میں 'الف' نفی کا اور 'اند' نو ہے جو 'آند' کی طرف تلمیح ہے۔ اس سے شاعر کا مقصد ہے کہ رواجی سمت میں آندوں کا زمانہ شامل ہے مگر وہ اپنے رزمیے میں خالص ہکرمی سمت، جس سے آندوں کا زمانہ تفریق کر دیا گیا ہے، دے رہا ہے۔ ہم آند کے لیے ہم ان دونوں سمتوں کو مستند اور آند کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں؛ ان کی تشریح سے بیشتر ہم ایک اور امر کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں؛ وہ یہ ہے کہ مغربی علما کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہکرمی سمت سے ۱۲۵ کی تفریق سے سال باہن کا سمت برآمد ہوتا ہے اور عیسوی سنہ، ہکرمی سمت سے بقدر ۵۶ یا ۵۷ سال کم ہے۔ یہ الفاظ دیکر حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے ۵۷ سال قبل ہکرماجیت حکمران تھا، جس کے نام سے ہکرمی سمت مشہور ہے۔ ہارے لڑدیک یہ صریح ہے انصافی ہے کہ ہکرمی سمت کو بغیر کسی بحث و محیص کے خاموشی کے ماننے قبول کر لیا جائے، لیکن جب 'راسا' کے بیان کردہ سمتوں کا موقع آئے تو ان پر لکتہ چینی کی جائے اور ثبوت طلب کیا جائے۔ ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ہکرماجیت سمت ۱۳۵ ہکرمی تک حکومت کرتا رہا اور کسی کو یہ سوال کرنے کی جرأت نہ ہوئی کہ آخر ہکرمی سمت کب سے شروع ہوتا ہے۔ آیا ہکرماجیت کی ولادت سے، تاج پوشی کے زمانے سے یا اس کے کسی خاص نامی کولائے سے؟ اس باب

میں عام عقیدہ ، جس کی تردید کی بہارے پاس کوئی شہادت نہیں ، یہ ہے کہ جب اس نے بچپن کرور شا کاؤں کی غلوں ریزی کی تھی تب سے یہ سنت جاری ہوا ۔ اب ظاہر ہے کہ یہ شجاعانہ فعل بکرماجیت سے اس کی طفلی کے ایام میں سرزد نہیں ہو سکتا ۔ بدرجہہ اقل اس قتل عام کے وقت اس کو پچیس سال کا ہونا چاہیے ۔ اس لحاظ سے بکرماجیت کی عمر (۲۵ + ۱۳۵ = ۱۶۰) ایک سو سالہ سال ہوتی ہے جو ہر تھی راج اور سمر سنگھ کے نشوونے سال تک زندہ رہ سکتے کے قیاس سے بدوجہا زیادہ مستبعد ہے ۔ مختصر یہ کہ چند نے جو ائند نار نہیں اپنے رزمے میں دی ہیں ، بناوٹی نہیں ہیں ۔ اس نے بکرماجیت کی ایک سو سالہ سال عمر کو غیر ممکن احوال تصور کیا اور یہ سنت ، جس کا نام ہم نے مستند رکھا ہے ، اس میں لندوں کی حکومت کا زمانہ یقیناً شامل ہے ۔ جب موجودہ سنت اپنی صحت کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتا تو ہم اس اعتقاد میں کوئی حرج نہیں دیکھتے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ہر تھی راج کے عہد میں نوے اکانوے سال کی تفریق کے سالہ ایک اور سنت جاری تھا ۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے عہد کے علما نے روپک ۳۵۵ و ۳۵۶ کے تسلسل پر غور نہیں کی ۔ اگر وہ دونوں روپکوں کو سالہ ملا کر پڑھنے کو ہمیں یقین ہے کہ 'راما' کے سالوں کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ ان کے دل میں پیدا نہ ہوتا ۔ اس لیے کہ یہ اشعار بیالنگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ ہارا جی مفہوم ہے اور بس ۔

لندوں کے زمانے کو چند کے شامل نہ کرنے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ سہاند کے نو فرزند تھے جن میں آٹھ بیانا بیویوں سے تھے اور نواں چندرگیت اس کی داشتہ نلین ہوا کے بطن سے تھا ۔ اس ہڈ پر یہ خاندان سورہہ کہلاتا ہے ۔ بیوی اور ہاندی کی اولاد کا فرق دلایا ہمیشہ سے کرتی آئی ہے ۔ اسی لیے آریا مؤرخین کا دستور رہا ہے کہ نجیب زادوں کے ذکر میں کم املاوں کا ذکر شامل نہیں کرتے ، بلکہ اس سے اغماض کر جاتے ہیں یا کٹاوتہ کہہ

جائے ہیں کہ اس زمانے میں تلوار یا نیام کی حکومت تھی ۔
 واجپوتوں کی تاریخ سے ایسی بے شمار مثالیں فراہم کی جاسکتی ہیں ۔
 چنانچہ اسی بنا پر میواڑ کی تاریخ میں پیپڑ کو کوئی جگہ نہیں دی
 گئی ، نہ اس کا نام نسب ناموں میں شامل کیا گیا ۔ اسی قسم کے
 کسی لحاظ کی بنا پر چند نے مقدس چھتریوں کا سمت ، ٹاپاک مورہ
 خاندان کے نوے اکالوے سال ایام سلطنت لفریق کرنے کے بعد ،
 اختیار کیا ہے اور اسی لیے اس کو اتند سمت کہنا پسند کیا ہے ۔
 اتند سمت کے استعمال میں چند لکھا نہیں ہے بلکہ ہر تھی راج ،
 راول سمر سنگھ اور سہارائی پر لکھا ہوا ہے یہی ہیں سہ ان چند
 ہروالوں اور سندوں میں اختیار کیا ہے جو ہم تک پہنچے ہیں ۔ ان
 دستاویزوں میں اسی قسم کی تاریخیں مرقوم ہیں جو 'راما' میں ملتی ہیں
 اس پر سمت ۱۱۴۲ ، جو غالباً اس کے جلوس کا پہلا سال ہے ،
 کندہ ہے ۔ ہم نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ملاحظے کے واسطے
 ان ہروالوں کے فوٹو مشہور ماہر عنقیات ڈاکٹر رائے بہادر راجا
 واجندرا لال ایل ۔ ایل ، ڈی ، بی ۔ آئی ۔ ای کی خدمت میں ارسال
 کیے ہیں اور ان کی معمولیت کے متعلق کافی دیر تک خط و کتابت
 کی ہے ۔ اگر ڈاکٹر صاحب القابہ بیمار نہ ہو چلتے تو اب تک
 کبھی کی یہ دستاویزیں ان کی رائے کے ساتھ ماہرینِ خطوطِ قدیمہ
 کی خدمت میں پیش ہو جاتیں ۔ پارسے پاس ان اشیا کی اصلیت کے
 ثبوت موجود ہیں اور اسی وقت شائع کیے جائیں گے جب اس قسم
 کا کوئی سوال اٹھایا جائے گا ۔

گوی راج شہاں داس کا 'راما' کی تالیف کے زمانے کو سمت
 ۱۶۳۰ - ۷۰ بکرمی کے درمیان حصہ کرنا بھی نہایت عجیب ہے ۔
 اس لیے کہ اول تو ہمیں 'راما' کے خطوطات اس زمانے سے چلنے کے
 ملتے ہیں ۔ ایک نسخہ سمت ۱۶۳۳ بکرمی اور دوسرا سمت ۱۶۴۵

۱۔ مذکورہ بالا کاغذات کے فوٹو ہماری نظر سے گزرے ہیں اور قطعیت کے ساتھ
 کہا جا سکتا ہے کہ سب کی سب جعلی دستاویزیں ہیں ۔ (حاشیہ مصنف)

ہکرمی کا نوشتہ ہے ۔ اس کے علاوہ ایک کتاب میں ، جس کا نام ”چند چہند درمن مہیا“ تالیف سمت ۱۶۲۹ ہکرمی ، اور ہاری ملک ہے ، مرنوم ہے کہ سمت ۱۶۲۷ ہکرمی میں جلال الدین اکبر بادشاہ نے ”برتھی راج راسو“ اپنے دربار کے شاعر گنگ جی سے منی ہے ۔ ایک اور کتاب ”رااا راسا“ مصنفہ راول دیال ہے ۔ ہم نے اس کے ایک نسخے نوشتہ سمت ۱۶۵۷ ہکرمی سے اپنے کتب خانے کے لیے ایک نقل بھی حاصل کی ہے ۔ اس تالیف کے آخر میں مصنف نے لکھا ہے کہ مہاراجا امر سنگھ والیہ مہواڑ کے حکم سے ایک شخص رکتا ناسی نے ’راسا‘ کی نقل کی ہے ۔ مہاراجا امر سنگھ کا زمانہ سمت ۱۶۵۳ و سمت ۱۶۷۶ ہکرمی ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان دو تاریخوں کے درمیان ’راسا‘ کی متفرق داستانوں کے اجزا کو مدوں کیا گیا تھا ۔ ان صورتِ حالات میں یہ کہے ممکن ہو سکتا ہے کہ ’راسا‘ ایسے قریب تر زمانے میں ، جیسے کہ سمت ۱۶۵۰ ۔ ۷۰ ہکرمی ہے ، عالم وجود میں آئے ۔“

پتلیا جی کے طویل جواب سے ، جس کا اکثر حصہ امور غیر متعلقہ سے تعلق رکھتا ہے ، میں نے صرف چند باتیں انتخاب کر لی ہیں ۔ ان کے خاص خاص دلائل میں اگرچہ جوش و سرگرمی کا مواد بڑی حد تک موجود ہے ، مگر یقین اور وثوق کا فقدان ہے ۔ البتہ ایک بات ان کے حل میں ہے ۔ اگر وفاداری یہ شرط استواری اصل ایمان مانی جا سکتی ہے تو چند کی حیات میں ان کا جوش و خروش عین ایمان ہے اور لہذا واجب التعظیم ہے ۔ موصوف کی قابل ستائش خامد فرمائی کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ’راسا‘ کے معتقدین میں جو لوگ متزلزل ہو رہے تھے ، ان کے ایمان سلامت رہ گئے اور چند سے بے دینی کی ہوا ایک حد تک تھم گئی ۔ موصوف کا اند و ستاد سنتوں کا بے معنی مکر شاطرائہ نظریہ مغربی حلقوں میں بہت مقبول ہوا ، حتیٰ کہ اس نے جیسا نقاد مؤرخ بھی اس موجِ مراب کو حقیقت سمجھتا رہا ۔ اسی طرح برتھی راج ، سرسنگھ اور برتھا ہائی کے پروانوں اور سندوں کے ذریعے سے ، جن کو نہایت ذلیل قسم کی تلبیس کہنا چاہیے ، ہندو حلقوں میں پتلیا جی نے غیر متوقع کامیابی حاصل کی ۔ ان کا اصل جواب سب سے پہلے سنہ ۱۸۸۷ء میں بہ زبانِ ہندی میڈیکل ہال پریس ، بنارس سے نکلا ۔ پھر اسی کو

انگریزی لباس میں شائع کیا گیا۔ بدقسمتی سے میری ان دونوں لسطوں تک رسائی نہیں ہوئی۔ پھر اسی کا خلاصہ موصوف نے ”ہرلہی راج رامو“ کے چلے حصے میں، جو بنارس سے سنہ ۱۸۸۸ع میں چھپا تھا، موقع بہ موقع شامل کر لیا۔ یہ پنڈیا جی کی زبردست حیات اور مصاعی کا نتیجہ ہے کہ ”راما“ جس کو آج سے ایک عرصہ پیشتر تقویر ہارینہ بن جانا چاہیے تھا، ہم میں اب بھی زندہ سلامت موجود ہے اور ہرلہی راج کے عہد کے ادبی کارنامے کی حیثیت سے اس کو عزت دی جاتی ہے۔



ڈاکٹر بیولر

سنہ ۱۸۷۵ء میں ڈاکٹر بیولر، کشمیر بغرض میر و تفرج تشریف لے گئے۔ وہاں انہیں بیوج پتھر پر ایک قدیم منسکرت تصنیف ”برتھی راج وجے“ نامی مل گئی۔ ڈاکٹر نے اس کے مطالب معلوم کرنے کے لیے اپنے ایک شاگرد کے حوالے کر دی۔ جب کتاب کی اہمیت منکشف ہوئی، انہوں نے اکیڈمی کے واسطے ایک مضمون اس پر لکھنا شروع کیا اور ساتھ ہی ذیل کا خط ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے سیکریٹری کے نام لکھا:

”میں ’برتھی راج راسا‘ کے مسئلے پر اکیڈمی کے واسطے ایک یادداشت تیار کر رہا ہوں، جس میں ان لوگوں کے ساتھ اتفاق کروں گا جو اسے جعلی تالیف مانتے ہیں۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں مجھے کشمیر میں ایک منسکرت تصنیف ’برتھی راج وجے‘ ملی تھی، جس پر جون راج کی شرح تھی، جو سنہ ۱۳۵۰-۷۵ء کے درمیان لکھی گئی تھی، موجود ہے۔ ’برتھی راج وجے‘ (ظہور نامہ ’برتھی راج‘) کا مصنف یقیناً ’برتھی راج‘ کا معاصر اور اس کے دربار کا شاعر تھا۔ وہ لسل کا کشمیری اور اعلیٰ ہائے کا شاعر اور عالم تھا۔ چوہانوں کے متعلق اس کے بیانات ہر موقع پر ’راسا‘ کی تردید کرتے ہیں اور سنگی کتبائے مورخہ ۱۲۲۵ بکرمی کے بیانات سے متفق ہیں۔ ’برتھی راج‘ کا نسب نامہ بھی وہی ہے جو ان کتبوں میں ملتا ہے۔ اور اس تالیف کے بعض عصری واقعات بھی ہیں جو اور مآخذ سے دستیاب ہوتے ہیں۔

سمبھور، ’برتھی راج‘ کے باپ، کے متعلق اب یہ دریافت ہوا ہے کہ وہ اراو راج کا فرزند تھا اور اس کی چالکیہ ماں کتھن دیوی، کجرات کے راجا جے سنگھ کی بیٹی تھی۔ اراو راج کی ایک بیوی ماروٹ کی شہزادی تھی جس سے اس کے دو فرزند ہوئے۔ چلے فرزند کا نام

کتاب میں قلم انداز کر دیا گیا ہے۔ دوسرے کا نام وگراج بسل دیو تھا۔ اس لامعلوم الاسم فرزند نے باپ کے خون سے ہاتھ رنگین کیے اس لیے گندی وگراج کو ملی۔ اس کا جانشین اس کا فرزند ہوا۔ پھر پدرکش کے فرزند کو موقع دیا گیا۔ آخر میں اسرا نے سومیشور کو گدی پر بٹھایا۔ اس وقت تک سمیشور باہر ہی رہا اور اپنے نانا جے سنگھ کے ہاں تعلیم و تربیت پائی۔ بعد میں وہ چیدی چلا گیا اور وہاں کے راجا کی بیٹی کپور دیوی سے شادی کی۔ برتھو راج اور بری راج اس رانی کے بیٹے پیدا ہوئے۔ سمیشور گدی نشینی سے کچھ عرصے بعد فوت ہو گیا اور کپور دیوی، برتھو راج کی نابالغی کے زمانے میں، کدمباداسا پردھان کی مدد سے حکومت کرتی رہی۔

اس کتاب میں کوئی ایسا بیان نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہو کہ برتھو راج، اتھک ہال والی دہلی کی دختر کے بطن سے تھا یا اتھک ہال نے اس کو منبئی کیا تھا۔ نہ قدیم مسلمان مؤرخ دلی پر اس کی حکومت کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ امیر کا راجا ہے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ ہمیں اس عہد کی تاریخ کے سلسلے میں ترمیم کرنا پڑے گی اور چتر ہے کہ اب چند کے 'راسا' کی طباعت بند کر دی جائے۔ وہ یقیناً جعلی تالیف ہے، جیسا کہ عرصہ ہوا چونہ بور کا سرکاری دان اور اوڑے بور کا خیامبل داس اعلان کر چکے ہیں۔ 'ہرتھو راج وجے' کے بیان کے مطابق، برتھو راج کے دیواوی ملک الشعرا کا نام برتھووی ہوٹ تھا، نہ چند پردانی۔“

(رولداد ایسٹائٹک سوسائٹی بنگال، اپریل سنہ ۱۸۹۳ء)

اس خط کا ایک فوری اثر یہ ہوا کہ سوسائٹی نے 'راسا' کی طباعت بند

کر دی۔

ہسٹر شیاہ سندرداس

(البری سیکریٹری ناگری پرچاری سبھا ، بنارس)

”بلاشر ہندی خطوطات“ کی سالانہ رپورٹ میں ہاہو شیاہ سندرداس نے ہڈیا جی کی ہم نوائی کا حق ادا کیا ہے ۔ ’راما‘ کی مدانت میں ان کے دلائل زیادہ تر ہڈیا جی کے اثرات کے حامل ہیں ۔ ہاہو صاحب فرماتے ہیں :

”چند ایک بڑا شاعر تھا اور اس نے یہ رؤسیہ ”ہرتھی راج واسو“ لکھ کر اس امر کا ثبوت دیا ہے کہ ایک عالی جاہ بادشاہ کی تاریخ لکھنے والے شاعر کا مرغ فقیل کبھی تک بلند پروازی دکھا سکتا ہے ۔ اس کے دس فرزند تھے ۔ ان میں جشم سب سے بڑا تھا اور والا سر سنگھ کو جہیز میں ملا تھا ۔ چند نے اس فرزند کو اپنا کلیات عنایت کیا تھا ۔ یہ تالیف ہمیشہ سے علما و فضلا کی تحسین و ستائش کے جذبات کو ابھارتی رہی ہے ۔ مختلف موقعوں پر اس کی طباعت کے واسطے کوشش کی گئی مگر بعض اس کی قدیم زبان اور قدیم ترکیبوں سے گھبرا کر عہدہ برآ نہ ہو سکے اور تھک کر بیٹھ رہے ، اور بعض خاطر خواہ سرپرستی کے نہ ہونے کی بنا پر ہاتھ نہ ڈال سکے ۔

اس تالیف کی اصلیت کے متعلق علما میں بہت کچھ اختلاف رائے ہے ۔ بعض اتھا ہستندوں نے توچاں لکھ کہہ دیا کہ وہ تاریخ نویسی کے مقصد کے لیے بالکل بے کار ہے ، حالانکہ اس کے مطالب پر ہم کو کچھشتہ ایسی اطلاع بھی حاصل نہیں ۔ کوی راج شیاہل داس جی اس معاملے میں سب سے پیش پیش ہیں اور یہ متکین الزام عائد کرتے ہیں کہ یہ کتاب ہرتھی راج کے زمانے کی یادگار نہیں بلکہ اس کے عہد سے نہایت متاخر ہے ، کیونکہ اس کے بیان کردہ واقعات اور تاریخیں غلط

ہیں۔ چان ہارے لیے یہ دریافت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تالیف کے بیان کردہ سال و ستین دوسری تاریخوں سے کہاں تک مختلف ہیں۔ 'راسا' یوں تو اپنے عہد کی تاریخ عمومی ہے مگر ہر تہی راج کی سوانح حیات اس کا خصوصی پہلو ہے۔ جسے چند ، ہر تہی راج اور شہاب الدین کا زمانہ ہم کو معلوم ہے اور جانتے ہیں کہ وہ ہم عصر تھے۔ کتبہ تاریخ کے علاوہ سنگی کتبے بھی ان کی معاشرت کی شہادت دیتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تالیف کی تاریخیں دوسرے مآخذ کے ستین سے کہاں تک متفاوت ہیں۔ 'راسا' کی رو سے ہر تہی راج کی بدائش سن ۱۱۱۵ء میں ، اس کی گود نشینی سن ۱۱۲۲ء میں ، قنوج کا جانا سن ۱۱۳۱ء میں اور شہاب الدین سے آخری جنگ سن ۱۱۵۸ء میں ہوئی ہے۔ "طبقاتِ ناصری" میں آخری جنگ کی تاریخ سنہ ۵۵۸ھ درج ہے جو سن ۱۲۴۸ء ہکرمی کے مطابق ہے۔ اس حساب سے 'راسا' کی تاریخ سن ۱۱۵۸ء اور "طبقاتِ ناصری" کی تاریخ سن ۱۲۴۸ء ہکرمی میں صریح تیس سال کا فرق رہتا ہے۔ بالفاظِ دیگر مذکورہ بالا معترضہ ستین سن ۱۱۱۵ء ، سن ۱۱۲۲ء ، سن ۱۱۵۱ء اور سن ۱۱۵۸ء یہ روئے تاریخ صریح سن ۱۲۸۵ء ، سن ۱۲۱۲ء ، سن ۱۲۴۱ء اور سن ۱۲۴۰ء روئے چاہئیں تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ چند نے ان ستین کے بیان کرنے میں تیس سال کی غلطی کی ہے۔ مگر ہر تاریخ میں تیس سال کا برابر فرق پایا جانا غلطی میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا کچھ نہ کچھ حل ضرور ہے۔

ہم اپنی اس رپورٹ کے خاکے پر دس نوٹوں ، جو قدیم پروانوں اور سندوں کی شکل میں ہیں اور ہر تہی راج اور اس کے معاصرین سے تعلق رکھتے ہیں ، درج کرتے ہیں۔ اب ان غلطوں اور پروانوں میں بھی اسی قسم کی تاریخیں ہیں اور سن ۱۱۵۳ء سے لے کر سن ۱۱۵۷ء تک پر محیط ہیں۔ اس کے علاوہ یہ دستاویزی بعض دیگر امور پر بھی روشنی ڈالتی ہیں :

(۱) پہلا ریسیکس ویدی سے متعلق ہے جو دہلی اور میواڑ کے شاہی خاندانوں کا معالج ہے۔ یہ ویدی ، رانا سر سنگھ کو ہر تہا پائی ،

ہمشیرہ برتھی راج سے شادی کے وقت جہیز میں دیا گیا تھا ۔ اس پروانے کی رُو سے یہ واقعہ سنہ ۱۱۴۵ کا ہے ۔ وید جی کا جہیز میں دیے جانے کا قصہ خود برتھا بانی کے آخری خط سے ، جو انھوں نے اپنے فرزند حکمران مہواڑ کو لکھا ہے ، ثابت ہے ۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ برتھا بانی کی شادی کے موقع پر دہلی سے چار خاندان جہیز میں دیے گئے تھے ۔ چنانچہ اس خط کے بیان کی تصدیق ’راسا‘ کی داستان ’برتھی راج سمبھو‘ سے بھی ہوتی ہے جہاں ان چاروں خاندانوں کا ذکر نام بہ نام آیا ہے ۔ ان میں پہلا سری پت ساہ ہے جو دے پورہ مہاجنوں کے خاندان کا مورث اعلیٰ ہے ۔ دوسرا گرو رام پروت ، منادرہ برہمنوں کے خاندان کا بڑوک ہے ۔ تیسرا ریسیکس اچارج (وائیا) برہمنوں کے خاندان کا جتدر اہلہ ۔ چوتھا جٹہ چند کا خلیفہ اکبر ، خاندان راجورہ رائے کا بانی ہے ۔ یہ چاروں خاندان برتھا بانی کی معیت میں آئے تھے اور دربار مہواڑ ان کی بے حد تعظیم کرتے ہیں ۔

- (۲) دوسرا برتھا بانی کا اپنے بیٹے کے نام واقعہ ہے ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آخری جنگ ، جس میں برتھی راج مارا جاتا ہے ، ساگھ دی سنہ ۱۱۵۷ء کو ہوئی ۔ چند نے یہ تاریخ سنہ ۱۱۵۶ء دی ہے ۔
- (۳) ان لوگوں کے علی الرغم ، جو برتھا بانی اور سر سنگھ کی شادی کے خلاف چہ مہگولیاں کرتے رہے ہیں ، ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مکمل دستاویزی شہادت موجود ہے جو مخالف قیاسات کے بطلان کے لیے کافی ہے ۔

کوی راج شیاہل داس جی نے اپنے نظریے کی تائید میں جو کتنے نقل کیے ہیں ، ہنڈت سوہن لال وشو ہنڈیا نے اپنے رسالہ ”راسا کی ماہیت“ میں ان کی ثقاہت کی فہمی کھول کر رکھ دی ہے اور یہی ان کتبوں کی صحت تسلیم کرنے کے لیے اس وقت تک آمادہ نہیں ہو سکتا جب تک ان کے اصلی عکس مہیا نہ کیے جائیں اور کوئی قابل عالم ان کی تدوین نہ کرے کیونکہ یہ بات

مشہور ہو گئی ہے کہ کسی مفسد نے ان کتبوں میں تحریف کر کے دو کے بندھے کی جگہ تین کا بندھ بنا دیا ہے ۔

(۴) ایک پروانے کی سُمر میں ، جو خود پرلہی راج کی ہے ، صحت ۱۲۶ اب درج ہے ، جو پرلہی راج کے گدی پر آنے کی تاریخ ہے ۔ یہ تاریخ بھی 'راسا' کی تاریخ سے مطابق ہے جو داستان "دلی دان مسیو" میں درج ہے ۔

ہم اس قدر پر اکتفا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان خطوں اور پروانوں کی اصلیت پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہیں ۔ البتہ ان دستاویزوں میں فارسی الفاظ کی موجودگی کی بنا پر ہمیں کسی قدر تردد ہوتا ہے ، لیکن یہ تردد اس خیال سے رفع ہو جاتا ہے کہ پرلہا ہائی دہلی سے آئی تھی ، جہاں مسلمان مہاراجوں کا ایک دستہ راج میں ملازم تھا اور جہاں لاہور سے ، جو مسلمانوں کے زہر لگیں تھا ، برابر مسلمان سفیر آتے جاتے رہتے تھے ، کیونکہ دونوں سلطنتوں کی حدود آپس میں ملحق تھیں ۔

بہانِ بالا سے یہ امر صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ 'راسا' میں مختلف واقعات کے بیان شدہ متین غلط نہیں ہیں بلکہ اسی سند کے مطابق ہیں جو دوبار کی دستاویزات و کاغذات میں عام طور پر ان ایام میں رائج تھا اور جو یہ قدر ۹۰-۹۱ سال ہیکری صحت سے کم ہے ۔ اب یہ سند اس یکساں تفاوت کی ، جو 'راسا' اور اس عہد کی دستاویزوں کے مشینہ سنوں میں اور سنگی کتبوں کے سنوں میں نظر آتا ہے ، پوری پوری تشریح کر دیتا ہے ۔ ہنلت سوین لال وشنو لال ہنڈیا کی رائے ہے کہ یہ اندہ صحت ہے جو ہیکری سنہ رواں سے ۹۰-۹۱ سال چھوٹا ہے ۔ موریا خاندان ، جس کا بانی مشہور چندر گپت ہیکری مہاندے ہے ، اسی بنا پر لند ہنسی کہلاتا تھا ۔ چونکہ یہ خاندان لڑھی ذات کے ہندوؤں سے علاقہ رکھتا تھا اور تیسویں اکانوے سال حکمران رہا ، اس لیے انہیں ذات کے راجپوتوں ، بالخصوص میواڑ والوں نے ، اس خاندان کے ایام سلطنت کو ہیکری صحت سے نفی کر کے اندہ صحت کا اجرا کیا ، جس میں کم ذات

موریا ہنسی تسلیم نہیں کیا گیا۔ ان وجوہ سے ثابت ہوتا ہے کہ 'راما' کی تاریخیں فرضی نہیں ہیں اور جو وقائع اس زمرے میں بیان ہوئے، حقائقِ واسطہ پر مبنی ہیں۔ لہذا یہ اس بابہ 'تصدیق کو پہنچ جاتا ہے کہ "پرٹھی راج راما"، مصنفہ چند پردائی وزیر و ملک الشعراء دربار پرٹھی راج، اتنا ہی اصلی اور حقیقی ہے جیسے کوئی اور تالیف جو قرونِ وسطیٰ میں تحریر ہوئی۔ اور ایسی جدوجہد، جو اس کے جعلی اور مصنوعی ثابت کرنے کے لیے کی جاتی ہے، بے حد فضول اور بے موقع بلکہ فتنہ پردازانہ ہے۔"

(سالانہ رپورٹ باہت الاشرار غلطوبات ہندی برائے سال سنہ ۱۹۰۰ء، از سیام سنڈر داس بی۔ اے، آنریری سیکریٹری، ناکری پربھاری سبھا، بنارس۔ الہ آباد، سنہ ۱۹۰۳ء)۔

انند سمت کی آڑ میں پنڈیا جی اور ان کے مقلد شیم سنڈر داس جی نے خاصی ہنگامہ آرائی کی ہے لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر موریا خاندان کا اس انند سمت سے کیا تعلق ہے کیونکہ موریا خاندان بکرماجیت سے کم از کم پوری ایک صدی قبل گزرا ہے۔ قدیم تاریخ ہند کے امام، مسٹر ونسنٹ اسمتھ کے بیانات کے مطابق، جن کو تمام مؤرخین ہند تسلیم کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ موریا خاندان ۳۲۶ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۸۵ قبل مسیح تک حکومت کرتا رہا۔ اس حساب سے کل مدتِ سلطنت ایک سو اکتالیس سال بنتی ہے، نہ توڑے اکانوے سال، جیسا کہ ان بزرگوں کا خیال ہے۔ دوسرے موریا خاندان بکرماجیت کے عہد سے، جس کے نام پر بکرمی سمت چل رہا ہے، پورے ایک سو اٹھالیس سال قبل ختم ہو چکا ہے۔ اب ان بزرگوں کا موریا خاندان کے زمانے کو بکرماجیت سے کم از کم توبے اکانوے سال بعد قصور کرتا اور یہ مفروضہ مثبت بکرمی سمت سے خارج کر کے انند سمت کے نظریے کو پیش کرتا ہمارے نزدیک ایک علمی ذمہ دہدہ بازی ہے جو بالکل گمراہ کن ہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ خود ونسنٹ اسمتھ نے انند سمت کے نظریے کو تسلیم کر کے اپنی خوش اعتقادی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔

ونسنٹ اے۔ اہمیت

اسنوہ صاحب قدیم تاریخ ہند کے ماہر تاز اور مقبول مؤرخ ہیں۔ ان کی تاریخ، جو اولاً ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی، ہند قدیم کے لیے ایک مستند ماخذ مانی جاتی ہے اور ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیوں کے تعلیمی نصاب میں داخل ہے۔ ’واسا‘ کے ساتھ ان کا رویہ متوازن سا ہے۔ ابتدا میں مخالف ہیں، بعد میں مشکوک اور آخر میں موافق ہیں۔ چنانچہ :

(۱) ”چند کے اس قصے کی، کہ ہرمال (ہرمال یا ہرمادی) ہرتھی راج کے ہاتھ سے شکست کھانے کے بعد گیا میں جا کر عزت نشین ہو گیا اور وہیں فوت ہوا، مسلمان مؤرخین کے منجیدہ اور مستند بیان سے تردید ہوتی ہے۔

یہ من جملہ اُن بات سے شواہد کے ایک ہے جو یہ دکھانے کے لیے نقل کیا جا سکتا ہے کہ چند کا ’واسا‘، جس حالت میں کہ وہ ہمارے پاس ہے، مورخ کے نقطہ نظر سے بعض ناکارہ اور گمراہ کن ہے۔“

(جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، ص ۲۹، ۱۸۸۱ء)

اڈیٹر رسالہ نے اس پر یہ حافیہ لکھا ہے :

”یہ قصہ پاک کر دینے والا بیان ابھی، جب کہ چند کے اس عظیم رزمیے کے مطالب ہی کافی طور پر معلوم نہیں، لا واجب ہے۔“

(۲) ”ہرتھی راج کے حالات سے بحث کرنے والی بہترین کتاب ہندی رزمیہ ’چند واسا‘ یا ’ہرتھی راج واسا‘ ہے جو صوجیات متحدہ میں نہایت مقبول ہے۔ اس کی تصنیف چند پردائی کی طرف منسوب ہے جو ہرتھی راج کے دوبار کا شاعر کہا جاتا ہے۔ اس کی موجودہ شکلی و ترتیب پر لحاظ کرتے ہوئے اس کی اصابت کے متعلق

اختلاف آرا ہے۔ 'راسا' کے سانوں میں مفروضہ غلطیوں کی تشریح اس دریافت سے ہو جاتی ہے کہ مصنف نے برتھی راج کا اندھ بکرمی سمت استعمال کیا ہے، جو ۳۴۰ عیسوی کے برابر ہے اور اصل ساندھ بکرمی سمت، سنہ ۵۷ - ۵۸ قبل مسیح سے بتدرتوے و اکالوے سال چھوٹا ہے۔ ڈاکٹر بیولر "برٹھوی راج دھے" نامی ایک سنسکرت تالیف کو، جو کشمیر میں ملی تھی اور جس کا مصنف یقیناً برتھی راج کا معاصر اور درباری شاعر ہے، زیادہ مستند خیال کرتے ہیں۔ اس کا دیا ہوا نسب نامہ کتبوں میں نوشتہ نسب نامے کے ساتھ مطابق ہے۔ چند کا یہ بیان کہ رائے پتھورا، انگ پال راجہ دہلی کی دختر کا نرژد تھا، غیر صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

(قدیم تاریخ ہند، ص ۳۵۷، سنہ ۱۹۰۸ء، اشاعت دوم)

(۳) "ان رزمیوں میں سب سے مشہور 'چند راسا' ہے جو برتھی راج کے درباری شاعر چند بردائی کی تصنیف ہے۔ اس نظم میں، جو ہستانی ہندی میں لکھی گئی ہے، ہومر سے منسوب نظموں کی طرح 'راسا' خواتون کے ہاتھ سے یقیناً بار بار اٹھائے ہوئے رہے ہیں۔ اشعار کی تعداد سوا لاکھ بتائی جاتی ہے لیکن اصل تصنیف، جس میں صرف پانچ ہزار شعر تھے، اب بھی موجود ہے اور شاعر کی اولاد کے قبضے میں ہے۔ یہ لوگ جوہد پور میں رہتے ہیں اور اس زمین پر، جو ان کے نامی گراسی جد کو عطا ہوئی تھی، متصرف ہیں۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ یہ قیمتی نسخہ اصل سے نقل ہو کر چھپوا دیا جائے۔ چند بردائی کی قارئین میں کوئی مفروضہ غلطی وجود نہیں ہے۔ اس نے ایک خاص بکرمی سمت کا استعمال کیا ہے، جو معمولی رواجی سمت سے لٹوے اکالوے سال چھوٹا ہے۔"

(ہستانی اور ہندوستانی ہندوستان، ص ۱۹۹، از وائنٹ اے۔ اسٹھ، آکسفورڈ)

اسٹھ کا یہ قول کہ 'راسا' میں دراصل پانچ ہزار اشعار تھے، برہمنی الحاق

نے اس کو سوا لاکھ ارباٹ کی ایک ضخیم جلد بنا دیا ، ہارہ اعتبار سے حافظ ہے ۔ اس کا جواب پنلٹ گوری شنکر کی تنقید میں ملے گا ۔ اند سمت کے متعلق مسٹر ہلدر کا بیان ملاحظہ ہو ۔

مسٹر آر . آر . ہلدر

(نائب کیورنر راجپوتانہ میوزیم اجپیر)

”پرتھی راج رسا“ کے متعلق یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ بارہویں صدی عیسوی میں تالیف ہوا اور اس کی تاریخیں اند سمت میں ، جو ہکرمی سمت سے نوے اکانوے سال کم ہے ، دی گئی ہیں ۔ مطور ذیل کا یہ مقصد ہے کہ حتی الامکان اختصار کے ساتھ ثابت کر دیا جائے کہ تقریباً اس تالیف کی تمام تاریخیں جو پرتھی راج کی سوانح حیات سے تعلق رکھتی ہیں ، بالکل غلط ہیں اور نہ اس کے بیان کردہ واقعات صحیح ہیں ۔

ان تاریخوں کے جاننے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج کے حالات ، جو دیگر ذرائع سے ملتے ہیں ، معلوم کر لیے جائیں ۔ اس غرض سے ہم اس کے دادا ارنو راج سے شروع کرتے ہیں جو سمت ۱۱۹۶ سے ۱۲۰۷ ہکرمی (۱۱۳۹ ع - ۱۱۵۰ ع) تک حکومت کرتا رہا ۔

ارنو راج کا جانشین جگندھو تھا جس کو اپنے باپ کے قتل کے الزام میں اس کے چھوٹے بیٹا ویسل دیو نے ، بہت جلد بعد معزول کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ اس کا زمانہ ۱۲۱۰ - ۲۰ ہکرمی (سنہ ۱۱۵۳ ع - ۶۳) ہے ۔ ویسل دیو کے بعد قنوتہ اس کا فرزند اس کا گنگھا اور اس کے بعد جگندھو کا فرزند پرتھی راج ثانی حکومت پر سر فراز ہوئے ۔ مؤخر الذکر سمت ۱۲۳۴ - ۲۶ ہکرمی (۱۱۶۷ - ۶۹ عیسوی) تک حکمرانی کرتا رہا ۔ اب سومیشور کی باری آتی ہے جو سمت ۱۲۳۶ - ۳۴ ہکرمی (۱۱۶۹ ع - ۸۷) کے درمیان وارثِ ملک ہوا ۔ سومیشور نے کوکن کے راجا کے قتل کے بعد تریپوری کے راجا کاکری کی دختر سے شادی کی ۔ پرتھی راج اس رانی کے بطن سے پیدا ہوا ۔ اس کی تاریخ ولادت سمت ۱۲۳۴

ہکرمی (سنہ ۱۱۶۷ع) سے کسی قدر قبل ہوئی چاہیے۔ یا یوں سمجھنا چاہیے کہ
سنت ۱۲۱۷ - ۱۲۲۴ ہکرمی (سنہ ۱۱۶۰ - ۱۱۶۷ع) کے درمیان کسی وقت
ایدا ہوا اور سنت ۱۲۳۶ تا ۱۲۴۹ ہکرمی (سنہ ۱۱۷۹ تا ۱۱۹۲ع) سلطنت
کرتا رہا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا باپ سومیشور سنت ۱۲۳۴ - ۱۲۳۹
ہکرمی (سنہ ۱۱۷۷ - ۱۱۷۹ع) کے درمیان کسی وقت فوت ہوتا ہے۔ 'راما' میں
مختلف واقعات کی جو تاریخیں درج ہیں، حسب ذیل ہیں :

- (۱) ولادت برتھی راج : سنت ۱۱۱۵۔
 - (۲) بھولا بھیم والی گجرات کا سلطہ راجہ 'آو پر حملہ : سنت ۱۱۳۶۔
 - (۳) برتھی راج کے ہاتھ سے شہاب الدین کی گرفتاری : سنت ۱۱۳۶۔
 - (۴) انہی ہی سے شادی : سنت ۱۱۳۶۔
 - (۵) برتھی راج کی دہلی میں کود نشینی : سنت ۱۱۳۸۔
 - (۶) برتھی راج اور شہاب الدین کی التوج کا مقابلہ : سنت ۱۱۴۰۔
 - (۷) منجونا دختر سے چند والی قنوج کی بیدائش : سنت ۱۱۴۳۔
 - (۸) برتھی راج کا قنوج پر حملہ : سنت ۱۱۵۱۔
 - (۹) برتھی راج اور شہاب الدین کی آخری جنگ : سنت ۱۱۵۸۔
- ہم ان مدتوں پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ کرتے ہیں :

(۱) برتھی راج کی تاریخ ولادت سنت ۱۱۱۵ صحیح نہیں کیونکہ ہم
اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ وہ سنت ۱۲۱۷ و ۱۲۲۴ ہکرمی (سنہ
۱۱۶۰ - ۱۱۶۷ع) کے درمیان کسی وقت ایدا ہوا ہے۔ لوگوں کا
خیال ہے کہ 'برتھی راج راما' کی تاریخیں ائند ہکرمی سنت میں ہیں
جو سہ وجہ ہکرمی سنت سے لوے اکالوے سال چھوٹا ہے اور 'راما'
کی تاریخوں میں یہ مدت یعنی تیسے اکالوے سال اضافہ کرنے
سے صحیح ہکرمی سنت برآمد ہوتا ہے۔ اس نظریے کو بھی تسلیم
کر کے ہم دیکھنے ہیں کہ اس مدت کے اضافہ کرنے سے 'راما' کی
تاریخیں درست نہیں آئیں۔

(۲) جہاں تک ہمیں معلوم ہے، آو کے راجا سلطہ کا نام کسی کتبے
اور معتبر دستاویز میں نہیں ملتا۔ سنت ۱۱۲۳ - ۱۲۰۱ ہکرمی

میں دھروویٹ اور رام دیو آلو پر حکمران تھے اور دھار اورش
سنت ۱۲۲۰ سے سنت ۱۲۷۶ بکرسی (سنہ ۱۱۶۳ ع - ۱۲۱۹ ع)
تک گندی پر تھا۔ اذھر بھولا بھیم والی گجرات سنت ۱۲۳۶ بکرسی
(سنہ ۱۱۷۹ ع) میں تخت نشین ہوا۔ اس لیے بھولا بھیم کا حملہ
سنت ۱۱۳۶ اند یا سنت ۱۲۲۶ سنہ میں ان تلویحوں پر نظر
دیکھنے ہوئے ناممکن ہے۔

(۳) ہندوستان پر شہاب الدین کا سب سے چلا حملہ سنہ ۵۵۱ مطابق
سنت ۱۲۳۲ بکرسی (سنہ ۱۱۷۵ ع) میں ہوا ہے۔ برتھی راج
سنت ۱۲۳۳ بکرسی کے بعد گندی نشین ہوا ہے، جو سنہ ۱۱۷۷ ع
(۵۵۳) کے مطابق ہے، اس لیے برتھی راج شہاب الدین کو
سنت ۱۱۳۶ اند یا سنت ۱۲۲۶ سنہ (۱۰۷۹ ع یا ۱۱۶۹ ع) میں
اسیر نہیں کر سکتا۔

(۴) کے لیے ملاحظہ ہو التین ایٹیکوری، ص ۵۰، جلد ۵۶۔
(۵) 'راما' کی روایت ہے کہ النگ ہال دہلی کے راجا نے اپنی دختر کدلا
کی شادی سومیشور سے کی اور برتھی راج اس شادی کا ثمر ہے،
جس کو النگ ہال نے منبٹھی کر لیا اور اپنی زندگی میں راج
دے کر خود تیرتھ کو چلا گیا۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ
سومیشور کے زمانے میں النگ ہال نام کا کوئی راجا نہیں تھا
کیونکہ یسمل دیو کے زمانے سے دلی اجمیر کا مائت صوبہ تھا۔ اس
کے علاوہ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ سومیشور نے کرپوری کے راجا
کی لڑکی کیور دیوی سے شادی کی تھی جس کے بطن سے برتھی راج
پیدا ہوا۔

(۶) اس کے لیے ہمارے دلائل مندرجہ 'تیر ۴' کافی ہیں اور مزید تردید
کی ضرورت نہیں۔

(۷) 'راما' کا بیان ہے کہ بھے ہال راجہ 'تنوج' نے، کلک کے سورج
بتھی راجا، مکند دیو پر حملہ کیا جس پر مکند دیو نے اپنی
لڑکی، بھے ہال کے فرزند جے چند کو بیاہ دی۔ اس کے بعد سے
منجوگنا سنت ۱۱۲۳ اند میں پیدا ہوئی۔ اول تو جے چند کے

باپ کا صحیح نام ہے چند تھا ، نہ جے ہال ۔ اس کا عہد حکومت ۱۲۲۳-۲۶ بکرمی مطابق ۱۲۶۷-۶۹ ع ہے ۔ اس زمانے میں کٹک پر گنگا ہنسیوں کا راج تھا ، نہ سورج ہنسیوں کا ۔ اور مکند دیو نام کے راجا کا سرخ نہ گنگا ہنسیوں میں ملتا ہے ، نہ سورج ہنسیوں میں ، جس کی حکومت کٹک پر ہو ۔ اس لیے سمت ۱۱۳۳ اٹھ ہا سمت ۱۱۲۳ سنہ میں جے چند کی مکند دیو کی دختر کے ساتھ شادی کا قصہ اختراع بعض معلوم ہوتا ہے ۔

(۸) 'راسا' میں مذکور ہے کہ جے چند نے راجسو جنگ اور اپنی دختر منجوگنا کا سوہر رچایا ، جس میں اس نے برتھی راج والی اجیر اور سر سنگھ والی موڑ اور دیگر راجگان کو بلایا ۔ اس رسم میں شامل ہونے سے ان دونوں کے انکار پر جے چند کی فوجوں نے ان پر چڑھائی کی ، مگر بدقسمتی سے شکست کھائی ۔ اس پر جے چند نے برتھی راج کی توہین کی غرض سے اس کا ایک ملائی عسہ تیار کروا کر دربان کی جگہ پر رکھوا دیا ۔ برتھی راج اس ذات کی تاب نہ لا کر سمت ۱۱۵۹ اٹھ ہا سمت ۱۲۳۱ سنہ میں فوج پر یورش کر رہا ہے اور جے چند کو ہزیمت دے کر منجوگنا سمیت واپس لوٹتا ہے ۔

یہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ مکند دیو کی بیٹی کے ساتھ جے چند کی شادی کا افسانہ ناقابل یقین ہے ۔ علاوہ یہی جے چند کے راجسو جنگ منانے اور منجوگنا کی رسم سوہر ادا کرنے کا قصہ نہ کسی کتاب یا کتبے میں ملتا ہے ۔ بلکہ رہبھا مانگری نالک تالیف نے چند سوری میں ، جس کا موضوع خاص جے چند ہے ، کوئی ایسا قصہ نظر نہیں آتا ۔ اس لیے ہمارے پاس کوئی ایسے وجوہ نہیں جن کی بنا پر برتھی راج کے حملے کو تسلیم کریں ۔

(۹) سمت ۱۱۵۸ اٹھ ہا سمت ۱۲۳۹ سنہ صرف یہی ایک ایسی تاریخ ہے جو مفروضہ اٹھ سمت کی رو سے صحیح ٹھہر سکتی ہے ؛ یعنی اس میں اکالوے کا اٹالہ کرنے سے بکرمی سمت ۱۲۳۹ برآمد ہوتا ہے ۔

اب ہم 'راسا' کی بعض اور روایات پر نظر ڈالتے ہیں :

(۱) کہا جاتا ہے کہ قہوج کے جے ہال نے دلی کے راجا النگ ہال پر حملہ کیا مگر النگ ہال اور سوبیشور کی متحدہ افواج نے اس کو شکستِ لاجس دی۔ اب یہ بیان بعض بے بنیاد ہے، اس لیے کہ سوبیشور کے عہد میں النگ ہال نالی کوئی راجا نہیں تھا اور دلی ان ایام میں چوہالوں کے زیرِ نگیں تھی، بلکہ یہ سبیل دیو چوہان ہے جو دلی فتح کرتا ہے۔

(۲) منقول ہے کہ جے ہال نے لنہواڑ کے راجا بھولا بھیم پر چڑھائی کی۔ ہارا کھتا ہے کہ جے ہال کا حملہ، جس کا نام جے چندر ہے، لنہواڑ کے راجا بھولا بھیم یعنی بھیم دیو گان پر ممکن نہیں ہے، کیونکہ بھیم دیو کا عہدِ حکومت سن ۱۲۳۵ - ۹۸ بکرمی (۱۱۷۹-۱۲۳۱ ع) ہے۔ اور جے چند کا زمانہ سن ۱۲۲۴ - ۲۵ بکرمی (سنہ ۱۱۶۸ - ۶۹ ع) ہے۔ اور لہ ان میں باہمی معاشرت ہے۔ بنا بریں یہ بیان بھی بے اصل ہے۔

(۳) لکھا ہے کہ اجمیر کا راجا برتھی راج چوہان، میواڑ کا راول سر سنگھ اور آجیر کا والی پٹن ہاہم معاشریں۔ یہ بھی ایک من گھڑت داستان ہے۔ برتھی راج کا زمانہ سن ۱۱۳۶-۹۰ بکرمی (سنہ ۱۱۷۹ - ۹۲ ع) ہے، میواڑ کے رانا سر سنگھ کا زمانہ سن ۱۱۳۳-۵۸ بکرمی (سنہ ۱۲۷۳-۱۳۰۱ ع) ہے اور آجیر کے پٹن کا زمانہ جو وجر داسا (سن ۴۰۰-۱۰۰ ب مطابق سنہ ۹۷۷ ع) سے تیرھویں پشت میں ہے، اگر فی پشت اوسطاً بیس سال بھی رکھے جائیں تو تیرھویں صدی عیسوی کے مختلف میں قرار پاتا ہے۔ اس لیے ان تینوں حکم رانوں کی ہم عصری کا قصہ بالکل باطل ہے۔

(۴) 'راسا' میں یہ بھی مرقوم ہے کہ دیو گیری کے جادو بنسی راجا بھانا کی دختر سے برتھی راج کی اور برتھی راج کی بی بی برتھا پائی سے راول سر سنگھ والی میواڑ کی شادی ہوئی۔ اس سلسلے میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ بھول لیا دیو گیری کے خاندان کے بانی

کا زمانہ سنہ ۱۲۴۴ ہجری (سنہ ۱۸۷۷ء) ہے ، یعنی برتھی راج کے قتل سے صرف پانچ سال قبل یہ خاندان وجود میں آتا ہے اور برتھی راج کے عہد میں یہاں نام کا کوئی راجا جادو بنسوں میں نہیں گزرا ۔ اور سر سنگھ کے ساتھ برتھا ہائی کی شادی کے قصے کی لغویت تو صرف اس بیان سے ظاہر ہے کہ برتھی راج اور راول سر سنگھ کے زمانوں میں کم از کم ایک سو سال کا فرق ہے ۔

(۵) 'راسا' میں ایک اور بے حقیقت افسانہ بھی ملتا ہے جو برتھی راج ، چند بردائی اور شہاب الدین کی ایک وقت وقات سے تعلق رکھتا ہے ، اور جس میں کہا گیا ہے کہ برتھی راج کو قید کر کے غزنی بھیج دیا گیا تھا ۔ چند اس کی تلاش میں غزنی پہنچا اور قید خانے میں برتھی راج تک رسائی حاصل کر لی ۔ ادھر اس نے شہاب الدین کے سامنے برتھی راج کی تیر اندازی کے قصے سنا سنا کر سلطان کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ راجا کی تیر اندازی کا کمال ملاحظہ کرے ۔ چنانچہ راجا دربار میں بلایا گیا ۔ جب تیر کمان راجا کے قبضے میں آ گئے ، اس نے چند کے اشارے پر پہلا تیر سلطان کے سینے سے ہار نکال دیا ، جس سے فوری ہلاکت واقع ہوئی ۔ ساتھ ہی چند اور راجا نے خودکشی کر لی ۔ یہ بیان بھی صداقت پر مبنی نہیں کیونکہ ۱۱۹۴ء میں برتھی راج تھانیسر کے قریب شکست کھا کر بھاگتا ہوا مارا گیا اور شہاب الدین سنہ ۵۹۲ (سنہ ۱۲۰۶ء) میں لاہور سے غزنی کی طرف واپسی کے وقت کسی لدائی یا کھوکھروں کے ہاتھ سے قتل ہوا ۔

(۶) ایک اور بے بنیاد قصہ 'راسا' میں درج ہے ۔ وہ یہ ہے کہ برتھی راج کے بعد اس کا فرزند ونسی دلی میں تخت نشین ہوا ۔ لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرزند گوہند راج عرف گولا اجمیر کی گدی پر بٹھایا گیا ۔ اس لیے ونسی کی جانشینی کا افسانہ ناقابل قبول ہے ۔

آخر میں عرض ہے کہ جب ہم 'راسا' کے بیانات اور اس کے سنہین کا تعلق کی کسوٹی پر امتحان کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے

کہ وہ کسی صحیح بنیاد پر قائم نہیں ، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ 'راسو' ایک جعلی تصنیف ہے جو برتھی راج کے عہد کی یادگار نہیں اور نہ وہ اس عہد سے دو صدی بعد تک وجود میں آئی ۔ اگر برتھی راج کے عہد کی تصنیف ہوتی تو اس میں ایسے پوچ اور مہمل بیان موجود نہ ہوتے جو اس تالیف میں نظر آتے ہیں ۔

موجودہ تنقید کی روشنی میں ائند ست کے نظریے کو فروغ دینے والوں کی کوششیں ناکام اور بے سود ثابت ہوتی ہے ۔ نہ صرف یہ بلکہ برتھی راج ، برتھا ہائی اور سمر سنگھ کے بیٹے اور بروائے جو ائند ست کی تقویت میں شائع کیے گئے ہیں ، کسی سنجیدہ التفات کے سزاوار نہیں ۔ اس لیے کہ عہدِ معلومہ سے ان کو دور کا بھی تعلق نہیں ہے ۔“

(جرنل ، شاخ بمبئی ، رائل ایشیائی سوسائٹی ، جلد سوم ، ص ۲۰۳ ، ۱۹۲۶ء)

راے ہادر گوری شنکر ہیرا چند اوجھا مہامہو پادھیا

”ہندی نو رتن“ میں مشہر بھائیوں نے ، چند کی ولادت ست ۱۱۸۳ بکرمی اور سالِ ولادت ست ۱۲۵۰ بکرمی بیان کیا ہے (ص ۵۵ ، طبع سوم) ۔ اور لکھا ہے کہ ’راسو‘ جعلی نہیں ہے بلکہ برتھی راج کے زمانے میں چند نے اسے تالیف کیا تھا ۔ اور اس کے اصلی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص سولہویں صدی کی ابتدا میں اسے بنانا تو وہ خود اپنا نام نہ لکھ کر بیس سو صفحات کی ضخیم کتاب کو آخر چند کے نام پر کیوں شہرت دیتا ۔

(ص ۵۹۱)

اگر ’برتھی راج وجے‘ اور ’برتھی راج راسو‘ دونوں برتھی راج کے عہد میں تالیف ہوئے تو برتھی راج کا نسب نامہ اور اس کے خاندان کے افراد کے نام

اور جنگوں کے واقعات ، جو ایک تالیف میں درج ہیں ، وہی دوسری میں بھی درج ہوتے ۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ 'راسا' کے بیانات 'وجے' کے بیانات سے ہر معاملے میں مختلف ہیں ۔ ادھر 'وجے' کے بیانات کی سنگی کتب سے تصدیق ہوتی ہے اور 'راسا' کے بیانات کی نہیں ہوتی ۔ ایسی حالت میں دونوں کتابوں کی تصنیف کا وقت برتھی راج کے عہد میں تسلیم کرنا سوزوں نہیں ہے ۔

اب ہم 'راسا' کی تصنیف کے عہد کا اندازہ لگانے کے لیے اس کے دیے ہوئے خاص خاص واقعات کا امتحان کرتے ہیں :

(۱) 'راسا' میں لکھا ہے کہ آہو پاڑ پر ایک مرتبہ رشی لوگ ہنوں کرنے لگے تو راکشس اس میں حلی انداز ہوئے ۔ اس مداخلت سے تنگ آکر رشیوں نے وششٹھ کے پاس جا کر فریاد کی ۔ اس پر وششٹھ نے اگنی کٹھ کے پاس آکر ، اس میں سے ہرجار ، چالکیہ ، اور ہرمار چھتری پیدا کر دیے اور انہیں راکشسوں کے ہلاک کرنے کا حکم دے دیا ۔ لیکن جب یہ تدبیر کامیاب نہ ہوئی تو وششٹھ نے ایک نیا اگنی کٹھ بنا دیا اور چار منہ والے برہما کا دعیاں اور چپ کرتے ہوئے ہکتیہ کرنے لگے ۔ اس سے فوراً ہی چار بازوؤں والا لمبا چوڑا قوی پہلے انسان پیدا ہوا ۔ وششٹھ نے اس کا نام چوبان رکھا ۔

(برتھی راج واسوسار ، ج ۱ ص ۷۸)

فی زمانہ ان چاروں چھتریوں کے خاندان اپنے آپ کو اگنی ہنسی مانتے ہیں ۔ لیکن ہرماروں کے سنگی کتبے سے (جو ریاست ہانسواڑہ کے موضع اڑھرا میں شیو جی کے مندر میں اسی خاندان کے راجا منڈن دیو کے زمانے اور سمت ۱۱۳۹ بکرمی کا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ وشواہتر آہو پاڑ پر رہنے والے وششٹھ کی کائے نندنی نام اڑا کر لے گئے ۔ اس پر وششٹھ جی غصا ہونے اور اگنی کٹھ میں ہکتیہ کرنے لگے ۔ تب کٹھ میں سے ایک طاقتور انسان پیدا ہوا جو دشمن سے لڑ کر نندنی کائے چوبن لایا ۔ اس کی چادری سے غوش ہو کر رشی نے اس کا نام ہرمار (دشمن زن) رکھ دیا ۔ "برتھی راج راسو" میں ہرماروں کے آغاز کا بیان ، مندرجہ بالا سنگی کتبے کی دیگر کتب سے نہیں ملتا ۔

ہرجار ، چالکیہ (مولنک) اور چوبانوں کے سولہویں صدی سے قبل کے کتبوں و

کتب میں کہیں بھی اگنی ہنسی و شمشلہ کے بارے میں کوئی بات نہیں ملتی ، بلکہ ان کے خاندانوں کی ابتدا کے متعلق مندرجہ ذیل اطلاع ملتی ہے :

(الف) گوالیر سے سمت ۹۰۰ ب کے قریب کا ، پرہار راجا بھوج کی مدح میں ، ایک قصیدہ ملتا ہے ۔ اس میں ہریچاروں کو صاف سوچ ہنسی بتلایا گیا ہے ۔

(ریورٹ سالانہ جائزہ اثریات ، بابت سنہ ۱۹۰۳ - ۱۹۰۴ ع ، ص ۲۸۰)
(ب) راج شیکھر نامی ڈرامہ نگار نے ، جو دسویں صدی ہکرمی سے تعلق رکھتا ہے ، بھوج دیو کے فرزند مسندر پال کو ، جو راج شیکھر کا شاگرد بھی ہے ، رگھو ہنسیوں کا نقشہ (سایہ ناز) اور مسندر پال کے فرزند سہی پال کو ، رگھو ہنسیوں کا واسطہ عقد بیان کیا ہے ۔ (پال بھارت ، باب اول ، شعر یازدہم)
(ج) شیخا واہی کے مشہور برہمن ناتھ کے مندر میں چوہان راجا وگرہ راج کے عہد کا ایک مدعیہ کتبہ نوشتہ سمت ۱۰۳۰ ہکرمی ہے جس میں فوج کے ہریچاروں کو رگھوہنسی کہا گیا ہے ۔

ان شواہد سے ثابت ہے کہ پرہار اولاً اپنے آپ کو رگھوہنسی (سوج ہنسی) مانتے تھے ، نہ اگنی ہنسی ۔ چالکیہ (سولنکی) راجا ، ولادت کے آٹھویں سال جارس یعنی سمت ۱۰۷۵ ہکرمی ، کے غیرات ناسے (دان پتر) میں ، سولنکیوں کو چندر ہنسی لکھا ہے ۔ (ایسی کرینیا انڈیکا ، جلد ششم ، ص ۳۵۱ - ۵۸) ۔
- سولنکی راجہ کاونٹک چوڑ دیو ثانی کے وزیر بدھ راج کے دان پتر کنندہ سمت ۱۰۹۳ میں راجا مذکور کے مشہور سلف گینچ بشتو کو چندر ہنسیوں کا نقشہ بیان کیا ہے ۔ (ایسی کرینیا انڈیکا ، جلد ششم ، ص ۲۶۹)

جینوں کے مشہور مصنف ہم چند نے اپنی تصنیف ”دو آشرے“ میں راجا بھیم دیو کے ایلچی کا ، جو چیدی کے راجا کرن کے پاس بھیجا گیا ہے ، ایک بیان دیا ہے ، جس سے واضح ہوتا ہے کہ پرثوی راج کے عہد تک سولنکی راجا اپنے آپ کو اگنی ہنسی نہیں بلکہ چندر ہنسی اور پالوؤں کی اولاد کہتے تھے ۔ (باب نم ، آیات ۳۰ تا ۵۹ ، دو آشرے)

پرثوی راج کے باپ سومیشور کے بڑے بھائی سہیل دیو چہارم وگرہ راج نے اجمیر میں ایک مہرہ قائم کیا تھا ۔ اس درس گاہ میں اس نے ایک خودنوشت لائک

”برکلی“ اور اس کے درباری شاعر سومیشور کی تصنیف ”للت وگرہ راج“ نائک اور چوہانوں کی تاریخ پر ایک تصنیف ، پتھروں پر کندہ کروائی تھی ۔ اب یہ مدرسہ ڈھائی دن کا جھولپڑا کھلاتا ہے ۔ ان تالیفات میں ، جو ڈھائی دن کے جھولپڑے کے صحن سے برآمد ہوتی ہیں ، چوہانوں کو سورج ہنسی بتلایا گیا ہے ۔

اس کے علاوہ ”برتھی راج دجی“ میں بھی چوہانوں کو جگہ جگہ سورج ہنسی ہی کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور ایک مرتبہ بھی بھول کر انہیں اگنی ہنسی نہیں کہا گیا ۔

گوالیر کے تئور ہنسی راجا ویرم کے دربار کے جین شاعر ، چند سوری نے سبت . ۱۴۹۰ بکرمی کے قریب ”ہدیر سہا کاویہ“ تالیف کی تھی ۔ اس میں سورج ہنسی خاندان چوہان کی پیدائش کا قصہ اس طرح مذکور ہے کہ ایک مرتبہ برہما جی کے ہاتھ سے کنول کا بھول کر گیا ۔ جہاں یہ بھول کرا تھا اس مقام کا نام بشکر رکھ دیا گیا ۔ اسی مقام پر برہما نے ، راکشسوں کے خوف سے سورج کا دھیان کیا ۔ اس پر سورج سے ایک فرشتہ نما انسان اتر کر آیا ۔ اس کا نام ’چوہ سان‘ یا چوہان رکھا گیا ۔ یہ فرشتہ نما انسان حکومت کرنے لگا ۔

بہر حال سبت . ۱۴۹۰ بکرمی سے قریب تک کے نو ہزارے اس کافی ثبوت موجود ہیں کہ چوہان قوم اپنے آپ کو سورج ہنسی کہتی تھی ۔ اگر ”برتھی راج راسو“ خود برتھی راج کے عہد میں لکھا جاتا تو ہمیں یقین ہے کہ اس کا مصنف چوہانوں کو اگنی ہنسی نہ بتاتا ۔

’راسا‘ میں جو برتھی راج کا شجرۂ نسب دیا گیا ہے وہ بالعموم بتاؤں اور بے اصل ہے ۔

’راسا‘ میں مذکور ہے اور یہ قصہ عام طور پر مشہور بھی ہے کہ برتھی راج کی ماں النگ ہال کی بیٹی تھی ، جس کا نام کھلا تھا ۔ اس کے بطن سے برتھی راج پیدا ہوا جسے النگ ہال نے گود لے لیا ۔ یہ کہانی جس قدر مشہور ہے اسی قدر غلط بھی ہے کیونکہ ان اہام میں النگ ہال نام کا کوئی راجا دلی کی گتھی پر نہیں تھا ، اور نہ کوئی اس کی لڑکی کھلا سومیشور کو بیاہی گئی ۔ صحیح یہ ہے کہ ہسل دیو کے عہد سے دہلی اجمیر کے ساتھ ملحق ہو چکی تھی ۔ برتھی راج کی ماں کا نام کھلا نہیں تھا بلکہ کپور دیوی اور وہ چندی (قریب جیل پور) کے راجا اجمل راج کی دختر تھی ۔ چنانچہ ”ہدیر سہا کاویہ“ میں بھی اس رانی کا نام

کپور دیوی ہی مرقوم ہے۔ "سرجن چرٹ" کا مصنف بھی اس کو کپور دیوی لکھ رہا ہے، اگرچہ وہ اس کو کنتل کے راجا کی دختر یاں کرتا ہے۔

'راما' کا بیان ہے کہ پرتھی راج کی بہن ہر تھا بانی تھی جو میوا کے راول سر سنگھ سے یہاں گئی تھی اور سر سنگھ، پرتھی راج کی حمایت میں شہاب الدین سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ یہ قصہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ راول سر سنگھ، پرتھی راج کے عہد سے پوری ایک صدی بعد گزرا ہے۔

'راما' میں آتا ہے کہ پرتھی راج کا باپ سومیشور، گجرات کے راجا ہیم دیو کے ہاتھ سے مارا گیا اور پرتھی راج نے ہیم دیو کو قتل کر کے اپنے باپ کا انتقام لیا۔ سن ۱۲۳۶ بکرمی کے آغاز میں راجا سومیشور کی وفات اور پرتھی راج کی گدی نشینی کا زمانہ مانا جا سکتا ہے۔ (پہنڈہ کوش کے خاتمے پر چوہانوں کا خاندانی شجرہ، ص ۵۳)۔ ہیم دیو سن ۱۲۳۵ بکرمی میں گدی نشین ہوا۔ اس زمانے میں وہ بالکل بچہ تھا اور تریسٹھ سال کی عمر یعنی سن ۱۲۹۸ بکرمی تک زندہ رہا۔ ہیم دیو اسے ابتدائی زمانے میں، جب کہ وہ نامعلوم بچہ تھا، سومیشور کو اول تو قتل ہی نہیں کر سکتا تھا، دوسرے ہیم دیو کا پرتھی راج کے ہاتھ سے مارا جانا کجا، وہ تو پرتھی راج کے مارے جانے سے، جو سن ۱۲۳۸ بکرمی کا واقعہ ہے، پورے پچاس سال بعد تک زندہ رہا۔ اس لیے 'راما' کا یہ قصہ بھی غیر تاریخی ثابت ہوتا ہے۔

'راما' میں پرتھی راج کی بیویوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ گیارہ سال کی عمر میں اس کی پہلی شادی ہوئی۔ یہ بیوی منہو کے راجا تاجر رائے ہرجار کی بیٹی تھی۔ لیکن تاہم رائے، پرتھی راج سے کئی سو سال پہلے گزرا ہے۔

دوسری بیوی انہی، آہو کے راجا سنگھ کی لڑکی تھی۔ اس وقت پرتھی راج بارہ سال کا تھا۔ اس زمانے میں آہو کا راجا دھرا ورش تھا، نہ سنگھ یا جیت۔

تیسری بیوی سے تیرہ سال کی عمر میں شادی ہوئی ہے۔ یہ عورت 'واہی ما' جامنہ رائے کی بہن تھی۔ اس کے پیش سے دینسی بیدا ہوتا ہے، جو 'راما' کے بیان کے مطابق پرتھی راج کے بعد گدی پر آتا ہے۔ مگر جو فرزند پرتھی راج کا جانشین ہوتا ہے، اس کا نام گووند راج تھا، جسے فارسی عنوان گولہ کہتے ہیں۔

چوتھی بیوی 'ششی دولا' دیوگیری کے راجا بھان جادوہیسی کی بیٹی بتائی گئی ہے۔ مگر ان ایام میں اس نام کا کوئی راجا دیوگیری میں نہیں گزرا۔

پانچویں 'پہساوتی' دن تہاب کے جادو بنسی راجا بھان رائے کی دختر لیگ لغریہان کی کٹی ہے۔ مگر السوس کے ساتھ کہنا پڑا ہے کہ اس وقت دن تہاب یا رتھنیور میں تو خود چوہالوں کا راج تھا۔

ہم صرف انہی مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں ، ورنہ 'راسا' نے تو برتھی راج کی گیارہویں سال کی عمر سے لے کر اس کے چھتیسویں سال کی عمر تک ہر سال ایک بیوی کے حساب سے پچیس بیویاں درج کی ہیں ، حالانکہ وہ تیس سال کی عمر میں مارا جاتا ہے۔

تقریباً سارا 'راسا' فرضی کہانیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہم نمونہ بعض اور امور درج کرتے ہیں :

(۱) لکھا ہے کہ سومیشور نے میوات کے مغل بادشاہ پر ، جس کا نام مگدل رائے ہے ، خراج نہ دینے کی بنا پر چڑھائی کی۔ مگدل رائے نے جنگ کے لیے برتھی راج کو طلب کیا۔ چنانچہ برتھی راج آیا اور اس نے مغل راجا کو شکست دی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس زمانے میں میوات تو اجیر کے زیر حکومت تھا۔ دوسرے برتھی راج اپنے باپ کی وفات کے وقت بالکل بچہ تھا۔ پھر وہ جا کر مگدل رائے کو کیسے شکست دے سکتا ہے۔

(۲) سچوگٹا کے سومیر کی رسم ، برتھی راج اور آجے چند کی لڑکی کا قصہ بھی بد وجوہ آئندہ سے مرویا ہے۔ اول تو کہا گیا ہے کہ سومیر ، یگیہ کے موقع پر منایا گیا تھا اور اس میں بہت سے راجا موجود تھے۔ جسے چند نے کوئی راجسو جگ نہیں منایا۔ دوسرے جن راجاؤں کے نام دیے گئے ہیں وہ سب فرضی ہیں۔ راجسو جگ یا سومیر کا قصہ نہ "ہمیر مہا کلوہ" میں آتا ہے اور نہ "رمبھا متجری" نامی ٹائٹل میں ، جو ٹائٹل کہ خود جسے چند کی شہرت و اقتدار قائم کرنے کے لیے تصنیف ہوا۔

(۳) راول سمر سنگھ کے بڑے لڑکے کتبہ کا گدی نہ ملنے پر ناراض ہو کر یدر چلا جانا۔ شہاب الدین سے برتھی راج کی آخری جنگ تک کتبہ کیا اس کا باپ سمر سنگھ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ نہ دکن میں ان ایام میں مسلمان موجود تھے ، نہ ان کی حکومت تھی۔ دکن

کو علاء الدین خلجی سمیت ۱۳۵۹ ہجری میں قلعہ کرتا ہے اور
یہی کو پہلی خاندان کا دسواں بادشاہ سلطان احمد شاہ سمیت
۱۳۸۷ ہجری میں آباد کرتا ہے۔ اس لیے کتبہ کا ، باپ سے لازمی
ہو کر ، یہی جانے کا قصہ ایک تراشیدہ داستان ہے ۔

(۴) برتھی راج کے ہاتھ سے شہاب الدین کے قتل کا واقعہ بھی ایک اور
بے بنیاد افسانہ ہے ۔ قصہ یوں ہے کہ شہاب الدین برتھی راج
کو قید کر کے غزنی لے گیا اور اس کو اندھا کر دیا ۔ چند کوی
اپنے آقا کی تلاش میں غزنی پہنچا اور شاہ کے دربار میں رسائی
حاصل کر کے برتھی راج کے پاس قید خانے میں آنے جانے لگا ۔
راجا سے اس نے شہاب الدین کے قتل کی پخت و پز کر لی ۔ پھر
شہاب الدین کے سامنے راجا کے کبار تیر اندازی کے قصے سنا سنا
کر سلطان کو اس امر کی ترغیب دی کہ وہ اپنے قیدی کا کمال
ملاحظہ کرے ۔ چنانچہ راجا ایک دن دربار میں ہلایا گیا اور اس
کے ہاتھ میں تیر و کمان دیے گئے ۔ چند کے اشارے پر اس نے پہلا
تیر سلطان کے سینے کے ہار کر دیا ، جس سے فوری موت واقع ہو گئی ۔
راجا اور چند کو سلطان کے ملازمین نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۔
مگر صحیح یوں ہے کہ برتھی راج توائی کی جنگ کے بعد بہت
جلد مارا جاتا ہے جو سمیت ۱۲۴۹ ہجری کا واقعہ ہے اور سلطان
شہاب الدین اس واقعے سے چودہ سال بعد سمیت ۱۲۶۳ ہجری میں ،
لاہور سے غزنی جانے وقت ، عین نماز میں کھوکھروں کے ہاتھ
سے قتل ہوا ۔

’راسا‘ ہمارے خیال میں سمیت ۱۶۰۰ ہجری کے اس ہاتھ لکھا گیا ہے ۔
اس کے وجوہ ہمارے ہاتھ حسب ذیل ہیں :

(۱) ”ہمیر مہا کویہ“ سمیت ۱۵۶۰ ہجری کی تصنیف ہے ۔ ’راسا‘ اس
سے یقیناً ایک مؤخر تالیف ہے ۔

(۲) چونکہ اس میں یہی ذکر آتا ہے جو سمیت ۱۳۸۷ ہجری میں آباد
ہوتا ہے ، اس لیے اس سنہ سے بھی مؤخر ہے ۔

(۳) ہندوستان میں مغل سلطنت سمیت ۱۵۸۲ ہجری سے شروع ہوتی ہے

اور امیر تیمور کا حملہ ہند سمت ۱۴۵۵ بکرمی میں ہوتا ہے۔ چند کے اس بیان سے کہ سیوات میں مغل راج تھا، 'راما' کی تالیف کو ان دونوں سمتوں کے بعد ظہور میں آنا چاہیے۔

(ج) سمت ۱۵۱۷ بکرمی میں سہاراٹا کتبہ کرن نے کتبہل گڑھ کے قلعے کی تعمیر کی اور وہاں ماما دیو (کتبہ سوامی) کے مندر میں پتھر کے بڑے بڑے باجی چوکوں پر کئی سو اشعار کی ایک تصنیف کندہ کروائی۔ اس میں سر سنگھ کی برہمنی راج کی جن برتھا بائی سے شادی یا شہاب الدین کی جنگ میں سر سنگھ کے مارے جانے کا کوئی مذکور نہیں۔ مگر سمت ۱۷۳۲ بکرمی میں سہاراٹا راج سنگھ نے اپنے تعمیر کردہ، راج سمندر تالاب کے نوچوکی نام کے بندے پر، پینتیس بڑے پتھروں پر، ایک "سہاکاویہ" کندہ کروائی۔ اس کاویہ کے تیسرے باب میں سر سنگھ اور برتھا کی شادی اور سر سنگھ کا شہاب الدین کی جنگ میں مارے جانے کا قصہ چلی مرتبہ دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ قصہ 'راما' میں مفصل درج ہے۔ (راج پرشستی سہاکاویہ، باب سوم)

اب صاف واضح ہوتا ہے کہ 'راما' سمت ۱۵۱۷ و ۱۷۳۲ بکرمی کے درمیان کسی وقت بنائی گئی ہے۔ 'راما' کا سب سے قدیم نسخہ سمت ۱۶۴۲ بکرمی کا نوشتہ ہے، اس لیے اس کا سال تالیف سمت ۱۵۱۷ و سمت ۱۶۴۲ یعنی سمت ۱۶۰۰ بکرمی کے قریب قیاس کرنا چاہیے۔

'راما' کی زبان سمت ۱۳۰۰ بکرمی کی نہیں بلکہ سمت ۱۶۰۰ بکرمی کے قریب کی ہے۔ سمت ۱۵۹۲ بکرمی تک کی مختلف تصنیفات کی زبان اور 'راما' کی زبان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

پڑے ہوئے ہاٹ اب بھی شاعری کرتے ہیں۔ رزمیہ نظمیں ڈنگل زبان میں اور دوسرے مضامین عام بولی میں لکھتے ہیں۔ ڈنگل میں قواعد صرف کی چنداں پابندی نہیں کی جاتی۔ اس کے الفاظ، ان کی ترتیب اور لائحے بھی پرانے ڈھنگ کے ہوتے ہیں۔ ایک ہی

تصنیف میں اگر طرح طرح کی زبان دیکھنی ہو تو سبت ۱۸۷۳ء بکرمی میں آٹھا کشن کے بنائے ہوئے ”ایم ولانس“ اور پوسوانی صدی بکرمی کی تالیف مشرن سورج مل کی ضخیم ”ایس بھاسکر“ کو دیکھیے۔

راجستھانی زبان میں پہلے فارسی الفاظ کا استعمال نہ تھا مگر بعد میں ہونے لگا۔ چنانچہ ’راسا‘ میں دس فی صدی فارسی عربی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ آج کل کے اہل قلم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زبان کی کسوٹی پر تو ’راسا‘ بالکل ہی نہیں ٹھہرتی اور اس کی صرف نو بالکل ہی بے ٹھکانہ ہے۔ دوپے اور چھپتے تو غیر کسی قدر درست بھی ہیں لیکن چھوٹے چھوٹوں میں غنہ دار الفاظ کی وہ کثرت ہے کہ تو یہ ہی بھلی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے مستحکرت اور براکرت کی نقل کر کے رکھ دی ہے۔ بعض موقعوں پر اس کی زبان موجودہ سانچوں میں ڈھلی نظر آتی ہے۔ افعال جدید شکل میں ملتے ہیں، لیکن ساتھ ہی زبان قدیمی ادبی رنگ میں پائی جاتی ہے۔ لائحے اور دیگر روابط کلام قدیم طرز کے ہیں۔ ان حالات میں بھائیوں کی اس لفظی بھول بھلیاں میں اصلیت اور تصنیع کی سراغ رسی نہایت دشوار ہے، اور اسی بنا پر یہ کتاب نہ مؤرخین اور نہ ماہرین ادب کے کام کی دہی ہے۔

(لاگری پرجانی پنرکا، جلد نم، ص ۳۳ و ۳۴، رام چند و

شیام مندر داس)

بعض اصحاب، جو ’راسا‘ کی اصلیت کے معترف ہیں، جب اس کے واضعات تاریخ کی ”رو سے غلط ہاتے ہیں تو یہ عفر پش کرتے ہیں کہ اصلی ’راسا‘ در اصل پت پتصر تھا، بعد میں لوگوں نے اس میں الحاق حصے بڑھا کر اس کو موجودہ ضخیم حالت میں پہنچا دیا۔ اگرچہ اس کا امکان تو ہے مگر یہ غلط بھی ناقابلِ مباحث ہے کیونکہ چند کی اولاد میں جادو ناتھ شاعر سبت ۱۸۰۰ء بکرمی کے قریب کی تالیف ”نونی بلامس“ میں اپنے خاندان کے ذکر میں رقم طراز ہے کہ چند نے برتھی راج کے حالات زندگی میں ”برتھی راج راسا“

میں ایک لاکھ پانچ ہزار اشعار لکھے ہیں۔ اب یہ بیان ناگری
 برچاری سبھا کے مرتبہ "پرنس راج واسا" اور اس کی خطرات کے
 ساتھ بالکل منطبق ہے۔ جادو ناتھ کے پاس اپنے موثر اعلیٰ کا
 نسخہ ضرور موجود ہوگا۔ اسی بنا پر اس نے اس نسخے کا صحیح
 الفاظ لکایا ہے۔ اس صورتِ حالات میں 'واسا' کے ابتداء "مختصر
 بنائے جانے کا قیاس بالکل بے بنیاد ہے۔

(ناگری برچاری پترکا، جلد دہم، ص ۲۳، سست ۱۸۸۶ ہجری)



اشاریہ

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

۳۷۵

۱۔ اشخاص و اقوام

۳۰۹

۲۔ مقامات اور ادارے

۳۲۱

۳۔ کتب و رسائل

۳۲۹

۴۔ اصطلاحات

اشخاص و اقوام

الف

آجان بابو : ۳۳ -

آغا کشن : ۳۷۰ -

آراس (آرائش) خان : ۹۸ ، ۸۹ ، ۵۷ -

۱۶۹ -

آوائش خان : ۱۱۳ -

آرج سنگ : ۷۳ -

آریه : ۳۳۳ ، ۲۲ -

آزاد ، محمد حسین : ۳ -

آصف خان کجراتی : ۳۱۱ -

آکوب (مطلوب) خان : ۷۳ ، ۳۸ -

۷۵ ، ۸۹ ، ۹۱ -

آلو (عالم) خان : ۷۵ ، ۳۸ ، ۳۱ -

۸۹ -

آیوب خان روس : ۸۹ ، ۸۳ -

ابراہیم (ابن ملک طالب شجیتقی) :

۲۲۲ -

ابراہیم بن قوام فاروق : ۲۳۶ -

ابراہیم ، حضرت : ۲۷۱ -

ابراہیم خان تنج جنگ : ۹۵ -

ابراہیم لودھی ، سلطان : ۱۶۰ -

۳۰۰ ، ۲۹۹ -

ابن الاثر : ۲۶۷ -

ابن الجوالیقی : ۲۲۹ -

ابن بطوطہ : ۲۸۷ -

ابن قتیبہ : ۲۲۹ -

ابوالفتح : ۱۸۳ -

ابوالفدا : ۲۳۵ -

ابوالفرج : ۲۳۵ -

ابوالعاصی : ۳۳۰ -

ابوالفضل : ۱۳۶ ، ۱۳۸ ، ۹۳ -

۱۵۳ ، ۱۵۵ ، ۱۶۵ تا ۱۶۷ -

۱۷۱ تا ۱۷۳ ، ۱۹۲ ، ۳۰۱ -

ابوالمعالی : ۷ -

ابوبکر (ابن ملک طالب شجیتقی) :

۲۲۲ -

ابو خان : ۹۱ ، ۸۹ -

ابو طیب محدث : ۱۸۰ ، ۱۷۹ -

ابو ہلال المسکری : ۲۲۹ -

الاثانی : ۳۱ -

اجیک : (دیکھئے اڑک) -

اسحاق مغوی ، بابا : ۱۳۱ -
 اسد خان : ۱۰۱ -
 اسدی ، حکیم علی : ۲۳۷ ، ۲۴۱ ،
 ۲۴۳ ، ۲۷۶ -
 اسرائیلی : ۲۲۰ -
 اسلام خان : ۲۹۹ -
 اسلام شاه (بادشاه) : ۲۹۰ -
 اسماعیل صفوی : ۱۲۰ ، ۲۹۹ ،
 ۳۰۰ -
 اسماعیل قلی خان : ۱۹۲ -
 اسماعیلی : ۷ -
 اسمتھ ، وائنٹن - اے : ۵ ، ۳۵۵ ،
 ۳۵۳ تا ۳۵۵ -
 امیطخری : ۱۱۶ -
 اعتبار خان خواجہ سرا : ۱۹۳ -
 اعظم : ۸۹ ، ۳۷ -
 اعظم تثار خان چاندر : ۹۳ -
 اعظم خان : ۱۰۱ ، ۹۸ -
 اعظم میر کاسفری : ۹۸ -
 افراسیاب : ۲۵۰ -
 افغان : ۱۹۱ ، ۱۹۲ ، ۲۷۷ ، ۲۷۹ -
 اکبر ، جلال الدین : ۶ ، ۷ ، ۸۷ ،
 ۸۸ ، ۹۳ ، ۱۲۰ ، ۱۲۷ ، ۱۳۱ ،
 ۱۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۵۵ ، ۱۵۷ ،
 ۱۵۸ ، ۱۶۵ ، ۱۶۶ ، ۱۹۲ ،
 ۲۰۳ ، ۲۴۶ ، ۳۰۱ تا ۳۰۳ ،
 ۲۳۶ ، ۲۴۵ -

اچھے ہال جوگی : ۱۷۵ ، ۱۹۰ -
 اچل راج ، راجا : ۳۶۵ -
 احمد خان : ۷۳ ، ۸۹ ، ۱۰۱ -
 احمد خان بھٹی : ۲۹۹ -
 احمد خان پنتی : ۳۰۱ -
 احمد خان نیازی : ۹۸ -
 احمد روسی ، استاد خواجہ : ۲۹۰ -
 احمد شاہ سلطان : ۲۹۷ ، ۳۶۸ -
 احمد یادگار : ۲۹۸ ، ۳۰۰ -
 انخوند درویشہ لنگر ہاری : ۱۹۰ -
 اورامسی : ۳۳۰ -
 ارجن : ۲۱ -
 اوراس کایستھ : ۵۶ -
 اوردشیر : ۱۱۶ -
 اول آف کارلووال : ۲۶۸ -
 اومانوس (قیصر روم) : ۲۲۱ -
 ارنودراج ، ۳۴۷ ، ۳۵۶ -
 اری سنگھ : ۳۳ -
 اری سنگھ (مخلف سہاراٹا لکشمی سنگھ) :
 ۳۳۵ -
 اڑیک : ۳۲ ، ۵۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۹ ،
 ۱۲۰ -
 اڑیک خان : ۳۹ ، ۸۹ ، ۹۳ ، ۹۸ -
 اژول ، حکیم : ۲۳۹ ، ۲۴۰ -
 اساکلی (ہیسنی قلی) ، پد : ۳۱ ، ۹۰ ،
 ۹۳ -
 اسٹیل : ۱۳۳ -

اکھوب : (دیکھیے اکوب خان) -
 اگنی مینی (واپوت) : ۳۶۳ تا ۳۶۵ -
 ال بی جن سیر (ترقہ) : ۲۵۵ -
 الپ ارسلان سلجوق : ۲۲۱ -
 التتکی : سلطان شمس الدین : ۹۲ ، ۱۲۶ ، ۱۳۱ ، ۱۳۴ ، ۲۷۲ -
 التون بخشی : ۲۶۰ -
 الچی : ۵۰ ، ۱۱۲ -
 الخ، خان : ۱۸۰ ، ۱۸۳ ، ۱۸۴ -
 الخ خان (بلخ) : ۱۳۴ -
 الخ خان (سلطان محمد) : ۲۸۶ -
 الخ خان : (دیکھیے الخ خان) -
 اللہ داد : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -
 اللہ دہا ، شیخ (ابن شیخ عبد الرحیم بن حکیم بیٹا) : ۱۸۸ -
 العباس خواجہ سرا : ۱۳۸ -
 اماد (عبد) خان : ۷۳ -
 امان اللہ ہانی اہی ، شیخ : ۲۹۰ -
 امان شاہ : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -
 امر سنگھ ، سہاراجا : (دیکھیے امر سنگھ سہاروالا)
 امر سنگھ سہارانا : ۳۳۵ ، ۳۳۸ -
 امر گنکیا : ۲۵۶ -
 امیر خان : ۹۸ -
 امیر خسرو : ۱۲۶ ، ۲۴۷ ، ۲۸۴ -
 امین ، خلیفہ محمد : ۳۱۰ -
 المہینی (وائی) : ۱۳ ، ۱۸ ، ۲۶ ، ۲۶۶ ، ۳۵۷ -
 اندر (راجا) : ۲۸ -
 اندراوتی : ۱۶ -
 اند پال (ولد جے پال) : ۱۸۳ -
 اند ، واجد (ولد راجہ چال) : ۱۸۰ ، ۱۸۴ -
 انگ پال (تنور) : ۱۴ ، ۱۵ ، ۲۶ ، ۲۷ ، ۳۰ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۱۰۷ ، ۱۴۴ ، ۱۶۰ ، ۱۶۱ ، ۲۴۸ ، ۲۵۵ ، ۲۶۰ ، ۲۵۸ -
 الوری : ۲۴۰ ، ۲۴۶ ، ۲۴۷ -
 اوب : ۷۳ -
 اوجھا ، رائے بہادر پنڈت گوری شنکر پیرا چند : ۵ ، ۳۵۶ ، ۳۶۲ -
 اوژبک خان : (دیکھیے ازبک خان) -
 اوکٹائی قان : ۲۷۲ -
 ایبک ، اورخان (مقطع لکھنوتی ولکھور) : ۸۸ -
 ایبک ، سلطان قطب الدین : ۹۲ ، ۱۷۳ ، ۱۸۵ ، ۱۸۶ ، ۱۸۸ -
 ایرانی : ۹۵ ، ۱۱۶ ، ۱۲۸ ، ۱۳۷ ، ۱۶۷ ، ۲۱۶ ، ۲۵۰ ، ۲۸۷ -
 ایسپ (یوسف) خان : ۷۲ ، ۷۵ -
 ایسپ (یوسف) نیان : ۶۰ ، ۸۹ -
 ایلقشتن : ۲۱۵ -

اکھوب : (دیکھیے اکوب خان) -
 اگنی مینی (واپوت) : ۳۶۳ تا ۳۶۵ -
 ال بی جن سیر (ترقہ) : ۲۵۵ -
 الپ ارسلان سلجوق : ۲۲۱ -
 التتکی : سلطان شمس الدین : ۹۲ ، ۱۲۶ ، ۱۳۱ ، ۱۳۴ ، ۲۷۲ -
 التون بخشی : ۲۶۰ -
 الچی : ۵۰ ، ۱۱۲ -
 الخ، خان : ۱۸۰ ، ۱۸۳ ، ۱۸۴ -
 الخ خان (بلخ) : ۱۳۴ -
 الخ خان (سلطان محمد) : ۲۸۶ -
 الخ خان : (دیکھیے الخ خان) -
 اللہ داد : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -
 اللہ دہا ، شیخ (ابن شیخ عبد الرحیم بن حکیم بیٹا) : ۱۸۸ -
 العباس خواجہ سرا : ۱۳۸ -
 اماد (عبد) خان : ۷۳ -
 امان اللہ ہانی اہی ، شیخ : ۲۹۰ -
 امان شاہ : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -
 امر سنگھ ، سہاراجا : (دیکھیے امر سنگھ سہاروالا)
 امر سنگھ سہارانا : ۳۳۵ ، ۳۳۸ -
 امر گنکیا : ۲۵۶ -
 امیر خان : ۹۸ -
 امیر خسرو : ۱۲۶ ، ۲۴۷ ، ۲۸۴ -
 امین ، خلیفہ محمد : ۳۱۰ -
 المہینی (وائی) : ۱۳ ، ۱۸ ، ۲۶ ، ۲۶۶ ، ۳۵۷ -
 اندر (راجا) : ۲۸ -
 اندراوتی : ۱۶ -
 اند پال (ولد جے پال) : ۱۸۳ -
 اند ، واجد (ولد راجہ چال) : ۱۸۰ ، ۱۸۴ -
 انگ پال (تنور) : ۱۴ ، ۱۵ ، ۲۶ ، ۲۷ ، ۳۰ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۱۰۷ ، ۱۴۴ ، ۱۶۰ ، ۱۶۱ ، ۲۴۸ ، ۲۵۵ ، ۲۶۰ ، ۲۵۸ -
 الوری : ۲۴۰ ، ۲۴۶ ، ۲۴۷ -
 اوب : ۷۳ -
 اوجھا ، رائے بہادر پنڈت گوری شنکر پیرا چند : ۵ ، ۳۵۶ ، ۳۶۲ -
 اوژبک خان : (دیکھیے ازبک خان) -
 اوکٹائی قان : ۲۷۲ -
 ایبک ، اورخان (مقطع لکھنوتی ولکھور) : ۸۸ -
 ایبک ، سلطان قطب الدین : ۹۲ ، ۱۷۳ ، ۱۸۵ ، ۱۸۶ ، ۱۸۸ -
 ایرانی : ۹۵ ، ۱۱۶ ، ۱۲۸ ، ۱۳۷ ، ۱۶۷ ، ۲۱۶ ، ۲۵۰ ، ۲۸۷ -
 ایسپ (یوسف) خان : ۷۲ ، ۷۵ -
 ایسپ (یوسف) نیان : ۶۰ ، ۸۹ -
 ایلقشتن : ۲۱۵ -

ایلک خان : ۸۸ ، ۳۲۵ -

ایلک خانی (افراسیابی) : ۸۸ ، ۳۲۵ -

البلط : ۲۰۹ ، ۲۱۳ ، ۲۱۶ ، ۲۱۹ -

- ۲۲۰ -

ایلین : ۲۱۵ -

ب

بابر ، ظہیر الدین : ۸۹ ، ۹۳ ، ۹۸ -

۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۲۲ ، ۱۳۲ -

۱۳۶ ، ۱۶۰ ، ۲۹۹ ، ۳۰۰ -

باجت خان غوری : ۵۳ ، ۸۹ ، ۹۱ -

بادشاہ : (دیکھیے شہاب الدین غوری) -

بازید (بایزید) : ۸۹ -

بازید بٹھان : ۲۰ -

بازید میر : ۴۷ -

باطنی : ۸ ، ۷۱ -

باکو رائے بکھیلہ : ۱۶۹ -

بالک رائے سولنکی : ۱۶ ، ۱۷ -

باسن برید : ۵۳ ، ۸۹ -

بابولی رائے پمیر : ۱۲۶ -

بابولی رائے پاڑا پمیر : ۵۷ -

بایزید (بلدرم) سلطان : ۲۶۳ -

جے ہال : ۳۵۸ تا ۳۶۰ -

جے چند : ۳۵۹ ، ۳۶۰ -

جے چندر : (دیکھیے جے چند) -

بدایونی ، عبدالقادر : ۱۲۵ ، ۱۳۷ -

بدرالدین : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -

بدرالدین لولو : ۲۱۳ -

بدو علا : ۲۹۷ ، ۲۹۸ -

بدھ راج : ۳۶۳ -

برج لال شاستری : ۳۴۰ -

برہدوق : ۲۵۹ ، ۲۶۰ -

برنی ، ضیاء الدین : ۹۴ ، ۱۲۵ -

۱۳۴ ، ۱۸۴ ، ۲۸۶ -

برہم (برہم) خان : ۵۴ ، ۸۹ -

برہمن : ۲۱ ، ۲۱۶ ، ۲۱۹ ، ۳۰۷ -

بکرماجیت (راجا) : ۱۶۰ ، ۳۴۱ -

۳۴۲ ، ۳۴۴ ، ۳۵۳ -

بڑگوچر : ۵۲ -

بھدادی : ۲۶۵ -

بگری رائے : ۷۵ -

بلاکین : ۱۶۶ -

بلبن ، غیاث الدین : ۱۳۴ -

بلہندر (رائے) : ۳۳ ، ۳۴ ، ۵۶ -

۷۰ تا ۷۳ -

بلخی : ۵۸ ، ۱۱۲ -

بلوچ : ۲۸ ، ۵۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۶ تا

۱۱۹ -

بلوچ چھاڑی : ۳۹ ، ۵۰ ، ۸۹ ، ۹۱ -

بلوس : ۱۱۶ (نیز دیکھیے بلوچ) -

بلوٹے : ۲۲۲ -

بلول : ۵۸ -

بن بیر : ۳۴۴ -

بن بیر بڑھار : ۱۳۶ -

بھولا بھوم (وائی گھرات) : ۱۶ ، ۳۱۶ -

۳۵۷ ، ۳۵۸ ، ۳۶۰ -

چول خان : ۷۷ ، ۸۹ ، ۹۱ -

بھوم بھئی : ۳۹ -

بھوم دیو : ۱۳ ، ۳۰ ، ۳۱ -

بھوم دیو (وائی گھرات) : ۱۰۳ ، ۱۰۴ -

۱۰۶ ، ۳۶۶ -

بھوم دیو ثانی (دیکھیے بھولا بھوم) -

بھوم دیو ، راجا : ۳۶۳ -

بھوم کھتری : ۷۶ -

بھوم ، فراتو : ۲۶۶ -

بھوم ، ڈاکٹر : ۵ ، ۳۵۵ -

بھوم ، فوجین : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -

بھوم ، سلطان : ۷ ، ۸۱ -

بھوم ، راجا : ۸۶ -

بھوم ، راجا : ۱۸۷ ، ۱۹۰ -

بھوم ، کدبانو : ۸۶ -

بھوم ، نالہ : ۸۶ -

بھوم ، پاجرا : ۱۷۹ -

بھوم (خواص) : ۶۳ ، ۷۳ -

بھوم ، خان بکسی : ۱۲۳ -

بھوم (چوہان) : ۳۳۲ -

بھوم : ۱۵۸ -

بھوم ، پندر : ۶۹ ، ۷۰ ، ۷۱ -

بھوم ، سنگھ : ۷۰ -

بھوم : ۷۲ ، ۸۹ -

بھوم ، لیگ ترکان : ۹۸ -

بندیلہ : ۲۰۰ -

بنتکٹ راؤ : ۷۳ ، ۸۹ ، ۹۳ ، ۹۵ -

بنتی بلال : ۸ -

بہاء الدین برناوی ، غزوم : ۳۰۳ -

بہاء الدین بلین ، الف خان : ۸۸ -

بہاء الدین سام (باسیان) : ۹۱ -

بہاٹ : ۶ ، ۵۳ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ -

۲۰۹ ، ۳۰۷ ، ۳۱۰ ، ۳۱۵ -

۳۱۹ ، ۳۲۳ ، ۳۲۶ ، ۳۳۸ -

۳۶۹ ، ۳۷۰ -

بہارت بندیلہ : ۹۸ -

بہاول خان : ۷۷ ، ۸۹ -

بہاولو رائے : ۳۵ ، ۳۶ -

بہاؤ برسم : ۲۳۳ -

بہاول خان : (دیکھیے چول خان) -

بھئی : ۵۰ ، ۱۱۲ -

بھرام : ۹۸ -

بھرام خان (ولہ جہانگیر علی خان) :

۹۹ -

بھرام شاہ غزنوی : ۸۵ ، ۱۳۳ ، ۳۲۶ -

بھول لہا : ۳۶۰ -

بھول شاہ : ۹۹ -

بھول ٹودھی ، سلطان : ۲۹۸ ، ۲۹۹ -

بھوسی : ۲۹۷ ، ۳۶۸ -

بھوپا رائے چندیل : ۱۶۹ -

بھوپ کچا رائے چالک : ۱۶۹ -

بھوج دیو : ۳۶۳ -

پیرم خان خانقاہان : ۹۴ -
 بیرونی : ۲۷۶ ، ۲۷۷ -
 یسٹ دیو چوہان : (دیکھیے یسٹ دیو ،
 وگراج) -
 یسٹ دیو چہارم وگرہ راج : (دیکھیے
 یسٹ دیو ، وگراج) -
 یسٹ دیو ، وگراج : ۳۳۸ ، ۳۵۸ ،
 ۳۶۰ ، ۳۶۵ -
 یسٹ صوفی : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -
 یسٹ جون : ۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ۳۱۲ ،
 ۳۱۸ ، ۳۲۱ ، ۳۲۲ -
 یولر ، ڈاکٹر : ۳۷۷ -
 بیٹی ، ابوالفضل : ۲۷۰ -
 پ
 پارس لائیو : ۳۳۳ -
 پارس : ۲۱۷ ، ۳۳۰ -
 پاسبان : ۱۱۲ -
 پاموان : (دیکھیے پاسبان) -
 پالہن دیو : (دیکھیے پالہن دیو
 کچھواہ) -
 پالہن دیو کچھواہ : ۱۶۷ ، ۱۶۸ ،
 ۱۷۱ ، ۱۷۲ -
 پالٹو : ۳۶۳ -
 پالو پنڈت : ۷۵ ، ۷۶ ، ۷۷ ، ۷۸ ،
 ۱۲۱ -
 پٹھان : ۶۹ ، ۱۰۱ ، ۱۱۲ ، ۳۰۰ -

پٹن (راے) : ۱۷۱ ، ۳۶۰ (نیز
 دیکھیے پٹن راے) -
 پٹن راؤ : (دیکھیے پٹن راے) -
 پٹن راے : ۱۶ ، ۱۷ ، ۳۳ ، ۳۷ ،
 ۳۸ ، ۳۹ ، ۵۲ ، ۷۳ ،
 ۱۰۲ ، ۱۰۷ ، ۱۶۹ ، ۱۷۱ -
 پھوس خاں (پٹھان) : ۳۸ ، ۸۹ -
 پساوت : ۱۳۱ -
 پساوتی : ۱۵ ، ۲۸ ، ۱۳۱ -
 پدم سین (کنور) : ۱۵ ، ۲۸ -
 پدنی : ۲۹ -
 پرندہ کوش : ۳۶۶ -
 پرتاب سنگھ چالکیہ : ۱۳ -
 پرتاب سنگھ ، رانا : ۳۳۸ -
 پرتگالی : ۱۱۸ ، ۱۵۳ ، ۱۵۵ ،
 ۲۹۷ ، ۲۹۹ ، ۳۱۳ -
 پرتھا پانی : ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۶۱ ، ۲۰۲ ،
 ۳۳۴ ، ۳۳۵ ، ۳۳۶ ، ۳۵۰ ،
 ۳۵۲ ، ۳۶۰ ، ۳۶۲ ، ۳۶۶ ،
 ۳۶۹ (نیز دیکھیے پرتھو کور) -
 پرتھو کنور : (دیکھیے پرتھو کور) -
 پرتھو کور (پانی) : ۲۰۵ ، ۲۰۷ -
 پرتھوی بیٹ : ۳۳۸ -
 پرتھی بت : ۱۷۹ ، ۱۸۰ ، ۱۸۱ ،
 ۱۸۳ ، ۱۸۴ -
 پرتھی راج چوہان : ۳ ، ۴ ، ۶ ، ۸ ،
 ۹ ، ۱۳ ، ۱۸ ، ۲۰ ، ۲۸ ،
 ۳۰ ، ۳۲ ، ۳۳ ، ۵۹ ، ۹۲ -

- پلہن رائے ساسلا : ۱۵۰ ، ۱۵۱ -
 پلیٹ : ۱۳۹ -
 پنچاچن (راجا) : ۱۶۱ -
 پٹنیر : ۱۶۵ ، ۱۶۸ -
 پٹنیر بنسی (راجپوت) : ۵۹ تا ۶۱ ،
 ۶۵ ، ۷۱ ، ۷۳ ، ۱۱۳ -
 چاڑا بر : ۷۲ ، ۸۹ -
 چاڑا خان : ۸۸ ، ۸۹ ، ۱۰۱ -
 چاڑا رائے : ۱۶ ، ۳۵ ، ۵۵ ، ۱۰۲ ،
 ۱۰۷ -
 پیا رائے پٹھار : (دیکھیے اسپ پٹھار) -
 اسپ پٹھار : ۱۶ ، ۳۳ ، ۳۴ ،
 ۱۶۹ -
 برن روشن علی : (دیکھیے روشن علی ،
 قلیبر) -
 برن زادہ : ۵۰ ، ۱۱۲ -
 برن : ۸۹ -
 برن پھد ، امیر زادہ : ۲۵۹ ، ۲۶۰ -
 برن (پیر) : ۷۳ ، ۷۴ ، ۸۹ -
 برن عبت : ۷۳ -

ت

- تاتار خان : (دیکھیے تاتار خان) -
 تاج الدین (والیہ سیستان) : ۱۰۵ -
 تاج الدین مشجر ، کزلیک خان : ۸۸ -
 تاج الدین لیانگین خولوزمی : ۱۳۳ -
 تاج الدین ہلدز ، سلطان : ۸۷ ، ۹۲ -

- ۶۴ تا ۷۵ ، ۷۷ ، ۷۸ ، ۸۲ ،
 ۸۶ ، ۹۳ ، ۹۶ ، ۱۰۱ تا ۱۱۱ ،
 ۱۱۳ ، ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۲۱ ،
 ۱۲۶ تا ۱۳۵ ، ۱۳۹ تا ۱۴۸ ،
 ۱۵۰ تا ۱۵۲ ، ۱۵۵ ، ۱۵۷ تا
 ۱۶۱ ، ۱۶۳ ، ۱۶۶ ، ۱۶۷ ،
 ۱۷۱ تا ۱۷۳ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ،
 ۱۸۵ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۶ تا
 ۲۰۸ ، ۲۱۲ ، ۲۰۸ ، ۲۰۹ ،
 ۳۱۲ ، ۳۱۳ ، ۳۱۶ ، ۳۲۲ تا
 ۳۲۴ ، ۳۲۱ ، ۳۲۳ تا ۳۳۷ ،
 ۳۳۹ تا ۳۴۱ ، ۳۴۳ تا ۳۵۲ ،
 ۳۵۴ تا ۳۶۳ ، ۳۶۶ تا ۳۷۰ -
 برتھی راج ٹائی : ۳۵۶ -
 برتھی راف : ۱۹۷ ، ۱۹۸ -
 برجن جی کچھواہ : ۳۳۹ -
 بوسنگ رائے کھجی : ۵۶ ، ۷۰ ،
 ۷۳ -
 برمار (راجپوت) : ۳۵۴ ، ۳۶۳ -
 برمال : (دیکھیے برمار) -
 برول برمار : ۳۱ -
 برمار رائے : ۳۱ -
 برجار (راجپوت) : ۳۶۳ ، ۳۶۴ -
 بڑمن رام ، بچول : ۲۰۵ ، ۲۰۶ -
 بکھڑ : ۱۱۲ -
 بلہان : ۳۸ -
 بلہن : (دیکھیے پلہن رائے ساسلا) -

کنور رائے بلدیہار : ۲۴ -

تورانی : ۱۶۷ -

تورین قریدوں : ۲۵۰ -

توکن : ۴۴ ، ۸۹ ، ۹۱ -

تولکی : ۱۰۵ -

تیمور ، امیر : ۱۱۳ ، ۱۳۲ ، ۲۲۷ ،

۲۳۸ ، ۲۳۹ ، ۲۴۹ ، ۲۵۴

تا ۲۵۹ ، ۲۶۱ ، ۲۶۳ ، ۲۶۴ ،

۲۶۹ -

تیمور متک : ۲۳۶ -

ٹ

ٹاڈ ، چیمنز : ۴ ، ۱۱۸ ، ۳۰۷ ،

۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ۳۱۵ ، ۳۳۱ -

ٹوٹر میل : ۱۵۷ ، ۱۵۸ -

ٹھاکر : ۲۷۸ -

ث

ثابت خان : ۲۸۸ -

ج

چاندو ہنسی (راجپوت) : ۱۵ ، ۲۷ ،

۳۶۰ ، ۳۶۱ ، ۳۶۷ -

چاندو واج : ۴۰ -

چاندو نانہ (شاعر) : ۳۷۰ ، ۳۷۱ -

چام دیو : ۴۴ -

چام رائے چاندو : ۵۶ ، ۷۰ ، تا ۷۳ -

چاچ خان : ۴۸ ، ۸۹ ، ۹۶ ، ۱۰۱ -

چاچ سروانی : ۹۸ -

چاجن خان میر : ۷۲ ، تا ۷۴ ، ۸۹ -

چارا : ۱۹۶ ، ۱۹۷ -

چار خان : ۱۵ ، ۲۲ ، تا ۲۶ ،

۲۷ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۴ ، ۳۷ ، تا

۳۹ ، ۴۱ ، تا ۴۴ ، ۷۵ ، تا ۵۱ ،

۵۳ ، تا ۵۵ ، ۵۷ ، ۵۸ ، ۶۰ ،

۶۱ ، ۶۸ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۷۶ ،

۷۷ ، ۸۲ ، ۸۹ ، ۹۳ ، ۱۰۸ ،

۱۱۹ ، ۱۲۳ ، ۱۳۰ ، ۱۵۸ ،

۱۵۹ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ -

تواب علی تواب : ۹۵ ، ۹۷ -

تویاے نقشی : ۲۷۱ -

ترک : ۸ ، ۵۰ ، ۵۸ ، ۱۵۰ ، ۱۹۵ ،

۱۹۸ ، ۲۵۱ ، ۲۵۴ ، ۲۷۸ -

۳۲۶ ، ۳۷۹ -

ترکام : ۵۰ ، ۱۱۲ -

ترکام نام : ۷۲ -

ترکام تر : ۸۹ -

تروکستانی : ۱۰۹ -

تروک مقول : ۱۲۰ -

تغلق : ۹۴ -

تغلق خان : ۲۸۷ -

تنگی : ۹۷ ، ۲۹۶ -

تنگی خان : ۸۹ -

کنور ہنسی (راجپوت) : ۳۶۵ -

چنت خان غوری : (دیکھئے پاجنت
خان غوری) -

چوسن (چوشن) خان : ۷۳ : ۸۹ :
- ۱۰۱ -

چون راج : ۳۷ -

چوہری : ۲۲۹ -

چوہی ، علاء الدین عطا ملک : ۲۲۲ :
۲۳۶ : ۲۳۸ : ۲۵۲ : ۲۵۳ -

جہان آرا بیگم : ۱۵۳ : ۱۸۸ -

جہان خان کا کڑ : ۹۹ -

جہانگیر ، نور الدین (بادشاہ) : ۸۷ :
۹۳ : ۹۵ : ۱۳۳ : ۱۵۰ : ۱۵۵ -

۱۹۱ : ۱۹۳ : ۲۳۶ : ۲۳۸ -

جہانگیر خان : ۳۸ : ۸۹ : ۹۳ -

جھکرو ساد : ۱۵۵ : ۱۵۶ -

جے ہال : ۱۸۳ -

جیت راؤ (برہمن) : ۱۶ : ۳۱ : ۳۳ -

۳۷ : ۵۳ : ۵۵ : ۵۶ : ۶۰ -

۶۱ : ۶۳ : ۶۷ : ۷۰ : ۷۳ -

۱۰۲ : ۱۰۷ -

جے چند (راجا) : ۱۶ : ۱۸ : ۳۰ -

۳۷ : ۳۸ : ۴۰ : ۵۰ : ۵۱ : ۱۳۷ -

۱۵۵ : ۱۵۹ : ۱۶۰ : ۱۶۱ -

۱۶۶ : ۱۶۷ : ۱۷۲ : ۱۷۳ -

۲۳۳ : ۲۳۵ : ۲۳۶ : ۲۵۰ -

۲۵۷ : ۲۵۹ : ۲۶۷ -

جے سنگھ (ولد راجا داہر) : ۳۳۰ -

جائکی داس ، پاجولی : ۲۰۵ : ۲۰۶ -

جب (اکثر بار) : ۲۹۷ -

جشدو جوان : ۷۲ : ۸۹ -

جرجی زیدان : ۲۳۰ -

جسرت کھوکھر : ۱۱۵ : ۱۱۶ -

جسوز خان : ۸۹ -

جعفر صادق ۳ و امام : ۱۸۷ -

جنگہ تولی : ۲۵۶ -

جنگدیر : ۳۵۶ -

جلال : ۷۷ : ۷۹ : ۱۱۳ -

جلال (ولد دلاور خان) : ۹۹ -

جلال الدین : ۸۹ -

جلال الدین خلجی ، سلطان : ۲۸۳ -

جلال الدین خوازمشاہ ، سلطان : ۲۷۱ -

جلال الدین ، شاہ : ۳۵ -

جلال الدین فروز شاہ : ۲۹۱ : ۲۹۲ -

جلال الدین منگبرقی : ۲۳۸ -

جلال ہاورچی : ۲۵۷ : ۲۵۸ -

جلال جلوس : ۷۳ -

جلال خان : ۳۰۰ : ۳۰۱ -

جلیلیان : ۱۱۲ -

جلو خان : ۷۳ : ۸۹ -

جلثمہ : ۷۵ : ۳۳۹ : ۳۵۱ -

جلیل خان : ۵۰ : ۸۹ : ۱۰۱ -

جلی : ۱۸۶ -

جمسوز خان : ۴۵ -

جمین میران : (دیکھئے میر جمین) -

چغتائی (بن چنگیز خان) : ۲۴۸ -

چار : ۱۶۵ -

چند بردائی : ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴

۱۲۵ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱

۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷

۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲

۱۱۰ ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴

۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹

۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴

۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹

۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵

۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰

۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵

۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰

۲۵۰ -

چند بھاٹ : (دیکھیے چند بردائی) -

چند (مین) پتھر : ۱۱۱ ۱۱۲ ۱۱۳

۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸

۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳

چندر ہنسی (راجپوت) : ۳۶۵ -

چندر بھان برہمن : ۱۵۸ -

چندر گیت سورہ (پسر مہالند) : ۳۵۲ -

چندر سوری (مین شاعر) : ۳۶۵ -

چندر کوئی : (دیکھیے چند بردائی) -

چندی دان جی : ۳۴۱ -

چنگیز خان : ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵

چنگیزی : ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹

۲۴۹ -

جے سنگھ : راجا : ۳۶۵ ۳۶۶ -

جین پتھر ساراسین : ۲۳۵ -

جینی : ۲۰۷ ۲۰۸ -

جیہان (جہان) خان : ۸۹ ۹۰ -

ج

جانپاوت (راجپوت) : ۱۳۱ -

چاندا یاد فروش : (دیکھیے چاندا

بھاٹ) -

چاندا (سامنت) : ۱۶۷ ۱۶۸ -

۱۴۱ ۱۴۲ -

چاندا بھاٹ : ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ -

چالکھ : ۱۶ ۲۵ -

چالکھ (راجپوت) : ۳۳۷ ۳۳۸ -

۳۶۳ -

چانڈ رائے : ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹

۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵

۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱

۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷

۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳

۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹

چتر خان : ۸۹ ۹۰ -

چتر مین : ۳۸ -

چتر ریکھا : ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸

۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴

چراغ علی : درویش : ۱۹۱ -

چفتا : ۵۰ ۱۱۲ ۱۱۳ ۱۱۴ -

سینہ حسین)۔

حلی : ۱۹۹ -

حمزہ (باطنی بطل اعظم) : ۸۱۷ -

حمزہ امیر (بن عبدالمطلب) : ۷۱۶ -

خ

خاص ملک ، امیر حاجب : ۹۲ -

خاقتی : ۳۲۵ ، ۱۲۲ -

خان بھٹی : ۸۹ ، ۳۸ -

خان پیدا محمود : ۹۱ ، ۸۹ ، ۳۸ -

خان جمن (ژمن) : ۸۹ ، ۲۲ -

خان جہاں : ۹۳ ، ۸۹ ، ۸۳ ، ۴۷ -

۹۹ ، ۹۷ -

خان جہاں لودھی : ۹۳ -

خان حاجی : (دیکھیے حاجی خان) -

خان خان : ۸۹ ، ۳۱ -

خان خانان : ۹۳ ، ۸۹ ، ۷۳ ، ۷۲ -

خان خورسان : ۸۹ ، ۳۸ ، ۲۲ -

۹۱ -

خان دلیل : ۲۳ -

خان رستم بھرتگی : ۸۹ -

خان رین : ۲۲ -

خان سائلی : (دیکھیے سائلی خان) -

خان سرطان : ۳۶ -

خان سیرن : (دیکھیے سیرن خان) -

خان عثمان : ۳۸ -

خان فیروز کوساب (قصاب) : ۷۲ -

خان کمال گکھڑ : ۹۰ -

خان کام : ۳۳ -

خان گکھڑ خان : ۱۱۳ -

خان نجد : ۲۹۶ -

خان منگول (لالری) : ۸۹ ، ۳۸ -

۹۱ -

خان ویرہ (ویرم) : ۹۱ -

خان پندو : (دیکھیے خان پندویر) -

خان پندویر : ۹۱ ، ۸۹ ، ۳۸ -

خراسان شہاب : (دیکھیے شہاب الدین

غوری) -

خراسانی : ۱۱۲ -

خرم ، شہزادہ : ۳۳۸ -

خرمیل : ۸۷ -

خریس (قریش) خان : ۸۹ ، ۷۲ -

خریش : (دیکھیے قریش) -

خسرو شاہ غزنوی : ۱۰۳ -

خسرو ملک غزنوی : ۱۱۱ ، ۱۰۵ -

خضر خان (فرزند سلطان علاء الدین) :

۳۳۵ -

خطائی : ۱۰۹ ، ۱۰۳ -

خلج : (دیکھیے خلجی) -

خلجی : ۳۲۶ ، ۱۱۲ ، ۱۰۶ ، ۵۰ -

خلجی خان : ۱۰۱ ، ۸۹ ، ۳۸ -

خلجی : (دیکھیے خلجی) -

خلیل خان : ۱۰۱ ، ۸۹ -

۵

- داؤد خان ، حضرت : ۳۷۳ -
 داؤد خان : ۷۳۱ ، ۸۹۱ ، ۱۰۱۱ -
 داہر ، راجا : ۳۴۰ -
 داہم رائے کھاس : ۳۳ -
 داہی با (خواہر چامنڈ رائے) : ۳۶۶ -
 داہمی (دختر چندسین پنڈیر) : ۱۴ -
 درگا کیدار (نھاٹ) : ۵۳ ، ۵۴ ، ۵۵ -
 ۱۵۸ ، ۱۵۹ -
 درویدی : ۲۱ -
 دروڑی : ۷ -
 دریا خان : ۸۸ ، ۸۹ -
 دریا خان روبہ : ۹۹ -
 دریائی روبہ : ۹۹ -
 درودھن : ۷۰ -
 دیشی : ۲۳۹ -
 دلاور خان حیشی : ۹۵ -
 دلیل خان : ۸۹ ، ۱۰۱ -
 دیشتی : ۲۶۱ ، ۲۶۲ ، ۲۶۷ -
 دوست محمد خان اجمیری (نقشہ نویس) :
 ۱۸۲ -
 دوسن : ۷۳ ، ۷۹ -
 دولت خان (ولد الف خان) قیام خان :
 ۹۵ ، ۹۹ -
 دھارا ورش : ۳۵۸ ، ۳۶۶ -
 دھاروال ، قاضی خان بدر : ۲۴۶ -
 دھرمائن کاپستھ : ۲۶ ، ۲۷ ، ۳۰

- خلیل سلطان ، امیر زادہ : ۲۵۹ ،
 ۲۶۰ -
 خان خان : ۳۲ ، ۸۹ ، ۹۱ -
 خندھاری : ۵۰ -
 خواجہ اجمیری : (دیکھیے معین الدین
 جشتی اجمیری) -
 خواجہ جہان : ۹۷ -
 خواجہ عید : ۲۳۸ -
 خواجہ قاسم : ۸۹ ، ۱۰۱ -
 خواجہ قاسم حساری : ۹۹ -
 خواجہ قاسم سیدنائی : ۹۹ -
 خواجہ قاسم کاج شدہ : ۲۴ ، ۹۰ -
 خواجہ کوچک (ولد میرباشم) : ۱۰۰ -
 خواجہ حبیب الدین : ۱۳۳ -
 خواوڑم شاہی : ۱۰۴ ، ۱۰۵ -
 خواوڑسی : ۲۶۵ -
 خواص خان : ۹۹ -
 خوب خان : ۵۳ ، ۸۹ -
 خورمان خان : ۲۰ ، ۲۳ ، ۲۴ -
 ۲۷ ، ۳۳ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۱ کا
 ۴۴ ، ۴۷ ، ۴۸ ، ۵۰ کا ۵۲ ،
 ۷۲ ، ۸۹ -
 خورمائی : (دیکھیے خراسانی) -
 خوریش خان : (دیکھیے خریس خان) -
 خورکار : ۵۱ ، ۱۱۹ ، ۱۲۰ -

- راج سنگھ ، سہاراٹا : ۳۶۶ -
 راج شیکھر (نرانا لنگر) : ۳۶۸ -
 راجن : ۹۰ ، ۷۳ -
 راجندر لال ، رائے چادر راجا : ۳۳۸ -
 راجوروہ رائے (خاندان) : ۳۵۱ -
 راجا بہان : (دیکھئے بہانو رائے) -
 راجا بہانا : ۳۶۰ ، ۳۶۱ -
 راجا بہان رائے جادو ہنسی : ۳۶۶ ،
 ۳۶۷ -
 راجا بھوج : ۳۶۸ -
 راجا چمٹال : ۱۸۰ ، ۱۸۴ -
 راجا چند : ۳۳۶ -
 راجا چند ہال : ۱۸۰ ، ۱۸۳ -
 راجا جیت : ۳۶۶ -
 راجا کرن : ۳۶۸ -
 راجا کلگری : ۳۵۶ -
 راجا وارم : ۳۶۵ -
 راجا ہال : ۳۱۵ -
 راجی خان : ۲۳ ، ۹۰ -
 رام ، ڈینی سن : ۱۷۳ ، ۲۷۲ -
 رام چند : ۳۷۰ -
 رام چندو ، پنڈت : ۵ -
 رام دیو : ۳۵۸ -
 رام رائے گوچر : ۵۶ -
 رانا : ۲۰۰ ، ۲۷۸ -
 رانا سانگا : ۱۶۰ ، ۳۱۰ ، ۳۱۱ ،
 ۳۳۷ -

- ۳۷ ، ۵۲ ، ۵۳ ، ۶۱ ، ۸۹ ،
 ۱۳۰ ، ۱۳۰ ، ۱۵۸ -
 دھروبیٹ : ۳۵۸ -
 دھیر (سین) پنڈیر : ۱۸ ، ۵۵ ، ۶۶ ،
 ۷۱ ، ۱۰۳ ، ۱۰۷ ، ۱۱۳ -
 دے پورہ (سہاجن) : ۳۵۱ -
 دیکن : ۷۳ ، ۸۹ -
 دیو رائے : ۲۸ -
 دیو رائے بگتری : ۵۶ -
 ڈ :
 ڈائین کمپسی : ۲۱۵ -
 ڈونگر مل : ۱۵۸ -
 ڈیورنور : ۲۳۲ -
 ڈ :
 ذوالحجۃ : ۸ -
 ذوق ، استاد : ۱۶۳ -

ر

- راجپوت : ۳ ، ۴ ، ۲۴ ، ۳۱ ، ۳۲ ،
 ۳۴ ، ۵۲ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۷۱ ،
 ۷۲ ، ۹۶ ، ۱۳۱ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ ،
 ۱۶۶ ، ۱۶۶ ، ۱۶۸ ، ۲۰۰ ،
 ۲۰۳ ، ۲۰۷ ، ۳۰۹ ، ۳۱۱ ،
 ۳۱۲ ، ۳۱۴ ، ۳۱۵ ، ۳۳۴ ،
 ۳۵۲ -

روزہد ، ابو عبداللہ (ابن عبداللہ النکئی
لاہوری) : ۲۰۸ -

روشنائی ، زیر : ۱۹۰ -

روشن علی : ۹۰ ، ۱۰۱ -

روشن علی ، قلیز : ۵۸ ، ۱۵۳ ،

۱۵۶ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳

۱۸۵ ، ۱۸۶ ، ۱۸۷ -

روسی : ۸ ، ۴۲ ، ۵۰ ، ۵۸ ، ۱۱۲ ،

۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۱۹۹ ، ۲۱۶ ،

۲۱۷ ، ۲۲۱ ، ۲۳۰ ، ۲۳۹ ،

۲۵۰ ، ۲۵۱ ، ۲۶۶ ، ۲۹۶ -

۲۹۷ -

روسی خان : ۲۳ ، ۲۴ ، ۹۰ ، ۹۳ ،

۹۹ ، ۳۰۰ -

روپنگی : ۱۱۲ ، ۱۱۸ -

روپنہ : ۱۰۱ -

ریداس بھگت : ۱۶۳ ، ۱۶۵ -

ریسیکس ویدی : (دیکھیے ریسیکس
اچارج) -

ریناد ، ایم : ۲۶۷ ، ۲۶۸ -

رین برسات : ۳۱ -

ریسی (راج کٹور) : ۱۸ ، ۵۳ ، ۶۷ ،

۷۰ ، ۳۶۱ ، ۳۶۶ -

رینو : ۲۶۶ -

ز

زال : ۲۴۲ -

زید علی : ۱۹۹ -

زین العابدین : ۲۶۵ -

س

سانھی خان : ۷۳ ، ۸۹ ، ۹۰ -

سادپ (خان) : ۵۳ ، ۹۰ -

ساردهول سولنگی : ۱۶۷ ، ۱۶۸ ،

۱۷۱ -

سارنگ خان (حاکم دیپالپور) : ۱۱۳ -

سارنگ دیو : ۵۳ ، ۹۰ -

سارنگ رائے سولنگی : ۱۵۰ ، ۱۷۱ -

سارپر (سرپر) خان ، سلطان : ۷۲ ،

۷۵ ، ۹۰ ، ۹۱ -

سارپر خان سیر : ۷۲ -

سالبان : ۳۴۲ -

سالم : ۷۳ ، ۹۰ -

سام : ۲۳۳ -

سامانی : ۱۱۲ ، ۱۱۸ -

سامن ڈی مونٹ فورٹ (کیپر) :

۲۵۵ -

سبعان خان : ۷۲ ، ۷۳ ، ۹۰ ،

۱۰۱ -

سہابی لاگر (ناگر برہمن) : ۳۳۰ -

سجوان رائے : ۹۳ -

سجرت خان : ۹۰ -

سربانی : ۳۲ ، ۱۱۲ -

سرور خان حبشی : ۹۵ -

سلطان شاه (غوازم شاہی) : ۱۰۳ -

- ۱۰۵

سلطان شمس الدین محمد (ابن ملک

نظرالدین مسعود) : ۸۶ -

سلطان علاء الدین حسین (جہان سوز) :

- ۸۵ / ۳۲۳ / ۳۲۶ / ۳۲۷ -

سلطان علی (بادشاہ کشمیر) : ۱۱۳ -

سلطان علی الدین محمود : ۹۲ -

سلطان غیاث الدین غرض حسین خلیج :

- ۹۲

سلطان غیاث الدین محمد بن سام (غور) :

- ۸۶ / ۹۲ / ۱۰۳ / ۱۰۵ -

سلطان غیاث الدین محمود (قبریز کوہ) :

- ۹۱

سلطان قطب الدین : ۲۹۸ -

سلطان مبارک شاہ : ۱۱۳ -

سلطان محمود خلجی : ۳۱۰ / ۳۱۱ -

سلطان مسعود ثالث (ابن ابراہیم غزنوی) :

- ۸۳

ملکھ (راجہ آہو) : ۳۵۷ -

ملکھ (راجہ برہار) : ۱۳ / ۳۵ / ۵۲ -

- ۱۰۲ / ۱۰۷ / ۱۳۵ / ۳۶۶ -

سلطدی : ۳۱۱ -

سلطان شہت امیرداد ، امیر : ۹۲ -

سلیم خان : ۵۲ / ۵۳ / ۹۰ / ۹۱ -

سلیم سید : ۷۳ -

سہانی : (دیکھیے سہانی) -

سری پت ساء : ۳۵۱ -

سرپر خان : ۱۰۱ -

سری کاکا جی : ۲۰۶ / ۲۰۷ -

سری منت : ۱۶۸ / ۱۶۹ -

سکت (شوکت) خان : ۷۳ / ۹۰ -

سکندر اعظم : ۲۱۵ / ۲۱۶ / ۲۱۸ -

- ۲۱۹ / ۲۳۱ / ۲۳۷ -

سکندر بن منجھو : ۲۹۸ -

سکندر اودھی ، سلطان : ۱۵۷ -

سنگھ : ۲۷۳ -

سلطان : (دیکھیے شہاب الدین غوری) -

سلطان ، امیر (علی) : ۲۵۹ / ۲۶۰ -

سلطان ساء الدین سام (ابن ملک

اعزالدین حسین) : ۸۳ / ۸۵ -

- ۹۱ / ۳۲۳ -

سلطان تغلق : ۱۲۳ -

سلطان جلال سکندر : ۸۳ -

سلطان حسین ، امیرزادہ : ۲۵۹ -

- ۲۶۰

سلطان حسین جادر : ۲۶۰ -

سلطان حسن شرقی : ۸۶ -

سلطان دین شہاب : (دیکھیے شہاب الدین

غوری) -

سلطان زین العابدین : ۲۹۷ -

سلطان سلیم : ۳۹۹ -

سلطان سیف الدین سوری : ۸۵ -

- ۳۲۳

سمیسور دیو : ۳۳۳ -

سنجر (ساجوق) ، سلطان : ۸۶ ،

۳۲۳ ، ۳۲۶ -

سنجریگا : ۱۶ تا ۱۸ ، ۶۶ تا ۶۹ ،

۴۱ ، ۴۵ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۳۸ ،

۱۳۹ ، ۱۵۶ ، ۳۳۵ ، ۳۵۷ تا

۳۵۹ ، ۳۶۷ -

سنفر داس : ۲۱ -

سندهی : ۱۸۳ -

سنقران (جماعت) : ۱۰۳ -

سنگرام ، رانا : (دیکھیے رانا سانگا) -

سنکھ ہرمار : ۷۳ -

سوالکھا : ۱۳۳ -

سورج ہنسی (راجپوت) : ۳۵۸ ، ۳۵۹ ،

۳۶۳ ، ۳۶۵ -

سورج مل ، شون : ۳۷۰ -

سور سنکھ : ۲۲ -

سولنکی (راجپوت) : ۳۶۳ ، ۳۶۴ -

سومیشور (راجا) : ۱۶ ، ۲۰ ، ۳۸ تا

۳۰ ، ۱۱۳ ، ۱۱۷ ، ۱۳۵ ،

۱۳۴ ، ۳۴۷ ، ۳۴۸ ، ۳۵۹ تا

۳۵۸ ، ۳۶۰ ، ۳۶۳ تا ۳۶۷ -

سیام خان حبشی : ۹۵ -

سیکھ : ۵۰ ، ۱۱۲ ، ۱۹۷ ، ۲۰۱ -

سیکھ ابراہیم ، غلام (جھٹ) :

۱۵۹ ، ۱۸۳ -

سیکھ احمد خان (سر) : ۹۵ -

سیکھ بایزید : ۹۸ -

سیکھ تلی : ۱۷۹ ، ۱۸۲ -

سیکھ جلال الدین سیستانی : ۱۷۹ -

سیکھ جواہیر : ۹۹ -

سیکھ راجی : ۹۹ -

سیکھ شہاب الدین : ۱۷۹ ، ۱۸۲ ،

۱۸۳ -

سیکھ عالم بارہ : ۱۰۰ -

سیکھ علی : ۱۸۰ -

سیکھ ہد : ۱۷۹ -

سیکھ ناصر : ۹۵ تا ۹۷ -

سیکھ تلی : ۱۷۹ ، ۱۸۲ -

سیدی سالم حبشی : ۹۵ تا ۹۶ -

سیرن جگتاپ : ۳۷ -

سیرن خان : ۲۷ ، ۶۳ ، ۷۴ ، ۷۵ ، ۹۰ -

سیرن خواص : ۱۲۲ -

سیرن سادی : ۷۳ -

سیرن میر : ۱۶۹ ، ۱۷۰ -

سیف الدین : ۳۲۷ -

سیف الدین سووی : ۳۲۷ -

سیف الدین ہد : ۶۰۳ -

سیف الدین محمود (بن ابراہیم غزنوی) :

۲۷۱ -

سیلانی : ۵۰ ، ۱۱۲ -

سینٹ لوئی (شاء فرانس) : ۲۳۵ -

سیندھیا ، کٹالھی راؤ : ۱۹۳ ، ۱۹۴ -

ش

شادی بیگ : ۹۰ ، ۹۳ ، ۹۵ -

شادی خان (شادی بیگ) : ۹۹ -

شادی دیو : ۱۹۰ -

شادی ملک : ۹۰ ، ۱۰۱ -

شادی پیر : ۷۲ -

شاگرد پيشه : ۱۲۲ -

شامی : ۲۶۵ -

شاه جلال : ۸۲ تا ۸۳ -

شاهجهان ، شهاب الدين (بادشاه) :

۸۷ ، ۸۹ ، ۹۳ ، ۹۵ ، ۹۸ ،

۱۳۹ ، ۱۳۳ ، ۱۵۸ ، ۱۸۸ ،

۲۲۹ -

شاه خورسان : (ديکھیے شهاب الدين

غوری) -

شاه رخ ، اميرزاده : ۲۵۹ ، ۲۶۰ ،

۲۶۳ -

شاه سلطان : (ديکھیے شهاب الدين

غوری) -

شاه شهاب : (ديکھیے شهاب الدين

غوری) -

شاه قندهار : (ديکھیے شهاب الدين

غوری) -

شاه ملک ، امير : ۲۵۹ ، ۲۶۰ -

شاه میران جی : (ديکھیے میران سيد

حسن) -

شاه ليولين (سوم) : ۲۳۴ ، ۳۳۳ -

شون گنا : ۲۱ -

شرف الدين ابوبکر ، مير سعيد : ۹۲ -

شرف الدين يزدی : ۲۲۷ ، ۲۳۸ ،

۲۵۵ ، ۲۵۸ ، ۲۶۲ تا ۲۶۵ ،

۲۹۵ -

ششوپال بنسي پنجابين : ۳۵ ، ۳۶ -

ششی ورتا : ۳۶۶ -

ششاد : ۲۳۷ -

شمس الدين باميانی : ۱۰۵ -

شمس الدين بلخي : ۹۲ -

شمس الدين خان : ۳۸ ، ۹۰ ، ۱۰۱ -

شمس الدين خان (ولد نظريهادر) : ۹۹ -

شمس الملک عبدالجبار کوناني : ۹۲ ،

۹۳ -

شمسي : ۸۶ -

شوکت خان : ۱۰۱ -

شهاب : (ديکھیے شهاب الدين غوری) -

شهاب الدين غوری ، سلطان : ۳۰ تا ۳۶ ،

۱۳ ، ۱۸ تا ۲۰ ، ۵۸ ، ۹۰ ،

۹۸ ، ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۶ ، ۱۰۸ ،

۱۰۹ ، ۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ،

۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ، ۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ،

۱۱۹ ، ۱۲۱ ، ۱۲۲ ، ۱۲۴ ،

۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ،

۱۳۳ ، ۱۳۹ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ -

شیرانی : ۱۳۱ -

شیر شاه سوری : ۱۰۱ ، ۱۱۵ ،

۱۳۱ ، ۲۹۰ ، ۳۰۰ -

شیمہ : ۱۸۳ -

ص

صدوی : ۹۵ -

ض

ضیاء الدین تولکی ، قاضی : ۱۰۵ ،

۱۰۹ -

ضیاء الدین مجد : ۳۴۸ -

ضیاء الملک درمشی : ۹۳ ، ۹۴ -

ضیاء الملک درمشی : (دیکھیے ضیاء الملک

درمشی) -

ط

طالب املی : ۲۴۶ -

طائر ببادر : ۲۷۲ -

طغان شاہ : ۲۳۹ ، ۲۴۰ -

طفیل ابن مجد دوسی : ۲۲۱ -

طہاج خان : ۸۸ ، ۲۲۵ -

ع

عارف (ولد تثار خان سقرچی) : ۹۸ -

عالم خان : ۳۸ ، ۴۸ ، ۷۳ ، ۷۵ ،

۱۰۱ ، ۹۰ -

۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۶۱ ، ۱۶۶ ،

۱۷۲ ، ۱۷۳ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ ،

۱۸۵ ، ۱۸۶ ، ۱۸۷ ، ۱۸۸ ،

۱۹۳ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۱۹۶ ،

۱۹۷ ، ۱۹۸ ، ۱۹۹ ، ۲۰۰ ،

۲۰۱ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۴ ،

۲۱۰ ، ۲۱۱ ، ۲۱۲ ، ۲۱۳ ،

۲۲۰ ، ۲۲۱ ، ۲۲۲ ، ۲۲۳ ،

۲۳۰ ، ۲۳۱ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳ ،

۲۴۰ ، ۲۴۱ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ،

۲۵۰ ، ۲۵۱ ، ۲۵۲ ، ۲۵۳ ،

۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۶۲ ، ۲۶۳ ،

۲۷۰ ، ۲۷۱ ، ۲۷۲ ، ۲۷۳ ،

۲۸۰ ، ۲۸۱ ، ۲۸۲ ، ۲۸۳ ،

۲۹۰ ، ۲۹۱ ، ۲۹۲ ، ۲۹۳ ،

۳۰۰ ، ۳۰۱ ، ۳۰۲ ، ۳۰۳ ،

۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ۳۱۲ ، ۳۱۳ ،

۳۲۰ ، ۳۲۱ ، ۳۲۲ ، ۳۲۳ ،

۳۳۰ ، ۳۳۱ ، ۳۳۲ ، ۳۳۳ ،

۳۴۰ ، ۳۴۱ ، ۳۴۲ ، ۳۴۳ ،

۳۵۰ ، ۳۵۱ ، ۳۵۲ ، ۳۵۳ ،

۳۶۰ ، ۳۶۱ ، ۳۶۲ ، ۳۶۳ ،

۳۷۰ ، ۳۷۱ ، ۳۷۲ ، ۳۷۳ ،

۳۸۰ ، ۳۸۱ ، ۳۸۲ ، ۳۸۳ ،

۳۹۰ ، ۳۹۱ ، ۳۹۲ ، ۳۹۳ ،

۴۰۰ ، ۴۰۱ ، ۴۰۲ ، ۴۰۳ ،

۴۱۰ ، ۴۱۱ ، ۴۱۲ ، ۴۱۳ ،

۴۲۰ ، ۴۲۱ ، ۴۲۲ ، ۴۲۳ ،

۴۳۰ ، ۴۳۱ ، ۴۳۲ ، ۴۳۳ ،

۴۴۰ ، ۴۴۱ ، ۴۴۲ ، ۴۴۳ ،

۴۵۰ ، ۴۵۱ ، ۴۵۲ ، ۴۵۳ ،

علاء الدین ثانی برلاوی ، مخدوم : ۱۸۷ -
علاء الدین چہان سوز : (دیکھیے سلطان
علاء الدین حسین) -

علاء الدین حسن چمنی ، سلطان :
- ۲۹۰ -

علاء الدین خلجی ، سلطان : ۱۲۵ ،
۲۸۳ تا ۲۸۶ ، ۳۱۳ ، ۳۶۸ -
علاء الدین شاہ : ۹۶ -

علاء الدین محمد شاہ خوارزم شاہی :
- ۱۰۳ -

علاء الدین محمد خلجی ، سلطان :
- ۳۱۲ ، ۳۱۱ ، ۲۹۸ -

علاء الدین مخدوم : ۳۰۳ -
علی بد خان : ۵۲ ، ۹۰ ، ۱۰۱ -
علی اکوب (آل یعقوب) : ۵۲ ، ۹۰ -
علی شہ : ۲۸۸ -

علی ، حضرت (ابن ابی طالب) : ۱۹۵ -
علی خان : ۵۳ ، ۹۰ ، ۱۰۱ -

علی خان (شیخ زادہ فرمیل) : ۹۹ -
علی خان ترین : ۹۹ -

علی قلی ، استاد : ۳۰۰ -
عماد خان : ۹۰ ، ۹۱ -

عماد میر : ۵۲ ، ۹۰ -
عمر خان : ۳۲ ، ۵۳ ، ۹۰ ، ۱۰۰ -

- ۱۰۱ -
عمر خیام ، حکیم : ۲۳۳ -

عشر : ۸ -

عالمگیر اورنگ زیب (بادشاہ) : ۱۳۸ -
عالم خان ، محمد : ۳۱ ، ۵۲ ، ۵۵ ،
- ۹۱ ، ۹۰ -

عالمی بد خان : ۷۳ -
عبد الجلیل ، شیخ : ۳۰۱ -

عبد الحمید لاہوری : ۸۹ ، ۹۸ -
عبد الرحیم خانخانان : ۹۳ -

عبد الفتاح (بن محمد نعمان) : ۱۸۷ -
عبدالمیر : ۵۲ ، ۹۰ ، ۹۱ -

عبدالقہ سجزی ، موبد الملک ، محمد : ۹۱ ،
- ۹۳ -

عثمان (خان) : ۵۲ ، ۹۰ ، ۹۱ -
عثمان خان (عموی جہاد خان روہیلہ) :

- ۱۰۰ -
عثمان روہیلہ : ۹۹ -

عراقی : ۳۲ ، ۱۱۲ -
عرب : ۸ ، ۲۲۱ ، ۲۵۳ ، ۲۶۶ تا

۲۶۸ ، ۲۷۹ -
عرب خان : ۹۹ -

عرب خان (عرب بقی) : ۱۳ ، ۲۱ تا
۲۳ ، ۳۲ ، ۹۰ -

عرب خان اوزبک : ۷۵ -
عزت الدین بلین (کشلو خان) : ۸۸ -

عصائی ، مولانا : ۲۸۷ -
غنیف ، شمس سراج : ۸۶ ، ۹۷ -

- ۱۲۵ ، ۲۹۰ ، ۲۹۳ -
علاء الدین بن سہراب ، ملک : ۲۹۸ -

غوری شہاب : (دیکھیے شہاب الدین غوری)۔

غیاث الدین تغلق : سلطان : ۲۸۶ ، ۲۸۷۔

غیاث خان : ۱۰۱ ، ۹۰ ، ۳۸۔
غیرت خان : ۱۰۰۔

ف

فادے : گجنان : ۲۶۸ ، ۲۶۶۔

فارسی : ۲۵۳۔

فاطمہ : ۸۶۔

فان پھر : ۷۔

فتح الکرم : ۲۹۸۔

فتح علی : ۸۳ ، ۸۶۔

فتح جنگ : میر : ۲۷ ، ۹۰۔

فتح خان : ۳۸ ، ۷۳ ، ۹۰ ، ۹۳۔
۱۰۰۔

فتح فرید : ۷۳ ، ۹۰ ، ۹۱۔

فتح نصیر : ۷۳ ، ۹۰ ، ۹۱۔

فتح سوب : ۷۲ ، ۹۰۔

فطر مدھتر ، شریف محمد مبارک شاہ

(ابن منصور ابن سعید) : ۱۷۳ ،

۲۷۲ ، ۲۸۰۔

فرانسکو ڈابل بارشے : ماسٹر : ۲۳۳۔

فرالسیس : ۲۳۵ ، ۲۶۸۔

فرزدوسی : ۱۱۶ ، ۱۳۱ ، ۲۱۶۔

۲۱۷ ، ۲۳۰ ، ۲۳۷ ، ۲۳۹۔

غبار : ۲۷۸۔

عباسی : ۱۱۸ ، ۱۳۱ ، ۲۶۷ ، ۲۶۸ ، ۳۱۹۔

عباسی ۳ ، حضرت : ۳۳۲۔

غ

غازان خان : ۲۲۲ ، ۲۲۳۔

غازی (ولد حسین خان) : ۲۳ ، ۲۵ ، ۳۲۲ ، ۳۲۳۔

غازی بیگ : ۱۰۰۔

غازی خان : ۲۲ ، ۲۳ ، ۷۳ ، ۷۵ ، ۹۰۔

غازی خان حبیب : ۷۲۔

غازی مراد : ۷۳ ، ۹۰ ، ۱۰۱۔
غالب : ۱۰۰۔

غالب خان : ۷۳ ، ۹۰ ، ۱۰۱۔

غز : ۱۰۴ ، ۳۲۶۔

غزلوی : ۸۵۔

غزلیں خان : ۲۲ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۹۰۔

غزلیں خان جالوری : ۱۰۰۔

غزلیں غوری : (دیکھیے شہاب الدین غوری)۔

غلام علی (ابن روشن علی) : ۱۷۸۔

غنی خان نیازی : ۷۳ ، ۹۰ ، ۱۰۱۔

غوری : ۸۵ ، ۸۷ ، ۸۸ ، ۲۷۰ ، ۳۲۵۔

ق

- قاسم خان : ۲۵ ، ۹۰ ، ۱۰۰ -
 قاسم خان قایم خانی : ۷۵ ، ۹۰ ، ۹۵ -
 قاضی کمال : ۷۴ ، ۹۰ -
 قاطر میر : ۲۳۳ -
 قایم خان : ۷۵ ، ۹۰ -
 قایم خان ، نواب خان چہان چادر :
 ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۸ -
 قایم خانی : ۹۵ تا ۹۷ -
 قباچہ : ۸۷ -
 قتلغ شاہ لولہی : ۲۲۳ -
 قنبر خان : ۸۸ ، ۲۲۵ -
 قریش : ۵۰ ، ۱۱۲ -
 قریشی خان : ۵۱ ، ۹۰ -
 قزلباش : ۵۰ ، ۶۸ ، ۱۲۰ -
 قطب الدین ابوبکر ، صدر شہید :
 ۹۲ -
 قطب الدین بد ، ملک الجبال : ۸۵ -
 قلقلندی : ۲۲۹ -
 قوام بیگ : ۲۳ -
 قمر الدین لبران ، عمر خان : ۸۸ -
 قندلواس : (دیکھیے قزلباش) -
 قوام الملک : ۹۷ -
 قوام بیگ : ۱۰۰ -
 قویلائی خان : ۲۲۲ -

- ۲۴۲ ، ۲۴۵ ، ۲۴۹ ، ۲۵۱ -
 قوشندہ ، ابوالقاسم : ۹۳ ، ۱۱۵ -
 ۱۲۴ ، ۱۸۳ ، ۲۹۰ ، ۲۹۶ -
 ۲۹۷ ، ۳۱۲ -
 قرنگی : ۲۸ ، ۱۱۲ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ -
 ۱۵۵ ، ۲۲۵ ، ۲۳۵ ، ۲۶۳ -
 ۲۹۶ ، ۲۹۷ ، ۳۱۲ ، ۳۱۳ -
 قرنیکی : ۲۳۳ -
 قرویسارٹ : ۲۳۳ -
 قریب خان : ۹۰ -
 قریبوں : ۲۴۲ -
 فضل عظیم : ۱۱۸ -
 فلاسٹریس : ۲۱۵ -
 فلکس تاور : ۲۵۸ -
 فنیقی : ۲۲۰ -
 فوزیز ، اے - کے : ۳۱۵ ، ۳۲۰ -
 فوز پندی : ۲۱۶ تا ۲۱۸ -
 فین سوہ : (دیکھیے قن سوہ) -
 فیروز (برادر خزانہ خان) : ۱۰۰ -
 فیروز خان : ۴۶ ، ۴۷ ، ۵۲ ، ۷۲ تا
 ۷۵ ، ۹۰ ، ۹۶ ، ۱۰۰ -
 فیروز خان حبشی : ۷۶ ، ۹۰ -
 فیروز شاہ تغلق ، سلطان : ۸۹ ، ۹۳ -
 ۹۵ تا ۹۸ ، ۱۱۳ ، ۱۲۱ -
 ۱۵۰ ، ۲۳۷ ، ۲۹۰ ، ۲۹۳ -
 فیلسوف مغربی ، حکیم : ۲۶۵ -

قیام خان : ۹۷ -

قیام خان : (دیکھیے قائم خانی) -

ک

کافضل اوکٹوپن : ۲۳۳ -

کالی مین کس (قلبی) : ۲۶۷ -

کالنجور (قوم) : ۳۳ -

کالین (کلیں) خان : ۶۶ ، ۷۳ ، ۹۰ -

کالی بلانے : ۲۷ ، ۹۰ ، ۹۱ -

کالیستہ : ۳۷ ، ۱۳۶ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸ -

- ۱۷۵

کالیٹہ : (دیکھیے کالیستہ) -

کلیں ، پیکت : ۱۶۳ ، ۱۶۵ -

کیور دیوی : ۳۳۸ ، ۳۵۸ ، ۳۶۵ -

- ۳۶۶

کدلواس : (دیکھیے قزلباش) -

کدلواس : (دیکھیے قزلباش) -

کدبازلیا پردھان : ۳۳۸ -

کریمہ رائے : ۱۶۹ تا ۱۷۲ -

کرن : ۳۱۳ -

کرنائی رائی : ۱۷ -

کرلیہ رائے : (دیکھیے کورلیہ رائے) -

کرلنکو ، یرویسر : ۲۷۷ -

کرم چند (چوپان) : ۹۵ ، ۹۷ -

کروک ، ولیم : ۳۱۰ -

کریم خان : ۲۳ ، ۹۰ ، ۱۰۱ -

کڑیہ بنسی (راجپوت) : ۹۱ -

کسند : ۱۱۲ -

کشمیری : ۱۱۲ ، ۳۴۷ -

ککنا : ۳۳۵ -

کلوننگ چوڑ دیو نالی : ۳۶۳ -

کلموچ : ۳۱۰ -

کلیانی : ۳۲ ، ۱۱۲ -

کلیم : ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ -

- ۱۹۰

کلیاس : ۲۳ -

کلیال بیگ : ۱۰۰ -

کلیال خان : ۳۸ ، ۷۲ ، ۹۰ ، ۹۱ -

کلیالی : ۱۶۵ -

کلیام (قولام) بیگ : ۲۲ ، ۵۱ ، ۹۰ -

- ۹۵ ، ۹۴

کلیلا : ۳۵۸ ، ۳۶۵ -

کلندھج (رائے) : ۱۵ ، ۷۳ -

کلودینی (راجا) : ۲۸ -

کلیم خان : ۳۱ ، ۹۰ -

کلیہ : ۳۶۷ ، ۳۶۸ -

کلیہ کرن ، سہاراٹا : ۳۶۹ -

کلشور ہرمار : ۱۶۹ -

کلچن دیوی : ۳۴۷ -

کلدلواس : (دیکھیے قزلباش) -

کشتو : ۹۷ -

کنہ (رائے) چوپان : ۱۳ ، ۱۲ -

۲۴ ، ۳۱ ، ۳۳ ، ۳۶ -

۳۴ ، ۳۶ ، ۳۸ ، ۵۲ ، ۵۴ -

گی

- گیر : ۲۶۵ -
 گینج بشو : ۲۶۵ -
 گجراتی : ۳۱۱ / ۳۱۲ / ۳۳۰ -
 گوت (غیرت) خان : ۹۰ -
 گوشادپ : ۲۴۲ -
 گروان : ۱۱۲ -
 گرو رام (برہمن) : ۱۴ / ۲۳ / ۳۳ -
 ۳۶ / ۶۸ / ۶۹ / ۷۳ / ۷۵ -
 ۱۳۵ / ۱۴۹ / ۳۵۱ -
 گرو رام پرویت : (دیکھیے گرو رام برہمن) -
 گروزہ اہف - ایس : ۸ / ۳۱۸ / ۳۲۹ -
 گروج خان : ۹۰ / ۷۲ -
 گرہین امر جارج : ۳۳۰ / ۳ -
 گکھڑ : ۳۲ / ۵۷ / ۵۸ / ۶۸ / ۷۳ -
 ۱۱۲ / ۱۱۳ / ۱۱۵ / ۱۱۶ -
 گکھڑ بکھڑ شاہ : ۹۰ -
 گکھڑ خان : ۳۸ / ۹۰ -
 گنگا بنسی (راجپوت) : ۳۵۹ -
 گنگ جی : ۱۶۵ / ۳۳۵ -
 گوہند راج : ۲۲ -
 گوہند راج (عرف گولا) : ۳۶۱ / ۳۶۶ -
 گوہند رائے : ۲۳ / ۳۸ / ۱۰۵ -
 ۱۰۶ -
 گوہند رائے گھلوٹ : ۱۶۷ / ۱۶۸ -
 ۱۷۱ -

- ۷۳ / ۱۰۲ / ۱۰۷ / ۱۱۰ -
 ۱۳۵ / ۱۵۱ / ۱۷۰ -
 گوٹھاربا (چوہان) : ۳۳۲ -
 کوچک (کوچک) خان : ۷۳ / ۹۰ -
 گورنہ رائے : ۳۶ / ۱۵۲ -
 گوٹھی کریشی : ۲۱۹ -
 گوی چند : (دیکھیے چند بردائی) -
 گوی داس : ۵۴ -
 گوہلی کور : ۱۱۲ -
 گھٹری : ۱۵۷ / ۱۵۸ -
 گھندہاری : ۱۱۲ -
 گھنگار : ۱۱۲ -
 گھنگار غوری : ۳۹ / ۹۰ -
 گھو کھر : ۱۰۵ / ۱۱۳ / ۱۱۵ -
 ۳۶۸ / ۳۶۱ -
 گھو کھر خان : ۳۱ / ۹۰ -
 گھومان : ۳۱۰ -
 گھونگار : (دیکھیے غونگار) -
 گھبھی رائے : ۲۳ -
 گیخسرو : ۲۵۰ -
 گیل خان : ۳۸ / ۴۶ / ۹۰ / ۹۱ -
 ۱۶۱ -
 گیاس (وزیر) : ۱۴ / ۱۶ / ۱۷ -
 ۲۰ / ۲۳ / ۲۷ / ۲۹ / ۳۰ -
 ۳۳ / ۳۷ / ۴۰ / ۴۴ / ۴۷ -
 ۳۸ / ۵۱ / ۵۳ / ۱۰۳ / ۱۰۷ -
 ۱۴۰ / ۱۴۲ / ۱۴۳ / ۳۳۱ -
 گہر رائے : ۱۶۹ -

مرینو سنوٹو : (دیکھیے میرینو سنوٹو)۔

سستی خان : ۲۹۷ + ۲۹۸ -

مسعود سعد سلمان ، خواجہ : ۱۵۷ + ۲۷۱ -

مسعود شہید غزنوی ، سلطان : ۲۲۸ + ۲۷۰ -

مسعود غزنوی ، امیر : (دیکھیے مسعود شہید غزنوی)۔

مسعودی : ۱۱۶ -

مسلمان : ۴ + ۳ + ۶ + ۱۷ + ۱۹ +

۲۳ + ۲۵ + ۳۱ + ۳۲ + ۳۵ +

۳۶ + ۵۰ + ۵۲ + ۵۳ + ۵۸ +

۵۹ + ۶۱ + ۶۳ + ۶۷ + ۷۱ +

۷۳ + ۸۳ + ۸۶ + ۹۵ + ۹۸ +

۱۰۱ + ۱۱۰ + ۱۱۱ + ۱۱۳ +

۱۱۷ + ۱۱۹ + ۱۲۲ + ۱۲۸ +

۱۳۹ + ۱۴۳ + ۱۴۶ + ۱۴۸ +

۱۵۰ + ۱۵۱ + ۱۵۳ + ۱۵۴ +

۱۵۷ + ۱۵۹ + ۱۶۱ + ۱۷۱ +

۱۷۳ + ۱۷۵ + ۱۷۷ + ۱۸۰ +

۱۸۱ + ۱۹۰ + ۱۹۱ + ۱۹۹ +

۲۰۳ + ۲۲۰ + ۲۲۵ + ۲۲۶ +

۲۳۵ + ۲۳۸ + ۲۶۷ + ۲۶۸ +

۲۷۳ + ۲۸۳ + ۲۸۵ + ۲۹۶ +

۳۰۷ + ۳۱۰ + ۳۱۳ + ۳۲۳ +

۳۳۳ + ۳۳۴ + ۳۴۰ + ۳۵۲ +

۳۶۷ -

محمد سعید ، مرزا : ۸ -

محمد شافع ، مولوی : ۲۹ + ۲۷۷ -

محمد شاہ : ۹۶ -

محمد شاہ (بن علاء الدین چمن شاہ) : ۲۹۶ -

محمد شاہ (مغل بادشاہ) : ۱۱۵ -

محمد شاہ بن فرید : ۱۱۵ -

محمد شاہ جمی : ۲۹۷ -

محمد صادق اصفہانی : ۲۲۹ -

محمد علی خان ، مولوی : ۱۹۲ -

محمد علی غازی ، امیر حاجب : ۹۲ -

محمد : ۳۱۰ -

محمد بن شیخ ضیا : ۲۳۶ -

محمد خان : ۷۲ + ۷۳ + ۷۵ + ۹۰ + ۱۰۰ -

محمد سید : ۷۲ -

محمد شرقی چوہدری ، سلطان : ۲۹۸ -

محمد شیران ، حافظ : ۱ -

محمد غزلوی ، سلطان : ۷۷ + ۱۰۳ + ۱۱۰ + ۱۷۸ + ۱۸۰ + ۱۸۳ -

۱۸۶ + ۱۹۰ + ۱۹۱ + ۳۱۰ + ۳۱۱ + ۳۳۷ + ۳۴۰ -

محمد میر : ۷۷ + ۷۳ + ۹۰ -

مدھو شاہ : ۳ -

مراری دان : ۳۳۸ -

مرزا مہدی : ۷۳ + ۹۰ + ۱۰۱ -

مرشد : ۹۵ + ۹۶ + ۱۹۲ -

۲۲۵ : ۲۳۳ : ۲۴۶ : ۲۸۶

۳۶۵ : ۳۶۹ (نیز دیکھیے مغول)۔

مغول : ۲۲۳ : ۲۳۸ : ۲۵۱ : ۲۶۱

مغولی : (دیکھیے مغول)۔

مقبول : ۹۷۔

مقرب خان (ولد چندر خان سیستانی) :

۲۹۶۔

مقرب خان : سلطان : ۱۱۵۔

مقریزی : ۲۳۵۔

مکتد دیو : راجا : ۳۵۸ : ۳۵۹۔

مکھن ناتھ : دوہے گھوا : ۲۰۸۔

مکمل رائے : ۳۶۷۔

مُکمل (مُغل) رائے : ۲۰ : ۲۶ : ۱۱۷۔

ملاحندہ : ۱۰۳ : ۱۰۶ : ۱۷۳

۱۸۳ : ۲۲۲ : ۲۵۳۔

مُلا بنداری : ۱۹۳۔

ملتان اوب : ۹۰ : ۹۱۔

ملتان خان : ۳۷ : ۳۷ : ۷۲ : ۹۰

۱۰۱۔

ملتان : ۱۱۳ : ۲۷۱۔

ملک اختیار الدین خرولو : ۹۲۔

ملک اختیار الدین یوزبک (طغرل خان) :

۸۸۔

ملک اسد الدین شیر ملک وجیری :

۹۲۔

ملک امیر الدین حسین : ۸۳۔

ملک الشرف (ولید مصر) : ۲۲۵ : ۲۲۶۔

مشر بہائی : ۳۶۲۔

مشرق اقوام : ۲۳۳۔

مصری : ۲۱۶ : ۲۱۷ : ۲۲۶

۲۳۵ : ۲۶۵۔

مصطفیٰ خان : ۷۷ : ۹۰ : ۱۰۱۔

مصطفیٰ خان (داداد مُلا ہد لاہوری) :

۱۰۰۔

مظفر شاہ گجراتی : سلطان : ۳۱۱۔

معروف خان : ۲۷ : ۳۷ : ۳۹ : ۴۱

۴۸ : ۶۰ : ۷۳ : ۹۰ : ۱۰۱۔

معز الدین ہد بن سام : سلطان : ۸۹۔

۸۷ : ۸۸ : ۹۱ : ۹۳ : ۹۶

۱۰۳ : ۱۱۱ : ۱۰۹ : ۱۱۳

۱۱۶ : ۱۲۱ : ۱۲۶ : ۱۷۳

۱۸۵ : (نیز دیکھیے شہاب الدین

خوری : سلطان)۔

معظم شاہ : ۹۶۔

معین الدین اوشی : ۱۰۶۔

معین الدین چشتی اجیری : خواجہ :

۱۳۳ : ۱۷۸ : ۱۸۵ : ۱۹۰

۱۹۲۔

مغربی : ۲۶۹۔

مغل : ۱۳ : ۱۸ : ۲۶ : ۳۲ : ۸۷

۸۸ : ۹۴ : ۹۶ : ۱۱۵ : ۱۱۷

۱۱۸ : ۱۲۰ : ۱۲۵ : ۱۳۳

۱۳۵ : ۱۳۹ : ۱۴۲ : ۱۴۶

۱۰۸ : ۱۵۰ : ۱۵۸ : ۲۲۳

ملک بدرالدین (والیہ کیدان) : ۸۶ - ۹۱

ملک تاج الدین حرب (سجستان) : ۹۱ -

ملک تاج الدین زنگی : ۸۶ - ۹۱

ملک تاج الدین بکران : ۸۵ - ۹۱

ملک حسام الدین غرمویل : ۸۵ - ۹۲

ملک حسام الدین علی کرماخ : ۹۲ -

ملک رکن الدین سور : ۹۲ -

ملک سکندر خفہ ، ملک الشرق :

۱۱۳ - ۱۱۵

ملک شاه : ۳۲۵ -

ملک شاه بخشی : ۹۱ -

ملک شجاع الدین علی : ۸۵ -

ملک شمس الدین : ۹۲ (نیز دیکھئے

سلطان غیاث الدین محمد بن سام) -

ملک شمس الدین سجستان : ۱۰۴ -

ملک شمس الدین سور (کیدان) : ۹۲ -

ملک شمس الدین کیدانی : ۹۱ -

ملک شہاب الدین محمد غرلک (ملک

مادین) : ۸۵ - ۹۱ - ۳۲۳

ملک ضیاء الدین (درغور) : ۹۱ -

ملک طالب معجینی : ۲۲۲ -

ملک ظہیر الدین فتح کرماخ : ۹۲ -

ملک ظہیر الدین محمد کرماخ : ۹۲ -

ملک عزالدین طغرل (طغان خان) :

۸۸ -

ملک علاء الدین : ۹۱ -

ملک علاء الدین التمز حسین : ۹۲ -

ملک عنبر : ۳۱۳ -

ملک غالب : ۸۳ - ۹۰

ملک قنبرالدین مسعود (ابن ملک

عزالدین حسین) : ۸۵ - ۱۰۳

ملک قرالشی : ۲۷۲ -

ملک قزل ارسلان : ۸۶ -

ملک قطب الدین بمرانی : ۹۱ -

ملک کاکا لودھی : ۱۱۵ -

ملک کابل (والیہ میاواغین) : ۲۲۳ -

ملک کریم الدین حمزہ : ۱۳۳ -

ملک مسعود : ۹۱ -

ملک مؤید الدین مسعود : ۹۱ -

ملک مؤید الملک کرماخ : ۹۲ -

ملک ناصر الدین الپ غازی : ۹۱ -

ملک ناصر الدین بمران : ۸۵ - ۹۱

ملک ناصر الدین حسین (خلف ملک

شہاب الدین محمد مادینی) : ۳۲۳ -

۳۲۳ - ۳۲۶ - ۳۲۷ -

ملک ناصر الدین حسین امیر شکار :

۹۲ -

ملک ناصر الدین مادین : ۹۱ -

ملک جہاں : ۸۶ -

ملک خراسان : ۸۶ -

ملک سنگھ سور : ۱۷۰ تا ۱۷۲ -

میرزا خان : ۱۲۷ - ۱۰۱ - ۹۰

منادریہ (برہمن) : ۳۵۱ -

- مہدی : ۹۰ / ۷۴ -
 مہدی حسین : ڈاکٹر آغا : ۲۸۸ -
 مہمند : ۹۰ / ۳۷ -
 مہمند (قبیلہ) : ۱۰۱ -
 مہین : ۲۲ -
 مسافر پال (ولد بیوج دیو) : ۳۶۳ -
 مسی پال (راجا سالوہ) : ۱۱۳ / ۳۹ -
 مسی پال (ولد مسافر پال) : ۳۶۳ -
 میان چوہ : ۲۹۹ -
 میان خوب بند چشتی : ۱۵۰ -
 میان مصطفیٰ : (دیکھیے میران مصطفیٰ) -
 میان منصور روپلہ : ۷۳ -
 میدانی : ۱۱۲ / ۵۰ -
 مہرانی رائے : ۳۱۱ -
 میر آتش : ۹۰ / ۳۷ -
 میرا : ۷۷ -
 میران سلطان : (دیکھیے میران سید حسین) -
 میران سید حسین خٹک سوار (مشہدی) :
 ۱۵۲ / ۱۷۳ / ۱۷۶ / ۱۸۳ / ۲۰۰ / ۱۹۹ / ۱۹۶ -
 ۲۰۱ -
 میران شاہ : ۹۰ / ۱۰۱ -
 میران شاہ : امیر زادہ : ۲۵۹ / ۲۶۰ -
 میران شاہ : خواجہ : (دیکھیے میران سید حسین) -
 میران مستند : ۹۰ / ۷۲ -

- منجاری : ۱۱۲ -
 منڈیک : ۹۰ / ۲۳ -
 منٹن دیو : راجا : ۳۶۳ -
 منٹہ راؤ مریش : ۹۰ / ۹۳ / ۹۵ -
 منصور : ۱۰۰ / ۳۷ -
 منصور مہمند : ۹۰ -
 منگدہ راؤ مریش : ۷۳ -
 منگو قان : ۲۲۲ -
 منار خان : ۹۰ / ۳۸ -
 منوحی : ۲۱۵ -
 منوچہری : ۲۳۳ -
 منہاج سراج : قاضی : ۱۰۹ / ۱۳۳ / ۲۷۲ -
 مونے راؤ : ۹۷ / ۹۷ -
 مور خان : ۹۰ / ۳۱ -
 مورچ : ۲۱ -
 موریا : ۳۳۳ / ۳۳۴ / ۳۵۲ / ۳۵۳ -
 موریا ہنسی : (دیکھیے موریا) -
 موسم میر : ۹۰ / ۷۴ -
 موکل جی : ۳۳۳ -
 موہن لال وشنو لال پٹلیا : ۵ / ۳ -
 ۸۳ / ۱۶۵ / ۲۰۲ / ۲۳۸ -
 ۳۳۹ / ۳۴۵ / ۳۴۶ / ۳۴۹ -
 ۳۵۱ / ۳۵۳ -
 مؤید الدین : ۲۹۷ / ۲۹۸ -
 مہاند : ۳۳۳ -
 مہند : اکوے چند : ۱۹۳ -

ناصرالدین قیاجہ ، سلطان : ۹۲ -

ناصرالدین محمود (بن محمد شاہ) : ۱۱۳ -

ناصرالدین محمود ، سلطان : ۱۳۳ -

- ۲۹۴

ناگر (برہمن) : ۳۰ -

ناہر رائے ہرجار : ۱۳ ، ۳۶۶ -

ناہن مورا : ۳۴۳ -

نٹھو رائے : ۳۱ ، ۳۲ ، ۵۱ ، ۵۲ -

نوابین سنگھ عرف رئیس : (دیکھئے

رہن سی) -

نرسنگھ دیو : ۱۶۵ ، ۱۶۸ ، ۱۷۱ -

نرسنگھ رائے : ۳۸ -

نرسنگھ رائے داہا : ۱۶۹ ، ۱۷۱ ، ۱۷۱ -

نرمائی : ۲۳۱ ، ۲۳۳ -

نصرت خان : ۲۵ ، ۳۲ ، ۳۵ ، ۵۱ -

۵۳ ، ۵۷ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۱۰۰ -

- ۱۰۱

نصرت خان : ۳۳ ، ۳۳ -

نصیرالدین محمود چراغ دہلی ، شیخ :

- ۲۳۷

نصیر شاہ : ۹۶ -

نظام (ولد خزانہ خان چالوری) : ۱۰۰ -

نظام الدین شامی : ۲۵۳ ، ۲۵۷ -

۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۶۳ ، ۲۶۵ -

- ۲۹۴

میران مصطفیٰ : ۷۳ -

میر ایلچی خان : ۷۳ ، ۹۰ -

میر جلال الدین حسین : ۹۹ -

میر جام : ۲۲ تا ۲۳ ، ۸۹ -

میر حسن : ۲۷ ، ۲۸ ، ۸۹ -

میر خان : ۲۲ ، ۹۰ ، ۱۰۰ -

میر محمود (خان) : ۹۰ ، ۱۶۹ -

میر گردان : ۹۰ ، ۱۶۸ -

میر محمد خان : ۹۰ ، ۱۰۱ -

میر محمود روہیلہ : ۷۲ ، ۹۰ -

میرن : ۷۳ ، ۹۰ -

میر ناصر : ۳۱ ، ۹۰ ، ۱۰۱ -

میر ہام : ۹۱ ، ۱۶۸ ، ۱۶۹ -

میر بھٹی : ۲۶۵ -

میرانو ستواؤ : ۲۳۳ ، ۲۵۵ -

میر یوسف : ۱۰۱ -

میسن ، میجر ہارٹ ایڈورڈ : ۱۹۲ -

مین ہوری : ۲۰۰ -

میواٹی : ۱۳ -

میواڑی : ۳۳۹ -

ن

ناصرالدین حسین (دیکھئے ملک

ناصرالدین حسین ، خلیفہ ملک

شہاب الدین محمد مادیانی) -

- نظام الدين مولانا : ۲۹۰ -
 نظام الملک طوسي : ۹۳ -
 نظام شاه : ۳۵ ، ۹۰ ، ۱۰۱ -
 نظامي عروضي : ۳۲۶ -
 نظامي گنجوي : ۱۳۶ ، ۲۳۷ -
 نظيري نيشاپوري : ۲۳۵ -
 نمرود : ۲۲۱ -
 نند بنسي (راجپوت) : ۳۵۲ -
 نورالدين ، امير شيخ : ۲۵۹ ، ۲۶۰ -
 نور خان : ۱۰۱ -
 نور خان حجاب : ۳۶ ، ۷۲ ، ۹۰ ، ۱۶۱ -
 نور محمد : ۹۰ -
 نور محمد عرب (عرب خان) : ۱۰۰ -
 نورنگ خان : ۲۹۹ -
 نوروز خان : ۳۵ ، ۷۵ ، ۹۰ ، ۱۰۱ -
 نوري حجاب : ديکھيے نور خان حجاب -
 نوري خان : ۳۱ ، ۹۰ -
 نوشيروان : ۱۱۶ -
 نياز خان (پسر شهباز خان کتبوه) : ۱۰۰ -
 نيازي (قبيله) : ۱۰۱ -
 نيازي خان : ۹۰ ، ۱۰۱ -
 نيت راؤ کھنري : ۳۵ ، ۳۰ ، ۳۳ -
 ۱۳۰ ، ۱۵۱ ، ۱۵۸ -
 نيتي راؤ کھنوار : ۶۸ -
 نيتي راؤ کھنري : (ديکھيے نيت راؤ کھنري) -
 نئے چند سوري : ۳۵۹ -
 و
 واسن بريد : (ديکھيے واسن بريد) -
 وجر دامنا : ۳۶۰ -
 وجي ہال : ۲۷ -
 وجيدالدين محمد مشهدي ، سيد : ۱۸۷ ، ۱۸۹ -
 ورجل : ۲۱۳ -
 وزير حسين شيخ (ناجر کتب) : ۱۸۲ -
 وزير خان : ۹۱ ، ۱۰۰ ، ۱۰۱ -
 ۱۹۳ -
 وششہ : ۳۶۳ ، ۳۶۴ -
 وشواستر : ۳۶۳ -
 وصاف : ۲۲۳ ، ۲۲۵ -
 ولسن ، پرويسر : ۲۱۹ -
 ولہ پروين : ۲۳۵ -
 وليم آف ليونيل : ۲۵۵ -
 وملادت : ۳۶۴ -
 وند جي ريسکيس : (ديکھيے ريسکيس اچارچ) -
 وير باين : ۲۹ -
 ويرم ديو : ۳۷ -
 ويسل ديو : ۳۵۹ -

ی

- | | |
|---|--|
| یوسف خان : ۱۰۰ -
یوسف نیازی : ۱۰۱ -
بولہ ، کرنل : ۲۵۳ -
یونانی : ۱۳۷ ، ۲۲۰ ، ۲۶۷ - | یزیدہ (بن امیر معاویہ) : ۲۲۱ -
یعقوب خان : ۳۲ ، ۱۰۰ -
یلڈز : (دیکھیے تاج الدین یلڈز ، سلطان) - |
|---|--|



مقامات اور ادارے

الف

- اجل پور : ۱۲۹ / ۲۳ -
 اچہ : ۱۰۹ / ۱۰۴ -
 احد : ۶ -
 احمد آباد : ۲۹۷ / ۱۳۱ -
 احمد آباد (بندر) : ۳۱۳ -
 اغلاط : ۲۳۸ -
 ادوند : ۱۰۹ -
 اوراک : ۱۱۹ (بیز دیکھیے عراق) -
 اورتھرنا : ۳۶۳ -
 ازمیر : ۲۶۴ / ۲۵۵ -
 افریقہ : ۱۱۱ -
 افغانستان : ۱۳۷ / ۱۱۱ / ۸۵ -
 ۱۸۳ / ۱۹۰ / ۲۵۱ -
 البیڑ (کبہ) : ۲۸۷ -
 الہ آباد : ۲۰۲ -
 امرتسر : ۲۳۰ -
 انا ساگر : ۱۸۹ / ۱۸۰ / ۱۷۸ -
 انباران : ۲۷۵ -
 انجمن ترقی اردو (ہند) : ۱ -
 اندخود : ۱۰۹ -
 الطاکبہ : ۷ -
 آبو (پلا) : ۳۶۳ / ۳۵۸ / ۳۵۷ -
 ۳۶۶ -
 آس اور : ۵۰ -
 آکسفورڈ : ۳۵۵ -
 آکسفورڈ یونیورسٹی پراس : ۳۱۰ -
 آگرہ : ۱۳۷ / ۱۳۹ / ۱۳۶ / ۱۵۸ -
 ۲۰ (بیز دیکھیے حصار آگرہ) -
 آمیر : (دیکھیے آنیر) -
 آلیس : ۳۶۰ / ۶۷ / ۳۶ -
 اٹک : ۱۱۱ / ۱۱۰ / ۶۶ / ۳۳ -
 ۱۱۵ -
 اجمیر : ۳۳ / ۳۹ / ۲۱ / ۳۰ / ۳۳ -
 ۱۲۹ / ۱۱۰ / ۱۰۹ / ۵۹ / ۳۹ -
 ۱۳۳ / ۱۳۶ / ۱۷۴ / ۱۷۸ -
 ۱۸۰ / ۱۸۴ / ۱۸۹ / ۱۹۲ / ۱۸۰ -
 ۱۹۴ / ۳۱۲ / ۳۱۹ / ۳۳۸ -
 ۳۵۸ / ۳۶۰ / ۳۶۴ / ۳۶۵ -
 ۳۶۷ -
 آجین : ۳۳ -
 آج : ۲۷۲ (بیز دیکھیے اچہ) -

انگلستان : ۲۱۰ / ۳۰۷ -

انٹلاواڑہ : ۳۶۰ -

اوبہ : ۳۲۶ -

اودھ : ۱۰۹ -

اودھے پور : ۳ / ۳۳۳ / ۳۳۸ -

ایٹور : ۲۹۸ -

ایران : ۷ / ۵۸ / ۹۵ / ۱۰۳ تا

۱۰۵ / ۱۱۱ / ۱۱۲ / ۱۱۶ /

۱۱۹ / ۱۲۲ تا ۱۲۳ / ۱۲۴ /

۱۳۷ / ۱۹۹ / ۲۲۳ / ۲۳۵ /

۲۵۱ -

ایسٹ انڈیا کمپنی : ۳۰۷ -

ایشیا : ۱۱۱ -

ایشیائیک سوسائٹی بنگال : ۴ / ۵ /

۳۱۷ / ۳۲۱ / ۳۳۰ / ۳۳۱ /

۳۳۳ / ۳۳۴ / ۳۳۸ -

ایلس : ۲۱۳ -

ب

بامیان : ۸۵ / ۸۶ / ۹۱ / ۱۰۳ /

۲۳۸ -

بالسواڑہ : ۳۶۳ -

بارود : ۱۰۹ -

بنالویا : ۱۳۷ -

بتخانہ ذی الکلبین : ۲۲۱ -

بجنور : ۱۹۳ -

بحاولہ : ۱۱۵ -

بھہولی : ۳۲۳ -

بھہرن : ۲۷۹ -

بھاروا : ۱۱۹ / ۱۷۸ / ۱۸۰ / ۱۸۳ /

۱۸۴ / ۲۵۲ -

بہادیوں : ۱۰۹ -

بہری قاتلہ : ۳۰ / ۳۱ -

بہرپور : ۱۰۹ (لیز دیکھیے ہشاور) -

برنارہ (خلع مظفر نگر) : ۳۰۲ -

بروالہ : ۱۳۳ -

بڑی کھائو : ۱۳۰ / ۱۳۱ -

بملیک : ۲۲۲ -

بنفاد : ۱۲۲ / ۱۲۳ / ۱۸۳ -

بلخ : ۴۲ / ۵۰ / ۱۱۹ / ۱۸۰ -

بلوچستان : ۱۱۶ -

بجینی : ۱۳۲ / ۲۲۳ / ۲۲۴ / ۲۵۰ /

۲۹۸ -

بنارس : ۱۰۹ / ۱۶۵ / ۲۱۰ / ۳۳۶ -

بنگالہ : ۹۵ / ۱۳۲ / ۲۹۳ -

بولندی : ۴ / ۱۹۳ / ۳۳۶ -

بہار : ۱۰۹ -

بہشیر : ۶۸ / ۱۱۲ -

بہدوڑ : ۳۹ -

بہروج : ۲۷۵ -

بہکر : ۵۰ / ۱۱۹ -

بہکروان : ۶۸ / ۱۱۲ -

بہنیر : ۵۰ / ۱۱۹ -

بہیرہ : ۱۰۹ -

بیت المقدس : ۳۱۳ -

یادر : ۳۱۲ ، ۳۱۳ ، ۳۶۷ ، ۳۶۸ -

(لیز دیکھیے حصارِ یادر) -

یہٹ (ندی) : ۷۱ -

پ

پارس : پور : ۳۸ ، ۱۲۹ -

پارس ناتھ کا کنڈ : ۳۳۳ -

پالم : ۱۳۴ -

پانی پت : ۵۳ ، ۵۴ ، ۷۱ ، ۱۱۷ ،

۱۳۵ ، ۱۳۸ ، ۱۵۶ ، ۱۵۹ ،

۱۶۰ ، ۱۸۰ ، ۱۸۳ ، ۳۰۰ -

پٹن : ۴۰ -

پیرالا : ۱۱۵ -

پشاور : ۱۰۳ ، ۱۰۶ ، ۱۰۹ ،

۱۹۲ ، ۲۷۳ (لیز دیکھیے فرشور) -

پشکر : ۱۸۳ ، ۳۶۵ -

پکلی : ۱۳۲ -

پنجاب : ۳۷ ، ۳۳ ، ۱۰۳ ، ۱۱۰ ،

۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۱۳ ، ۱۱۷ ،

۱۳۶ ، ۱۶۳ ، ۲۸۶ ، ۲۹۸ -

پنجوسر : ۳۸ ، ۱۱۹ -

پو کھر : ۱۸۰ -

پہانگ : ۶۵ -

پرمیہ : ۳۱۶ -

ت

تاج محل : ۱۳۹ -

تارا کلہ : ۱۷۸ ، ۱۸۵ ، ۱۹۳ -

تبر بندہ : ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۰۹ -

تبرائن : ۵۸ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۰۹ -

۱۳۳ ، ۳۶۸ -

تربوری : ۳۵۶ ، ۳۵۸ -

تربیز : ۲۵۵ -

تربستان : ۱۲۰ ، ۲۴۸ -

ترکی : ۷۰ -

تکویت : ۲۵۶ -

تکین آباد : ۱۰۳ -

تلنگانہ : ۹۷ -

تموان : ۸۷ ، ۹۱ -

توران : ۱۱۶ ، ۲۵۱ -

تولک : ۱۰۶ -

تہانہ : ۱۲۱ ، ۳۳۰ -

تہانیسر : ۱۶۶ ، ۳۶۱ -

تھنکیر : ۱۰۹ -

تھن لی اویک : ۲۳۳ -

تیکھر : ۱۱۳ -

ث

ٹھٹھہ : ۱۱۳ -

ج

جالندھر : ۱۱۳ ، ۱۱۵ - (لیز دیکھیے

جالندھر کلہ) -

دشتی: ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۵۹ تا
 ۲۶۱، ۲۶۴ -
 دیبک: ۱۴۳، ۱۴۴ -
 دوارکا: ۱۶ -
 دوربرا: ۹۵ -
 دھار: ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۱۱ -

ذیلی: ۱، ۱۱، ۱۳، ۱۵، ۱۷،
 ۱۸، ۲۶، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۶،
 ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۵،
 ۴۶، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳،
 ۵۵، ۵۶، ۵۸، ۶۰، ۶۳، ۶۴،
 ۶۸، ۷۱، ۷۲، ۷۵، ۸۲،
 ۹۶، ۹۷، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰،
 ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۰،
 ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۹،
 ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۵۹،
 ۱۶۸، ۱۷۶، ۱۸۵، ۱۸۷،
 ۱۸۸، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۸،
 ۲۱۳، ۲۵۲، ۲۸۶، ۲۸۷،
 ۲۹۴، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۲۴،
 ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۸، ۳۵۰،
 ۳۵۱، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۵۸،
 ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۵ -

ذیل: ۲۲۱ (تیز دیکھیے ذیل) -

ذیال نور: ۱۱۴، ۱۴۶ -

ذیس: ۶۸ -

ذیواس: ۴۴ -

ذوگیری: ۱۵، ۳۷، ۳۶۰، ۳۶۶ -

حصص: ۳۳۵ -

حیدر آباد (دکن): ۲۷۶ -

حیر: ۲۲۱ -

خ

خا: ۲۲۲ -

خجند: ۲۳۶ -

خراسان: ۶۸، ۹۲، ۱۱۲، ۱۱۶،

۱۲، ۲۵۶، ۲۷۷، ۲۷۹،

۳۱، ۳۲۵ (تیز دیکھیے

خورسان) -

خط: ۲۷۹ -

خندھار: ۵۱، ۶۸، ۱۱۹ (تیز

دیکھیے خندھار)

خوارزم: ۱۰۹، ۲۵۲، ۲۵۳ -

خوارسان: (دیکھیے خراسان) -

خورسان: ۱۱۲، ۱۴۲ -

ذ

ذجلہ: ۱۲۳ -

ذراور: ۱۲۹ -

ذریعہ لیل: ۱۳۷، ۲۳۵ -

دکن: ۱۶، ۹۵، ۱۱۹، ۱۲۵،

۱۴۷، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۱۲ تا

۳۱۴، ۳۶۷ -

دکن: (دیکھیے ذیل) -

دیول : ۱۰۵ ، ۱۰۶ -

ڈ

ڈشیا : ۲۶۷ -

ڈھانی دن کا چھوٹو : ۳۶۵ -

ڈھلا پاڑ : ۶۵ -

ڈیرہ دون : ۱۳۲ -

ڈیرکانہ : ۱۲۹ ، ۱۳۱ -

و

واجیوٹانہ : ۳ ، ۴ ، ۶ ، ۶۶ ، ۱۲۳ ،

۱۲۸ ، ۱۴۷ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ،

۱۶۵ ، ۱۶۹ ، ۲۳۰ ، ۲۳۳ ،

۲۳۹ ، ۲۴۸ ، ۲۵۶ -

واجیوٹانہ میوزیم - اجیر : ۵ ، ۳۵۶ -

راجستھان : ۲۳۲ -

راج سمنٹر : ۳۵۹ -

رائل ایشیائک سوسائٹی ، بمبئی : ۵ -

رائل ایشیائک سوسائٹی ، لندن : ۱۷۵ -

رفلور عام ایڑس : ۲۸۷ -

رن ٹھب : ۳۵ ، ۳۶ ، ۱۶۱ ،

۳۶۷ (نیز دیکھیے رکتھپور) -

رکتھپور : ۱۲۶ ، ۲۷۲ ، ۲۸۳ ،

۲۸۵ ، ۲۶۷ -

روس : ۱۱۷ ، ۲۵۱ -

روم : ۴ ، ۵۰ ، ۱۱۷ ، ۱۱۹ ،

۲۱۷ ، ۲۶۳ ، ۳۰۰ (نیز دیکھیے

روما) -

روما : ۲۱۳ -

روہ : ۶۸ ، ۱۱۲ -

روٹاس : ۱۱۵ -

روہا : ۱۵ -

روواتک : ۳۷ -

روہنا : ۳۳۳ -

ز

زابلستان : ۳۱۰ -

زورا : ۳۳۴ -

س

سارونڈا : ۲۳ ، ۴۸ ، ۱۲۹ -

سانہیر : ۱۲۹ ، ۲۰۵ ، ۲۰۸ -

ساہان نور : ۲۲۲ -

ساکویریا : ۱۲۰ -

سبزوار : ۱۰۹ -

سٹارگانو : ۲۹۰ -

سٹلج : ۴۲ ، ۱۱۳ ، ۱۲۱ -

سجان کڑھ : ۱۲۹ ، ۱۳۱ -

سجستان : ۹۱ ، ۱۰۳ -

سمرتی : ۱۰۶ ، ۱۰۹ ، ۱۳۳ ،

۱۳۴ -

سرکھچ : ۱۳۱ -

سرولی : ۳ ، ۴ ، ۳۳۹ -

ش

- شاوستانہ : ۱۰۹ -
 شام : ۷ / ۸ / ۲۶۲ / ۲۶۶ / ۳۱۳ -
 شاہجہاں آباد : ۱۱۸ -
 شہر نیداد : ۲۵۰ -
 شیخاوائی : ۹۶ / ۳۶۴ -
 شیراز : ۲۲۳ -

ص

- صحرائے لوط : ۱۱۶ -
 صفا : ۲۲۱ -
 صوبیات متحدہ : ۳۵۴ -

ط

- طائف : ۲۲۱ -
 طخارستان : ۸۵ -
 طرابلس : ۲۲۵ -
 طوس : ۱۰۹ -

ع

- عراق : ۵۱ / ۱۱۹ / ۲۵۱ / ۲۷۶ -
 ۲۷۷ / ۲۷۹ -
 عکہ : ۲۲۵ / ۲۲۶ / ۲۶۷ -

غ

- غجن پور : ۴۴ (بزر دیکھیے غزل) -

سریند : ۱۱۳ -

سلطان پور : ۲۹۸ -

سمرقند : ۵۰ / ۱۱۹ / ۳۲۵ -

سمودر شش رنگہ : ۱۵ / ۲۷ / ۲۸ -

سنبل گندہ : ۱۸۲ -

سنبھر : (دیکھیے سانبھر) -

سنتول پور : ۷۲ -

سندر بن : ۱۲۰ -

سندر باڑی : ۱۵۲ -

سندھ : ۲۳ / ۴۱ / ۴۵ / ۴۸ / ۵۷ -

۶۰ / ۶۵ / ۷۱ / ۷۲ / ۱۱۶ -

۱۲۲ / ۱۸۰ / ۱۸۴ / ۲۱۵ -

۲۷۱ / ۲۷۳ / ۲۷۷ / ۲۹۹ -

۳۱۰ / ۳۴۰ -

سنگل دیپ : ۱۲۱ -

سوالک : ۱۲۲ تا ۱۳۴ -

سوالک پربت : ۱۳۲ -

سورت : ۱۲۱ -

سور پور : ۲۹ -

سویقات : ۳۴۰ -

سولنگ پور : ۵۴ -

سہمنگ : ۱۳۲ -

سیالکوٹ : ۱۰۵ / ۱۰۹ -

سیستان : ۱۰۵ / ۱۱۶ / ۲۳۹ -

۲۴۰ / ۲۴۲ / ۲۴۳ -

سیرہی : ۲۷۵ -

سروانہ : ۲۸۴ -

- کرمہ ہندوان : ۲۴۲ -
 کوہستان سوالک : ۱۳۲ -
 کوہ بہاجل : ۳۰۹ -
 کھائو : ۱۳۰ ، ۱۳۱ (نیز دیکھیے
 کھٹو) -
 کھٹو : ۲۵ ، ۲۶ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ ،
 ۱۳۱ -
 کھٹوین : ۱۳ ، ۱۶ ، ۳۴ ، ۳۶ ،
 ۴۴ ، ۴۸ ، ۱۰۷ ، ۱۳۰ ، ۱۵۱ -
 کھٹویور : ۳۵ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ -
 کھرام : ۱۰۹ -
 کھندھار (دیکھیے خندھار) -
 کیتھل : ۲۱ ، ۱۲۱ -
 کیدان : ۸۵ ، ۸۶ ، ۸۷ ، ۹۳ -
 کیلاس : (دیکھیے کیلاش) -
 کیلاس دیس : ۱۱۲ (نیز دیکھیے
 کیلاش) -
 کیلاش : ۶۸ ، ۱۱۰ ، ۱۱۱ -
 گنگ
 گاکرون : ۳۱۱ -
 گب میوریل : ۲۵۳ -
 گجرات : ۱۶ ، ۱۰۳ ، ۱۱۹ ، ۱۲۲ ،
 ۱۶۰ ، ۲۹۷ ، ۲۹۸ ، ۳۱۲ ،
 ۳۱۵ ، ۳۳۷ ، ۳۵۷ -
 ۳۶۶ ، ۳۵۸ -
 گردیز : ۱۰۳ ، ۱۰۹ -
 کرماخ : ۸۷ -
 کرمان : ۸۵ ، ۱۱۶ ، ۱۸۰ ، ۲۲۳ ،
 ۳۰۹ ، ۳۲۴ -
 کرمہ (ندی) : ۸۵ -
 کرلاٹا : ۱۶ -
 کرور : ۲۷۸ -
 کڑا : ۲۸۶ -
 کشند : (دیکھیے کشند) -
 کشند : ۵۰ ، ۱۱۹ -
 کشمیر : ۵ ، ۱۱۰ ، ۱۱۱ ، ۱۱۳ ،
 ۱۳۲ ، ۱۳۷ ، ۱۵۳ ، ۲۱۶ ،
 ۲۹۷ ، ۳۴۷ ، ۳۵۵ -
 کلانور : ۱۱۳ -
 کلکتہ : ۲۲۷ ، ۲۳۹ ، ۲۵۵ ، ۳۳۰ -
 کبازن : ۲۷ ، ۱۳۲ -
 کنہیل گڑ : ۳۶۹ -
 کنتل : ۳۶۶ -
 کنداواس : (دیکھیے قندواس) -
 کنگ دڑ : ۲۵۰ -
 کنوج : ۲۷۶ (نیز دیکھیے قنوج) -
 کوٹہ : ۳۱۲ ، ۳۴۱ -
 کورج : ۲۷۸ -
 کوکن : ۳۵۶ -
 کول : ۱۰۹ -
 کولہطیر : ۳۱۲ -
 کوئندی : ۳۱۲ -
 کوہ ہندو : ۱۸۰ -

م

- مابین : ۸۷ ، ۹۱ ، ۳۲۷ -
 مارواڑ : ۲۹ ، ۱۲۹ ، ۱۳۳ ، ۳۳۷ -
 مالدو : ۳۹ ، ۱۰۹ ، ۱۱۳ ، ۱۶۰ ،
 ۲۹۷ ، ۲۹۸ ، ۳۱۱ ، ۳۱۲ ،
 ۳۳۷ -
 مانڈو : ۳۱۱ -
 ماوراء النہر : ۲۷۵ ، ۲۷۶ -
 محلہ گڑیا (دہلی) : ۱۸۲ -
 مہندہ (منٹورہ) : ۱۸۸ -
 مراٹھی : ۲۶۲ -
 مرغاب : ۱۰۵ -
 مرو : ۱۰۵ ، ۱۰۹ ، ۲۵۳ -
 مرو القروہ : ۱۰۹ -
 مرو اوس : ۲۹ -
 مروہ : ۲۲۱ -
 مرہٹہ : ۱۳۳ -
 مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) : ۲۸۵ -
 مشرقی یورپ : ۲۶۷ -
 مشہد (مقدس) : ۱۷۹ ، ۱۸۳ ،
 ۱۸۵ -
 مشین بریس آکرہ : ۱۸۲ -
 مصر : ۱۵۷ ، ۲۳۵ ، ۲۶۲ -
 مطبع مصطفائی : ۱۱۸ -
 مغلستان : ۱۱۷ (نیز دیکھیے
 مغولستان) -

- کروان : ۶۸ ، ۱۱۲ -
 ککھڑ : ۳۹ -
 کبیر گہ : ۲۸۹ ، ۲۹۰ -
 گہپیری (ندی) : ۳۳۵ -
 گنڈ : ۳۹ -
 گنگ : ۱۴۳ (نیز دیکھیے گنگا) -
 گنگا : ۱۷ ، ۲۹ ، ۱۳۲ -
 گوالیار : ۱۹۳ (نیز دیکھیے گوالیر) -
 گوالیر : ۱۰۹ ، ۲۷۲ ، ۳۶۳ -
 ۳۶۵ -
 گولکیر (دکن) : ۲۸۷ -
 گھنگور : ۱۵ ، ۳۲ ، ۱۰۷ ، ۱۱۱ -
 کھوکھرا : ۱۷۸ -
 کیا : ۳۵۳ -

ل

- لاہور : ۳۷ ، ۳۸ ، ۶۵ ، ۸۱ ،
 ۸۵ ، ۱۰۳ ، ۱۰۶ ، ۱۰۹ ،
 ۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۳۶ ،
 ۱۸۸ ، ۲۷۲ ، ۲۷۳ ، ۳۳۹ ،
 ۳۵۲ ، ۳۶۱ ، ۳۶۸ -
 لاڈلوی : ۳۸ ، ۱۲۹ -
 لاڈوی : (دیکھیے لاڈلوی) -
 لکھنؤ : ۸۸ -
 لکھنوی : ۸۸ ، ۱۰۹ -
 لکھنؤ : ۷ ، ۱۳۳ -
 لوہور : ۱۰۹ ، ۱۳۳ ، ۲۷۲ (نیز
 دیکھیے لاہور) -

میواژ : ۴ ، ۳۸ ، ۳۱۰ ، ۳۱۲ ،
 ۳۱۳ ، ۳۲۳ ، ۳۳۴ ، ۳۳۸ ،
 ۳۴۴ ، ۳۴۵ ، ۳۵۰ ، ۳۵۲ ،
 ۳۵۹ ، ۳۶۰ ، ۳۶۶ -

ن

ناگری برجاری سپها : بنارس : ۵ ،
 ۲۰۲ ، ۲۴۹ ، ۳۵۳ ، ۳۵۱ -
 ناگور : ۱۳ ، ۲۱ ، ۲۳ ، ۳۰ ،
 ۳۱ ، ۵۲ ، ۹۶ ، ۱۰۴ ، ۱۲۸ ،
 ۱۲۹ ، ۱۳۱ ، ۱۳۳ ، ۱۳۴ ،
 ۳۲۲ -
 نان : ۱۳۲ -
 نسا : ۱۰۹ -
 نگمبرود : ۶۴ ، ۶۹ ، ۱۳۵ ،
 ۱۵۲ ، ۱۵۵ -
 نویوی : ۳۶۹ -
 نولکشور (مطبع) : ۱۲۵ ، ۱۲۷ ،
 ۱۳۸ ، ۱۴۲ ، ۱۸۶ ، ۲۸۱ ،
 ۲۹۰ ، ۳۹۶ ، ۳۱۱ -
 ناولد : ۱۸۰ -
 نور زیله : ۱۳۸ -
 نیشاپور : ۱۰۹ ، ۲۳۸ ، ۲۵۳ -

و

وارنگل : ۲۸۳ -
 وسطر بند : ۱۰۳ -

مقولستان : ۱۲۳ ، ۲۵۱ -
 مکران : ۵۰ ، ۸۷ ، ۹۱ ، ۱۱۹ -
 مکتبه (شریف) : ۴۹ ، ۵۸ ، ۱۲۲ ،
 ۱۲۳ ، ۱۷۶ ، ۲۰۰ ، ۲۲۱ ،
 ۲۳۵ -
 مشان : ۶۸ ، ۱۰۳ ، ۱۰۶ ، ۱۱۳ ،
 ۱۳۴ ، ۱۶۳ ، ۱۶۵ ، ۱۸۰ ،
 ۱۸۳ ، ۱۹۱ ، ۲۵۱ ، ۲۵۳ ،
 (نیز دیکھیے مولیان) -
 منلو : (دیکھیے مانلو) -
 مستنور : ۱۳۳ ، ۲۷۲ ، ۳۳۶ ،
 ۳۶۶ -
 منڈال گڑھ : ۳۱۲ -
 منگل گڑھ : ۱۲۶ -
 موڈیا : ۲۳۳ -
 موراسه : ۲۹۸ -
 موصل : ۲۲۳ -
 مولتان : ۲۷۲ ، ۲۷۶ -
 موئی : ۲۰۳ ، ۲۰۶ ، ۲۰۸ -
 مہویا : ۵۱ ، ۵۲ -
 میافراقین : ۲۲۳ -
 میزنگل پال ابریس : بنارس : ۵ ،
 ۳۳۵ -
 میرٹھ : ۱۰۹ ، ۱۳۲ -
 مینال گڑھ : ۳۳۳ -
 میوات : ۲۰ ، ۲۶ ، ۱۱۷ ، ۱۳۳ ،
 ۳۶۷ ، ۳۶۹ -

ہندوستان : ۶ / ۷ / ۳۵ / ۸۳ / ۸۶
 ۸۷ / ۹۳ / ۱۰۱ / ۱۰۳ / ۱۰۷
 ۱۱۰ / ۱۱۵ / ۱۲۵ / ۱۲۹ / ۱۳۴
 ۱۳۲ / ۱۳۳ / ۱۳۹ / ۱۴۴ / ۱۴۶
 ۱۴۷ / ۱۵۲ / ۱۵۳ / ۱۵۵ / ۱۶۰
 ۱۶۷ / ۱۷۰ / ۱۷۹ / ۱۸۳ / ۱۸۷
 ۱۸۹ / ۱۹۱ / ۲۰۳ / ۲۰۵ / ۲۰۷
 ۲۱۰ / ۲۱۹ / ۲۲۰ / ۲۳۳ / ۲۶۱
 ۲۶۳ / ۲۶۵ / ۲۷۰ / ۲۸۳ / ۲۸۷
 ۲۹۰ / ۲۹۲ / ۲۹۳ / ۲۹۷ / ۳۰۶
 ۳۰۷ / ۳۱۰ / ۳۱۲ / ۳۲۴ / ۳۳۰
 ۳۳۴ / ۳۵۸ / ۳۶۸ / ۳۶۹

ہوشیار پور : ۱۳۲ -

ی

یمک : ۲۳۸ -

یورپ : ۱۱۱ / ۱۱۷ / ۲۳۸

۲۵۴

یونان : ۲۱۴ -

وکتوریہ البرٹ میوزیم ، لندن : ۷ -

وکتوریہ ابراہم ، لاہور : ۱۸۷ -

ویانا : ۳۳۰ -

ویلم ہٹن : ۲۹۶ -

وینس : ۳۳۴ / ۳۳۵ -

۵

ہارون : ۳۱۲ -

ہانسی : ۱۷ / ۲۱ / ۵۰ / ۵۱

۱۰۹ / ۱۱۹ / ۱۲۱ / ۱۲۲

۱۳۳ / ۱۳۴ / ۲۷۰ (نیز دیکھیے

ہانسی پور) -

ہانسی پور : ۵۱ / ۴۹ -

ہندستان : ۲۰۳ / ۲۰۵ (نیز دیکھیے

ہندوستان) -

ہرات : ۵۰ / ۱۱۹ -

ہردوار : ۴۱ / ۱۳۲ -

ہرو : ۵۰ / ۱۱۹ -

ہسپانیہ : ۲۶۲ -

ہالیم : ۱۱۱ / ۱۳۲ -

ہمدان : ۱۷۹ / ۱۸۰ / ۱۸۳

۱۸۴

ہلبیجہ : ۲۶۹ -

ہند : (دیکھیے ہندوستان) -



۲۔ کتب و رسائل

الف

- آداب الحرب والشجاعت : ۱۳۶ ء
 ۲۳. ۲۳۷ ۲۳۷ ۲۳۷ ۲۳۷
 ۲۳۷ ۲۳۷
 آئین اکبری : ۷ ء ۹۳ ء ۱۲۷
 ۱۲۹ ء ۱۳۱ ء ۱۳۸ ء ۱۳۶ ء
 ۱۵۳ ۱۵۵ ۱۶۶ ۱۷۱ تا
 ۱۷۳
 آئین جٹو : ۲۱۵ -
 احسن التواريخ : ۲۳۵ -
 اسرار حمزہ : ۸ ء -
 الجابر فی معرفۃ الجواهر : ۲۷۶ -
 الف لیلہ : ۷ -
 انڈین اینٹیکوٹری : ۳۱۷ ء ۳۲۱
 ۳۲۹ ء ۳۵۸ -
 اوائیل : ۲۲۹ -
 اورینٹل کالج میگزین : ۱ ء ۲۷۷ -
 ایسی گرینیا انڈیکا : ۳۶۳ -
 ایلٹ کی تاریخ : ۲۱۰ -
 ایٹھ : ۲۱۳ -

ب

- بال بھارت : ۳۶۳ -
 بلیوٹک دیس کرومبولڈ : ۲۶۷ -
 بحر السعادت : ۷ -
 بنی بھاسکر : ۳۷۰ -
 بھار ہجیم : ۱۲۳ ء ۲۳۰ ء ۲۳۵ -
 بھیم ولاس : ۳۷۰ -

پ

- پادشاہ نامہ : ۸۹ ء ۹۸ ء ۱۰۱ -
 پاستانی اور ہندوئی ہندوستان : ۳۵۵ -
 پندسات : ۱۳۱ -
 پرتھی راج راسا : ۱ ء ۳ تا ۶ ء ۸
 ۹ ء ۱۹ ء ۷۵ ء ۸۱ ء ۸۲ ء ۸۳
 ۸۷ تا ۸۹ ء ۹۲ تا ۹۴ ء ۹۷
 ۱۰۱ ء ۱۰۳ ء ۱۰۶ ء ۱۰۷
 ۱۰۹ ء ۱۱۱ ء ۱۱۳ ء ۱۱۶
 ۱۱۷ ء ۱۱۹ ء ۱۲۳ تا ۱۳۱
 ۱۳۳ ء ۱۳۵ ء ۱۳۷ ء ۱۳۸
 ۱۵۰ ء ۱۵۵ ء ۱۵۸ تا ۱۶۱
 ۱۶۳ تا ۱۶۶ ء ۱۶۸ ء ۱۷۱ تا

بیٹوں باتماء جدہ پرستاؤ : ۱۷۰

۱۱۰ ۱۰۸ ۱۰۲ ۵۲ ۱۹

- ۱۵۰

بیٹوں چالک نام پرستاؤ : (دیکھیے

بیٹوں چالک)۔

بیٹوں چالک : ۱۶ ۱۹ ۱۰۲ -

بیٹوں چھوٹا نام پرستاؤ : ۱۶ -

بیٹوں سہوا (نام) پرستاؤ : ۱۷۰

- ۵۱ ۱۹

پداوٹی سے : (دیکھیے پداوٹی

ویا)۔

پداوٹی ویا : ۱۵ ۱۹ ۲۷

۱۰۲ ۱۱۲ ۱۱۶ ۱۱۸

- ۱۲۷ ۱۳۱ ۱۳۲

پرتھا ویا (ورن) : ۱۵ ۱۶۱ -

پرتھی راج سبھو : ۳۵۱ -

پنڈر داہمی ویا : ۱۵ -

پنگ جگمہ ودھوئی : ۱۷۰

پھاڑ رائے سے : ۱۶ ۱۹ ۲۷

- ۱۵۸ ۱۳۱ ۱۰۲

پیا جدہ : ۱۶ ۱۹ ۲۷ ۱۰۲ -

چنگم کتھا : ۱۷۰ ۲۱۳ -

جیت راق جدہ سے : ۱۶ ۱۹

- ۱۵۱ ۱۳۰ ۱۰۲

چتر دیکھا سے : ۱۳ ۱۸ -

چند دوارکا سے : ۱۶ -

حسین کتھا : ۱۳ ۱۸ ۲۰

۱۰۲ ۱۰۸ ۱۲۱ ۱۲۲

۱۷۰ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۸۳

۱۹۰ ۲۰۳ ۲۰۹ ۲۱۰

۲۰۷ ۲۱۲ ۲۲۱ ۲۲۱

۲۲۷ ۲۳۱ ۲۳۷ ۲۳۹

۲۴۲ ۲۶۳ ۲۶۵ ۲۷۱

آدی پرو : ۱۳ -

آکھیٹ چکھ سراپ (نام پرستاؤ)

۱۸ ۱۳۵ ۱۳۷ ۱۳۸

- ۱۵۶

آکھیٹ پروردان : ۱۳ ۱۵ -

آکھیٹ چوک ورن : ۱۳ ۱۸

- ۲۵ ۱۰۲ ۱۲۹ ۱۵۱

افسانہ کج : (دیکھیے دھن کتھا)۔

الغہی ویا : ۱۳ -

الدرائی ویا : ۱۶ -

انگ ہال سے : ۱۵ ۱۹ ۲۹

۱۰۲ ۱۰۸ ۱۱۳ ۱۵۸

- ۲۱۲ ۲۱۰

بالک رائے سے : ۱۷۰

بان بدہ (پرستاؤ) : ۱۸ ۱۹ ۷۵ -

برون کتھا : ۱۶ -

بڑی لڑائی : (دیکھیے واپرستاؤ)۔

بیولا رائے سے : ۱۳ ۱۸

- ۲۱۱

بھوسی سہن : ۱۳ -

بھیم ودھ سے : ۱۶ -

دیوانٹ پرستاو: (دیکھیے دیوانٹ
سے)۔

دیوانٹ سے: ۱۵، ۱۹، ۳۷،
۱۰۲، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۷،
۲۱۲، ۳۲۱۔

سائنٹ پنک جدم: ۱۷۔

سکھ وران: ۱۷۔

سکھ جدم سے: ۱۵، ۱۸، ۱۰۲،

۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۲۳،

۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۳،

۱۶۲، ۲۱۱۔

سرپنک جدم: ۱۷۔

سمرسی راجا (داستان): ۱۶۔

سنجوگتا پرو چم: ۱۶۔

سنجوگتا نام پرستاو: ۱۷۔

سوم ودھ سے: ۱۶۔

ششی ووتا (ورن پرستاو): ۱۵،

۱۵۲، ۲۱۱، ۲۱۲۔

شک چرتو: ۱۸۔

کالنگرا جدم (پرستاو): ۱۶، ۱۲۶،

۲۱۳۔

کونانی ودھ: ۱۶۔

کوہے وڈ جدم: ۱۶۔

کنوچ سے: ۱۸، ۱۹، ۱۳۶،

۱۳۷، ۲۱۲، ۲۱۳۔

کتہ بٹی سے: ۱۳۔

کیاس جدم: ۱۶، ۱۹، ۳۸،

۱۲۹، ۱۳۱، ۱۶۲، ۲۱۱،

۳۲۱، ۳۲۴۔

کرگا کیدار سے: ۱۷، ۱۹، ۵۳،

۱۰۲، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۵۹،

۲۱۳۔

دسم سے: ۱۳۔

دلی دان پرستاو: ۱۳، ۳۵۲۔

دلی دان سرو: (دیکھیے دلی دان

پرستاو)۔

دلی کتھا پرستاو: ۳۳۸۔

دلی کلی کتھا: ۱۳۔

دلی وران: ۱۷، ۱۳۵، ۱۳۶،

۱۵۲۔

دھن کتھا: ۱۵، ۱۹، ۲۹، ۸۲،

۱۰۲، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۲۳،

۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۰، ۱۵۱،

۱۵۸۔

دھیر پنڈیر پرستاو: ۱۸، ۱۹،

۵۵، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۲۲،

۱۳۱، ۱۳۳، ۲۱۳۔

دھپ مالا کتھا: ۱۵۔

دیو گیری سے: ۱۵۔

روپرستاو: ۱۸، ۱۹، ۶۷، ۸۳،

۱۱۱، ۱۱۳، ۱۲۱، ۱۲۵،

۱۳۹، ۱۵۸، ۱۶۲، ۱۶۳،

۲۱۳۔

رین سی نام پرستاو: ۱۸، ۱۹۔

ح

- حبیب السیر : ۲۲۳ -
حمزہ نامہ : ۷ -

خ

- خزائن الفتوح : ۲۸۳ تا ۲۸۶ -
خزینۃ الامنیاء : ۱۸۵ -
خلاصۃ التواریخ : ۹۳ -
غوب ترنگ : ۱۳۰ -

د

- داستان امیر حمزہ : ۶ تا ۲۹۳ -
دو آشرے : ۳۶۳ -

ر

- راج پرشستی سہاکویدہ : ۳۶۹ -
راجہ و قاتلہ گزیشیر : ۱۹۳ -
راسا : (دیکھئے برتھی راج راسا) -
راسا کی حیات : ۳۵۱ -
راس مالہ : ۳۱۵ -
راسو : (دیکھئے برتھی راج راسا) -
راسوسار : ۱۶۸ ، ۱۷۲ -
راتا راسا : ۳۴۵ -
رہورث سالانہ جائزہ انویات : ۳۶۳ -
رسالہ امرا الہیہ : ۱۹۲ -
رسالہ ایشیا الک سوسائٹی بنگال :
۳۱۷ ، ۳۱۸ ، ۳۲۰ ، ۳۲۹ -

- تاریخ مبارک شاہی : ۱۱۳ ، ۹۳ ، ۷ -
تاریخ وصاف : ۲۲۳ ، ۲۲۶ -

- تاریخ و عقیدات راجستھان : ۳۰۷ ، ۳۱۰ -

- تاریخ ہندوستان : ۵ -

- تحفۃ السادات : ۲۳۶ -

- تذکرۃ الابرار والاشرار : ۱۹۰ ، ۱۹۱ -

- تغلق نامہ : ۱۲۶ -

- تلاش ہندی خطوط : ۱۰۲ ، ۱۰۵ -

- ۳۳۹ ، ۳۵۳ -

- تورنگ جہانگیری : ۱۵۵ ، ۱۶۵ -

ث

- ٹائمز السائیکلو پیڈیا : ۱۳۲ ، ۲۲۰ -

ج

- جامع التواریخ : ۲۲۲ -

- چالرا لسانیات ہندوستان : ۳۳۰ -

- چند دہس ادبیات ہندوستان : ۳۳۰ -

- جواہر فریدی : ۱۸۷ -

- جہانگشاہ جونہی : ۲۲۲ ، ۲۳۶ -

- ۲۳۸ ، ۲۵۲ ، ۲۵۳ ، ۲۷۲ -

چ

- چشتیہ چشتیہ : ۱۸۷ ، ۳۰۳ -

- چند چھند ورسن مسہا : ۱۶۵ ، ۳۴۵ -

- چند راسا : (دیکھئے برتھی راج راسا) -

ص

- صادق الاعیار : ۱۱۸ -
صبح الاحشی : ۲۲۹ -

ط

- طبقات اکبری : ۱۹۲ -
طبقات ناصری : ۸۶ ، ۸۹ ، ۹۱ تا
۹۳ ، ۱۰۶ ، ۱۰۹ ، ۱۲۵ ، ۱۳۳ ،
۱۴۳ ، ۱۴۲ ، ۳۲۱ ، ۳۲۳ تا
۳۲۵ ، ۳۲۷ ، ۳۳۲ ، ۳۵۰ -
طرفة الفتناء : ۲۳۷ ، ۲۹۳ -

ظ

- ظفر نامہ برلہی راج : (دیکھئے برلہی
راج وحی) -
ظفر نامہ (شرف الدین یزدی) : ۲۲۷ ،
۲۲۹ ، ۲۵۵ تا ۲۶۰ ، ۲۶۲ تا
۲۶۴ ، ۲۹۵ -
ظفر نامہ (نظام الدین شامی) : ۲۶۱ ،
۲۶۳ ، ۲۶۴ ، ۲۹۵ -

ع

- عباد السعادت : ۲۴۴ -

ف

- فتوح الخلاطین : ۳۸۷ -

۳۳۳ ، ۳۵۴ -

- رسالہ حسن الرماح : ۲۶۸ -
رسالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ، بمبئی :
۵ ، ۲۶۲ -
رسالہ کلم : ۱۴۷ ، ۱۸۳ ، ۱۹۰ -
وسبھا مانگری (نائلک) : ۳۵۹ ، ۳۶۷ -
وسبھا منجری : (دیکھئے وسبھا مانگری) -
روضہ القباب : ۱۸۷ -
رواداد ایشیاٹک سوسائٹی بنگال : ۳۴۸ -

ص

- سورین چرت : ۲۶۶ -
سری بھاگوت : ۲۱۹ -
سفرنامہ ابن بطوطہ : ۳۸۷ -
سفرنامہ مارکوپولو : ۲۵۴ -
سکندرنامہ (نظامی) : ۱۳۶ -
سلسلہ الانتساب : ۱۷۳ ، ۲۷۲ -
سیر الاقطاب : ۱۸۸ ، ۱۹۰ -
سیر العارفین : ۱۸۶ -

ش

- شاہد صادق : ۲۲۹ -
شاہنامہ : ۲۱۶ ، ۲۱۹ ، ۲۲۹ ،
۲۴۲ ، ۲۴۹ ، ۲۵۰ -
شرح سکندر نامہ : ۲۹۰ -
شرف نامہ احمد منیری : ۲۳۷ ، ۲۴۰ ،
۲۴۴ ، ۲۴۶ -

گ

- گرشاسب نغمہ : ۲۳۱ ، ۲۳۲ ، ۲۷۷ -
گیت میراں سید حسین : ۱۹۳ -

ل

- لیاب الالباب : ۲۲۸ -
للت وگرہ راج : ۳۶۵ -

م

- مجاہد الکفار : ۱۷۸ -
مجل التواريخ : ۲۱۵ -
مجموعۃ المستائع : ۲۶۵ ، ۲۶۶ -
مرآۃ مکتفوی : ۲۹۷ ، ۲۹۸ -
مرقاۃ الوصول الى الله و الرسول :
۱۳۱ -

- مصطلحات الشعرا : ۲۳۸ ، ۲۳۹ -
مطلع السعدین : ۲۵۳ ، ۲۵۶ ، ۲۵۷ -
۲۶۲ تا ۲۶۳ -
معارج الولايت : ۱۸۵ -
مفتاح المارئین : ۱۸۷ -
مقالات حافظ محمود شیرانی : ۱ -
منتخب التواريخ : ۱۲۳ ، ۱۹۲ -
مولی الارواح : ۱۳۳ ، ۱۸۸ -
مؤید الفضلا : ۲۳۰ ، ۲۳۳ -
مہا بہارت : ۶ ، ۲۱۹ -

لڑنگ اداۃ الفضلا : ۲۳۶ -

لڑنگ الجمن آراۓ ناصری : ۲۳۹ تا
۲۴۳ -

لڑنگ ہر الفضائل : ۲۳۷ ، ۲۴۳ -
۲۹۵ -

لڑنگ چھانگیری : ۲۳۰ ، ۲۴۳ -
۲۴۶ -

لڑنگ رشیدی : ۱۲۰ -

لڑنگ شرف نامہ : (دیکھیے شرف
نامہ احمد منبری) -

نہرست اشورٹ : ۲۶۵ -

نہرست انڈیا آفس : ۲۶۵ -

نہرست وانا : ۲۶۵ -

ق

قدیم تاریخ ہند : ۳۵۵ -

قرآن شریف : ۳۷ ، ۳۳ ، ۱۱۰ ،
۱۶۲ ، ۳۳۹ -

قصص ہند : ۳ -

قنوج کھنڈ : ۲۰۹ -

ک

کتاب معارف : ۲۲۹ -

کلیات انوری : ۲۳۷ ، ۲۸۱ -

کھوسان وائسا : ۳۱۰ ، ۳۱۱ -

ن

لارگو انڈین نوٹس اینڈ کنٹریبٹ (شمالی
ہند کے تعلقات و استفسارات) :

- ۱۹۳

ٹاگری پرچاری پتھرکا : ۵ ، ۳۵۰

- ۳۵۱

ٹاگری پرچاری گرنتھ مالا : ۵ -

نوروز نامہ : ۲۳۳ ، ۲۳۳ -

نہ سپر : ۲۳۷ -

و

والعاتِ بابری : ۷ ، ۱۳۲ ، ۱۳۶ -

ووق بلاس : ۳۵۰ -

ولائع کوہستان : ۱۱۸ -

ہ

ہرکلی : ۳۶۵ -

ہری ونس : ۲۱۹ -

ہمیر راسا : ۱۲۶ -

ہمیر گاویہ : ۱۲۶ ، ۳۳۷ -

ہمیر سہاگاویہ : ۱۶۶ ، ۳۶۵

- ۳۶۸ ، ۳۶۷

ہندوستانی آریائی زبانوں کی تقابلی صرف

و نحو : ۳۱۷ -

ہندی نورتن : ۳۶۲ -

ی

یورپ میں قدیم جنگی لباس اور ہتھیار :

- ۲۶۹

۴۔ اصطلاحات

الف

آتش : ۱۶۲ -

آتش انگیز آلات : ۲۶۶ -

آتش انگیز آلات : ۲۶۸ -

آتش بار آلات : ۲۶۹ -

آتش بار آلہ : ۲۵۱ / ۲۶۳ -

آتش باز : ۲۶۲ تا ۲۶۵ / ۲۹۱ -

۲۹۲ / ۲۹۶ / ۲۹۷ -

آتش بازی : ۲۶۱ / ۲۶۲ / ۲۹۱ -

۲۹۳ / ۲۹۵ / ۲۹۷ -

آتش بست تیر : ۲۱۵ -

آتش بارہ : ۳۰۳ -

آتش خاتمہ : ۳۰۱ -

آتش فنی : ۲۰۹ -

آتش شیشہ : ۲۹۴ -

آتش نشان آلات : ۲۱۳ / ۲۹۴ -

آتش نشان : ۲۶۸ / ۵۲ / ۶۱ -

آتش کش آہنی : ۱۸۲ / ۲۸۰ -

آتش گیر : ۲۶۶ -

آتش گیر مرکبات : ۲۶۸ -

آتش گیر مصالحہ : ۲۳۹ -

آتش نطف : ۲۳۵ -

آتش آلات : (دیکھیے آتش آلات)

آتش آلہ : (دیکھیے آتش آلہ)

آتش اسلحہ : (دیکھیے آتش اسلحہ) -

آتش مرکبہ : ۲۶۷ -

آتش آلات : ۲۰۹ / ۲۴۹ / ۲۸۳ -

آتشیں آلہ : ۲۵۴ / ۲۶۳ تا ۲۶۵ -

آتشیں اسلحہ : ۱ / ۵۰ / ۵۳ -

۲۰۵ / ۲۱۰ / ۳۱۳ -

آتشیں تیر : ۲۹۳ -

آتشیں حربہ : ۲۱۵ / ۲۱۹ -

آتشیں حقہ : ۲۶۹ -

آتشیں پتہ یار : ۶۱ / ۲۶۹ -

آچار (آچار) : ۱۴۶ / ۲۸۰ / ۲۸۳ -

آر : ۲۸۰ -

آرہہ بورخین : ۳۴۳ -

آسان : ۱۵۳ -

آسانی : ۲۹۲ -

آسیاستک : ۲۸۳ -

آکروبہ (نام) : ۹۱ -

آلا : ۲۷۵ -

آلات : ۲۸۴ / ۲۹۸ -

- آلاتِ آتش بازی : ۲۱۳ -
 آلاتِ جنگ : ۱ : ۲۳۴ : ۲۹۳ -
 آلاتِ حصار کشائی : ۲۷۲ -
 آلاتِ حصار گیری : ۲۲۹ : ۲۴۰ -
 آلاتِ قلعه کشائی : ۲۲۰ : ۲۵۳ -
 آلِ عثمان : ۸ -
 آلِ عمود : ۳۳۹ -
 آلو (نام) : ۹۱ -
 آلہ : ۲۴۴ : ۲۹۵ -
 آلہٴ جنگ : ۲۹۵ -
 آلہٴ حصار شکنی : ۲۴۶ -
 آماج : ۲۳۲ -
 آبن : ۱۳۵ -
 آبن پوش : ۲۳۹ -
 آبن کر : ۲۸۱ : ۲۸۲ -
 آہنیہ : ۲۷۳ -
 آئینِ بندی : ۱۳۷ -
 آئینِ جنگ : ۲۷۳ -
 ابراہیم (نام) : ۹۱ -
 ابو (نام) : ۹۱ -
 آیات : ۲۴۳ : ۲۴۸ -
 آبِ بہر نش : ۳۳۰ -
 اچنگ : ۱۳۶ -
 اٹاپک : ۱۱۹ -
 اجیر پر : ۱۵۳ : ۱۵۴ : ۱۷۶ -
 اچھے مال (دیوتا) : ۱۷۶ : ۵۹ -
 اچار : (دیکھیے اچار) -
- اختراع : ۲۹۷ : ۳۰۱ -
 اختراعِ محض : ۳۵۹ -
 اخترازی : ۲۸۶ -
 ادویہ : ۲۸۳ -
 اذان : ۱۷۶ : ۵۹ -
 ازابہ : ۳۰۰ -
 اربابِ طرب : ۱۳۸ -
 اربابِ موسیقی : ۱۳۸ -
 اربابِ نشاط : ۱۳۶ -
 ارد (اردو) : ۱۲۶ -
 اردائیکنی : ۱۳۸ : ۱۵۰ -
 ارداس (عرض داشت) : ۱۲۳ : ۱۳۰ -
 اردگ : ۱۲۶ -
 اردو : ۱۲۵ : ۱۷۸ : ۱۸۲ : ۲۰۳ -
 اردو خونِ طبقہ : ۶ -
 اردو زبان : ۴ : ۱۲۸ : ۱۷۷ : ۲۸۶ -
 اردو زبان کی تاریخ : ۶ -
 اردوئے امیر صاحبِ قرآن : ۲۶۲ -
 اردوئے غفر مکان : ۲۶۳ -
 اردوئے گجرات : ۱۳۰ -
 اردوئے ہانیوں : ۲۶۲ -
 اردوئے ہشوت : ۲۲۳ -
 اردو (اردو) : ۱۲۵ : ۱۲۶ -
 ارگچہ : ۱۳۸ -
 اژدہات : ۵۹ -
 اژدہاتی جیت کوہب : ۵۵ -

- اسانده خطائی : ۲۵۳ -
 اساطیری روایات : ۳۰۹ -
 اسباب جنگ : ۲۶۳ -
 اسباب قلعه گیری : ۲۳۹ -
 اسباب قلعه گیری و نقب زنی :
 ۲۳۹ -
 اسبید : ۲۳۳ -
 استعمال بند : ۱۵۳ ، ۱۶۳ -
 استخوان : ۷۱ -
 اسلام : ۳۳ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ۹۶ ،
 ۹۷ ، ۱۰۳ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ ،
 ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۸۱ ، ۸۲ ، ۱۸۵ ،
 ۱۸۸ ، ۱۹۱ ، ۲۸۵ -
 اسلامی تاریخ : ۵ ، ۳۱۰ ، ۳۲۱ ،
 ۳۲۵ -
 اسلامی صلوات : ۳۲۴ -
 اسلحه : ۲۳۸ ، ۲۵۳ ، ۲۶۳ ،
 ۲۷۳ ، ۲۷۹ ، ۲۸۶ ، ۲۹۳ -
 اسناد : ۳۰۷ -
 امور (مسائل) : ۸۳ -
 امیرباد : (دیکھو امیرباد) -
 اشرفی : ۱۳۹ ، ۱۷۹ -
 اشعار : ۲۳ ، ۲۳۲ -
 اشیرباد : ۲۳ ، ۵۴ ، ۷۶ -
 اصطلیل : ۱۸۱ -
 اصطلاح : ۱۲۳ -
 اصطلاحات : ۳۳۶ -
 اصطلاحاتِ صوفیہ : ۱۸۶ -
 اطرافِ بند : ۳۰۳ -
 اقصائہ : ۷۱ ، ۷۲ -
 اکاس لوک : ۱۶۵ -
 اکبری ایجادات : ۱۸۳ -
 اکبری دور : ۳۰۲ -
 اکبری عہد : ۹۳ ، ۱۲۳ ، ۱۲۶ ،
 ۱۵۸ ، ۳۳۶ -
 اکوٹسی : ۳۳۷ -
 اگر : ۱۳۶ ، ۱۳۹ -
 اگنی : ۲۱۵ -
 اگنی کتھ : ۳۶۳ -
 الاغ : ۱۲۵ ، ۱۲۶ -
 الحاق : ۳۱۵ -
 الخ خان (خطاب) : ۸۸ -
 الحاس : ۱۲۱ -
 النک : ۲۸۸ ، ۲۹۳ -
 امام قلی (نام) : ۹۵ -
 امرائے غور : ۳۲۶ -
 امرت لوک : ۱۶۵ -
 امیرالمومنین (علیفہ بغداد) : ۱۲۶ -
 امیرانِ کین مغل : ۱۳۳ -
 امیر حاجب (عہدہ) : ۸۷ -
 امیرداد (عہدہ) : ۸۷ -
 امیر زادگان : ۲۵۹ -
 انبار : ۲۸۷ -
 انتر محل : ۱۳۲ -

- ایک (عرف) : ۸۷ -
ایرانی الاصل : ۱۴۶ ، ۲۳۰ -
ایرانی روایت : ۲۱۵ -
ایرانی شعبہ سیانی : ۱۴۰ -
ایضاً (نام) : ۹۱ -
ایلیسی : ۳۴ ، ۳۰ ، ۷۲ ، ۸۲ ،
۲۶۱ ، ۲۶۲ ، ۳۶۴ -
ایمان : ۱۸۱ ، ۱۸۶ ، ۱۸۸ ،
۲۲۶ -
آئمہ معصومہ : ۱۲۰ -
ایوان : ۲۹۹ -

ب

- بابر (نام) : ۱۰۱ -
باج گزار : ۱۱۹ ، ۳۰۹ -
باغری (تلوار) : ۲۷۶ ، ۲۷۷ -
باد فروش : ۳۳۴ -
باروت : ۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۳۰ (تیز)
دیکھیے بارود) -
بارود : ۲۱۰ ، ۲۱۹ ، ۲۳۱ ، ۲۳۲ ،
۲۳۴ ، ۲۳۸ ، ۲۵۴ ، ۲۶۱ ،
۲۶۵ ، ۲۹۱ ، ۲۹۳ ، ۲۹۶ ،
۳۰۲ -
بازہ : ۲۹۸ -
بازی : ۲۹۸ -
بازی گر : ۱۳۸ ، ۲۳۳ ، ۲۹۶ -
باغ : ۱۵۲ ، ۱۵۳ ، ۱۵۴ -
بالسا : ۲۳۲ -

- بھین : ۲۶۹ -
بھیر : ۲۵۳ -
اندانہ : ۲۸۰ -
اند : ۲۰۱ -
انشا پرداز : ۳۰۸ -
انعام : ۲۸۲ -
انگریزی (زبان) : ۳۱۹ ، ۳۴۶ -
انکشتانے : ۲۸۰ -
انکشتوانہ : ۲۸۲ -
اند : ۳۴۲ ، ۳۴۳ ، ۳۴۵ ، ۳۵۸ ،
۳۵۹ -
اند ست : (دیکھیے اند بکرمی
ست) -
اند بکرمی (وکرمی) ست : ۲۰۴ ،
۳۴۰ ، ۳۴۱ ، ۳۴۴ ، ۳۵۲ ،
۳۵۳ ، ۳۵۷ ، ۳۶۲ -
اورشہ : ۱۳۸ -
اوت : ۲۹ -
اوتار : ۲۸ -
اورخان (خطاب) : ۸۸ -
اولیا : ۱۴۳ ، ۱۸۶ -
اہل انشا : ۱۲۳ -
اہل سنت و الجماعت : ۱۹۱ -
اہل مغرب : ۳ ، ۴ -
اہل نعمہ : ۱۳۸ -
اہل نعمہ و نشاط : ۱۳۵ -
اہل ہند : ۲۲۰ -
ایالت ہند : ۲۷۱ -

ایریا (جی): ۳۶۲، ۳۶۵ -
 ایرومن: ۱۳۹، ۱۶۸ -
 اسم اللہ: ۵۸ -
 یسنت (پنجی): ۱۳۵، ۱۳۶ -
 یسینو: ۳۳ -
 بط پائے: ۲۷۳ -
 بغلطاق: ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۸۱ -
 ۲۸۳ -
 بقائے نام: ۵۸ -
 بکتر: ۱۹۸، ۲۰۱ -
 بکتر پوش: ۱۹۵ -
 بکرمی (سمت): ۱۰۶، ۱۶۶، ۲۰۳،
 ۲۳۲ تا ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۲،
 ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۵۲، ۲۵۳،
 ۲۵۶، ۲۶۰، ۲۶۲ تا
 ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۱ تا ۲۷۱ -
 بکسی (بخشی): ۱۲۳ -
 بکچی: ۲۸۰ -
 بلارک (ہلارک): ۲۷۶، ۲۷۷ -
 بلیق: ۲۴۵ -
 بلوچی: (دیکھئے بلوچی) -
 بلو میٹرو (تیلی ڈی والی): ۸۳ -
 بلسی: ۲۳۷ -
 بن باس: ۲۶، ۲۷، ۱۰۷ -
 بند: ۲۸۲ -
 بندق: ۲۴۷ (نیز دیکھئے بندوق) -
 بندقہ: ۲۴۷، ۲۴۸ (نیز دیکھئے
 بندوق) -

بان (تیر): ۱۷۰، ۱۹۹، ۲۴۰،
 ۲۴۳، ۲۹۵ -
 باقات: ۱۱۸ -
 باندی: ۳۲۴، ۳۲۳ -
 بالک: ۵۸، ۱۷۶ -
 باورچی خانہ: ۲۸۲ -
 باقی صاحب: ۲۰۳ -
 بت شکن: ۳۴۰ -
 بحر متقارب: ۵۰ -
 بحر متقارب مشتمل سالم: ۱۷۳ -
 بھور: ۱۳۸ -
 بدھائی (پیکان): ۲۷۶ -
 بدھ مت: ۱۲۳ -
 برج: ۲۳۹ -
 برج بھاشا: ۲۳۲، ۲۳۶ -
 برج قراقوس: ۲۳۸ -
 برجی: ۱۹۶، ۲۶۸ -
 بردان: ۷۷ -
 برداوی (وصف خوانی): ۷۶ -
 برق انداز: (دیکھئے برقداز) -
 برقداز: ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۳ -
 برک بید: ۲۷۳ -
 برگستوان: ۲۳۹، ۲۸۱، ۲۸۳ -
 برگستوان آہنی: ۲۷۳ -
 برگستوان پوش: ۲۷۶ -
 برگستوان چابی: ۲۷۳ -
 بروج پشت جوزا: ۲۳۳ -
 برودھا (ٹھنڈائی): ۲۷۹، ۲۸۳ -

- پیرم (نام) : ۱۰۱ -
 بیڑا اٹھانا : ۵۶ ، ۵۷ ، ۵۹ -
 بیڑبان : ۳۶ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ -
 بیک : ۹۵ -

پ

- پاجہ قدید : ۲۸۲ -
 پادری : ۲۵۵ -
 پاسیان : ۲۸۳ -
 پاستانی بندی : ۳۵۵ -
 پاستک : ۲۳۲ تا ۲۳۴ -
 پاشیب : ۲۸۳ تا ۲۸۶ -
 پالغز : ۳۴۱ -
 پالکی : ۱۳۵ ، ۱۵۰ ، ۳۰۱ -
 پالیک : ۴۳ -
 پتال لوک : ۱۶۵ -
 پتراول (پائل) : ۱۵۶ -
 پتھر : ۲۳۶ -
 پچی کاری : ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۳۹ -
 پورا کثرت : ۳۳۰ ، ۳۷۰ -
 پورالک (تلوار) : ۲۷۷ -
 پورجم : ۳۱۲ -
 پورچین کاری : ۱۳۹ -
 پورده : ۱۳۸ ، ۱۴۸ ، ۲۰۴ -
 پردھان : ۶۷ -
 پرمنگی (تلوار) : ۲۷۷ -
 پروانھی (کپان) : ۲۷۵ -

- پندق : ۲۱۰ ، ۲۱۱ ، ۲۱۵ ،
 ۲۲۲ ، ۲۴۰ ، ۲۴۱ ، ۲۴۵ ،
 ۲۴۶ ، ۲۴۸ ، ۲۴۹ ، ۲۶۲ ،
 ۲۶۵ ، ۲۸۴ ، ۲۹۳ ، ۲۹۶ ،
 ۲۹۷ ، ۲۹۹ ، ۳۰۱ ، ۳۰۲ تا
 ۳۰۴ ، ۳۱۳ -

- پندوقچی : ۲۹۵ ، ۳۰۰ -
 پندوک : (دیکھیے پندوق) -
 پسی : ۱۳۶ -
 پنک : (دیکھیے بانک) -
 پروز فروش : ۲۸۰ -
 پوق : ۲۷۳ ، ۲۸۲ -
 پوق : ۲۸۲ -
 پھاکا : ۳۳۶ -
 پھالا پھاشا : ۲۳۲ -
 پھونگی : ۴۳ -
 پھرام مولت : ۲۸۵ -
 پھکشو : ۱۲۳ -
 پھگوان : ۲۱ -
 پھگونی دیوی : ۷۵ -
 پھوانی دیوی : ۷۵ -
 پھوج پتھر : ۳۳۷ -
 پھیری : ۱۳۶ -
 پیر : ۶۶ ، ۷۰ ، ۱۹۹ -
 پیراگی : ۳۱ -
 پیرخ : (دیکھیے پیرق) -
 پیرق : ۵۶ ، ۱۹۵ -

- ایشواے دین : ۶ -
 ایشین کوئی : ۲۲۸ -
 ایشیر : ۱۴۳ / ۱۴۴ -
 ایکان : ۲۴۰ / ۲۴۳ / ۲۴۵ / ۲۸۰ -
 ایکان بلیک : ۳۴۳ -
 ایکان علولہ : ۲۴۳ -
 ایکان ماہی پشت : ۲۴۳ -
 ایکان مودودی : ۲۴۳ -
 پی گاؤ : ۲۸۳ -
 ایلیان : ۱۹۳ / ۲۱۹ -
 ایل سفید : ۲۳۲ -
 ایل کش : ۲۴۹ / ۲۸۱ / ۲۸۳ -
 ایلوان : (دیکھئے ایلان) -

ت

- تاریخ : ۳ / ۶ / ۸ / ۲۳۹ / ۲۶۳ /
 ۲۶۴ / ۲۹۳ / ۳۳۱ -
 تاریخ تصنیف : ۲۳۳ -
 تاریخ عدوسی : ۳۵۰ -
 تاریخ نگار : ۳۱۵ / ۳۳۴ / ۳۳۶ -
 تاریخ نویس : ۳۳۵ -
 تاریخ نویسی : ۳۳۳ / ۳۳۹ -
 تاریخ ہند : ۹۳ / ۹۴ / ۱۰۱ / ۱۵۰ -
 ۳۱۳ -
 تاریخی حکایات : ۲۴۳ -
 تاریخی سرمایہ : ۸ -
 تاریخی شہادت : ۳۰۸ -

- پروانہ : ۳۳۳ / ۳۳۵ / ۳۵۰ -
 پروں : ۲۴۳ -
 پرویت : ۲۸ / ۳۶ / ۱۳۹ -
 پرہ شکتی : ۲۹۳ -
 پڑاؤ : ۶۰ -
 پٹنگ : ۲۳۸ -
 پلاس : ۱۳۹ -
 پلنگ پوش : ۱۶۳ -
 پلیٹہ : ۱۲۴ / ۲۸۰ / ۲۸۲ / ۲۹۶ -
 پنبہ زن : ۲۸۲ -
 پنجابی (زبان) : ۲۹ -
 پنجابی شعرا : ۶۱ -
 پننگل : ۳۳۲ -
 پوتلی ہاٹ : ۶۸ / ۱۳۹ -
 پوجا : ۱۳۹ -
 پوجا ہاٹ : ۵۷ -
 پورب : ۲۷ -
 پوشش : ۲۴۳ -
 پول : ۲۰۵ -
 چاڑی (لوگ) : ۲۴۳ -
 چرہ : ۲۸۱ -
 چریدار : ۵۲ -
 چیلوان : ۱۳۸ -
 چاندہ : ۲۴۹ -
 لیچ : ۲۴۵ -
 لیم : ۶۸ / ۱۶۲ / ۱۴۳ -
 لیش کش : ۳۱۲ -

ترکی (زبان) : ۸۸ : ۱۲۰ : ۲۶۵
- ۳۲۵

ترکی کل : ۲۵۴ -

ترکی تہذیب : ۲۳۵ -

ترجمہ (یونانی) : ۲۸۰ -

ترجمہ (تہذیب) : ۲۱۰ : (یونانی دیکھیے تہذیب)

تسمیہ : ۱۶۲ : ۳۲ -

تسمیہ : ۱۳۵ : ۱۳۱ : ۱۳۰ : ۱۳۵ -

تشیب : ۲۹۱ -

تشیب : ۲۳۵ -

تشریف : ۱۵۲ : ۲۸۳ -

تضییع : ۲ : ۶ : ۲۰۸ -

تصانیف : ۲۶۹ -

تصوف : ۱۸۶ -

تہذیبی خط : ۲۳۲ -

تعلیم : ۱۳۱ -

تعلیمی کتب : ۳۰ -

تعلیم : ۲۳۵ : ۲۳۶ : (یونانی دیکھیے تعلیم)

تعلیم : ۱۶۲ : ۲۰۹ : ۲۳۵ : ۲۳۶

تعلیم : ۲۳۵ : ۲۹۴ -

تعلیم : ۲۹۴ : ۲۹۵ -

تعلیم : ۲۳۰ : ۲۳۵ : ۲۳۶ : ۲۳۷

تعلیم : ۲۹۴ : ۲۹۹ : ۳۰۳ -

تعلیم : ۳۰۰ : ۳۰۱ -

تعلیمی تصانیف : ۵ -

تعلیمی : ۱۸۲ -

تعلیمی : ۳۵۶ -

تعلیم : ۲۳ -

تاریخی مواد : ۳ -

تاریخی واقعات : ۷ -

تاریخی وثائق : ۳۳۳ -

تاریخی (زبان) : ۲۳۵ -

تاریخ : ۱۱۵ : ۱۱۷ : ۱۲۳ : ۱۲۴

تاریخ : ۱۳۱ : ۱۳۳ : ۱۹۰ : ۲۰۹

تاریخ : ۲۹۴ -

تاریخ : ۳۰۵ : ۳۳۱ : ۳۳۳ -

تاریخ : ۲۵۵ : ۲۷۹ -

تاریخ : ۳۱۳ -

تاریخ : ۹ -

تاریخ : ۲۰ : ۱۵۲ : ۲۱۰ : ۲۱۲

تاریخ : ۲۱۳ : ۲۳۵ : (یونانی دیکھیے تاریخ)

تاریخ : ۲۳۲ -

تاریخ : (دیکھیے تاریخ) -

تاریخ : ۲۷۳ -

تاریخ : ۱۳۵ -

تاریخ : ۱۳۴ -

تاریخ : ۱۳۴ -

تاریخ : ۲۳۸ : ۲۳۹ : ۲۹۵ -

تاریخ : ۲۹۵ -

تاریخ : ۲۹۵ -

تاریخ : ۲۹۵ -

تاریخ : ۲۷۷ -

تاریخ : ۱۳۱ -

تاریخ : ۱۶۲ : ۱۶۱ : ۱۷۷

تاریخ : ۱۹۸ : ۱۹۵ -

تیر : ۲۰ / ۳۲ / ۳۳ / ۳۶ / ۳۹ / ۴۴
 ۴۴ / ۴۸ / ۵۸ / ۶۴ / ۷۵ / ۷۷
 ۷۸ / ۸۱ / ۸۵ / ۸۶ / ۹۲ / ۹۶
 ۹۷ / ۱۰۱ / ۱۰۶ / ۱۰۹ / ۱۱۳ / ۱۱۷
 ۱۲۰ / ۱۲۳ / ۱۳۱ / ۱۳۵ / ۱۳۶ / ۱۳۹
 ۱۴۹ / ۱۵۱ / ۱۵۳ / ۱۵۴ / ۱۵۸ / ۱۶۰
 ۱۶۱ / ۱۶۲ / ۱۶۳ / ۱۶۴ / ۱۶۵ / ۱۶۶
 ۱۶۷ / ۱۶۸ / ۱۶۹ / ۱۷۰ / ۱۷۱ / ۱۷۲
 ۱۷۳ / ۱۷۴ / ۱۷۵ / ۱۷۶ / ۱۷۷ / ۱۷۸
 ۱۷۹ / ۱۸۰ / ۱۸۱ / ۱۸۲ / ۱۸۳ / ۱۸۴
 ۱۸۵ / ۱۸۶ / ۱۸۷ / ۱۸۸ / ۱۸۹ / ۱۹۰
 ۱۹۱ / ۱۹۲ / ۱۹۳ / ۱۹۴ / ۱۹۵ / ۱۹۶
 ۱۹۷ / ۱۹۸ / ۱۹۹ / ۲۰۰ / ۲۰۱ / ۲۰۲

تیر آتش : ۲۰۴ - ۳۶۸

تیر آتش : ۲۰۴ - ۳۶۸

تیر آتش : ۲۰۴ - ۳۶۸

تیر انداز : ۲۲۶ / ۲۲۷ / ۲۲۸ / ۲۲۹ / ۲۳۰ / ۲۳۱

۲۳۲ / ۲۳۳ / ۲۳۴ / ۲۳۵ / ۲۳۶ / ۲۳۷

۲۳۸ - ۲۸۴

تیر اندازی : ۲۳۸ / ۲۳۹ / ۲۴۰ / ۲۴۱ / ۲۴۲ / ۲۴۳

تیر باران : ۲۴۵ / ۲۴۶ / ۲۴۷ / ۲۴۸ / ۲۴۹ / ۲۵۰

تیر باری : ۲۵۰ - ۲۵۱

تیر بید : ۲۵۶ - ۲۵۷

تیر تیر : ۲۵۸ - ۲۵۹

تیر جوان دوز : ۲۸۰ / ۲۸۱ / ۲۸۲ / ۲۸۳ / ۲۸۴ / ۲۸۵

تیر چرخ : ۲۳۸ / ۲۳۹ / ۲۴۰ / ۲۴۱ / ۲۴۲ / ۲۴۳

تیر چینی : ۲۶۹ - ۲۷۰

تیر خدنگ : ۲۵۰ / ۲۵۱ / ۲۵۲ / ۲۵۳ / ۲۵۴ / ۲۵۵

تیر دالنگ سنگ : ۲۸۰ / ۲۸۱ / ۲۸۲ / ۲۸۳ / ۲۸۴ / ۲۸۵

تیر دست : ۲۲۸ - ۲۲۹

تلیج : ۱۳۱ / ۱۳۲ / ۱۳۳ / ۱۳۴ / ۱۳۵ / ۱۳۶

تلوار : ۲۰ / ۲۱ / ۲۲ / ۲۳ / ۲۴ / ۲۵

۲۶ / ۲۷ / ۲۸ / ۲۹ / ۳۰ / ۳۱

۳۲ / ۳۳ / ۳۴ / ۳۵ / ۳۶ / ۳۷

۳۸ / ۳۹ / ۴۰ / ۴۱ / ۴۲ / ۴۳

۴۴ / ۴۵ / ۴۶ / ۴۷ / ۴۸ / ۴۹

۵۰ / ۵۱ / ۵۲ / ۵۳ / ۵۴ / ۵۵

۵۶ / ۵۷ / ۵۸ / ۵۹ / ۶۰ / ۶۱

۶۲ / ۶۳ / ۶۴ / ۶۵ / ۶۶ / ۶۷

۶۸ / ۶۹ / ۷۰ / ۷۱ / ۷۲ / ۷۳

۷۴ / ۷۵ / ۷۶ / ۷۷ / ۷۸ / ۷۹

۸۰ / ۸۱ / ۸۲ / ۸۳ / ۸۴ / ۸۵

۸۶ / ۸۷ / ۸۸ / ۸۹ / ۹۰ / ۹۱

۹۲ / ۹۳ / ۹۴ / ۹۵ / ۹۶ / ۹۷

۹۸ / ۹۹ / ۱۰۰ / ۱۰۱ / ۱۰۲ / ۱۰۳

۱۰۴ / ۱۰۵ / ۱۰۶ / ۱۰۷ / ۱۰۸ / ۱۰۹

۱۱۰ / ۱۱۱ / ۱۱۲ / ۱۱۳ / ۱۱۴ / ۱۱۵

۱۱۶ / ۱۱۷ / ۱۱۸ / ۱۱۹ / ۱۲۰ / ۱۲۱

۱۲۲ / ۱۲۳ / ۱۲۴ / ۱۲۵ / ۱۲۶ / ۱۲۷

۱۲۸ / ۱۲۹ / ۱۳۰ / ۱۳۱ / ۱۳۲ / ۱۳۳

۱۳۴ / ۱۳۵ / ۱۳۶ / ۱۳۷ / ۱۳۸ / ۱۳۹

۱۴۰ / ۱۴۱ / ۱۴۲ / ۱۴۳ / ۱۴۴ / ۱۴۵

۱۴۶ / ۱۴۷ / ۱۴۸ / ۱۴۹ / ۱۵۰ / ۱۵۱

۱۵۲ / ۱۵۳ / ۱۵۴ / ۱۵۵ / ۱۵۶ / ۱۵۷

۱۵۸ / ۱۵۹ / ۱۶۰ / ۱۶۱ / ۱۶۲ / ۱۶۳

۱۶۴ / ۱۶۵ / ۱۶۶ / ۱۶۷ / ۱۶۸ / ۱۶۹

۱۷۰ / ۱۷۱ / ۱۷۲ / ۱۷۳ / ۱۷۴ / ۱۷۵

۱۷۶ / ۱۷۷ / ۱۷۸ / ۱۷۹ / ۱۸۰ / ۱۸۱

۱۸۲ / ۱۸۳ / ۱۸۴ / ۱۸۵ / ۱۸۶ / ۱۸۷

۱۸۸ / ۱۸۹ / ۱۹۰ / ۱۹۱ / ۱۹۲ / ۱۹۳

۱۹۴ / ۱۹۵ / ۱۹۶ / ۱۹۷ / ۱۹۸ / ۱۹۹

۲۰۰ / ۲۰۱ / ۲۰۲ / ۲۰۳ / ۲۰۴ / ۲۰۵

۲۰۶ / ۲۰۷ / ۲۰۸ / ۲۰۹ / ۲۱۰ / ۲۱۱

ت

- تبات : ۳۰۰ (ایز دیکھئے سایاٹ) -
تتا خواتی : ۵۲ -

ج

- جاب : ۷۶ -
جاگرا : ۴۴ / ۴۶ / ۶۷ -
جائلیق : ۲۲۵ / ۲۳۱ / ۲۳۷ -
- ۲۵۱ -
جامم : ۱۳۶ / ۱۳۹ / ۱۴۵ -
جاغویان : ۲۵۷ -
جاموس : ۴۱ / ۴۲ / ۴۸ / ۵۳ -
۵۴ / ۶۷ / ۶۸ / ۱۰۷ / ۱۳۰ -
۱۴۲ / ۱۴۴ / ۲۷۳ -
جاموسی : ۱۵۶ -
جاگیر : ۵۲ / ۵۶ / ۱۳۴ / ۱۴۱ -
- ۱۴۲ -

- جاگیردار : ۱۲۱ -
جالپا دیوی : (دیکھئے جالپا یا
جالدھری دیوی) -

- جالپا یا جالدھری دیوی : ۵۵ / ۵۷ -
۶۲ / ۷۱ / ۷۵ -

- جالدھری دیوی : (دیکھئے جالپا یا
جالدھری دیوی) -
جامع مسجد : ۱۳۱ -
جانباز : ۲۷۸ -

- تیر غدرک : ۲۸۰ / ۲۸۲ -

- تیر کلک : ۲۷۶ / ۲۸۲ -

- تیر کبان : ۳۶۱ -

- تیر گر : ۲۸۰ / ۲۸۲ -

- تیر ملٹک : ۲۸۰ / ۲۸۲ -

- تیر مشجیق : ۲۶۹ -

- تیر ناوک : ۲۳۲ / ۲۳۸ / ۲۴۹ -

- ۲۶۳ / ۲۸۰ / ۲۸۲ / ۲۸۷ -

- تیر نے : ۲۶۹ -

- تیر نیم دانک سنگ : ۲۸۰ -

- تیر و تفنگ : ۲۹۶ -

- تیر ہواقی : ۲۳۰ -

- لیغ : ۱۲۶ / ۱۶۲ / ۲۴۳ / ۲۴۵ -

- لیغہ : ۱۹۵ / ۱۹۶ / ۲۰۱ -

- لیغ بندی : ۲۷۶ -

- تیموری الواج : ۲۵۹ -

- تیموری جنگیں : ۲۵۴ -

- تیموری شہزادے : ۱۲۰ -

- تیموری عسا کر : ۲۶۱ -

- تیموری مورخین : ۲۶۳ / ۲۹۵ -

ٹ

- ٹانک (وزن) : ۳۰۲ -

- ٹرایوشے : ۲۳۲ / ۲۳۴ / ۲۶۹ -

- ٹول پتھر : ۲۳۳ -

- چانددار : ۲۷۹ -
 چپ : ۲۶۳ -
 چراغ : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -
 چترالغیل : ۲۲۴ -
 چربانہ : ۵۵ ، ۵۳ -
 چری (جڑی) : ۲۷۵ -
 چزیہ : ۲۶۳ -
 جشن : ۱۳۶ ، ۱۳۷ -
 جشن لو (دو) : ۱۳۷ -
 جعلی : ۳ ، ۳۱۵ -
 جعلی تصنیف : ۳ ، ۳۶۲ -
 چل لہر : ۱۶ -
 جلسہ : ۶۰ -
 چلوس : ۱۹۳ ، ۲۰۴ ، ۲۴۴ -
 ۳۶۴ -
 چانوسر اکبری : ۱۳۷ -
 جم چور : ۱۶۳ -
 جمعہ دار : ۳۱ -
 رجتن : ۳۲ -
 جنات : ۳۳ -
 جنپور (ڈیور) : ۲۱۲ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴ -
 (لہجہ دیکھیے ڈیور) -
 چتر : ۱۳۶ -
 چتر منتر : ۷۶ -
 چنگ (جہاز) : ۲۹۴ -
 چنگ : ۲۹۵ ، ۲۹۹ -
 چنگچور : ۳۲۲ -
 چنگ حصار : ۲۵۲ ، ۲۵۳ -
 چنگر مش (یو کسنگ) : ۲۷۳ -
 چنگی کلیں : ۲۳۴ -
 چوال دوز : ۲۸۱ ، ۲۸۲ -
 چوان سردی : ۲۶۷ -
 چوہتر : ۲۱۴ -
 چوتھی : ۷۰ -
 چوشن : ۲۷۳ ، ۲۷۴ ، ۲۸۱ -
 ۲۸۳ -
 چوک : ۷۵ -
 چوک : ۲۹۴ -
 چولاہا : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -
 چوہر : ۲۷۷ -
 چوہر دار : ۲۷۷ -
 چوہی : ۱۵۶ -
 چہاد : ۱۸۹ ، ۱۹۰ ، ۲۹۴ -
 چہاز : ۱۲۱ -
 چہالہر : ۱۳۶ -
 چہان چلوان : ۲۴۲ ، ۲۴۳ -
 چہانچہ : ۲۸۰ -
 چہانگیر (نام) : ۱۰۱ -
 چہرو کہ : ۱۴۲ -
 چہرو کہ روشن : ۱۴۲ -
 چہرہ : ۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۶ -
 چہل : ۲۹۴ -
 چیلان گر : (دیکھیے چیلان گر) -

ج

چابی (کمان) : ۲۵۵ -

چادر چڑھانا : ۶۸ -

چالہ گرین : ۱۶ -

چتر : ۶۱ / ۱۳۵ / ۱۳۷ -

چتر دار : ۱۳۵ -

چراغ (آگنی بازی) : ۲۹۲ -

چراغ دان : ۲۸۲ -

چرخ : ۱۳۶ / ۲۲۰ / ۲۳۱ / ۲۳۲ -

چرخ کا : ۲۳۰ / ۲۵۰ / ۲۵۱ -

چرخ : ۲۵۳ / ۲۶۲ / ۲۶۴ / ۲۸۰ -

چرخ : ۲۸۲ / ۳۰۲ -

چرخ الداز : ۲۳۹ / ۲۹۵ -

چرخ دار : ۲۴۰ -

چرخ گر (مقابل گر) : ۲۸۰ / ۲۸۲ -

چرخنی : ۲۳۷ -

چروس : ۱۴۶ -

چڑیل : ۱۵۰ -

چک (چکٹر) : ۲۷۴ -

چکر : ۲۷۴ -

چکر الدازی : ۲۷۳ -

چلتہ : ۷۷ / ۷۸ -

چیلہ : ۱۵۶ -

چندن : ۱۴۷ -

چنگ : ۱۳۶ / ۱۳۵ / ۱۶۲ -

چنگیزی انسہ : ۲۷۱ -

چنگیزی انواع : ۲۵۱ / ۲۵۲ -

چنگیزی فوجیں : ۲۳۶ -

چنی : ۱۳۷ -

چوب : ۲۸۰ -

چوب دار : ۱۳۵ / ۱۳۷ / ۱۳۹ -

چوبک زن (چوکی) : ۲۸۰ / ۲۸۲ -

چوڈول : ۱۴۹ -

چوکی : ۲۸۱ -

چوکیدار : ۲۸۷ -

چوگان : ۱۴۲ / ۱۴۵ / ۱۶۲ -

۲۷۳ -

چوگان بازی : (دیکھیے چوگان) -

چوہر : ۱۳۵ -

چوہری بردار : ۱۳۵ / ۱۳۷ / ۱۳۹ -

چوہر : ۲۹۴ -

چوہے : ۳۷۰ -

چوہری دھرم : ۲۱ -

چوہیس ہاتے : ۳۲ -

چھند : ۸۳ / ۸۴ / ۱۱۳ / ۱۱۸ -

چھن : ۱۲۴ / ۱۲۵ / ۱۲۷ / ۱۲۸ -

چھن : ۱۳۰ / ۱۳۲ / ۱۳۵ / ۱۳۶ -

چھن : ۱۳۷ / ۱۴۰ / ۱۴۱ / ۱۴۲ -

چھن : ۱۴۳ / ۱۴۶ / ۱۴۹ / ۱۵۱ -

چھن : ۱۵۲ / ۱۵۳ / ۱۶۲ / ۱۶۳ -

چھن : ۱۶۴ / ۱۷۵ / ۱۷۶ / ۲۰۹ -

چھن : ۲۱۰ / ۲۱۱ / ۲۱۳ / ۲۰۹ -

۳۷۰ -

- ۲۸۱ تا ۲۸۵ : ۲۹۰ -
 حصار بندی : ۲۵۸ -
 حصار چوبی (کنگرہ) : ۲۸۵ -
 حصار شکنی : ۲۴۴ -
 حصار کشائی : ۲۲۰ -
 حصار گیری : ۲۸۴ ، ۲۴۹ -
 حصن : ۲۸۹ -

- حفار : ۲۸۲ -
 حلقہ : ۲۹۵ ، ۳۰۱ -
 "حلقہ" آتش : ۲۴۰ -
 "حقبائے آتش : ۲۹۸ - (نیز دیکھیے
 "حقبائے آتشی) -
 "حقبائے آتشی بازی : ۳۰۰ -
 "حقبائے آتشی : ۲۹۸ -
 حکم انداز : ۲۶۴ ، ۳۰۴ -
 حکم یرلیغ : ۲۲۴ -
 حلال خور : ۲۸۰ -
 حلقہ ربائی : ۲۷۹ -
 حائل : (دیکھیے حقیل) -
 حمزہ لاسی : ۸ -
 حملہ سومنات : ۱۸۴ -
 حقیل (حائل) : ۱۶۳ ، ۹۱ -
 حواج : ۲۸۰ -

خ

- خاکہ : ۴۰۸ -
 خاکہ "کتاب : ۴۴۳ -

چیستان : ۲۲۸ -

- چیلان کر : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -
 چنی (لؤلؤ) : ۲۷۶ -
 چنی منجینی : ۲۲۲ -

ح

- حاجی : ۱۲۲ ، ۱۲۳ -
 حاشیہ مصنف : ۳۴۴ -
 حاشیہ ناقد : ۸۵ ، ۹۸ ، ۱۲۳ ،
 ۲۶۵ -
 حج : ۱۲۱ ، ۴۹ -
 حجاب : ۷۷ ، ۷۶ -
 حجام : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -
 حج بیت اللہ : (دیکھیے حج) -
 حرم : ۸۱ ، ۸۳ ، ۳۲۵ -
 حرم سرا : ۱۴۷ ، ۱۵۰ ، ۱۷۲ ،
 ۲۰۴ -
 حروب صلیبی : ۱۱۸ -
 حراف : ۲۷۳ -
 حسین قل (قام) : ۹۵ -
 حشری فوج : ۲۷۱ - (نیز دیکھیے
 سپاہ حشری) -
 حشم : ۱۶۲ -
 حشویات : ۴۳ -
 حشیہ : ۷ -

- حصار : ۲۴۷ ، ۲۴۱ ، ۲۵۱ ، ۲۵۶ ،
 ۲۵۸ تا ۲۶۱ ، ۲۷۰ ، ۲۷۳ ،

- خریطہ : ۷۲ -
 خزری (الوار) : ۲۷۹ -
 خشت : ۲۷۹ -
 خصم : ۲۸۳ -
 خطا و سزا : ۲۷۴ -
 خفتان : ۲۸۱ ، ۲۷۳ ، ۲۷۳ -
 ۲۸۳ -
 خفجہ : (دیو کہے خفجہ) -
 خفجہ : ۲۸۰ ، ۲۸۳ -
 خلعت : ۲۸۱ ، ۲۴۲ ، ۵۶ ، ۵۵ -
 خلفائے عباسیہ : ۱۱۹ -
 خم بازو : ۲۴۱ -
 خندق : ۲۵۲ ، ۲۵۰ ، ۲۲۶ ، ۲۵۸ ، ۲۸۳ ، ۲۸۱ ، ۲۶۰ ، ۲۸۵ ، ۲۹۸ -
 خندق : ۱۹۹ -
 خنیاگر : ۱۳۸ -
 خواب : ۵۹ -
 خواجہ سرا : ۱۳۸ ، ۱۳۷ ، ۱۳۵ -
 خوارزم شانی : ۱۱۹ -
 خوارزمی (کن) : ۲۷۵ -
 خواص : ۱۶۳ ، ۱۳۷ ، ۱۲۲ ، ۶۳ -
 خواص : ۱۵۲ ، ۶۳ ، ۴۹ ، ۴۳ -
 خوانین : ۸۸ -
 خود : ۲۸۱ ، ۲۷۴ ، ۲۷۳ -
 ۲۸۳ -
 خودکشی : ۷۸ -

- خاص یک (عہدہ) : ۸۷ -
 خاصہ : ۳۰۳ -
 خاک ریز : ۲۵۸ ، ۲۵۷ -
 خان : ۳۲۵ ، ۸۸ ، ۳۹ -
 خان اعظم (خطاب) : ۸۸ -
 خان جہاں (خطاب) : ۹۴ ، ۸۸ -
 خان خاں (خطاب) : ۹۴ ، ۸۸ -
 خان غطا (لقب) : ۸۸ -
 خاندان تغلقہ : ۹۶ -
 خان دوران (خطاب) : ۸۸ -
 خان عالم (خطاب) : ۸۸ -
 خان قبیچاق (لقب) : ۸۸ -
 خاندان کعبہ : ۲۹۱ -
 خدائی متجسسی : ۲۴۲ -
 خطا : ۲۸۱ ، ۳۰ -
 خدمت حرب : ۲۷۳ -
 خدنگ : ۲۷۵ ، ۲۴۳ ، ۲۳۹ ، ۲۸۳ ، ۲۸۰ -
 خراج : ۲۷۳ -
 خراسانی کبان : ۱۲۱ -
 خرنیرہا : ۲۸۳ -
 خرسنگ : ۲۹۰ -
 خرک : ۲۵۲ ، ۲۳۶ ، ۲۲۰ ، ۲۸۲ ، ۲۸۰ -
 خرک (الش بازی) : ۲۶۵ -
 خرگہ : ۳۰۱ -
 خرمیل (عرف) : ۸۷ -

خورشید : ۲۳۹ -

خوشبو خانہ : ۱۳۸ -

د

داخلی تنقید : ۱ -

دارالسلطنت : ۲۸۷ ، ۳۱۱ -

دارالکفر : ۱۷۸ -

دارو : ۲۴۱ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ، ۲۴۸ ، ۲۴۹ ،

۲۹۱ ، ۲۹۲ ، ۲۹۵ ، ۲۹۷ ،

۲۹۹ ، ۳۰۰ -

داروے آتشیں : ۲۴۱ -

داروری کبان : ۲۶۵ -

داس : ۶۷ -

داستان گو : ۱۰۳ ، ۸ -

داسیان : ۱۴۸ -

دان : ۷۴ ، ۷۵ -

دان پتر (غیرات نامہ) : ۳۶۴ -

دانگ : ۲۶۵ -

دانگ سنگ : (دیکھیے تیر دانگ سنگ) -

دبابہ : ۲۲۰ ، ۲۲۱ ، ۲۳۶ ، ۲۴۷ -

دربار : ۵۸ ، ۱۳۴ -

درباری شاعر : ۳۵۵ -

درباری ضابطے : ۱۴۲ -

دربان : ۷۶ ، ۲۸۱ ، ۲۸۳ ، ۳۵۹ -

درزی : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -

درشن : ۵۷ ، ۷۵ ، ۷۶ -

درفش : ۲۴۲ ، ۲۴۳ -

درگاہ رسالت : ۵۸ ،

درگاہی مجاور : ۱۸۳ -

دروگر : ۲۸۲ ،

درویش : ۸۳ ، ۱۷۹ ، ۱۸۴ -

دریم : ۲۸۷ -

دریائی (لوگ) : ۲۷۳ -

دڑ : ۲۵۰ ، ۲۵۱ ، ۲۸۷ ، ۲۸۹ ،

ہستاویز : ۳۰۹ ، ۳۵۰ ، ۳۵۲ -

دسترخوان : ۱۳۶ -

دستور العمل : ۱۴۲ -

دستور جنگ : ۲۲۰ -

دسبرہ : ۵۵ -

دشن : ۲۷۳ -

دشنہ : ۲۷۸ -

دعا گوئی : ۱۴۲ -

دفتری اصطلاح : ۱۲۴ -

دلدار علی (نام) : ۱۸۴ -

دلچہ : ۱۳۹ - (لیز دیکھیے زلیچہ) -

دلچہ (زلیچہ) : ۱۳۶ ، ۱۴۵ -

دسانہ : ۱۳۶ ، ۱۴۵ ، ۱۶۲ ، ۲۸۲ -

دسانک (ہندوق) : ۳۰۲ -

دسلسلہ : ۲۵۸ ، ۲۸۵ -

دوآبہ : ۲۱۵ -

دوالی : ۱۵ -

دوہای آتشیں : ۲۴۴ -

دوہایش : ۲۷۹ -

دوہرخ : ۱۹۶ ، ۲۰۸ -

دیولا : ۵۹ ، ۷۰ ، ۱۱۱ ، ۱۶۹ ،
- ۳۳۰
دیوٹ : ۲۸۰ -
دیوی : ۵۳ ، ۵۵ ، ۵۷ ، ۷۶ ،
- ۱۵۸

ڈ

ڈک : ۵۷ ، ۲۰۷ -
ڈاک چوکی : ۱۲۴ ، ۱۲۵ -
ڈاکن : ۱۳۴ -
ڈکلی : ۷۷ -
ڈنڈ : ۴۹ -
ڈنکا : ۱۹۷ ، ۲۸۰ -
ڈنگل (زبان) : ۳۳۲ ، ۳۶۹ -
ڈول (ہندو ساز) : ۳۰۲ -
ڈولیان : ۱۴۵ -
ڈمال : ۱۹۸ ، ۲۷۴ -
ڈمول : ۱۲۶ ، ۲۸۰ -
ڈمولکھا : ۲۸۰ -
ڈھینکوری (ڈھینکلی) : ۱۴۶ -
ڈیرہ : ۶۶ -
ڈیرے : ۵۳ -
ڈیوڑھی : ۱۴۸ ، ۱۴۹ ، ۱۷۲ ،
- ۲۰۶

ذ

ذات : ۹۵ -

دولاب خانہ (ہندو ساز) : ۳۰۲ -
دوئے : ۱۵۶ -
دوچہ : ۳۷۰ -
دھاکہ (ہندو ساز) : ۳۰۲ -
دھاوا : ۱۲۴ ، ۱۲۵ ،
دھرم : ۲۱ ، ۲۲ ، ۴۰ -
دھرم سالہ : ۳۳۳ -
دھس : ۲۵۸ ، ۲۸۵ -
دھنک : ۲۹۴ -
دہل : ۲۸۲ ، ۲۹۳ -
دہل وٹ : ۲۸۲ -
دہل کچ : ۲۸۱ -
دہلیز : ۲۸۶ -
دہ سرفہ : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -
دھنیا : ۲۸۰ -
دھوی : ۲۸۰ -
دیباچہ : ۱ ، ۳ ، ۱۳ ، ۳۰۸ -
دیرونگ : ۲۴۵ -
دیگ : ۲۴۱ تا ۲۴۳ -
دین : ۶۲ ، ۶۶ ، ۲۰۰ -
دینار : ۲۸۷ -
دیو (دیوتا) : ۳۳ ، ۱۷۵ - (نیز
دیکھیے دیولا) -
دیوار کن (سابل) : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -
دیوان : ۴۲ ، ۲۶۸ -
دیوان خاص : ۱۳۹ -
دیوان خانہ : ۴۷ ، ۱۳۷ -

ر

رأبنا : ۱۵۱ - ۶

راجهائی : ۳۰۹ -

راجهستانی (زبان) : ۳۷۰ -

راجسو جنگ : ۱۶۶ / ۱۶۷ / ۳۵۹

- ۳۶۷

راج کمار : ۳۸ -

راج کنوار : ۱۴۸ -

راجگان مہواڑ : ۳۳۲ / ۳۳۷ -

راج گرو : ۱۴۹ / ۶۸ -

راعدة (چھوٹی منجلی) : ۲۸۷ -

راکشس : ۲۶۳ / ۳۶۵ -

رال : ۲۲۰ / ۲۶۶ -

رائلیان مہواڑ : ۳۳۸ -

راوی : ۸ -

راوی سکھ : ۱۲۱ -

رقہ : ۱۴۵ -

رجز مشقن غیبون (بحر) : ۱۵۳ -

رزم گاہ : ۸۶ / ۱۰۲ -

رؤسیہ : ۱۱۷ / ۱۱۸ / ۱۲۷ / ۱۲۹

۱۶۳ / ۳۳۲ / ۳۳۸ / ۳۳۹

۳۴۱ / ۳۴۲ / ۳۴۶ / ۳۵۳

- ۳۵۴

رؤسیہ تاریخ : ۳۰۸ -

رؤسیہ نظمیں : ۳۶۹ -

رسم و رواج : ۳۰۸ -

رسوڑا : ۱۷۹ -

رشتنا : ۲۸۳ -

"ریشک بہشت" : ۱۹۸ -

رشی : ۱۳ / ۱۸ / ۳۶۳ -

رعد : ۲۲۰ / ۲۲۲ / ۲۲۳ / ۲۲۴

۲۶۴ / ۲۹۵ / ۳۰۴ -

رعد الداز : ۲۶۲ / ۲۶۵ / ۲۹۸

- ۲۹۵

رعد الدازی : ۲۶۱ / ۲۶۲ -

رقعدہ خاص : ۲۰۸ -

رکاب : ۲۷۷ -

رسل احمد : ۲۷۶ -

رواج بند : ۲۰۳ -

روانک : ۲۳۹ / ۳۴۰ / ۳۴۳ -

روپے : ۱۳۹ -

روح انزا : ۱۳۸ -

روسی (تلوار) : ۲۷۶ -

روشن شتاب : ۲۳۳ -

روشن علی : (نام) : ۱۸۳ -

روضہ جنان : ۱۹۳ -

روضہ مبارک : ۱۸۸ -

روغن اسکندری : ۲۲۶ / ۲۶۸

روغن نفت : ۲۳۳ -

روغن نے : ۲۶۶ -

روغن چرج : ۲۵۵ -

روسی (تلوار) : ۲۷۶ -

روسی خان (خطاب) : ۸۸ / ۹۳ -

روپشیا (تلوار) : ۲۷۶ / ۲۷۷ -

روٹ : ۱۴۶ ، ۱۴۷ -

روکھ : ۳۰۰ -

روہان : ۲۸۲ -

روہانک (آتش بازی) : ۲۶۵ -

ز

زلفہ : ۸۳ ، ۳۳۶ -

زبانِ ہند : (دیکھئے زبانِ ہندی) -

زبانِ ہندی : ۵ ، ۱۳۲ - (ایز دیکھئے

ہندی زبان) -

زحل : ۲۱۷ ، ۲۸۵ -

زاد : ۲۸۲ -

زادار : ۱۳۶ -

زوجک (آتش بازی) : ۲۶۵ -

زودوزن : ۱۶۳ -

زودوزی : ۶۰ -

زوکشی : ۱۶۳ -

زوسین : ۲۷۳ -

زورہ : ۱۰۶ ، ۱۶۲ ، ۲۷۳ -

زورہ بکتر : ۳۲ ، ۱۷۰ -

زورہ ساز : ۲۸۰ -

زوی : ۱۳۵ -

زعفران : ۱۳۲ ، ۱۳۶ ، ۱۵۴ ،

۱۵۵ -

زلیچہ (زلیوچہ) : ۱۳۹ ، ۱۴۰ -

زمانہٴ وسطی : ۲۴۴ -

زبانہ : ۲۰۴ ، ۲۰۵ -

زنیور : ۱۶۹ ، ۲۰۹ -

زلیورک : ۲۱۰ ، ۲۸۰ ، ۲۸۲ ،

۲۱۴ ، ۲۹۹ -

زلیورک (آتش بازی) : ۲۶۵ -

زلیورے : ۶۱ -

زلیور : ۲۸۰ -

زور آزمائی : ۲۷۳ -

زوری : ۲۳۶ -

زہ : ۲۳۷ ، ۲۴۴ ، ۲۷۳ - (ایز

دیکھئے زہ کبان) -

زہ تاب : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -

زہ کبان : ۲۴۸ ، ۲۸۳ -

زیارت : ۱۹۲ -

زین : ۲۷۳ -

زین ساز : ۲۸۰ -

زینہ : ۲۸۰ -

زبور : ۶۱ -

ژ

ژوبین : ۲۷۹ ، ۲۹۴ -

ص

صافط : ۲۸۴ ، ۲۸۵ ، ۲۹۸ -

صافط : ۱۸۵ -

صاز : ۱۳۶ ، ۲۸۱ ، ۲۸۳ -

صاز ہندی و فارسی : ۱۳۷ -

صاعدین : ۲۷۳ -

ساقین : ۲۷۳ -

سانت : ۱۶۶ تا ۱۷۲ / ۱۷۸ - (نیز
دیکھوے ساونت) -

سانگ : ۵۵ / ۵۶ / ۱۶۹ -

سانند (سمت) : (دیکھوے سمند + سمت)

ساونت : ۲۲ / ۳۳ / ۳۶ تا ۵۱ /

۵۳ تا ۵۵ / ۶۷ تا ۶۹ / ۱۰۷ /

۱۱۰ / ۱۲۱ / ۱۲۶ تا ۱۳۸ /

۱۳۵ / ۱۳۶ / ۱۴۲ / ۱۴۸ /

۳۳۵ -

سبھا : ۵۴ -

سپالاشی : ۲۷۳ -

سپاہ اہل خاں : ۲۲۳ -

سپاہ حشری : ۲۷۳ -

سپاہی : ۲۸۱ -

سپر : ۲۵۹ -

سپر جج (جج) : ۲۷۳ / ۲۷۹ تا

۲۸۳ -

سپر چوہی : ۲۷۳ -

سپر خدنگ : ۲۷۳ -

سپر شوشک : ۲۷۳ / ۲۸۰ / ۲۸۳ -

سپر خواج : ۲۸۱ / ۲۸۳ -

سپر کورک : ۲۷۳ / ۲۸۰ / ۲۸۳ -

سپر گروہ : ۲۷۹ -

سپر نے نوزہ : ۲۷۳ -

سپہبد : ۲۵۲ / ۲۵۳ -

سپہ سالار : ۳۲ / ۱۰۹ -

ستی : ۱۲۲ -

صبح : ۵۳ -

صحنایر کال کشتہ : ۲۸۱ / ۲۸۲ -

سراپردہ : ۲۸۶ -

سراپردہا : ۱۳۷ -

سراج : ۲۸۲ -

سرولاج : ۱۶۳ -

سر جالدار : ۱۰۴ -

سر چنگل : ۲۸۲ -

سر کڑک : ۲۸۰ / ۲۸۲ -

سر گویا : ۲۳۵ / ۲۳۶ / ۲۸۸ -

سر لشکر : ۲۷۲ -

سرنک : ۲۵۰ / ۲۵۸ / ۲۶۰ /

۳۰۰ -

سروا : ۵۲ / ۵۶ / ۵۸ -

سروہ : ۳۰۴ -

سرونگ : ۲۸۳ -

سری ایکنگک جی : ۲۰۴ / ۲۰۵ -

سری پھل (ناریل) : ۱۵۳ -

سری پیر : ۱۲۶ -

سفر سکتہ : ۱۲۱ -

سفر سیتا : ۲۵۹ -

سفیر : ۳۰۸ / ۳۲۹ / ۳۳۰ / ۳۵۲ -

سفلات پوش : ۱۱۸ -

سفلات (سفلات) : ۲۸ -

سکٹہ : ۹۳ -

سکھ آسن : ۱۳۵ / ۱۳۹ -

- سنکھ پال : ۶۳ / ۱۳۵ -
 سلاجقه : ۱۱۹ -
 سلاح : ۲۸۳ / ۲۹۵ -
 سلاطین : ۹۲ / ۹۷ -
 سلاطین اسلام : ۱۳۷ -
 سلاطین اوزبک : ۱۲۰ -
 سلاطین ایران : ۱۳۷ -
 سلاطین بازاریطینیه : ۱۱۹ -
 سلاطین ترکستان : ۳۲۵ -
 سلاطین شمسید (خالدان غلامان) : ۸۸ -
 سلاطین عثمانیہ : ۱۲۰ -
 سلاطین غزنویہ : ۲۷۲ / ۲۷۴ -
 سلاطین گجرات : ۳۳۷ -
 سلاطین مغل : ۱۲۰ -
 سلاطین مغلیہ : ۱۳۳ -
 سلام : ۱۳۵ / ۱۳۰ / ۱۳۱ / ۱۳۵ -
 صلح : ۱۶۲ -
 صلوات چشنیہ : ۱۳۳ -
 سلطنت عثمانیہ : ۳۰۱ -
 سلیم (نام) : ۱۰۱ -
 سلاواں (لوار) : ۲۷۶ -
 صلح : ۲۸۳ -
 ست ہکرمی : (دیکھیے ہکرمی ست) -
 سمج : ۲۷۰ -
 سحر : ۷۵ / ۷۵ -
 سمیرن (شمشیر) : ۱۷۵ -
 سنقر : ۲۸۵ -
 سنان : ۱۲۶ -
 سنوگھ : ۱۳۸ -
 سنہ : ۳۳۴ / ۳۳۵ / ۳۵۰ -
 سندروس : ۲۶۶ -
 سنسکرت (زبان) : ۱۸ / ۱۴ / ۵ -
 سنسکرت : ۱۲۳ / ۳۱۸ / ۳۲۱ -
 سنسکرت : ۲۳۲ / ۲۳۶ / ۳۳۹ / ۳۴۰ -
 سنسکرت : ۳۳۲ / ۳۵۵ / ۳۷۰ -
 سنسکرت دان طبقہ : ۵ -
 سنکھ : ۱۴۶ -
 سنگ : ۲۸۳ / ۲۸۹ / ۲۹۳ -
 سنگار پار (پاتھر) : ۳۵ / ۳۶ / ۱۰۸ -
 سنگ : ۱۵۱ / ۱۵۲ -
 سنگ اندازی : ۲۲۹ / ۲۳۵ / ۲۳۷ -
 سنگ باری : ۲۵۰ / ۲۵۸ / ۲۸۵ -
 سنگ خارا : ۲۵۸ -
 سنگ دست : ۲۸۰ / ۲۸۲ -
 سنگرام (بندوق) : ۳۰۳ -
 سنگ فلاخن : ۲۸۰ -
 سنگ مغربی : ۲۸۷ -
 سنگ منجینیق : ۲۸۲ -
 سنگھاسن : ۱۳۵ / ۱۳۶ -
 سنگی چوکا : ۳۳۵ -
 سنگی کتاب : ۳۳۷ / ۳۶۳ / (نیز)
 دیکھیے سنگی کتبے -
 سنگی کتبے : ۳۰۷ / ۳۳۲ / ۳۵۰ -
 سنہ : ۴۶۳ -

- سند (ست) : ۳۳۱ تا ۳۳۳ ، ۳۳۵ ،
 ۳۵۵ ، ۳۵۸ ، ۳۵۹ -
 سواحلی علاقے : ۲۹۹ -
 سوار : ۹۵ ، ۱۶۲ ، ۲۴۳ ، ۲۴۹ ،
 ۲۹۳ -
 سوداگر : ۵۹ ، ۶۰ -
 سوربیر : ۲۰۲ -
 سورسہی بھاگا : ۳۳۰ -
 سورمان (تلوار) : ۲۴۷ -
 شوک : (دیکھیے سپر شوک) -
 سوگند : ۵۷ -
 سوہیر : (دیکھیے سوربیر) -
 سوہان گر : ۳۰۲ -
 سوربیر : ۱۷ ، ۲۵۹ ، ۳۶۷ -
 سوہو : ۲۷۳ -
 سہم خطائی : ۲۶۹ -
 سیٹاج : ۲۸۷ ، ۳۳۰ -
 سیل : ۵۷ ، ۱۰۶ ، ۱۶۹ -
 سیرخ : ۲۳۷ -

ش

- شاکا : ۳۵۳ -
 شاگرد پیشہ : ۱۲۳ -
 شاسی (تلوار) : ۲۷۶ -
 شاہ قلی (نام) : ۹۵ -
 شاہی چیلہ : ۳۰۲ -
 شب ہرات : ۲۹۱ ، ۲۹۳ ،
 شب خون : ۳۰ ، ۵۲ ، ۲۳۶ ،
 ۲۵۰ ، ۲۷۳ -
 شہید سہروت : ۳۳ -
 شہیلوا : ۲۸۱ ، ۲۸۳ -
 شہابہ : ۲۶۷ ، ۲۶۷ -
 شہت اکھنی : ۲۱۵ -
 شہزاد : ۲۱۰ -
 شجرۃ لہب : ۳۶۵ -
 شرقی (سلاطین) : ۳۱۲ -
 شریمان : ۳۶ -
 شہت جہرام : ۲۷۶ -
 شہیدہ : ۲۳۳ -
 شہیدہ باز : ۱۳۸ -
 شعر : ۵۰ ، ۷۳ ، ۲۳۹ ، ۲۴۳ ،
 ۲۴۴ ، ۲۴۶ -
 شعلہ بازی : ۲۹۲ -
 شکار : ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۶ ، ۲۶ ، ۳۶ ،
 ۳۷ ، ۴۲ ، ۴۸ ، ۴۹ ، ۵۳ ،
 ۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۵ ، ۱۴۸ ،
 ۱۵۰ ، ۱۵۲ ، ۱۵۹ ، ۱۸۰ ،
 ۲۹۳ ، ۳۰۳ -

- شاعر : ۷۵ ، ۷۶ ، ۷۸ ، ۱۲۶ ،
 ۱۳۶ ، ۱۳۹ ، ۱۴۳ ، ۱۵۲ ،
 ۱۵۴ ، ۲۲۸ ، ۲۴۱ ، ۲۴۳ ،
 ۳۰۹ ، ۳۲۸ ، ۳۳۱ ، ۳۳۷ ،
 ۳۴۵ ، ۳۵۴ -
 شاعری : ۳۲۶ ، ۳۶۹ -

ص

- صافقہ : ۳۰۴ -
 صافقہ بازی : ۲۱۵ -
 صافقہ آسانی : ۳ -
 صرف : ۲۷۰ -
 صرف و نحو : ۳۰۸ / ۳۳۲ -
 صرفیہ قواعد : ۳۲۹ -
 صفوف جنگ : ۲۷۳ -
 صلت : ۲۸۲ -
 صلیہ : ۲۸۱ -
 صلیبی جنگ : ۲۶۷ -
 صلیبی مجاہدین : ۷ / ۳۱۳ -
 صلیج : ۲۸۲ -
 صندل : ۱۳۶ / ۱۳۹ / ۱۴۷ -
 صولی : ۱۸۵ -
 صوفیہ : ۱۸۷ -
 صلیحہ : ۳۱۸ -
 صقل : ۲۷۸ / ۳۰۲ -

ض

- ضرب المثل : ۱۳۵ / ۲۸۶ -
 ضرب زن : ۲۶۶ -
 ضائر : ۳۱۸ -

ط

- طباخ : ۲۸۲ -

شکار گاہ : ۱۲۹ -

شکنجہ : ۳۰۲ -

شکاف : ۲۸۱ -

شل (سیل) : ۲۷۹ -

شمسہ : ۱۹۸ / ۱۹۹ / ۲۰۲

شمشیر : ۱۴۳ / ۱۷۰ / ۲۰۱

۲۷۳ / ۲۷۰

شمشیر باز : ۱۳۸ -

شمشیر خاص : ۱۱۰ -

شورہ : ۲۶۶ -

شہادت : ۱۸۵ / ۵۹ -

شہنیر (تحریر) : ۲۸۱ -

شہدے : ۲۷۸ -

شہر آشوب : ۲۶۲ -

شہنائی : ۱۳۶ / ۱۳۵ / ۱۶۲

۲۶۲ -

شہنائے زہردار : ۲۶۵ -

شہید : ۳۳ / ۵۸ / ۱۶۲ / ۱۷۴

۱۸۲ / ۱۸۴ / ۱۹۰ -

شیاطین : ۲۵۳ -

شیخ : ۳۵ / ۸۳ / ۱۹۶ -

شیشہ قنط : ۲۶۵ -

شیشہ لوح : ۱۲۰ -

شیشہ مذہب : ۱۸۶ -

شیر : (دیکھئے شیر جی) -

شیر جی : ۲۸ / ۶۶ / ۱۱۱

۳۶۲ -

عتراده : ۲۲۰ ، ۲۳۱ ، ۲۳۵ ، ۲۳۷

ع ۲۳۹ ، ۲۴۱ ، ۲۵۰ ، ۲۵۲

ع ۲۵۴ ، ۲۵۸ ، ۲۶۳

ع ۲۶۴ ، ۲۸۵ ، ۲۸۹

- ۲۹۰ ، ۲۹۳ ، ۳۰۰

عتراده الدائر : ۲۸۱ ، ۲۸۳

عتراده خفته : ۲۳۷ ، ۲۸۰ ، ۲۸۲

عتراده روان : ۲۳۷ ، ۲۸۲

عتراده گردان : ۲۳۷ ، ۲۸۰

- ۲۸۲

عتراده یک روی : ۲۳۷

عراق گهورلے : ۶۰ ، ۱۲۱

عراق بالندای : ۲۶۹

عرب جغرافیه نگار : ۱۱۶

عربی (زبان) : ۷ ، ۲۱۶ ، ۲۲۹

ع ۲۶۸ ، ۲۳۶ ، ۳۳۷ ، ۳۳۹

- ۳۷۰

عروس : ۱۹۲

عروض داشت : ۱۲۳

عروض لشکر : ۲۷۳

عرووس : ۲۷۰ ، ۲۸۳ ، ۲۹۰

عروضی : ۳۳۲

عصا : ۱۳۵

عقب : ۳۱ ، ۳۲ ، ۷۳

علامت : ۲۷۳

علائق (نوازل) : ۲۷۶

علم : ۲۸۰ ، ۲۸۲

طبق مکمل : ۲۶۶

طبل : ۱۹۹ ، ۲۷۳ ، ۲۸۰ ، ۲۸۲

- ۲۹۲

طبل باز : ۲۸۰ ، ۲۸۲

طبيب : ۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۳۰۲

- ۲۸۰ ، ۲۸۲

طروجا : ۲۳۳

طریق حرب : ۲۷۳

طغان خان (خطاب) : ۸۸

طغرل خان (خطاب) : ۸۸

طلايه : ۲۷۳

طلائی کوقت (بندوق سازی) : ۳۰۲

طوطک الدوقس (اکش بازی) : ۲۶۵

ظ

ظہر : ۱۸۰

ع

عارض : ۱۲۳

عالم (نام) : ۹۱

عبادت الہی : ۳۱ ، ۱۳۸

عبور : ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۳۹ ، ۱۳۵

- ۱۵۳ ، ۱۵۵ ، ۱۶۶

عبور مایہ : ۱۳۸

عجسی لفظ : ۲۲۹

عراق خالہ : ۲۹۰

- غزوہ : ۱۸۹ -
 غسٹال : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -
 غسول : ۱۳۹ -
 غضبان (سنگ) : ۲۸۴ ، ۲۸۵ -
 غلولہ : ۲۴۶ ، ۲۶۶ ، ۲۷۳ -
 ۲۹۴ (لیز دیکھیے گلولہ) -
 غلولہ تفنگ : ۲۹۳ -
 غلغلہ : ۲۴۶ ، ۲۴۷ -
 غوری شاہی خالوانہ : ۳۲۴ -
 غوطہ خوار (آتش بازی) : ۲۹۵ ،
 ۲۹۶ -
 غوطہ خوارک (آتش بازی) : ۲۶۵ -

ف

- فانصہ : ۳۰۸ -
 فارسی (زبان) : ۱۲۴ ، ۱۵۷ ، ۱۶۱ ،
 ۱۷۸ ، ۲۲۰ ، ۲۹۳ ، ۳۳۱ ،
 ۳۳۶ ، ۳۳۷ ، ۳۳۹ ، ۳۵۰ -
 فارسی الفاظ : ۳۵۲ -
 فارسی خوان : ۳۶۶ -
 فتح جنگ (مطاب) : ۹۳ -
 فتح و ظفر : ۲۷۳ -
 فتح ہند : ۱۰۳ -
 فتراک : ۱۰۳ -
 فتوح : ۱۸۶ -
 فقیلہ : ۱۳۹ ، ۲۶۵ ، ۲۶۶ ، ۳۰۱ ،
 ۳۰۲ -

- علم اژدہا پیکر : ۲۴۲ -
 علم ہرستی : ۳۲۰ -
 علم کیمیا : ۲۶۸ -
 علی قل (نام) : ۹۵ -
 عملہ : ۲۸۶ -
 عملہ (و) چاغورگان : ۲۵۸ ، ۲۶۰ -
 عمود : ۲۷۳ -
 عنبر : ۱۳۵ ، ۱۳۸ ، ۱۳۹ ، ۱۴۵ ،
 ۱۵۳ ، ۱۵۵ -
 عود : ۱۳۸ ، ۱۳۹ -
 عہد ابتدائے اسلام : ۸ -
 عہد اکبری : ۳۰۱ ، ۳۳۹ -
 عہد شمسی : ۲۷۲ ، ۲۸۳ -
 عہد مغلیہ : ۹۴ ، ۱۵۸ -
 عہد نامہ : ۳۰۷ ، ۳۳۸ -
 عیار : ۲۶۵ -
 عیار : ۲۷۸ -
 عیسوی (سنہ) : ۳۱۳ -

غ

- غازی : ۱۸۲ -
 غازی خان (مطاب) : ۸۸ -
 غالیچہ : ۱۳۹ -
 غبار : ۲۷۸ -
 غدرک : (دیکھیے تیر غدرک) -
 غزنوی دور : ۱۳۳ ، ۲۷۰ -
 غزلبگی (کبان) : ۲۷۵ -

ق

- قادر الدار : ۲۷۴ -
 قارورہائے نقط : ۲۴۰ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ -
 قارورہ نقط : ۲۵۲ -
 قارورے : ۲۲۵ ، ۲۲۳ ، ۲۶۹ -
 قاصد : ۱۴ ، ۱۴۴ تا ۱۴۶ ، ۵۲ -
 قاضی : ۵۸ ، ۷۲ ، ۱۶۲ -
 قالی : ۱۳۹ -
 قالین : ۱۳۶ ، ۱۳۷ -
 قباچہ (عرف) : ۸۷ -
 قمبر : ۵۸ ، ۷۶ -
 قبلہ - صبح (منہ) : ۲۵۳ ، ۲۵۵ -
 قنبا : ۱۲۵ -
 قنبد : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -
 قدیم تاریخ ہند : ۳۵۳ ، ۳۵۴ -
 قدیم دستاویز : ۶ -
 قرا بغرا : ۲۵۴ -
 قریانی : ۵۸ -
 قرونی : ۱۹۶ -
 قرون وسطیٰ : ۱۵۱ ، ۱۶۰ ، ۲۳۲ ،
 ۲۳۳ ، ۳۵۳ -
 قسم : ۶۰ -
 قشقہ : ۲۶۴ -
 قصر ہوا : ۲۵۹ -
 نصیبہ : ۲۹۱ ، ۳۶۴ -
 قضاتہ : ۹۲ -

- قبیلہ رعد : ۲۶۶ -
 قبیلہ گردان : ۲۹۱ ، ۲۹۲ -
 لدانی : ۲۶۱ -
 قراہین : ۲۰۲ تا ۲۰۴ ، ۳۰۷ -
 فرشتہ : ۳۶۵ -
 فرشتہ نما انسان : ۳۶۵ -
 فرنکی (فلوار) : ۲۷۶ -
 فرودنگہ : ۲۷۳ -
 فرہنگ : ۲۴۵ ، ۲۴۷ -
 فرہنگ نگار : ۲۴۰ ، ۲۴۳ ، ۲۴۴ ،
 ۲۴۹ -
 قرباد : ۵۸ -
 قصیل : ۲۲۶ ، ۲۳۶ ، ۲۵۲ ،
 ۲۵۶ ، ۲۸۱ ، ۲۸۳ ، ۲۸۷ -
 قضیت چہان : ۲۷۳ -
 لعل : ۳۱۸ -
 نظامی : ۲۸۲ -
 قلیہ : ۲۴۷ -
 فلاخن : ۲۳۱ ، ۲۷۳ ، ۲۷۴ ،
 ۲۸۱ تا ۲۹۴ -
 فلاخن متجلیق : ۲۲۴ -
 فلسفی : ۲۶۷ -
 فنونِ شعر : ۳۰۹ -
 فولادی خود : ۲۷۶ -
 فیلسوف : ۲۱۷ -

- کاخ ناپید : ۲۵۹ -
 کارچوی : ۶۰ -
 کاخخانه آتش بازی : ۲۹۶ -
 کاسه زن (تقاربی) : ۲۸۰ + ۲۸۲ -
 کالر : ۲۳ + ۵۹ + ۱۷۵ + ۱۷۷ -
 ۱۸۲ + ۱۸۹ + ۱۹۱ + ۱۹۵ -
 ۱۹۶ + ۲۰۱ -
 کالور : ۲۶۶ -
 کالینگلا : ۲۱۵ -
 کبش : ۲۲۰ + ۲۳۷ -
 کبک انجور : ۲۳۳ -
 کناره (کنار) : ۲۷۸ -
 کتب لاریج : ۹۳ + ۳۵۰ -
 کتبہ : ۹۳ + ۳۷ -
 کنجے : ۲۳۱ + ۳۵۱ + ۳۵۲ + ۳۵۵ -
 ۳۶۳ -
 کنکھر : (دیکھئے کنکھورا) -
 کنکار : ۳۸ + ۷۵ + ۱۶۹ + ۱۹۵ -
 ۲۰۲ -
 کنکاری : ۱۹۸ -
 کٹ گہرہ : (دیکھئے کنکھورا) -
 کنکھورا : ۲۳۵ + ۲۸۵ + ۲۸۸ -
 کچج : ۲۸۳ -
 کجیم : ۲۹۵ -
 کدال : ۲۸۰ -
 کرابکا : ۲۵۳ + ۲۵۵ -
 کرامات : ۱۷۵ -

- قطب : ۲۸۹ -
 قلاجوری : ۲۷۸ -
 قلب : ۳۱ + ۳۲ -
 قلمہ : ۲۴۲ + ۲۴۳ + ۲۴۴ + ۲۴۹ + ۲۵۲ -
 ۲۵۳ + ۲۵۶ + ۲۶۰ + ۲۶۳ -
 ۲۶۶ + ۲۷۰ + ۲۷۲ + ۲۷۸ -
 ۲۷۹ + ۲۸۱ + ۲۸۳ + ۲۸۷ -
 ۲۹۶ + ۲۹۷ + ۲۹۸ + ۳۰۰ -
 قلمہ دار : ۲۸۶ -
 قلمہ شکن آند : ۲۶۳ -
 قلمہ کشانی : ۲۳۵ + ۲۳۹ + ۲۵۵ -
 ۲۸۰ -
 قلمہ گیری : ۲۸۶ -
 قلمانیان : ۱۳۸ + ۱۵۰ -
 قنطار : ۲۳۵ -
 قواعد صرف : ۳۶۹ -
 قواعد غنیت : ۲۷۳ -
 قواعد الہی : ۵۸ -
 قواعد بحر : ۱۳۲ -
 قوس فزح : ۱۳۷ -
 قیاسرہ دوم : ۲۶۶ -
 قیادت : ۱۹۳ -
 قیصر : ۲۲۱ -
 قیلولہ : ۱۳۶ -
 کی
 "کاخ دلکش" : ۱۹۲ -

کرات : ۱۸۳ / ۱۸۱ -
کرناو : ۱۹۹ -
کروڑی (کیان) : ۲۷۵ -
کروڑ (سنگ) : ۲۸۵ / ۲۸۴ -
کرہ : ۲۸۱ -
کڑکیت : ۱۳۹ -
کرلک خان (خطاب) : ۸۸ -
کڑہ : ۲۷۵ -
کڑک : ۲۸۲ -
گشتہ : ۱۳۸ -
کشتی : ۲۳۶ -
کشتی (الشی بازی) : ۲۹۲ -
کشتی : ۲۷۳ -
کشف : ۱۶۵ -
کشک : ۲۴۳ -
کشکچو : (دیکھیے کشکچیر) -
کشکچیر : ۲۴۰ / ۲۴۳ / ۲۴۴ -
۲۸۰ / ۲۸۲ -
کشلو خان (خطاب) : ۲۸۸ -
کشیری (تلوار) : ۲۷۶ -
کعبہ : ۱۲۲ / ۱۹۲ / ۳۲۵ -
گفتار : ۱۸۶ / ۱۸۸ / ۱۸۹ / ۱۹۱ -
۲۵۶ -
گفتگیر : ۲۸۱ -
گفتار (۶) : ۲۸۱ / ۲۸۳ -
گلابرا : ۲۵۵ / ۲۵۴ -
گلان : ۲۸۲ -

کاک (پیر) : ۲۷۳ -
کاکا : (دیکھیے کلمہ) -
کلمہ : ۱۷۵ / ۲۰۱ -
کلند : ۲۸۲ -
کلیات : ۲۴۹ -

کیان : ۲۹ / ۳۹ / ۴۳ / ۵۸ / ۶۲ -
۷۵ / ۷۷ / ۱۰۲ / ۱۲۷ / ۱۲۸ -
۱۶۲ / ۱۶۹ / ۲۳۷ / ۲۴۱ -
۲۴۴ / ۲۴۹ / ۲۵۰ / ۲۵۲ -
۲۶۴ / ۲۷۳ / ۲۷۵ / ۲۷۶ -
۲۸۰ / ۲۸۳ / ۲۹۰ / ۳۶۸ -
کیان تیر : ۲۴۰ -
کیان چرخ : ۲۳۲ / ۲۳۵ / ۲۵۱ -
کیان حکمت : ۲۴۰ -
کیان دار : ۲۴۰ -
کیان وعد : ۲۶۳ / ۲۶۶ -
کیان زلیوزی : ۲۴۵ -
کیان گر : ۲۸۰ / ۲۸۲ -
کیان گاؤ : ۲۵۳ / ۲۵۴ -
کیر : ۲۴۳ -
کلند : ۲۹ / ۱۲۷ / ۱۲۸ / ۲۷۳ -
۲۹۴ -
کسمار : ۲۸۰ -
کسمین گاہ : ۲۷۳ -
کستاس : ۲۸۲ -
کسف : ۲۸۲ -
کندہ (بندوق بازی) : ۳۰۴ -

گ

- گازر : ۲۸۲ -
 گج نال : ۱۲۷ / ۳۰۱ -
 گدر (سلاح جنگ) : ۲۸۱ -
 گدھ : ۲۰۰ -
 گردانک (آتش بازی) : ۲۶۵ -
 گردہ : ۲۸۱ / ۲۸۳ -
 گروز : ۱۶۱ / ۱۶۸ / ۲۶۹ / ۲۸۱ -
 ۲۸۳ / ۲۹۳ -
 گرگیج : ۲۳۵ / ۲۸۴ / ۲۸۵ / ۲۸۸ -
 ۲۹۸ / ۳۰۰ -
 گرو : ۲۴ / ۳۰۹ -
 گرہ چال کا پھل : ۷۰ -
 گز (بندوق سازی) : ۳۰۲ -
 گلاب : ۱۳۶ / ۱۴۵ / ۱۵۳ -
 ۱۵۴ -
 گلال : ۱۳۵ / ۱۳۶ / ۱۳۷ / ۱۵۳ -
 ۱۵۵ / ۱۹۵ -
 گاریز (آتش بازی) : ۲۹۲ -
 گلشن علی (نام) : ۱۸۳ -
 گنگا : ۱۳۸ -
 گولہ : ۲۳۰ / ۲۴۱ / ۲۴۷ -
 گچ شہدا : ۱۹۳ -
 گدھک : ۲۶۶ -
 گنگا جمنی : ۶۱ -
 گوارہ : ۲۸۳ -

- گٹل : ۷۳ / ۷۵ -
 گنگر : (دیکھیے گنگرہ) -
 گنگرہ : ۲۸۳ / ۲۸۹ -
 گنوالا : ۱۱۸ -
 گنیز : ۳۲۳ / ۳۲۷ / ۶۸ -
 گونوال : ۲۸۶ -
 گونج : ۳۷ / ۵۸ / ۲۷۳ / ۲۹۶ -
 گورگہ : ۲۳۹ -
 گورلش : ۳۳ / ۶۴ / ۱۰۸ / ۱۳۱ -
 گوزی باقی : ۶۶ -
 گوشک : ۲۹۲ -
 گوشک نزل : ۲۹۳ -
 گونت : ۱۵۹ -
 گونج : ۶۲ -
 گوہی (کپان) : ۲۷۵ -
 گوی : ۳ -
 گوہرا : ۱۱۱ -
 گوہارہ : ۲۸۳ -
 گوہری : ۳۳ -
 گوہمب : ۵۶ -
 گوہڑا : ۲۰۸ -
 گیشک : ۱۴۶ / ۱۵۶ -
 گیشہولک : ۲۳۱ -
 گیسر : ۱۵۳ -
 گہڑا : ۱۴۶ / ۱۵۶ -

- لیلی : ۲۳۲ -
 لت بازی (پتہ بازی) : ۲۷۳ -
 لسانیات : ۹ ، ۳۱۷ ، ۳۲۱ ، ۳۳۰ -
 لسانیات ہند : ۳۲۱ ، ۳۳۰ -
 لسانی چلو : ۵ -
 لشکر : ۲۷۳ -
 لشکر نقل : ۲۷۲ -
 لعبت (آتش بازی) : ۲۹۲ -
 لعل : ۱۲۱ -
 لغت نگار : ۲۳۱ -
 لوائب (کمانیاں) : ۲۲۹ -
 لویان : ۲۶۶ -
 لولہ : ۱۹۷ ، ۱۹۹ -
 لوبار : ۲۷۹ ، ۲۸۰ -
 لیٹن : ۲۸۲ -

م

- مالہ : ۲۸۰ -
 مارواڑی (زبان) : ۹۱ ، ۳۳۲ -
 ماگدھی (زبان) : ۳۲۲ ، ۳۳۶ -
 مان گوہر (تلوار) : ۲۷۷ -
 ماہران لسانیات : ۳ -
 ماہر تحقیقات : ۳۳۳ -
 ماہر لسانیات : ۳۲۱ -
 ماہر مسکوکات : ۳۲۱ -
 ماہرین ادب : ۳۷۰ -
 ماہرین خطوطات قدیمہ : ۳۳۳ -

- گولہن : ۲۳۲ -
 گوٹ : ۵۳ ، ۶۷ -
 گوجری (زبان) : ۱۳۰ -
 گوئی ادبیات : ۳۳۰ -
 گورکن : ۲۸۰ -
 گوکھ : ۱۳۲ -
 گولنداج (گولہ انداز) : ۲۱۳ ، (کیر)
 دیکھئے گولنداز -
 گولنداز : ۲۰۹ -
 گولہ : ۳۲ ، ۲۰۱ ، ۲۰۹ ، ۲۱۲ ،
 ۲۳۲ ، ۲۳۳ ، ۲۳۴ ، ۲۶۳ ،
 ۲۶۵ ، ۲۹۰ ، ۲۹۳ ، ۲۹۹ -
 ۳۰۱ -
 گولہ بازی : ۲۳۵ -
 گولی : ۳۲ ، ۱۹۶ ، ۲۰۱ ، ۲۰۹ ،
 ۲۳۰ ، ۲۶۵ ، ۳۰۲ -
 گھڑ چڑھ : ۶۱ -
 گھٹھے : ۱۳۶ -
 گھوڑا (ہندوستانی) : ۳۰۲ -

ل

- لاٹ : ۵۹ -
 لاطینی (زبان) : ۲۳۲ ، ۲۳۳ ، ۳۲۰ -
 لاپ زن : ۵۶ -
 لال پیلا ہونا : ۵۸ -
 لاہوری (زبان) : ۳۳۹ -
 لاہوری (کمان) : ۲۷۵ -

- مبارزت : ۲۷۳ -
 مبلغ : ۳۱۹ -
 متاخرین : ۲۲۲ + ۱۲۵ -
 متنبی : ۱۳۳ -
 مغرب : ۲۸۲ + ۳۸۰ -
 متقین : ۲۳۶ -
 مظال : ۲۶۵ -
 مجاہد : ۲۹۵ + ۱۸۳ + ۱۸۲ + ۱۸۰ -
 مجرا : ۱۳۶ -
 محاصرہ : ۲۸۵ + ۲۸۴ + ۲۵۶ -
 ۲۸۸ + ۲۹۸ + ۳۰۰ -
 محاصرین : ۲۸۵ -
 محافظ : ۲۸۷ -
 محاورے : ۲۹۳ -
 محدث : ۱۷۹ -
 محراب : ۳۳۵ -
 محرق آلے : ۲۲۰ -
 محفل غمروی : ۱۳۸ -
 محققین : ۳ -
 محل سرا : ۳۰۲ + ۱۳۹ + ۱۳۵ -
 حد شاہی عہد : ۱۳۱ -
 خبر : ۱۳۳ + ۶۸ + ۳۲ -
 خطوطہ : ۲۱۰ -
 علیہن خان (خطاب) : ۸۸ -
 مدح : ۲۹۱ -
 مدح سرائی : ۵۳ -
 مدحیہ کتبہ : ۳۶۳ -
 مذہب : ۲۶۷ -
 مرتب : ۲۱ + ۱۳ + ۱۸ + ۲۰ + ۲۱ -
 ۲۹ + ۳۶ + ۳۳ + ۳۹ + ۵۳ -
 ۶۱ + ۶۳ + ۷۱ + ۱۱۱ + ۱۷۱ -
 ۲۰۲ + ۲۳۸ + ۲۵۳ + ۲۵۵ -
 ۲۷۷ -
 مرتبین : ۱۸۱ + ۵ -
 مرابین ولسا : ۱۹ -
 مراد : ۲۵۵ -
 مردنگ : ۱۳۶ -
 مسائل حیدرہ : ۲۳۷ -
 مستشرقین : ۳۳۰ -
 مستشرقین مغرب : ۳۲۰ -
 مستوی : ۱۲۳ -
 مسجداۓ دولابی : ۲۸۲ + ۲۸۰ -
 مسکوکات : ۳۲۱ + ۱۲۶ -
 مسلح : ۱۹۵ -
 مسلمان ملاطین : ۳۳۰ -
 مسلمان طبیب : ۱۲۸ -
 مسلمان مورخ : ۳۳۸ -
 مسلمان مورخین : ۳۲۳ + ۸۳ + ۵ -
 ۳۲۵ + ۳۲۸ + ۳۵۳ -
 مسلمان الفاظ : ۲۳۰ + ۳۳۹ + ۱۵۳ -
 مسلمان تاریخ : ۱۰۳ + ۱۶۶ -
 مسلمان تاریخی : ۳۲۳ -
 مسلمان زبانیں : ۳۲۱ -
 مسلمان سلطنتیں : ۳۳۹ -

۱۲۷۳ : ۲۸۲ : ۲۹۹ : ۳۰۴

۳۰۴ : ۳۰۸ : ۳۲۴ : ۳۳۹

۳۳۵ : ۳۴۷ : ۳۵۵ : ۳۶۴

- ۳۶۶

مصنفین : ۱۹۲ : ۲۳۳ : ۲۴۴

۲۵۶ : ۲۶۷ : ۲۹۱ : ۳۲۷

- مطبخ : ۲۸۳

- مطرب : ۲۸۱ : ۲۸۳

- معاصر دستاویز : ۹۳

- مغرب : ۲۴۶

- مغرب (یورپ) : ۶ : ۲۶۷

مغربی (مستشرقین) : ۲۴۷ : ۲۸۴

- ۲۸۷

- مغربی اصول تحقیقات : ۳۰۷

- مغربی اہل قلم : ۹

- مغربی دیہستان : ۳۱۰

- مغربی ذرائع : ۲۳۰ : ۲۳۱

- مغربی علما : ۳۲۵ : ۳۴۲

- مغربی محققین : ۲۱۹

- مغربی مصنفین : ۴ : ۲۶۷

- مغربی معتقدین : ۵

- مغربی مفتشین : ۳۳۰

- مغربی مورخین : ۲۱۳

- مغل راج : ۳۶۹

- مغل سلاطین : ۱۳۷

- مغل سلطنت : ۳۶۸

- مغل عہد : (دیکھئے مغلیہ عہد) -

مسلمان عہد : ۲۲۰ -

مسلمان فن تعمیر : ۴۳۵ -

مسلمان فوج : ۱۶۹ : ۱۷۳ -

مسلمان سودخ : ۳۲۵ -

مستی مکتبے : ۱۲۶ -

مشرق (ایشیا) : ۲۶۸ -

مشرقی ممالک : ۲۶۲ -

مشمول : ۶۰ : ۲۸۰ : ۲۸۲

- مشعلہ : (دیکھئے مشعل) -

- مشک : ۱۳۶ : ۱۳۹

- مشکین کسا : ۶۲ -

- مشیر : ۱۱۶ -

- مشین : ۲۳۴

- مشینا : ۲۲۳

- مشینیں : ۲۲۵

- مصاحب : ۵۴

- مصحف : ۱۶۲

مصنف : ۱ : ۸ : ۹ : ۲۹ : ۸۷

۸۹ : ۹۱ : ۹۳ : ۹۷ : ۱۰۱

۱۰۳ : ۱۱۱ : ۱۱۶ : ۱۱۷ : ۱۱۷

۱۱۹ : ۱۲۱ : ۱۲۳ : ۱۲۶

۱۲۸ : ۱۳۱ : ۱۳۹ : ۱۴۲

۱۴۵ : ۱۴۷ : ۱۴۸ : ۱۵۰

۱۵۳ : ۱۵۶ : ۱۵۸ : ۱۶۱

۱۶۴ : ۱۷۷ : ۱۸۲ : ۱۸۹

۱۹۰ : ۲۱۵ : ۲۲۹ : ۲۳۰

۲۳۴ : ۲۶۵ : ۲۶۷ : ۲۷۲

- مقلیدہ : ۲۸۰ / ۲۸۲ -
 منجمیق : ۲۲۹ -
 منجنوق : ۲۲۹ -
 منجنیق : ۲۲۰ / ۲۲۱ / ۲۲۳ -
 ۲۳۵ / ۲۳۸ / ۲۳۰ / ۲۳۳ -
 ۲۵۰ / ۲۵۶ / ۲۵۸ / ۲۶۰ -
 ۲۶۳ / ۲۶۴ / ۲۶۹ / ۲۷۲ -
 ۲۸۰ / ۲۹۰ / ۲۹۳ -
 منجنیق ارمالیوس : ۲۲۱ -
 منجنیق انداز : ۲۲۱ -
 منجنیق اندازی : ۲۵۹ / ۲۷۱ -
 منجنیق دیو : ۲۳۰ -
 منجنیق روان : ۲۳۰ -
 منجنیق ساز : ۲۲۲ / ۲۲۳ -
 منجنیق عروس : ۲۲۱ / ۲۳۰ -
 منجنیق غوری دار : ۲۳۰ -
 منجنیق گردان : ۲۲۷ -
 منجنیقی : ۲۲۳ / ۲۲۵ / ۲۲۱ -
 ۲۳۳ -
 منجنیق استاد : ۲۲۲ -
 مندر : ۵۷ / ۱۲۱ / ۳۳۵ / ۳۶۳ -
 ۳۶۹ / ۳۶۳ -
 منصب : ۹۵ / ۱۳۱ / ۱۳۲ -
 منصب دار : ۸۸ -
 منگولیا : ۲۳۳ -
 منگولنے : ۳۶۹ -
 منگولیا : ۲۳۳ -
- مقلیدہ دربار : ۱۳۸ / ۱۴۰ / ۱۴۵ -
 مقلیدہ دور : ۹۳ -
 مقلیدہ زمانہ : ۱۳۵ -
 مقلیدہ سرکار : ۱۱۶ -
 مقلیدہ عبد : ۱۱۵ / ۱۱۶ / ۱۲۰ -
 ۱۲۲ / ۱۲۳ / ۲۰۳ -
 مقلیدہ فوج : ۲۲۳ -
 مقلیدہ لشکر : ۲۲۲ -
 مقالہ : ۳۴۱ -
 مقبر (الوار) : ۲۷۷ -
 ملک (زویین) : ۲۸۱ / ۲۸۳ -
 ملک : ۷۶ / ۱۶۲ -
 ملجوز : ۲۵۸ / ۲۵۹ / ۲۸۳ -
 ملجوز : ۱۳ / ۵۹ / ۷۳ / ۱۶۸ -
 ملجوز : (دیکھو لیر ملجوز) -
 ملحد : ۲۸۵ -
 ملک (خطاب) : ۸۷ / ۸۸ -
 ملک الشعرا : ۳۵۳ -
 ملک حیان : ۱۹۲ -
 ملوک : ۸۷ / ۸۸ -
 ملوک افراسیاب (ملک خانی) : ۱۱۹ -
 ملوک غور : ۳۲۶ -
 ملوک نیم روز : ۱۳۲ -
 ملوک اسلام : ۱۱۷ / ۱۱۹ -
 ملوک ہروہ : ۲۹۶ -
 متارہ فتح : ۳۱۲ -
 منصب : ۱۸۳ -

میر (معنی سلطان) : ۳۲ ، ۳۳ ، ۱۵۰ -

میر (لقب) : ۳۲۵ -

میر آتش (عہدہ) : ۹۴ -

میر سامان : ۲۳۵ -

میر شکار : ۳۰۳ -

میسرہ : ۳۱ ، ۵۲ -

میچمہ : ۳۱ ، ۵۲ -

ن

نائک : ۳۶۴ ، ۳۶۵ ، ۳۶۷ -

ناجیغ : ۲۷۳ ، ۲۷۸ -

نادر تالیف : ۲۷۲ -

ناری بیس لر (اردا بیگنی) : ۱۳۸ ، ۱۴۹ -

ناظم : ۱۷۷ -

نائد مشک : ۱۳۲ -

نائد : ۲۱۶ -

نائد بندی : ۳۸ -

نال : ۳۰۱ ، ۳۰۲ -

نال (بہر) اٹھانا : ۲۷۳ -

ناوک : ۲۳۸ ، ۲۳۹ ، ۲۵۹ ، ۲۶۲ -

ناوک : ۲۸۱ ، ۲۸۳ ، ۲۹۰ -

ناوک انکن : ۲۹۵ -

ناوک انداز : ۲۸۱ ، ۲۸۴ ، ۲۹۵ -

ناوک اندازی : ۲۳۵ -

ناوک نے : ۲۴۹ -

ناپک : ۳۲ -

نوج دریا (تلوار) : ۲۷۷ -

نوزن : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -

نورجل : ۳۰۰ -

نورخ : ۸۶ ، ۸۹ ، ۱۶۶ ، ۱۸۴ -

نورخ : ۲۱۹ ، ۲۵۳ ، ۶۱ ، ۲۶۳ -

نورخ : ۲۶۷ ، ۲۷۲ ، ۲۹۲ ، ۲۹۳ -

نورخ : ۲۹۸ -

نورخین : ۳ ، ۴ ، ۱۱۵ ، ۱۲۳ -

نورخین : ۲۵۵ ، ۵۵۶ ، ۲۹۵ ، ۲۹۷ -

نورخین : ۳۷۰ ، ۳۷۷ -

نورخین بند : ۳۵۳ -

نوسقی : ۱۳۸ ، ۲۸۱ -

نوش ذہبا : ۲۸۰ ، ۲۸۳ -

نوشک (آتش بازی) : ۲۶۵ -

نوی تاب : ۲۸۰ ، ۲۸۲ -

نہایت : ۷۰ -

نہاتا : ۳۲۰ -

نہاجن : ۶۸ ، ۱۴۹ ، ۳۳۳ -

نہاراج : ۳۷ -

نہاراجا : ۶۲ -

نہاوت : ۳۶ ، ۳۸ ، ۶۲ ، ۱۵۲ -

نہناب (آتش بازی) : ۲۹۲ -

نہنرس : (دیکھیے مٹرس) -

نہرۃ ناجیغ : ۲۷۸ -

نہنلات : ۴۳ -

نہننس : ۲۴۳ -

نہورت : ۴۶ -

نہدان چنگ : ۲۷۳ -

لپی : ۲۰۰ -
 نیر (نیر = سناسی) : ۲۸۱ / ۲۸۲ -
 نجوم : ۳۳۶ -
 نجومی : ۸۳ / ۳۳۱ -
 لذر : ۷۱ -
 نربانی : ۲۷۹ -
 نردبان : ۲۵۲ / ۲۵۳ / ۲۸۲ -
 نربال : ۳۰۱ -
 نسابین : ۳ -
 نسب نامہ : ۳۰۹ / ۳۳۳ / ۳۳۷ -
 ۳۵۵ / ۳۶۲ -
 نسب نامے : ۳۳۳ / ۳۳۷ / ۳۴۷ -
 نشان : ۱۶۲ / ۱۳۵ / ۳۲ -
 نشان کا بالہی : ۵۷ -
 نظام سلطنت : ۳۰۸ -
 نعل بند : ۲۸۰ / ۲۸۲ -
 نعت سیاہ : ۲۱۶ / ۲۱۸ / ۲۵۰ -
 ۲۵۷ / ۲۵۷ -
 لفظ : ۲۲۰ / ۲۲۵ / ۲۳۸ / ۲۳۹ -
 ۲۵۰ / ۲۵۲ / ۲۵۵ / ۲۵۷ -
 ۲۶۱ / ۲۶۷ / ۲۷۰ / ۲۹۱ -
 ۲۹۲ -
 لفظ انداز : ۲۲۲ / ۲۲۳ / ۲۲۶ -
 ۲۶۳ / ۲۸۱ / ۲۸۳ / ۲۹۱ -
 ۲۹۲ -
 لفظ اندازی : ۲۶۸ -
 لفظ بار : ۲۶۹ -
 لفظ سیاہ : (دیکھئے لفظ سیاہ) -
 لفظ فارسی : ۲۶۶ -
 لقیہ : ۲۸۹ -
 لقیہی : ۱۳۵ / ۱۶۲ -
 لقا : ۳۱۲ / ۳۱۹ / ۳۲۹ -
 لقاہ مورخ : ۳۳۵ -
 لقاہ : ۳۲ / ۳۵ / ۱۳۵ / ۳۹ -
 ۲۸۰ / ۲۹۳ / ۳۳۸ -
 لقاہ جنگ : ۳۱ -
 لقب : ۲۵۰ / ۲۵۶ / ۲۵۷ / ۲۶۰ -
 ۲۶۱ / ۲۸۱ / ۲۸۳ / ۲۸۸ -
 لقبی : ۲۵۵ -
 لقب زن : ۲۲۶ / ۲۵۶ / ۲۵۹ -
 لقب زنی : ۲۳۹ / ۲۵۵ / ۲۵۶ -
 ۲۵۹ / ۲۶۱ / ۲۷۰ -
 نقل و حرکت : ۲۷۳ -
 نقیب : ۶۱ / ۱۳۵ / ۱۳۷ / ۱۳۹ -
 ۱۳۵ / ۲۸۳ / ۳۰۸ -
 لکڑی : ۶۸ / ۱۳۹ -
 نماز : ۵۸ / ۵۹ / ۱۶۲ / ۱۶۳ -
 ۳۶۸ -
 نماز پیشین : ۲۷۰ -
 نمازگرو : ۲۸۰ / ۲۸۲ -
 نامی (کائنات) : ۳۶۲ -
 نوابین (نماز) : ۱۷۵ (بہر دیکھئے نماز) -
 نوبت : ۱۳۵ / ۱۶۲ -
 نو مسلم : ۹۷ -
 نے : ۲۳۸ / ۲۵۹ / ۲۸۱ / ۲۸۳ -
 ۲۹۶ -

لپی : ۲۰۰ -
 نیر (نیر = سناسی) : ۲۸۱ / ۲۸۲ -
 نجوم : ۳۳۶ -
 نجومی : ۸۳ / ۳۳۱ -
 لذر : ۷۱ -
 نربانی : ۲۷۹ -
 نردبان : ۲۵۲ / ۲۵۳ / ۲۸۲ -
 نربال : ۳۰۱ -
 نسابین : ۳ -
 نسب نامہ : ۳۰۹ / ۳۳۳ / ۳۳۷ -
 ۳۵۵ / ۳۶۲ -
 نسب نامے : ۳۳۳ / ۳۳۷ / ۳۴۷ -
 نشان : ۱۶۲ / ۱۳۵ / ۳۲ -
 نشان کا بالہی : ۵۷ -
 نظام سلطنت : ۳۰۸ -
 نعل بند : ۲۸۰ / ۲۸۲ -
 نعت سیاہ : ۲۱۶ / ۲۱۸ / ۲۵۰ -
 ۲۵۷ / ۲۵۷ -
 لفظ : ۲۲۰ / ۲۲۵ / ۲۳۸ / ۲۳۹ -
 ۲۵۰ / ۲۵۲ / ۲۵۵ / ۲۵۷ -
 ۲۶۱ / ۲۶۷ / ۲۷۰ / ۲۹۱ -
 ۲۹۲ -
 لفظ انداز : ۲۲۲ / ۲۲۳ / ۲۲۶ -
 ۲۶۳ / ۲۸۱ / ۲۸۳ / ۲۹۱ -
 ۲۹۲ -
 لفظ اندازی : ۲۶۸ -
 لفظ بار : ۲۶۹ -
 لفظ سیاہ : (دیکھئے لفظ سیاہ) -

ولی الهند : ۱۸۷ -

ویج منتر : ۷۶ -

ویل منتر : ۲۳ -

۵

باتک : ۹۸ / ۱۹۳ / ۱۹۳ -

باک : ۳۶ - (نیز دیکھیے باتکا) -

باتکا : ۱۵۱ / ۱۵۲ -

بتھناو : ۱۲۷ / ۲۱۳ -

بتھناوی : ۲۱۰ تا ۲۱۳ -

بتھنالی : ۱۲۷ / ۲۰۹ / ۲۱۳ / ۲۱۳ -

بتھن نار : (دیکھیے بتھناو) -

بتھیار : ۶۳ / ۲۷۹ / ۲۹۴ -

بجرت : ۹۷ / ۹۸ / ۲۴۳ -

بجری (سنہ) : ۱۰۱ / ۱۱۶ / ۱۱۸ -

۱۲۳ / ۱۲۶ / ۱۲۸ / ۱۳۱ -

۱۵۴ / ۱۸۳ / ۱۹۰ / ۲۶۷ -

- ۲۹۹

بدف : ۷۶ / ۱۶۲ / ۲۸۹ / ۲۹۳ -

براول : ۳۸ / ۳۱ / ۳۲ / ۳۸ / ۶۱ -

۶۲ / ۷۳ / ۷۴ / ۲۱۶ / ۲۵۳ -

باللیچہ کے مرتبان : ۲۶۹ -

بیمیر : ۱۲۶ -

بن (سکھم) : ۲۸۶ -

بن برستا : ۲۸۶ -

بنہ قدیم : ۲۲۰ / ۲۵۴ -

بنو اساطیری روایات : ۱۱۱ -

بنو ہواٹ : ۱۲۲ -

لیام : ۳۴۴ -

نیت استھان : ۱۳۶ -

لیوزہ : ۵۵ / ۵۵ / ۶۱ / ۱۰۶ -

۱۶۸ / ۱۶۹ / ۱۸۰ / ۱۹۵ -

۲۰۱ / ۲۳۶ / ۲۴۷ / ۲۴۸ -

۲۵۱ / ۲۶۹ / ۲۷۳ / ۲۷۸ -

۲۷۹ / ۲۸۱ / ۲۸۲ -

لیزہ خطی : ۲۷۹ -

لیزہ - دلفانہ دار : ۲۸۲ -

لیزہ سردگیر : ۲۸۰ / ۲۸۲ -

لیہم : ۱۳۵ / ۱۳۷ -

لیل مابی : ۱۶۳ -

لیم چرخ : ۲۸۰ / ۲۸۲ -

لیم لیزہ : ۲۷۹ / ۲۸۳ -

لے نلوک : ۲۴۹ -

لی لیزہ : ۲۴۶ -

۶

واسطہ العقد : ۳۶۴ -

وجیری (عرف) : ۸۷ -

ورلیکلر عذبات : ۴ -

وژوا : ۹۲ تا ۹۴ -

وژیر : ۱۶ / ۲۹ / ۳۱ / ۳۴ / ۶۰ -

۹۳ / ۹۶ / ۹۷ / ۱۰۸ / ۱۴۰ -

۱۴۲ / ۱۵۸ / ۲۶۰ -

وضو : ۱۸۰ -

وکول : ۱۵۸ -

ولی : ۵۹ / ۱۷۷ / ۱۹۲ -

- هندو تاریخ و ادب : ۵ -
 هندو تمدن : ۱۵۷ -
 هندو تنجیم : ۳۳۶ -
 هندو دیوتا : ۱۷۶ -
 هندو راج : ۱۱۱ -
 هندو راجگان : ۱۵۸ -
 هندو رزمیه : ۱۰۸ ، ۱۷۳ -
 هندو روایت : ۱۷۳ -
 هندوستان زا : ۲۷۳ -
 هندوستانی امور : ۲۷۳ -
 هندوستانی زندگی : ۱۶۰ -
 هندوستانی فرهنگ نگار : ۲۳۳ -
 هندوستانی مصنفین : ۲۹۱ -
 هندو عهد : ۱۵۷ -
 هندو فضیلا : ۹ -
 هندوی (کبان) : ۲۷۵ -
 هندویات : ۱۶۵ -
 هندی (زبان) : ۲۹ ، ۹۸ ، ۱۹۸ ،
 ۳۳۱ ، ۳۳۹ ، ۳۴۰ -
 هندی (تلوار) : ۲۷۶ -
 هندی ادب : ۳۰۷ -
 هندی ادبیات : ۳۱۱ -
 هندی الفاظ : ۲۹۳ -
 هندی تصنیفات : ۱۲۶ ، ۳۳۶ -
 هندی رزمیه : ۳۳۱ -
 هندی زبانیں : ۳۲۱ -
 هندی شاعر : ۳۰۰ -
 ہندی کلمہ : ۱۲۶ -
 ہندی مآخذ : ۱۶۶ -
 ہوائی (آتش بازی) : ۲۹۲ ، ۲۹۳ ،
 ۲۹۶ -
 ہوشنگ : ۲۳۵ -
 ہولی : ۱۵ -
 ہسون : ۳۶۳ -
 ہون پار : ۷۶ -
 ہوزم : ۲۸۲ -
 ی
 یاقوت : ۱۳۶ ، ۱۳۷ -
 یزدای : ۲۵۱ -
 یعقوب (نام) : ۹۱ -
 یگیہ : ۱۷ ، ۲۶۳ ، ۳۶۷ -
 یلدز (عرف) : ۸۷ -
 یلقار : ۶۱ -
 یمانی (تلوار) : ۲۷۶ -
 یوجن : ۸۱ -
 یوزیک (عمدہ) : ۸۷ -
 یوسف (نام) : ۹۱ -
 یوگراج : ۳۰ -
 یون : (دیہکھے لونی) -
 یونانی (زبان) : ۳۲۰ -
 یولائی آگ : ۲۶۶ ، ۲۶۷ -
 یونی (مسلمان) : ۲۵ ، ۳۲ ، ۳۸ ،
 ۵۱ ، ۵۲ ، ۷۳ ، ۷۴ ، ۳۴۹ -